UNIVERSAL
LIBRARY

OU_226170

UNIVERSAL
LIBRARY

قال رسول اللہ تعلموا الفرائض وعلموھا الناس

علم فرائض مین اُردو کی بہترین کتاب

شرح سراجی

مصنفہ

مولوی محمد نجم الغنی خان صاحب ساکن رامپور روہیلکھنڈ ابن
مولوی عبدالغنی خان خلف مولوی عبدالعلیخان پسر مولوی عبدالرحمن خان
ولد مولنا حاجی محمد سعید خان محدث شاگرد حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی

سرکاری پریس ریاست رامپور مین چھپی

فہرست مضامین شرح سراجی

نمبر شمار	مضمون	نمبر صفحہ
۱	ترتیب حقوق ترکہ	۱۴
۲	تمام آیات قرآنی سے فرائض کا استنباط	۲۰
۳	فصل فی الموانع	۳۵
۴	باب معرفۃ الفروض	۴۱
۵	مردان صاحب فروض	۴۴
۶	فصل فی النساء	۵۲
۷	مسئلہ تشبیب	۵۶
۸	باب العصبات	۹۰
۹	مولائے عتاقہ	۱۰۱
۱۰	باب الحجب	۱۰۹
۱۱	تذییل ساقطین کی توضیح میں	۱۱۷
۱۲	باب مخارج الفروض	۱۱۸
۱۳	باب العول	۱۲۶
۱۴	فصل تماثل تداخل توافق تباین میں	۱۳۳
۱۵	باب التصحیح	۱۴۰
۱۶	فصل تصحیح کے طریقوں میں	۱۵۳
۱۷	تکملہ وصیت کے متعلق تصحیح میں	۱۵۵
۱۸	فصل فی قسمۃ التراکات بین الورثۃ واشباہ	۱۵۸
۱۹	فصل فی التخارج	۱۶۸
۲۰	باب الرد	۱۷۱
۲۱	باب المقاسمۃ	۱۸۰
۲۲	باب المناسخۃ	۱۹۱
۲۳	باب ذوی الارحام	۲۱۱
۲۴	فصل فی الصنف الاول	۲۲۵
۲۵	فصل تتمہ پہلے قسم والوں کے مباحث کا	۲۳۹
۲۶	فصل فی الصنف الثانی	۲۴۲
۲۷	فصل فی الصنف الثالث	۲۴۶
۲۸	فصل فی الصنف الرابع	۲۵۷
۲۹	فصل فی اولادہم	۲۶۱
۳۰	فصل فی الخنثی	۲۷۲
۳۱	فصل فی العمل	۲۸۳
۳۲	فصل فی المفقود	۲۹۸
۳۳	فصل المرتد	۳۰۸
۳۴	فصل فی الاسیر	۳۱۷
۳۵	فصل فی الغرقی والحرقی والہدمی	۳۱۱
۳۶	فصل تشابہ فرائض کے بیان میں	۳۱۹
۳۷	فصل قرابات مشتبہ کے بیان میں	۳۲۴
۳۸	فصل فرائض کے بعض مسائل ملقبہ کے بیان۔	۳۲۵

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یوں تو عموماً علوم دینیہ کا سیکھنا سکھانا فرض ہے مگر یہ علم افرض جسکی اہمیت اسکے نام سے ظاہر ہے جمیع انواع علوم مین ایک خاص امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ ملت اسلام کا ہر پیرو بلا تخصیص مذہب عام اس سے کہ حنفی ہو یا شافعی سنی ہو یا شیعی سب اسکی طرف بکسان محتاج ہین۔ گویا علمی دنیا کا یہ مرکز ہے جسکی طرف تمام فرق اسلامیہ مساوی درجہ کی نسبت رکھتے ہین۔ یا بعض غیر مسلم اہل حل وعقید بھی اس کے بہترین اصول سے مستفید ہونے مین مسلمانون کے قدم بقدم ہین اس خصوصیت کے لحاظ سے کہا جاسکتا ہی کہ ہر ملک کے مسلمانون کا فرض ہے کہ اپنی اپنی زبان مین فن اصول کی کتابین لکھکر اس حق سے سبکدوش ہون۔ چنانچہ علمار نے اس ضرورت کا احساس کرکے عربی فارسی اور اردو مین اس فن کی متعدد کتابین لکھی ہین۔ مگر باوجود اس کے ابھی تک اس کی ضرورت باقی تھی کہ اردو مین ایک ایسی مفصل اور مبسوط کتاب صاف اور عام فہم زبان مین لکھی جائے جس کی مدد سے تھوڑی قابلیت والا بھی بلا کسی رہنما کے اس مشکل راستے کو بسہولت طے کرسکے۔ اسی مقصد کو پیش نظر رکھکر مولانا **نجم الغنی صاحب** نے جو بارہا اس میدان مین اپنی اثر آفرینی کے جوہر دکھا چکے ہین اور ان کی تصنیف و تالیف سے کثیر التعداد کتابین چھپکر قبولیت عامہ کا تمغہ حاصل کرچکی ہین۔ اس فن کے معتبر و مستند رسالہ سراجیہ کی شرح لکھکر اس ضرورت کو پورا کیا ہے۔ درحقیقت صاحب موصوف نے نہ صرف اپنا بلکہ اپنے سلف کا بھی نام روشن کردیا اور خلف کے لئے ایک ایسا راستہ نکالدیا کہ اگر وہ کچھ بھی ہمت سے کام لین اور تھوڑی سی تکلیف بھی گوارا کرین تو گو اہل علم کا قافلہ بہت دور نکل گیا ہے مگر اس کا پالینا دشوار نہین ہے شرح کی خوبی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ علاوہ نفس مطلب حل کرنے کے جو امور قابل تشریح تھے ان کو نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اگر کوئی مسئلہ کسی دوسرے فن کا آگیا ہے تو اس فن کی معتبر و مستند کتابون سے بڑی کد و کاوش کے ساتھ اسکی تحقیق و تنقیح کی ہے۔ اختلافی مسائل مین تمام علمار کے اقوال لکھکر جو سب سے قوی اور بہتر قول پایا ہے اسکو ترجیح دی ہے اور صرف اسی پر قناعت نہین بلکہ دلائل عقلی و نقلی سے بھی اسکی قوت و ترجیح کا ثبوت دیا ہے اکثر اصطلاحات فن کو بھی بیان کردیا ہے غرض کتاب کو **من کل الوجوہ** کامل بنا دیا ہے کہ اسکے بعد کسی دوسری کتاب کے دیکھنے یا استاد سے پوچھنے کی ضرورت باقی نہین رہتی۔ ہان اگر بمقتضاء بشریت کوئی فروگذاشت ہوگئی ہو تو ایک خاصہ انسانی ہے جس سے مفر کی کوئی صورت نہین۔

وللہ الحمد اولا واخرا

رشید احمد مجددی تحویلدار کتب خانہ ریاست رامپور

یو۔ پی۔

اسمائ ان کتب کے جو خاص علم فرائض مین ہین اور اُن سے اس شرح مین مدد لیگئی ہے
اور اُن مین سے اکثر کتب خانۂ ریاست رامپور مین نظر سے گزری ہین۔

کتب عربی

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۱	شریفیہ	سید شریف علی بن محمد الجرجانی	۱۳	شرح سراجی	شیخ الاسلام سیف الدین احمد بن یحیی بن محمد مشہور بہ حفید التفتازانی ہروی
۲	شرح رحبیہ	مفتی الحرمین شیخ عبد الرحمن			
۳	ایضاً	رضی الدین ابوبکر بن احمد البستی	۱۴	فوائد الصنعیہ شرح الفرائض الرحبیہ	لم اقف
۴	شرح فصول المہمہ فی مواریث الامہ	ابو الطیب بدر الدین محمد بن سبط ماردینی فاکہانی شافعی	۱۵	فوائد الشنشوریہ شرح ارجوزۃ الرحبیہ	شیخ جمال الدین شنشوری شافعی
۵	شرح رائض الفرائض	شیخ یوسف الاسیرازہری	۱۶	تحفہ خیریہ حاشیہ فوائد الشنشوریہ	شیخ ابراہیم باجوری
۶	شرح بسیط	مولوی وجیہ الدین گجراتی	۱۷	شرح السراجی	ابو العلاء محمد بن احمد بستی مشتہر بالفخر الخراسانی (کہین فخر الخراسانی نظر سے گذرا ہے)
۷	لور لور الحسنیہ علی الفوائد الشنشوریہ	محمد بن علی بن محمد شافعی			
۸	تحفۃ الاذکار المالمیہ شرح البسط الرحبیہ	علی بن عبد البر حسینی وفائی شافعی			
۹	حاشیہ شرح سبط	محمد بن عمر البقری	۱۸	شرح سراجی	شمس الدین بن سلیمان معروف بہ ابن کمال پاشا
۱۰	ضوء السراج	ابو العلا محمود بن ابی بکر بن ابی العلا بخاری کلہ آبادی	۱۹	شرح سراجی	علامہ سعد الدین مسعود بن تفتازانی
۱۱	شرح خلاصۃ الفرائض	عبد الملک بن عبد الوہاب مکی حنفی۔	۲۰	شرح سراجی	ابو بکر محمد بن حسین بن محمد بخاری۔ چونکہ قاضی ابی ثابت محمد بن احمد کے بھانجے تھی اسوجہ سے "خواہرزادہ" کے لقب سے مشہور ہوئے۔ انکو شیخ الاسلام بھی کہتے ہین
۱۲	غایۃ الوصول الی علم الفصول یہ اختصار ہے تعلیقات الفصول المہمہ فی علم مواریث الامہ کا۔	شیخ ابو یحیی زکریا انصاری شافعی۔			

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۲۱	شرح سراجی موسوم بہ نور السراج	محمد بن عمر بن علی عادی
۲۲	شرح سراجی	عفیف گارزونی
۲۳	کفایۃ الفرائض	ابو العباس شہاب الدین ابن ہائم۔
۲۴	خلاصۃ الفرائض شرح سراجی منظوم	عبد الملک ابن عبد الوہاب
۲۵	شرح سراجی	شہاب الدین احمد بن محمد سیواسی مصری حنفی۔

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۲۶	نظم الدرالمنثور فی علم المناسخات بالصحیح و الکسور	شیخ شہاب الدین احمد بن موسیٰ بن عبد الغفار
۲۷	شباک	محمود ابو البرکات البجونی مالکی
۲۸	مجموع الکلائی	ابو عبد اللہ شمس الدین محمد بن شرف الدین قرشی الزبیری الکلائی الشافعی
۲۹	شرح سراجی شرح سراجی	اکمل شمس الائمہ سرخسی
	شرح المقربہ	عبد الملک بن عبد الوہاب ناکی حنفی

کتب بزبان فارسی

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۱	رسالہ علم الفرائض	مولوی شرف الدین محمدؒ
۲	فتاوی المیراث معروف بہ شرح نظم الفرائض	مولوی محمد یوسف ابو الحامد سندیلی اصل گوپامئوی مولد
۳	فرائض اعظمیہ	مولوی سید اعظم الدین معروف بہ مولوی بخاری
۴	فرائض عجیبہ	مولوی نور الحق
۵	فرائض شرفی	مولانا شرف الدین مقتول کی کتاب "فتاوای" تہذیب کا ایک حصہ ہے۔
۶۰	رضوانی۔ شرح میراث نامہ	محمد علی بن محمد قاسم الطبرسی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الملک الدیان المتفضل علی عبادہ بالجود والکرم والاحسان الخبیر بما یخطر فی الضمیر ویختلج فی الجنان فضل العبید بعضھم علی بعض کما جاء فی الفرقان الذی خلق الانسان وعلمہ البیان وسخر الشمس والقمر بحسبان فاعتبروا یا اولی العقول والعرفان خص قوما باسباب القربۃ فھم مقربون وللخیر وارثون ومنع قوما باسباب البعد والحجب والحرمان فھم فی الغی ضلوا وتحققھا وا وضح الطریق ووفقھا وبین الانواع والاحکام ودققھا بابدع صنعۃ واتقان والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد ابی القاسم سید ولد عدنان المبعوث رحمۃ للعالمین وبشیرا للھادی الی سبیل الرشاد ونذیرا للشفاعۃ فی یوم تشیب فیہ الولدان علیہ من اللہ افضل الصلوٰۃ والسلام والرضوان صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ والتابعین لہ باحسان

مقدمہ

بعض احباب نے فرمایا کہ "فرائض السجاوندی" معروف بہ "سراجی" جو فن فرائض میں ایک درسی کتاب ہے اکثر آدمی مہارت زبان عربی میں نہیں رکھتے۔ اور طلبا بھی اس کتاب کے حل کرنے میں تکلیفیں اٹھاتے ہیں۔ اس لئے اس کی ایک شرح اردو میں لکھ دینی چاہئے۔ کہ شائقین اور طلبا کو اس کا سمجھ لینا آسان ہو۔ لہذا خاکسار نے یہ شرح لکھی۔ اور واسطے رفع انتشار کے صرف مسائل متفق علیہ کو اور کہیں کہیں اختلاف ائمہ بتلانے کو مسائل غیر مختار کو بھی ضبط کیا۔ اور سراجی کے کئی قلمی اور چھپے ہوئے نسخوں سے متن کی عبارت کا مقابلہ کیا۔

بحکم "الانسان یساوق السھو والنیان" کے جہاں کہیں ناظرین غلطی پائیں عیب پوشی فرمائیں اور مزاج زمانہ سے۔ ازگاری کر کے انگشت الزام نہ دھریں اور اس علم کو دوبارہ درہو کر اس عاصی کے

حق میں دعائے خیر کریں۔

سراجی احکام ارث میں بڑی مستند و مقبول ہے۔ حنفی مذہب کے مطابق مسائل میراث کو نہایت خوبی اور تحقیق کے ساتھ لکھا ہے۔ منجملہ دیگر کتب درسیہ کے یہ کتاب بھی ہمیشہ درس و تدریس میں رکھی گئی ہے۔

مصنف اس کے علامہ سراج الدین محمد بن محمد عبدالرشید سجاوندی حنفی ہیں۔

مصنف موصوف فضائل و کمال میں بڑے مرتبے کے شخص ہیں۔ مگر تعجب یہ ہے کہ نہ تو مؤرخین کو ان کے حالات کی طرف اعتنا ہوا۔ نہ صاحب کشف الظنون وغیرہ کو ان کا سال وفات تحقق ہوا۔ نہ اس کتاب کے شارحین نے مولف کے حالات کچھ بیان کئے۔ "اکتفاء القنوع بما ہو مطبوع" میں صرف یہ عبارت لکھی ہے۔

"السراجیۃ للسراج الدین محمد السجاوندی نبغ بہ فی قرن السابع تقریبًا"

اس بیان سے ساتویں صدی میں ان کا ہونا مفہوم ہوتا ہے۔ مگر حاجی خلیفہ نے "کشف الظنون" میں جہاں اس کتاب کے شارحین کے نام لکھے ہیں۔ یہ عبارت تحریر کی ہے:۔

"وابوالحسن حیدرۃ بن عمر العضباني المتوفی سنۃ ثمان وخمسین وثمانمائۃ"

اس عبارت سے مصنف کا چوتھی یا تیسری صدی میں یا اس سے قبل ہونا سمجھا جاتا ہے۔

شمس الائمہ سرخسی کی بھی اسپر ایک شرح ہے جو ۹۰ھ میں فوت ہوئے۔ اور بعض نے کہا ہے۔ کہ "سنہ پانسو کے درمیان گزرے ہیں" حاصل یہ ہے کہ مولف کا حال ٹھیک تحقیق نہیں ہوا۔

مصنف کہتے ہیں بسم اللہ الرحمن الرحیم شروع اللہ کے نام سے جو مہربان ہے بخشنے والا

واضح رہے کہ بسم اللہ میں تین نام اس لئے ذکر کئے گئے کہ شروع ہر کام کا ان ناموں کے ساتھ پایا جاتا ہے اور وجہ خصوصیت ان ہی ناموں کی باوجودے کہ اسمائے الٰہی اور بھی بہت سے ہیں۔ یہ ہے کہ حصول ہر کام کا خواہ دنیوی ہو یا اخروی تین چیزوں پر موقوف ہے اول اس کام کے تمام اسباب کا موجود ہونا اور یہ امر اسم اللہ کے ساتھ کہ تمام صفات کمال کو متضمن ہے مناسبت رکھتا ہے دوسرے اس کام کی ابتدا سے تمام ہونے تک ان اسباب کا باقی رہنا اور یہ صفت رحمانیت کا ثمرہ ہے اسواسطے کہ عالم کی بقا اسی صفت کیساتھ ہے۔ تیسرے اس کام کا پایا جانا اور یہ صفت رحیمی سے وابستہ ہے۔ کہ اپنے بندوں کی سعی برباد نہیں ہونے دیتا۔ بعض محققین نے کہا ہے کہ لفظ "اللہ" اسم اعظم ہے۔ قرآن میں یہ نام دو ہزار تین سو ساٹھ جگہ آیا ہے۔ رحمٰن کا لفظ سوا اللہ کے اور کسی مخلوق پر بولا نہیں جاتا۔ بخلاف دوسرے اسماء کے جیسے سمیع و بصیر کہ ہر انسان کے حق میں آتے ہیں چنانچہ فرمایا ہے "فجعلناہ سمیعا بصیرا" اور رحیم کا اطلاق بھی آدمیوں پر ہوتا ہے۔ مگر لفظ "اللہ" اور "رحمٰن" کہ ان کا معبود برحق کے غیر پر بولنا درست نہیں ہے۔ چونکہ رحمٰن کا اطلاق بعض کفار قریش نے "مسیلمہ کذاب" پر کیا تھا۔ اس لئے عطا خراسانی نے یہ بات کہی ہے کہ بسم اللہ میں عبد رحمٰن کے لفظ "رحیم" اس لئے آیا ہے کہ مجموع وصف الرحمٰن الرحیم خاص اللہ کیلئے ہے۔

الحمد:۔ اس میں لام یا جنس کا ہے یعنی وہ کہ جس کو سب جانتے ہیں کہ حمد کیا چیز ہے! یا استغراق کا ہے۔ یعنی حمد کی تمام قسمیں برابر ہیں۔ کہ اللہ کی طرف سے اس کے لئے ہو یا غیر کی طرف سے اللہ کے لئے۔

یا اللہ کی طرف سے غیر کے لئے۔ یا غیر کی طرف سے غیر کے لئے اس لئے کہ کوئی نیکی ایسی نہیں۔ مگر یہ کہ اللہ اس کا مالک ہے بواسطہ ہو یا بے واسطہ، یا عہد خارجی کا ہے یعنی ایسی حمد جو اس کی جناب اکمل کے لئے ثابت ہے۔ فوائد الصبغیہ میں اسی طرح لکھا ہے۔ لغت میں "حمد" کسی کی تعریف کرنے کے معنی میں ہے اور اصطلاح میں "حمد" خاص خدائے تعالےٰ کی کبریائی اور جلال و عظمت کے بیان کرنیکو کہتے ہیں۔

بعض محققین نے کہا ہے کہ "حمد" لغت میں یہ ہے کہ زبان کے ذریعے سے کسی کی خوبی اختیاری کو بیان کرنا تاکہ اوس کی تعظیم ظاہر ہو۔ جیسے کہیں گے "حامد کا خط نہایت اچھا ہے اور محمود سبق خوب یاد کر لیتا ہے" اور اصطلاح میں وہ فعل ہے جو منعم کی تعریف پر دلالت کرتا ہو۔ اس جہت سے کہ وہ منعم ہے اور یہ فعل تعریفی عام ہے اس سے کہ زبان سے ادا ہو، یا دل سے یا ہاتھ سے۔ بخلاف مدح کے کہ وہ زبان سے کسی ایسی خوبی کی ثنا کرنا ہے جو ممدوح کے اختیار سے باہر ہو جیسے محمود کا جمال حسین ہے، یا احمد نہایت ذہین ہے" بعض کہتے ہیں کہ حمد و مدح مترادف الفاظ ہیں اختیاری اور غیر اختیاری ہونا شرط نہیں۔

لِلّٰہِ اس لفظ میں لام اختصاص کے لئے ہے، یا استحقاق کے لئے یا ملک کے لئے یا تعلیل کے لئے۔

"اللہ" کی اصل اِلٰہ ہے ہمزہ حذف کر دی گئی۔ اور اُس کی جگہ الف ولام رکھا گیا۔ اور یہ نام اصل میں معبود کے لئے ہے۔ مگر معبود حق پر اس کا استعمال غالب ہو گیا ہے۔ **رَبِّ** رب کہتے ہیں کسی چیز کے مالک۔ مدبر مربی۔ مصلح۔ جابر۔ اور قائم کو معبود کو بھی رب بولتے ہیں۔ سو یہ سارے معنی اللہ پاک کی ذات میں موجود ہیں رب کا استعمال غیر اللہ کے لئے اضافت سے ہوتا ہے جیسے "رب الدار" وغیرہ بے اضافت خاص اللہ کے لئے بولا جاتا ہے کسی نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ نام اسم اعظم ہے۔ **الْعٰلَمِیْنَ** عالم کہتے ہیں ہر موجود ماسوائے اللہ کو۔ یعنی جو کچھ اللہ کے سوا موجود ہے وہ سب عالم ہے لفظ عالم میں ساری خلق داخل ہے۔ کسی نے کہا ہے کہ عالم مشتق ہے علامت سے۔ یہ مصنوعات وجود صانع کی گویا علامت ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ ہر زمانے کے لوگ عالم کہلاتے ہیں۔ ابن عباس نے کہا ہے کہ مراد عالم سے جن و انس ہیں بعض نے ملائکہ و شیاطین کو بھی زیادہ کیا ہے۔ قول اول زیادہ صحیح ہے، اس دلیل سے کہ جب فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ "رب العالمین" کون ہے؟" تو انھوں نے جواب دیا "**رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا**" اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ عالم سے الگ تھلگ ہے۔ عالم میں داخل نہیں ہے۔ عالم کی گنتی میں اختلاف ہے۔ کسی نے کہا ہے کہ چودہ ہزار عالم ہے کسی نے کہا کہ سترہ ہزار۔ کسی نے کہا کہ اٹھارہ ہزار۔ کسی نے کہا ہو کہ اسی ہزار عالم ہیں۔ ٹھیک بات یہ ہے کہ سوا عالم الغیب کے کسی کو عالموں کی گنتی معلوم نہیں۔ حکم بن عمیر نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تو نے الحمد للہ رب العالمین کہا یعنی سب حمد اللہ کے لئے ہے کہ وہ پروردگار عالموں کا ہے، تو اللہ کا شکر ادا کیا۔ اب اللہ تجھ کو زیادہ دے گا۔ رواہ ابن جریر ابوہریرہ کی حدیث میں آیا ہے کہ ہر عمدہ کام جو اللہ کی حمد سے شروع نہیں کیا جاتا وہ برکت سے جدا ہے رواہ اہل السنن وابن حبان والبیہقی۔ مصنف نے جو ابتدا بسم اللہ کے ساتھ کی پھر حمد کے ساتھ۔ یہ دو وجہ سے ہے ایک تو قرآن کی اقتدا منظور ہے۔ دوسرے اس خبر پر عمل کیا ہے

کل امر ذی بال لا یبدأ بسم اللہ الرحمن الرحیم فھو ابتر یعنی جو مہتم بالشان کام بغیر بسم اللہ کے شروع کیا جائے۔ تو وہ ناقص ہوگا" اور بجائے "ابتر" کے "اقطع" بھی آیا ہے جس کے معنی قلیل البرکۃ ہیں اور اجذم بھی روایت کرتے ہیں جس کے معنی مقطوع کے ہیں۔ یہ حدیث "تحفہ خیریہ" سے منقول ہے۔ دوسری حدیث میں "الحمد" کے متعلق آیا ہے۔ کل امر ذی بال لا یبدأ فیہ بحمد اللہ فھو اقطع جیسا کہ ابوداؤد۔ ابن ماجہ اور نسائی نے روایت کی ہے۔ ابن ابی شیبہ کا لفظ یہ ہے لم یبدء فیہ بالحمد تحفہ خیریہ میں مذکور ہے کہ علما نے ان دونوں روایتوں میں اشکال قائم کیا ہے۔ اس لئے کہ ان میں تعارض ہے اس واسطے کہ اگر کسی شخص نے بسم اللہ کے ساتھ ابتدا کی تو اس نے حمد کے ساتھ ابتدا کرنے کی فوت کیا۔ اس کا مشہور جواب یہ ہے کہ ابتدا کی دو قسمیں ہیں (۱) "حقیقی" (۲) "اضافی"۔ ابتدا حقیقی یہ ہے کہ وہ مقصود سے بالکل قبل ہو اور اس سے پہلے کوئی چیز نہ بیان کی گئی ہو۔ بسم اللہ کی حدیث میں بھی ابتدا مقصود ہے۔ اور ابتدا اضافی یہ ہے کہ مقصود کی ابتدا اس سے ہو اور یہ ضرور نہیں کہ اس سے قبل کچھ مذکور ہو چکا ہو۔ یا نہیں۔ الحمد کی حدیث کو اسی ابتدا پر حمل کرتے ہیں۔ الحمد للہ اکثرین یعنی ایسی تعریف ہو کہ جیسی شکر گذار لوگ کیا کرتے ہیں۔ اور اس میں اشارہ ہے نعمت کے وصول ہو جانے بندوں کی طرف کیونکہ شکر اسے کہتے ہیں کہ منعم کی طرف سے نعمت کے حاصل ہو جانے کی وجہ سے اس کی تعریف کی جائے۔ دوسری عبارت میں شکر وہ فعل ہے کہ منعم کی تعظیم پر دلالت کرتا ہو۔ اس کے انعام واکرام کی وجہ سے اور یہ فعل خواہ زبان سے ادا کیا جائے خواہ قلب سے یا دست و پا سے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ شکر نعمت واصلہ کے ساتھ مختص ہے۔ مخفی نہ رہے کہ اگر الحمد للہ میں حمد کے اصطلاحی معنی مراد ہوں جو شکر کے لغوی معنی کے مرادف ہیں اور حمد الشاکرین میں شکر کے لغوی معنی مقصود ہوں تو اس صورت میں "حمد الشاکرین" پہلے لفظ حمد کی تاکید کے لئے سمجھا جائے گا۔ اسی طرح اگر حمد سے شکر عرفی مقصود ہو تب بھی تاکید کا فائدہ بخشیگا۔ اور اگر حمد و شکر دونوں سے لغوی معنی مقصود ہوں تو فائدہ حمد الشاکرین کے ذکر سے یہ ہوگا کہ نعمت کے وصول ہونے پر وہ حمد کرنا اولی ہے جو شکر کے لغوی معنی میں ہو۔ اس حمد سے جو اپنے لغوی معنی میں مستعمل ہو۔ والصلوٰۃ لفظ صلوٰۃ لغت کی رو سے دعا کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس پر لام جنس کے لئے ہے یعنی حقیقۃ الصلوٰۃ یا عہد خارجی کے لئے ہے۔ یعنی وہ صلوٰۃ جو کہ اللہ کا یہ قول شامل ہے ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی الخ" اور حلیمی نے شعب الایمان میں کہا ہے کہ صلوٰۃ کے معنی نبی کی تعظیم کے ہیں۔ علی خیر البریۃ محمد یہ لفظ محمد خیر البریۃ کا بدل ہے یا اس کا عطف بیان، اور خیر البریۃ کی صفت نہیں ہو سکتا۔ اور یہ لفظ حضرت کی ذات کا اسم علم ہے۔ کہ صفت سے منقول ہو کر آپ کا نام خاص مقرر ہو گیا ہے۔ یعنی اللہ کی رحمت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہو جو تمام مخلوق سے بہتر ہیں۔ وآلہ اس لفظ کا عطف محمد پر ہے اور "آل" کی اصل اہل ہے اور دلیل اس پر یہ ہے کہ تصغیر اس کی اہیل آتی ہے اور قاعدہ ہے کہ اسم کی تصغیر بنانے میں اصل لفظ کا لحاظ ہوتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کی اصل اول بمعنی الرجوع

ہم اوپر نے تحمد کے ساتھ ابتدا کرنے والے نے بسم اللہ کے ساتھ ابتدا کرنے کی فوت کیا

واو ہے بعدہٗ واؤ کی تبدیل الف سے ہوکر "آل" ہوگیا۔ بو اہل وعیال کے معنی میں ہے اور متبعین پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ جیسا کہ جوہری نے کہا ہے۔ اور استعمال اس کا اشراف میں ہے۔ پس آل رسول اور آل داؤد کہتے ہیں "آل حجام" یا "آل قصاب" نہیں کہتے۔ آل محمد کی تعیین میں اختلاف ہے۔ (۱) امام شافعیؒ کے نزدیک مراد اس سے بنو ہاشم و بنو مطلب ہیں (۲) امام مالکؒ کہتے ہیں کہ وہ صرف بنو ہاشم ہیں۔ جو ہم نسل ہیں (۳) بعض نے صرف بنو مطلب بتائے ہیں (۴) سرور کائناتؐ کی بیویوں پر بھی اطلاق ہوتا ہے (۵) بعض کہتے ہیں کہ خاص حضرت فاطمہؓ کی ذریت آل رسول ہے۔ (۶) بعض نے کہا ہے کہ علیؓ و عباسؓ و جعفرؓ و عقیلؓ و حمزہؓ کی ذریت آل رسول ہے (۷) بعض نے کہا ہے کہ "آل" سے مراد تمام قریش ہیں۔ (۸) بعض نے کہا ہے کہ آل سے مقصود تمام امت اجابت ہے۔ امام مالکؒ کا اسی قول کی صحت پر میلان ہے۔ ازہری اور بعض شافعیہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ نووی نے اسی کو شرح مسلم میں ترجیح دی ہے۔ لیکن قاضی حسین وغیرہ نے اس پر یہ قید لگائی ہے کہ آن میں سے اتقیاء مراد ہیں۔ محمد اور آل کے درمیان علی کا واسطہ نہ رکھنے سے مصنف نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ آنحضرت اور آن کی آل میں نہایت اتصال ہے۔ **الطیبین الطاھرین** یہ دونوں لفظ صفت ہیں آل کی طیبین وطاہرین کو جو عطف سے نہیں لائے۔ تو یا تو یہ تکرار تاکید کے لئے ہے اور تاکید علم معانی کی اصطلاح میں یہ ہے کہ لفظ کے بڑھانے سے کوئی معنی نہ بڑھیں بلکہ صرف پہلے معنی مخاطب کے ذہن میں ثابت متحقق ہو جائیں۔ اس حیثیت سے کہ گمان غیر کا اس میں احتمال نہ ہو یا یہ تکرار تاسیس کے لئے ہے۔ جو علم معانی کی اصطلاح میں یہ ہے کہ لفظ کے زیادہ کرنے سے معنی بھی بڑھ جائیں۔ نہ یہ کہ صرف معنی اول کو سامع کے ذہن میں ثابت کر دینا اس سے مقصود ہو۔ تو اس تقدیر پر پہلے لفظ سے باطنی پاکیزگی مراد ہوگی اور دوسرے سے ظاہری مطلب سب عبارت کا یہ ہے کہ آل محمد پر بھی درود وسلام ہو جو باطنی وظاہری عیبوں سے پاک ہیں۔

چونکہ یہ کتاب فرائض یعنی ترکات وحقوق کے بیان میں ہے۔ اور ارکان دین کی معرفت کے بعد فرائض کی معرفت اہم العلوم سے ہے چنانچہ رسول مقبولؐ نے اس کی تعلیم وتعلم کی طرف رغبت دلائی ہے۔ اس لئے مصنف نے اول اس علم کی فضیلت اور تاکید تعلیم وتعلم میں اس حدیث سے استدلال کیا ہے **قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تعلموا الفرائض**۔ لفظ فرائض فریضہ کی جمع ہے اور وہ مشتق ہے فرض سے، اور فرض کے معنی قطع وتقدیر وبیان کے ہیں اور اصطلاح میں فرض اس حصہ کا نام ہے جو وارث کے لئے دلیل قطعی یقینی سے مقرر ہو۔ یا اس نصیب کا نام ہے جو وارث کے لئے شرعاً مقدر ہو۔ مختار کی شرح اختیار میں ہے۔ کہ فقہاء اس قسم کو فرائض اس لئے کہتے ہیں۔ کہ یہ سہام معین ومبین منطوع دلیل قطعی سے ثابت ہیں پس معنی لغوی اور شرعی کو مشتمل ہے اصل اس میں آیات مواریث اور اخبار ہیں جیسے صحیح بخاری اور مسلم کی یہ حدیث "**الحقوا الفرائض باھلھا فما بقی فھو لاولیٰ رجل ذکر**" یعنی فرائض کو ان کے مستحقین کو پہنچا دو پھر جو کچھ اصحاب فرائض سے بچے وہ ایسے مرد کے لئے ہے جو سب سے اولیٰ ہے۔ علم فرائض کو علم مواریث بھی

کہتے ہیں شرح الفصول میں شیخ بدر الدین نے کہا ہے کہ فرائض وہ فقہ ہے جو ارث سے متعلق ہے اور ایسا علم ہے جو یہ بات بتا دیتا ہے کہ وارثِ مستحق کو ترکہ میں سے کتنا مال چاہیئے۔ بعض نے یوں تعریف کی ہے کہ اس علم سے میت کے ترکے کے مصارف اور مستحقین کے حقوق معلوم ہو جاتے ہیں۔ ابن عرضہ مالکی نے اسی طرح تعریف کی ہے خلاصہ یہ ہے کہ فرائض دو چیزوں سے مرکب ہے۔ ایک اس فقہ سے جو ارث سے متعلق ہے دوسرے حساب سے جس کے ذریعہ سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ ترکے میں سے کسقدر ذی حق کو پہنچنا چاہیئے اور موضوع علم فرائض کا ترکات ہیں۔ اور مسائل اس کے ایسے قضایا ہیں کہ جن سے مجہولات کی نسبت موضوعات کی طرف اس علم سے طلب کی جاتی ہے مثلاً یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اگر دختر تنہا ہو تو نصف مال اُس کا ہے۔ اور غایت اس علم کی یہ ہے کہ اہل استحقاق کو اُن کے حقوق پہنچائے جائیں۔ میراث ارث[1] کے معنی میں ہے اور جو حصہ دلیل شرعی سے مقرر ہو تو یہ ارث کی وجہ سے ہوگا اور اگر ایسا نہ ہو تو عصوبت کی وجہ سے ارث ہوتی ہے شرح رائض الفرائض میں شیخ یوسف السیرازہری نے لکھا ہے کہ ارکان ارث کے تین ہیں۔

(۱) پہلا رکن مورِث (میم کے ضمے اور واؤ کے فتحے، اور راے مہملہ مکسور کی تشدید سے) ہے یعنی وہ شخص جو غیر کو مستحق بنائے۔ یعنی غیر اس سے وارث ہوئے اور اس کا اطلاق ارث کے حاکم پر ہوتا ہے۔ اور یہاں حاکم مراد نہیں بلکہ میت مراد ہے اس صورت میں توارث بمعنی وارث بنانے کا اسم فاعل ہے۔ اور مورث بضم میم وسکون واو کسر راے مہملہ میراث پہنچانے والے کے معنے میں جو مشہور ہے۔ اس کا پتہ کتب لغات معتبرہ سے نہیں چلا یہ اردو کا محاورہ ہے اور مُہمَل ہے۔ چنانچہ فرہنگ آصفیہ میں لکھا ہے "مُورِث :- وارث کرنے والا۔ وہ مرنے والا جس کا مال اور وارث موجود ہوں۔ -وارث بنانے والا۔ وہ شخص جس سے وہ شے پائی جائے۔

(۲) دوسرا رکن وارث ہے اور وہ، وہ ہے کہ غیر شخص سے میراث لینے کا مستحق ہو اگرچہ بالقوہ ہو۔

(۳) تیسرا رکن ترکہ ہے اور وہ وہ چیز ہے کہ اس کا مستحق مورث سے بطریق ارث کے ہوئے۔

شرائط اس کی تین ہیں (۱) مورث کی موت (۲) وارث کی حیات حقیقی ہو یا تقدیری چنانچہ حمل۔ (۳) وجہ ارث کا علم۔

اسباب اور موانع اس کے آگے مذکور ہوں گے۔ اس علم کے ذریعے سے ترکے میں سے ہر ایک کے حقوق بذریعہ حساب واصول کے معلوم ہوتے ہیں۔

علم فرائض کی آسان سی تعریف یہ ہے کہ وہ ایک علم ہے فقہ اور حساب کے اُن قواعد کا، جن سے ہر ایک وارث کا حصہ ترکے سے معلوم ہو جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ حدیث میں فرائض سے مراد "علم الفرائض" ہے لیکن اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ یہ علم جناب رسول اکرم کے بعد ایجاد ہوا ہے ان کے زمانہ میں صرف مقدرہ تھے۔ جن کا کوئی نام نہ تھا "شرح بسیط" میں مولوی وجیہ الدین گجراتی نے لکھا ہے۔ کہ اس علم کو فرائض کلام الٰہی کی اتباع سے کہتے ہیں کیونکہ اس میں فریضۃ من اللہ وارد ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے کلام میں جو فرائض کا لفظ وارد ہے اُس کی تقلید سے اس علم کا نام فرائض

---

[1] لفظ "ارث" مونث ہے۔ جیسا کہ "رسالہ تذکیر و تانیث" (مولفہ حافظ جلیل حسن) میں ہے تسلیم ہے (انسان سارا ترکہ آدمی کی) بابت ملی تو جائیداد ارث پر ملی

رکھا ہے۔ میراث کا نام فرائض اس وجہ سے رکھا گیا کہ حق تعالیٰ نے خود بذات پاک قسمت کیا ہے۔ اسی پر
خبر صادق کا ارشاد ہے تعلموا الفرائض وعلموھا الناس۔ یعنی سیکھو تم فرائض کو اور
سکھاؤ اسکو لوگوں کو۔ خدا ے تعالیٰ نے وارث کا حصہ آپ مقرر کیا ہے اور اس کی تقدیر ملک مقرب اور نبی مرسل
پر مفوض نہیں کی اور ہر ایک کا حصہ نصف اور ربع اور ثمن اور ثلثان اور ثلث اور سدس سے خود اپنے کلام
مقدس میں بیان کر دیا ہے۔ برخلاف باقی احکام صلوٰۃ و زکوٰۃ و صوم و حج وغیرہ کے کہ ان میں نصوص مجمل ہیں
جس کا بیان سنت نبویہ میں واقع ہوا ہے۔ فانھا نصف العلم اس واسطے کہ فرائض
نصف علم ہے۔ اس حدیث کو فقہا نے اسی طرح روایت کیا ہے اور محدثین نے دوسرے طور پر اس کو
بیان کیا ہے۔ چنانچہ دارمی اور دارقطنی ابن مسعود سے روایت کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا تعلموا العلم وعلموہ الناس تعلموا الفرائض وعلموھا الناس
تعلموا القرآن وعلموہ الناس فانی امرؤ مقبوض والعلم سینتقص ویظھر الفتن
حتی یختلف الاثنان فی فریضۃ لا یجدان احدا یفصل بینھما۔
یعنی سیکھو علم اور سکھاؤ اس کو لوگوں کو سیکھو قرآن اور سکھاؤ اس کو لوگوں کو تحقیق میں ایک شخص ہوں کہ
دنیا سے اٹھنے والا ہوں۔ اور علم بھی کم ہو جائے گا اور فتنے ظاہر ہوں گے۔ یہاں تک کہ دو شخص فرض کی
چیز میں اختلاف کریں گے۔ اور وہ کوئی ایسا شخص نہ پائیں گے جو ان دونوں کے درمیان میں فیصلہ کرے
بیہقی کی روایت میں فانی امرؤ مقبوض نہیں ہے۔ شمس الائمہ سرخسی کی المبسوط کے انتیسویں جزء میں
یوں ہے وسیقبض ھذا العلم من بعدی حتی یتنازع الرجلان فی فریضۃ
فلا یجدان ان یفصل بینھما اس کے بعد شمس الائمہ لکھتے ہیں کہ ابن مسعود جب یہ حدیث کی
روایت اپنے اصحاب کے سامنے کرتے تو ان کو اس علم کی ترغیب دیتے۔ پھر آگے چل کر عبداللہ ابن عمر کی
حدیثوں بیان کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تعلموا العلم وعلموہ الناس و
تعلموا الفرائض فانھا نصف العلم وھو اول ینزع من بین امتی۔
تاکید فرمانا تعلم و تعلیم علم فرائض کا بعد مطلق علم کے واسطے مزید اہتمام و تاکید اور اظہار شرافت و
عظمت علم فرائض کے ہے اور انس سے ابن ماجہ نے روایت کی ہے کہ سرور کائنات نے فرمایا۔ من قطع
میراث وارثہ قطع اللہ میراثہ من الجنۃ یوم القیامۃ یعنی جس شخص نے اپنے
وارث کی میراث کاٹی اللہ تعالیٰ اس کی میراث بہشت سے قیامت کے روز کاٹے گا۔ اسکو بیہقی نے بھی اجوہر سے
شعب الایمان میں روایت کیا ہے۔ اس تاکید و وعید سے معلوم ہوا کہ سیکھنا علم فرائض کا فرض کفایہ
ہے۔ اور یہ علم علوم دین میں سے اشرف و افضل ہے اس علم کی فضیلت اور تاکید تعلیم و تعلم میں اور بھی
احادیث میں جیسا کہ سنن بیہقی کی جزء ششم کی کتاب الفرائض میں ابو ہریرہ سے روایت آئی ہے کہ آنحضرت
فرمایا تعلموا الفرائض وعلموھا الناس فانہ نصف العلم وھو ینسی وھو اول شیئ ینتزع

ف کھنوی ط، مطبوعہ مصر کے انتیسویں جزء کے صفحہ ۱۵۰ و دیکھو ۱۲

من اُمتی یعنی فرائض کو سیکھو اور دوسروں کو سکھلاؤ کہ وہ نصف علم ہے اور وہ بھلا دیا جائے گا، اور وہ پہلی چیز ہے جو میری امت سے لے لی جائے گی۔ آخر میں بیہقی نے لکھا ہے تفرد بہ حفص ابن عمر ولیس بالقوی۔ یعنی تنہا حفص ابن عمر نے اس کو روایت کیا ہے اور وہ قوی نہیں ہے۔ ابن ماجہ اور دارقطنی نے بھی اسکو روایت کیا ہے۔ احمد اور حاکم اور نسائی نے بھی ابن مسعود سے اس مضمون کی حدیث روایت کی ہے۔ کہ فرائض کو سیکھو اور لوگوں کو سکھلاؤ۔ کہ میں دنیا سے سفر کرنے والا ہوں۔

آنحضرت نے جو فرائض کی نسبت فرمایا ہے انہا نصف العلم اس کی تاویل دو وجہ کرنے سے متقدمین نے منع کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کا بھید ہمکو معلوم نہیں جو کچھ حضرت فرمائیں اس کی اتباع واجب ہے۔ گو یعنی اس کے جانتے ہوں یا نجانتے ہوں۔ کیونکہ تاویل میں خطا کا احتمال ہے لیکن متاخرین نے اس کی کئی طور سے تاویل کی ہے:۔

(۱) ابن عیینہ نے کہا ہے کہ فرائض کو "نصف علم" اس لئے فرمایا ہے۔ کہ اس میں تمام لوگ مبتلا ہوتے ہیں۔

(۲) انسان کے دو حال ہیں موت و حیات، سو فرائض کا علم موت سے متعلق ہے۔ اور باقی احکام شرعی کا علم حیات سے تعلق رکھتا ہے۔ اور ایک حال نصف ہے دو حالوں کے مجموعے کا لہذا حدیث میں فرائض کو نصف علم قرار دیا ہے۔

(۳) جس سے ملک ثابت ہے۔ وہ دو قسم ہے اختیاری اور ضروری جیسے کسی چیز کا خریدنا یا ہبہ قبول کرنا۔ اور وصیت کے ذریعے سے حاصل ہونا اور ضروری جیسے ارث، تو اس واسطے فرائض کو "نصف علم" قرار دیا۔

(۴) "فرائض" کا علم "نصف علم" اس لئے ہے۔ کہ اس میں بہ نسبت اور شرعی باتوں کے علم کے مشقت زیادہ ہے۔

(۵) یا "نصف علم" اس واسطے ہے کہ علم فرائض کے عدد مسائل بے نہایت ہیں۔ بخلاف باقی دینیات کے کہ ان کے مسائل کی انتہا ہے۔ دوسری عبارت میں فرائض کے شعبے کثیر ہیں۔ اور حساب کی باتیں اس میں زیادہ ہیں۔

(۶) تغلیباً نصف علم کہا ہے جیسا کہ ابتہاج میں ہے۔

(۷) فرائض کا نام رسول خدا نے اس لئے "نصف العلم" رکھا ہے کہ وہ فقط نص سے ثابت ہیں نہ غیر نص سے اور غیر فرائض تو کبھی نص سے ثابت ہیں اور کبھی قیاس سے تفصیل اس کی یہ ہے کہ علم یا فقط نص سے ثابت ہے یا نص اور غیر نص دونوں سے، تو جو علم فقط نص سے ثابت ہے وہ فرائض ہے اور جو نص اور غیر نص دونوں سے ثابت ہے وہ فرائض کے سوا اور دینیات کا علم ہے۔ اور نص سے مراد وہ ہے جو اجماع کو بھی شامل ہے اس واسطے کہ بعض مسائل فرائض کے اجماع امت سے ثابت ہیں۔

(۸) فرائض باعتبار حصول ثواب کے نصف علم ہے اس لئے کہ جو شخص فرائض کا ایک مسئلہ

سکھا دے تو اس کے حصہ میں سو نیکیاں آتی ہیں۔ اور اگر فقہ کا کوئی ایک مسئلہ بتائے تو صرف دس نیکیاں پاتا ہے۔

(۹) سبکی نے کہا ہے کہ اس کو "نصف علم" اس لئے کہا گیا ہے کہ اگر فرائض کے سوا وصایا وجزئیات کھو لے جائیں تو فقہ کے باقی ابواب کی برابر ہو جائیں۔

(۱۰) ابن صلاح نے کہا ہے کہ نصف سے مراد اس جگہ میں ایک قسم ہے۔ اگرچہ وہ بہ نسبت دوسری قسم کے باہم مساوی نہ ہوویں۔

(۱۱) اس حدیث میں فرائض سیکھنے اور سکھانے کی ترغیب ہے اور اس کے یاد کرنے کی تحریص ہے۔ اس لئے کہ جب یہ علم بھولنے والا اور تمام علموں سے پہلے جانے والا ہے تو اس کے یاد کرنے کا اہتمام اور اس کو پہچاننا ضروری ہے۔

انتباہ ۔ کشف الظنون میں لکھا ہے کہ بعض روایتوں میں علم فرائض کی ثلث العلم ہونا وارد ہے۔ اور یہ ایک بڑی اشکال کی بات ہے۔ نصف العلم اور ثلث العلم میں تطبیق کرنی مشکل ہے۔ اور ابن عبد السلام مالکی کا فروع ابن حاجب کی شرح میں یہ کہہ کر ٹال دینا کہ فقیہ پر دونوں قولوں میں تطبیق واجب نہیں، پیچا چھڑانے کے لئے کافی نہیں **قال علمائنا رحمہم اللہ تعالیٰ**

تعلق بترکۃ المیت ۔ عبد الملک بن عبد الوہاب کی حنفی نے شرح المقربہ میں کہا ہے کہ "ترکہ" تاے فوقانی کے فتحے اور راے مہملہ کے کسرے سے مصدر ہے بمعنی مفعول کے معنے میں یعنی متروکہ اور تا کو کسرہ بھی جائز ہے اور اس کا فتحہ را کے سکون کے ساتھ بھی درست ہے۔ اصطلاح میں ترکہ وہ مال ہے۔ جس میں غیر کا حق متعلق نہ ہو۔ مال کی قید سے اہل وعیال ترکے سے خارج ہو گئے۔ مثلاً کوئی مرد یا عورت مر جائے۔ اور کچھ مال وملکیت جیسے سونا چاندی ہیرا موتی لوہا لکڑی زمین عمارت وغیرہ اور حق وطند اری وغیرہ کا جو کہ خرید وفروخت میں آتا ہے اور اس کا قرض جو کہ قرضہ دار پر لازم وثابت ہے۔ اگر چھوڑے تو اسے ترکہ بولتے ہیں۔ اور غیر کا حق متعلق ہونے کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے ایک باغ گرو رکھا۔ پھر راہن مر گیا اور وہ باغ مرتہن کے پاس ہے اور سوا اس باغ کے راہن نے کوئی اور مال نہیں چھوڑا۔ تو مرتہن کا دین مقدم ہے تو اولاً اس باغ کو بیچ کر دین مرتہن یعنی زر رہن ادا کیا جائے۔ اسی طرح حامد نے ایک گھوڑا محمود کے ہاتھ معین قیمت پر بیچا اور محمود نے ہنوز قیمت ادا نہیں کی تھی کہ مر گیا۔ اور حامد نے گھوڑے کو اپنے پاس روک رکھا۔ اور محمود کا سوا اس گھوڑے کے کچھ مال نہیں ہے۔ تو حامد کو یہ حق حاصل ہے کہ اس گھوڑے کو روک رکھے۔ اسی طرح حامد نے محمود کو گھر کرایہ پر دیا اور محمود نے کرایہ کے دام پیشگی دیدیئے اور پھر حامد مر گیا سو اجارہ فسخ ہو جانے کا اور محمود کے کچھ دام متوفی کے ذمے باقی رہ گئے اور حامد نے سوا گھر کے کچھ اور ترکہ نہیں چھوڑا تو حق کرایہ متعلق ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ مرتہن و بائع اور کرایہ دار کے حق اس مال متروک سے متعلق ہیں۔ شرح میں اسی کو لیا ہے غیر کا حق متعلق ہو سکتے ہیں۔ پس اگر حق غیر ادا ہونے کے بعد کچھ باقی رہے تو اس سے تجہیز وتکفین ہوگی نہیں تو وہ لوگ جن کا غیر کے مال سے حالت حیات میں واجب تھا تجہیز وتکفین

کریں اور جو وہ بھی نہ ہوں۔ تو بیت المال سے کفن و دفن کیا جائے گا اور جس قدر دَین ادا نہوا اس کا ماخذہ میت کے ذمے رہے گا۔ **حقوق** یہ لفظ جمع حق کی ہے اور حق عرف میں ایسے امر ثابت کو کہتے ہیں جو فائدہ مطلوبہ پر مشتمل ہو **امر بعدہ** یعنی علمائے حنفیہ کا قول ہے کہ مردے کے ترکے سے چار حق متعلق ہیں۔ چنانچہ۔ تجہیز و تکفین۔ قرض۔ وصیت۔ اور تقسیم ترکہ۔ اور چونکہ وہ حقوق جو عین ترکے سے تعلق رکھتے ہیں جیسے مرتہن اور بائع اور کرایہ دار کے حقوق۔ ان کے لئے لازم ہے کہ تجہیز و تکفین۔ قرض۔ وصیت اور تقسیم ترکہ سے اول اول کرنا چاہیئے۔ بعد اس کے حقوق اربعہ پر لحاظ کرنا چاہیئے۔ اس لئے مصنف نے صرف ان چار حقوق کا ذکر کیا۔ جن کا تعلق عین شے سے نہیں ہے۔ اور اُس کو قلم انداز کر دیا۔ اور دلیل ان کے حصر پر استقرائے شرعی ہے یا یوں کہیں کہ چار میں منحصر ہونے پر دلیل یہ ہے کہ جو حق میت کے ترکے سے متعلق ہے تو وہ یا موت سے قبل ثابت ہے یا موت کی وجہ سے ثابت ہے۔ جو موت سے قبل ثابت ہے وہ قرض مطلق ہے۔ اور جو موت کی وجہ سے ثابت ہے تو وہ یا میت کے لئے ثابت ہے جیسے سامان کفن و دفن یا غیر کے لئے میت کی طرف سے ثابت ہے اور اس کے بھی دو حال ہیں۔ ایک یہ کہ اختیاری ہے جیسے وصیت۔ یا اضطراری ہے اور وہ میراث ہے۔ **ثم بالترتیب** یعنی وہ چاروں حق مردے کے ترکے سے بالترتیب متعلق ہیں۔ یعنی شرعاً بعض مقدم ہیں اور بعض موخر ہیں۔ لغت میں ترتیب، کے معنی یہ ہیں کہ ہر شے کو اپنے مرتبے میں رکھنا۔ اصطلاح میں ترتیب اسے کہتے ہیں کہ چند چیزوں کو اس طرح ملا دینا کہ سب پر ایک ہی نام بولا جائے۔ اور باوجود اس کے بعض کو بعض پر تقدیم و تاخیر کی نسبت ہو جیسا کہ تعریفات ابو نصر کی میں ہے، پس ترتیب خاص ہے تالیف سے اس لئے کہ تالیف میں تقدیم و تاخیر کی نسبت کا لحاظ نہیں ہوتا۔ جس طرح چاہیں کئی چیزوں کو باہم ملا دیں۔ محمد بن علی بن محمد شافعی نے "اللؤلؤ السنیہ علی الفوائد المشتورہ" میں اسی طرح لکھا ہے۔ بہر صورت ترکے میں ترتیب اس طرح ہے کہ پہلے تجہیز و تکفین کا مرتبہ ہے پھر دوسرا مرتبہ ادائے قرض کا۔ پھر تیسرا مرتبہ وصیت کا۔ پھر چوتھا مرتبہ تقسیم ورثہ کا۔ اور اگر ان حقوق کا اعتبار کیجئے جو عین ترکے سے متعلق ہیں۔ چنانچہ رہن وغیرہ تو تقسیم میراث کا پانچواں مرتبہ ٹھہرے گا۔ لیکن خدائے تعالیٰ کا حق چنانچہ جو فرض یا کفارہ یا رمضان کے روزے کا فدیہ، اور مانند اس کے جو میت کے ذمے رہا ہو۔ تو وہ آدمیوں کے حق سے پہلے ادا کرنا چاہیئے۔ لیکن حنفی مذہب کے علماء فرماتے ہیں کہ آدمیوں کا حق خدائے تعالیٰ کے حق پر مقدم ہے **علی ما قدّمنا** شمس الائمہ الملقب بشمس الائمہ سرخسی نے مبسوط کے انتیسویں جز میں لکھا ہے کہ سب سے مقدم حق کہ قرض سے بھی اول تعلق حقوق اور شوابد اصول کے نزدیک مردے کے متعلق جو ضروری بات ہے وہ یہ ہے کہ اوّل ترکے میں سے اُس کی تجہیز و تکفین کی جائے۔ کفن آدمی کی وفات کے بعد کا لباس ہے اور ظاہر ہے کہ اُس کی حیات میں بھی ضرورت لباس کا اعتبار ہوتا ہے اور زندگی میں لباس قرض کی ادائگی پر مقدم ہے یہاں تک کہ قرض کی ذگری کے اجرا میں مقروض کے بدن کے کپڑے اتار کر نہیں بیچے جاتے۔ تو یہی موت کے بعد کے لباس میں بھی ہونا چاہیئے۔ اور جو کوئی مرنے کے بعد تجہیز و تکفین کے لئے مال چھوڑ نہ سکے تو مسلمانوں پر یہ کام واجب ہے اس لئے بیت المال کے دامن سے اس کو پورا کیا جائے گا۔ اور جو کچھ ہے تو بیت المال کی رقم سے خود میت کا مال اس کام کے لئے زیادہ مناسب ہوگا۔

ان دلائل سے ظاہر ہے کہ کفن قرض سے زیادہ ضروری ہے اس لئے کہ مسلمانوں پر میت کا قرض بیت المال سے چکانا واجب نہیں بت کفینہ۔ تکفین کے معنے کفن دینا ہیں۔ کفن میں مرد کے لئے تین کپڑے ہیں ایک قمیص (یعنی کرتا) مونڈھوں سے قدم تک بلا جیب اور آستینوں کے جسے کفنی کہتی ہیں۔ دوسرے ازار کہ ایک چادر ہوتی ہے سر سے قدم تک جسے پوٹ کی چادر کہتے ہیں۔

اور عورت کے لئے پانچ کپڑے ہیں تین تو یہی کہ مرد کے لئے ہیں۔ اور چوتھے "خمار" (یعنی اوڑھنی) دو گز لانبی اور ایک بالشت چوڑی جسے عورت کے سر پر اور سر کے اُن بالوں پر جو دوھے کر کے سینے پر ڈال دیے جاتے ہیں، اوڑھا دیتے ہیں۔ اور پانچواں سینہ بند تین گز لانبا اور بغل سے زانو تک چوڑا۔ جس سے چھاتیاں اس کی باندھ دیتے ہیں۔ وتجہیز کا۔ تجہیز کے معنے سامان کرنے کے ہیں۔ اور یہاں تجہیز سے مراد میت کا سامان کرنا ہے۔ مرنے کے وقت سے دفن کے وقت تک۔ تجہیز تکفین کو شامل ہے پس میت کا سامان کرنے میں غسل۔ گورکنی اور دفن بھی داخل ہے۔ لیکن تجہیز و تکفین سے پہلے جو حق اس ترکے کی ذات سے متعلق ہے ادا کیے جو باقی رہے اس میں سے میت کے کفن و دفن کا خرچ نکالنا چاہیے اور قرض اس حق سے خارج ہے وہ بعد تجہیز و تکفین کے ادا کیا جائے گا اگر مال باقی رہے اور مرد والی عورت کے کفن و دفن کا خرچ مرد پر ہے اگرچہ عورت مالدار ہو اور جو رُوکا مہر مرد پر قرض ہے اور رہا ہوا نفقہ اور لباس وغیرہ نافرمان عورت کا مرد پر قرض ہے بلا تبذیر و تقصیر۔ یعنی میت کی تجہیز و تکفین بدون فضول خرچی اور تنگی کے ہو اس سے مراد یہ ہے کہ کفن میں عدد سنت سے بلا عذر کمی و بیشی نہ کریں۔ اسراف اور تنگی کفن کی دو طور پر ہے۔ ایک شمار کی راہ سے دوسرے قیمت کی راہ سے۔ پس اگر مرد کو کفن تین کپڑوں سے زیادہ دیا تو یہ اسراف ہے اور تین سے کم دیا تو یہ تنگی ہے اور اگر عورت کو کفن پانچ کپڑوں سے زیادہ دیا تو یہ اسراف ہے۔ اور اگر پانچ سے کم دیا تو یہ تنگی ہے۔ اور قیمت کے اعتبار کی صورت یہ ہے کہ اگر اپنی زندگی میں دس روپے کی قیمت کے کپڑے پہنتا تھا۔ پھر اگر اس کا کفن اس سے زیادہ دیا تو اسراف ہے اور اگر اس سے کم کیا تو تنگی ہے۔ اگر میت[1] اپنی حیات میں تین طرح کے کپڑے پہنا کرتی تھی۔ ایک ایسی جیسے عیدین اور شادیوں میں۔ اور دوسرے ایسے جنہیں دوستوں اور آشناؤں کی ملاقات کے وقت اور تیسرے ایسے جنہیں اپنے گھر میں۔ تو ایسی صورت میں اوسط قسم کی قیمت کا کفن دیویں۔

"خنثیٰ" کے کفن میں جو اے سے معلوم ہوا کہ زیادہ کرنے میں مضائقہ نہیں ہے اور یہی اَوفق ہے ہاں قیمت میں توسط چاہیے۔ اور ان سب میں مقدار ترکہ کا لحاظ ضروری ہے۔ اور اگر کفن مختلط ہو۔ تو میت کے بدن کے پاشیدہ ہونے سے پہلے اس کو کل مال سے کفن دیا جائے۔ ورنہ ایک کپڑے میں لپیٹ کر دفن کیا جائے۔ جو ترکے سے ہونا چاہیے مثلاً کفن آیا اور چوری گیا پھر آیا اور چوری گیا۔ یا میت کو کفنا کر دفن کیا۔ اور "کفن چور" نے نکال کر باہر ڈال دیا اور کفن لے گیا پھر ترکے سے کفن دے کر دفن کیا اور یہی ہوا تو ہر بار کل ترکے سے کفن دیا جائے، اگر بدن پاشیدہ ہو گیا تو ترکہ سے ایک کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیں

---

[1] لفظ میت مونث ہے، جیسا کہ "بسیاقی تیز الحذف کیر والتانیث" سے مولف آغاز جو میں ہے ۱۲

اور اگر قبر میں ہو تو کچھ لازم نہیں۔ اور اگر تقسیم ترکہ ہو چکی ہو اور پھر معلوم ہوا ہو بعد تکفین کے وارثوں سے حصہ رسد واپس لیا جائے۔ **ثم تقضی دیونہ**۔ دیون جمع دین کی ہے اور اصطلاح فقہ میں دَین اس قرض کو کہتے ہیں جس کے ادا کرنے کی مدت معین نہ ہو یا عام ہے بخلاف قرض کے کہ اس میں مدت کا تعین نہیں ہوتا۔ قرض کی تعریف اصطلاح فقہ میں یوں ہے کہ وہ عقد مخصوص ہے جو دار دہو مال مثلی کے دینے پر دوسرے شخص کو تاکہ وہ شخص ویسا ہی مال پھیر دیوے۔ اور مال مثلی کی نظیر روپیہ اشرفی اور غلہ وغیرہ ہے۔ دوسری عبارت میں قرض یہ ہے کہ روپیہ اشرفی یا کوئی مثلی چیز لیکر کسی وقت میں اس کی مثل دیوے۔ اور یہ بھی قرض میں داخل ہے کہ کسی سے کوئی چیز آدھا رمیا دمعلومہ کے لئے مول لیوے جیسا کہ "تاتارخانیہ" میں ہے۔ **من جمیع مابقی من مالہ** یعنی پھر تجہیز و تکفین میت کے بعد اس کے تمام مال میں سے جو باقی رہا ہوگا اس کا قرضہ ادا کیا جائے گا۔ اور یہ وہ دین ہے کہ شے معین سے متعلق نہیں کیونکہ جو دَین ایسا ہے اوسے علاقہ کسی شے معین سے ہو تو ایسا دَین تجہیز و تکفین میت پر مقدم ہے جیسے میت کا ایک مکان کسی شخص کے پاس رہن ہے اور میت سوا اوس چیز کے اور کچھ نہ چھوڑے تو دَین مرتہن یعنی زر رہن کہ مکان مرہون سے متعلق ہے میت کی تجہیز و تکفین پر مقدم ہے اس مکان مرہون کو بیچ کر اول زر رہن ادا کریں گے بعد اس کے اگر کچھ باقی رہے تو اس سے تجہیز و تکفین ہوگی۔ اور اگر کچھ نہ بچے تو زر رہن نہ ہونے ان لوگوں کے جن پر نفقہ اس کا واجب ہے خرچ کفن و دفن میت بیت المال سے دلایا جائے۔ پس یہاں جس دَین کے ادا کرنے کا تجہیز و تکفین میت کے بعد ذکر ہے۔ وہ متعلق شے معین سے نہیں پس اگر یہ کہ سب قرض خواہوں کے قرض کو کفایت کرے تو دیئے جاویں اور اگر کفایت نہ کرے تو ان میں حصہ رسدی دیدیں۔ پس میت کی تجہیز و تکفین کے بعد اوس کے قرضوں کا ادا کرنا وصیت اور میراث پر مقدم ہے اور واضح ہو کہ قرضے یا کل حالت صحت کی ہونگے یا کل حالت مرض کے ہوں گے اور ان دونوں صورتوں میں کل برابر ہیں یعنی بعض کو بعض پر تقدیم نہ ہوگی بلکہ سب قرضخواہوں کو برابر ادا کیا جائے گا یا بعض حالت صحت کے اور بعض حالت مرض کے ہونگے اور اس صورت میں دیکھا جائے کہ مرض کے دونوں کے گواہوں سے ثابت ہیں یا صرف مریض کے اقراری ہیں۔ پس اگر دونوں قرضے کل یا بعض گواہی سے ثابت ہوں تو صحت کے قرضے اقراری کا قرضہ دونوں برابر ہیں اور اگر صرف مریض کے اقرار سے ثابت ہوں تو صحت کے قرضے مقدم ہوں گے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ دیون عباد کی تین قسمیں ہیں۔ قوی۔ وسط۔ ضعیف۔ قوی وہ ہے جو تجہیز و تکفین پر مقدم ہے چنانچہ حقوق متعلقہ عین ترکے کے ساتھ جس کا ذکر تفصیل اوپر ہو چکا۔ اور وسط وہ ہے جو گواہوں سے باصحت کے اقرار سے یا مرض میں معائنے سے ثابت ہو اور ضعیف وہ ہے جو مرض کے اقرار سے ثابت ہو۔

واضح ہو کہ حق ادا سے لازم ہونے میں قرضہ صحت و اقراری سب برابر ہیں اور اس تقدیم کا

لہ فرہنگ آصفیہ میں لکھا ہے کہ قرض اور قرضہ دونوں ادھار کے معنی میں ہیں پس پچھلا لفظ مہمل ہوگا۔

یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص پر قرضہ صحت دو ہزار روپیہ ہے اور قرضہ اقراری ایک ہزار روپیہ ہے اور ترکہ صرف دو ہزار روپیہ بعد تجہیز وتکفین کے باقی رہا تو قرضہ صحت اور جو بگواہی ثابت ہوا اگرچہ مرض میں ہو پہلے ادا کر دیا جائے گا اور کچھ باقی نہیں تو اقراری قرضخواہ محروم ہوں گے اور اگر ترکے میں تین ہزار روپیہ ہے تو پہلے دو ہزار روپیہ ادا کرنے کے بعد باقی ہزار روپے ان اقراری قرضخواہوں کو ادا کر دیئے جائینگے بشرطیکہ وارث لوگ اجازت دیں اس واسطے کہ حالت مرض میں مال سے وارثوں کا حق متعلق ہو چکا۔ اور اقرار مذکور صرف مریض پر حجت ہے وارث کے حق میں ظاہر نہ ہوگا۔ لہٰذا اگر وارثوں نے اجازت ندی تو یہ بمنزلہ وصیت کے ہے۔ باقی مال کی تہائی سے دیا جائے گا حتیٰ کہ مثال مذکور میں صرف ہزار روپے کی تہائی سے یہ لوگ حصہ رسد پائیں گے۔ جب کہ دوسری وصیت نہ ہو اور اس سے ظاہر ہوا کہ قرض اقراری بھی وصیت کے معنے میں ہو جاتا ہے تو یہ بھی وصایا میں شامل کیا جائے گا اور دین خدا جیسے زکوٰۃ اور حج اور صیام اور نذر اور کفارات کا یہ حال ہے کہ اگر میت نے ان کے متعلق وصیت کی ہے تو ان کا جاری کرنا تہائی باقی مال میں واجب ہے اور اگر وصیت نہیں کی تو واجب نہیں۔ **ثم تنفذ وصایاہ** ۔ وصایا۔ وصیت کی جمع ہے۔ وصیت کے معنی لغت میں پند ونصائح کے ہیں اور اصطلاح شرع میں وصیت اس کو کہتے ہیں کہ کسی شخص کو کسی چیز پر اپنے بعد مالک کرے۔ "موصی" صاد کے کسرے سے وصیت کرنے والا۔ "موصیٰ لہ" صاد کے فتحہ سے وہ شخص جس کے واسطے وصیت کی گئی ہو۔ "موصیٰ بہ" صاد کے فتحہ سے وہ چیز جس کی وصیت کی گئی ہو **من ثلث ما بقی بعد الدین**۔ پھر قرض ادا کرنے کے بعد جس قدر مال للہ بچا ہو اس کی تہائی سے میت کی وصیت جاری کی جائے یعنی تجہیز وتکفین اور ادائے دیون کے بعد جو کچھ باقی رہے اس کی تہائی سے میت کی وصیت جاری کی جائے یعنی تجہیز وتکفین اور ادائے دیون کے بعد جو کچھ باقی رہا، اس کی تہائی سے میت کی وصیتیں نافذ کی جائیں دوسری عبارت میں جو مال میت کی تجہیز وتکفین اور ادائے قرض سے باقی رہ جاتا ہے اس کی تہائی سے وصیت جاری ہوتی ہے۔ وصیت میں تہائی کی قید اس صورت میں ہے کہ میت نے تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کی ہو یا زیادہ کی وصیت کی ہو، مگر وارث لوگ زیادہ کو جائز نہ رکھتے ہوں۔ اور اگر زیادہ کی وصیت کی ہو اور وارث اس کو جائز رکھتے ہوں تو زاید سے وصیت نافذ کی جائے۔ لیکن وارثوں کی اجازت اس وقت معتبر ہوگی کہ ان کو اجازت کی لیاقت ہو۔ حتیٰ کہ صغیر یتیموں کے حق میں اجازت کے کچھ معنی نہیں ہیں اور ولی یا وصی کو ان کیطرف سے اجازت کا اختیار اس وجہ سے نہیں کہ ان کو نظری ولایت ہوتی ہے جس امر میں بہتری کی نظر ظاہر نہ ہو وہ جائز نہیں۔ پھر بالغ وارثوں میں سے جس نے اجازت دی اس کے حق میں نفاذ معتبر ہے کیونکہ وہ اپنے حق میں خود مختار ہے۔

بہر صورت وصیت کے واسطے چند شرائط ہیں چنانچہ موصی کو یہ لیاقت حاصل ہو کہ وہ دوسرے کے ساتھ احسان کر سکے اور یہ کہ موصی قرضدار نہ ہو اور موصیٰ لہٗ میں یہ شرط ہے کہ وہ وصیت کیوقت زندہ موجود ہو اگرچہ وہ ابھی اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا نہ ہوا ہو۔ یعنی حمل کے واسطے بھی وصیت جائز ہے۔

بشرطیکہ وہ پیٹ میں بدلیل قطعی موجود ہو۔ مثلاً وصیت سے چھ ماہ کے اندر پیدا ہوا ہو۔ اور موصیٰ لہ میں یہ بھی شرط ہے کہ وہ وارث سے اجنبی ہو اور یہ بھی شرط ہے کہ وہ موصی کا "قاتل" نہ ہو۔ اور موصیٰ بہ میں یہ شرط ہے کہ وہ موصی کی موت کے بعد ایسی چیز ہو کہ جو غیر کی ملک میں رہنے کے لائق ہے یعنی موصی اپنی زندگی میں کسی عقد کے ذریعے سے دوسرے کی ملک میں دے سکتا ہو خواہ یہ چیز فی الحال موجود ہو۔ یا معدوم ہو اور یہ بھی شرط ہے کہ یہ چیز ترکے کی تہائی سے زیادہ نہ ہو۔ حکم وصیت یہ ہے کہ موصیٰ لہ اس چیز کا بلک جدید مالک ہو جاتا ہے۔ جیسے ہبہ کی صورت میں موہوب لہ مالک ہو جاتا ہے اور موصی نے اس چیز میں بجائے اپنے قائم کیا ہو

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ وصیت جاری ہوگی ثلث باقی سے نہ اصل مال کے ثلث سے بشرط وقوع تجہیز اور ادائے دیون کے یا بشرط وجود ایک کے جب کہ دوسرا امر نہ پایا جاوے اور اگر تجہیز و دیون دونوں ہی نہ پائے گئے اس طرح پر کہ ایک شخص ڈوب گیا یا جل گیا۔ یا درندے نے اس کو کھا لیا اور وہ کسی کا مدیون نہیں۔ تو تمام مال کی تہائی سے وصیت جاری ہوگی اور اگر میت کا کوئی وارث نہیں یا وارث ہے مگر وہ تمام مال کے ثلث سے تنفیذ وصیت کو جاری رکھتا ہے تو بھی کل مال کے ثلث سے وصیت جاری ہوگی۔ اور تنفیذ وصایا کا ثلث سے مطلب یہ ہے کہ جس قدر مال وصیت کے واسطے کفایت کرتا ہو اتنا مال پھر قسمت سے ساقط کیا جائے نہ اس قدر کو جدا کرنا مال باقی سے اور موصیٰ لہ کے حوالے کر دینا۔

"سورۂ نساء" کی آیت ذیل میں جو آیا ہے "مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ" اس قول کا ظاہر یہ حکم کرتا ہے کہ قرض اور وصیت میت کے ترکے سے نکالنے میں برابر ہیں لیکن علماء نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ قرض کا نکالنا وصیت پر مقدم ہے اور دلیل ان کی حضرت علیؓ کی حدیث ہے جو کہ احمد و ترمذی وغیرہ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم کیا کہ قرض کا ادا کرنا وصیت سے پہلے ہے اور تم لوگ وصیت کو قرض سے پہلے پڑھتے ہو اور امام بخاری اس حدیث کو معلق لائے ہیں اور سند اس کی کمزور ہے اس لیے کہ اس سند میں حارث اعور ہے جس کو ترمذی نے کہا ہے کہ اہل علم کا عمل اس حدیث پر ہے اور گویا بخاری نے اس پر عمل کیا ہے کہ اس کے مضمون پر عمل کا اتفاق نقل کیا ہے اور بخاری اس حدیث کو بھی لائے ہیں۔ اور جمہور علماء سے دین کے وصیت پر مقدم ہونے میں اختلاف نہیں کیا۔ اگر کوئی کہے کہ الحرم نے کہا ہے کہ وصیت کو آیت میں کیوں قرض پر مقدم کیا ہے تو اس کا جواب دیا ہے کہ جب کہ وصیت کا وقوع غنیمت اور صدقہ کی طرح ہے اور قرض کا وقوع غالباً میت کی تعدی سے ہوتا ہے اس لئے وصیت کو مقدم کیا کیونکہ وہ افضل ہے اور سہیلی کے سوا اور لوگوں نے وصیت کے مقدم کرنے کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ وصیت بغیر عوض کے دی جاتی ہے۔ اور دین عوض میں دیا جاتا ہے۔ پس وصیت کا نکالنا وارث پر قرض کے نکالنے سے مشکل ہے اور اس کے ادا کرنے میں قصور کرنے کا ظن ہے اور قرض میں یہ نہیں اس لئے وصیت کو قرض پر مقدم کیا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ وصیت حق ہے غربا اور مساکین کا اور دین حق ہے قرضخواہوں کا جو حاکم سے نالش کر کے لے سکتے ہیں

پس وصیت کے ادا کرنے میں احتمال کوتاہی اور بے پروائی کا تھا بخلاف دین کے کہ وارث لوگ اپنے مورث کا فراغ ذمہ خود چاہتے ہیں اور قرضخواہوں کی طرف سے عدالت میں نالش آنے کا بھی خوف لگا ہوتا ہے اس لئے ادائے وصیت کی ترغیب کے واسطے وصیت کا ذکر دین پر مقدم ہوا۔ صاحب فتح الباری نے کہا ہے کہ علما کا اس میں اختلاف نہیں۔ کہ دین کو وصیت پر مقدم کیا جائے۔ سوا ایک صورت کے اور وہ یہ ہے کہ میت ایک شخص کے واسطے ہزار روپے کی وصیت کرے اور وارث اس کی تصدیق کرے۔ اور اس کے پورا کرنے کو کہے۔ پھر ایک اور شخص اس میت پر ایسے قرضے کا دعوے کرے کہ میت کے کل مال کو گھیرتا ہو اور وارث بھی اس کی تصدیق کرے۔ تو شافعیہ کی اس میں ایک یہ وجہ ہے کہ خاص اس صورت میں وصیت کو قرض پر مقدم کیا جائے **ثم یقتسم الباقی بین ورثتہ** پھر باقی مال میت کے وارثوں میں تقسیم کیا جائے۔ "ورثتہ" جمع ہے وارث کی۔ اور علمائے فرائض کے عرف میں وارث وہ ہے، جو باقی رہے بعد فنا ہو جانے اوس شخص کے جس سے باقی کا نسب یا سبب ثابت ہو۔

ابن ہائم نے فصول المہم میں لکھا ہے کہ وارث ہونے کی چار صورتیں ہیں۔

(۱) خود بھی وارث ہو اور دوسرا بھی اس کا وارث بنے۔ جیسے اخیافین۔ چچا زاد۔ زوجین۔ ابوین۔

(۲) نہ تو خود وارث ہو نہ کوئی دوسرا اس کا وارث بنے جیسے مرتد لوگ۔ مگر ان کی بعض حالتیں اس سے مستثنیٰ بھی ہیں۔

(۳) خود تو وارث نہ بنے۔ مگر دوسرا اس کا وارث ہو جائے۔ جیسے جنین غرے کی حالت میں، جس کی تفصیل یہ ہے۔ کہ کسی آدمی نے حاملہ عورت کے پیٹ یا پیٹھ یا پہلو یا سر۔ یا کسی دوسرے عضو میں مارا جس سے حمل ساقط ہو گیا۔ یعنی مردہ جنین ڈال دیا۔ جنین خواہ لڑکا ہو یا لڑکی تو اس کی دیت میں قاتل پر غرہ واجب ہے۔ دیت اس مال کو کہتے ہیں جو کسی آدمے کے قتل کرنے کے بدلے میں جرمانے کے طور پر لیا جاتا ہے اور "غرہ" غلام یا کنیز یا پانسو درم ہیں۔ پانسو درم کی وجہ یہ ہے کہ یہ مرد کی دیت کے دسویں حصہ کا نصف ہے۔ اور مرد کی دیت دس ہزار درم ہیں تو دسویں کا نصف پانسو درم ہوئے۔ دوسری عبارت میں غرہ مرد کی دیت کا بیسواں حصہ ہے اور دونوں تقدیر پر پانسو درم ہوئے۔

خلاصہ یہ ہے کہ غرہ جنین کے لئے واجب ہوتا ہے اور وہ اس سے میراث ہوتا ہے اس لئے کہ اس میں دوسروں کی وراثت تو جاری ہوتی ہے۔ لیکن جنین خود کسی کا وارث نہیں بنتا کیونکہ اس کی زندگی متحقق نہیں، وہ تو ماں کے شکم سے مرا ہوا گرا ہے اور سوائے غرے کے کوئی اس کا وارث نہیں ہوتا

(۴) خود تو دوسرے کا وارث بنے۔ مگر دوسرا شخص اس کا وارث نہ ہو سکے جیسے انبیا۔

واضح رہے کہ تاخیر قسمت کا فعل وہاں ہے جہاں حقوق متقدمہ پائے جائیں۔ اور اگر حقوق مذکورہ نہوں تو وہاں قسمت ہی سے ابتدا ہوگی اور قسمت کا محل وہاں ہے جہاں وارث متعدد ہوں! ور اگر ایک ہی وارث ہے تو تمام مال اسی کا ہے سوائے زوجین کے کہ وہ سب مال کو نہیں پاتے۔

باکتاب یعنی ان وارثوں پر تقسیم کیا جائے۔ جو کتاب اللہ میں مذکور ہیں۔ جیسے باپ اور ماں اور

زوج اور زوجہ اور بیٹی اور بیٹے اور بھائی اور بہن کی میراث قرآن سے ثابت ہے کتاب اللہ میں وارد ہے یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین۔ تمہاری اولاد کے حصوں کے بارے میں اللہ تم سے کہتا ہے کہ لڑکے کو دو لڑکیوں کی برابر حصہ دیا کرو۔

مسئلہ ۳ — بیٹا ۲ — بیٹی ۱

مسئلہ ۵ — بیٹا ۳ — بیٹا ۲ — بیٹی ۱

مسئلہ ۴ — بیٹا ۲ — بیٹی ۱ — بیٹی ۱

مسئلہ ۸ — بیٹا ۲ — بیٹا ۲ — بیٹا ۲ — بیٹی ۱

مسئلہ ۹ — بیٹا ۲ — بیٹا ۲ — بیٹا ۲ — بیٹی ۱ — بیٹی ۱

فان کن نساءً فوق اثنتین فلھن ثلثا ما ترک۔ پھر اگر لڑکیاں دو یا دو سے بڑھکر ہوں تو ترکے میں ان کا حصہ دو تہائی ہے

مسئلہ ۳ فیہ ۳ حصہ ۹ — بیٹی ۲ — بیٹی ۲ — چچا ۵

مسئلہ ۳ فیہ ۳ حصہ ۹ — بیٹی ۲ — بیٹی ۲ — بھائی ۲ — بہن ۳

مسئلہ ۳ فیہ ۳ حصہ ۱۵ — بیٹی ۲ — بیٹی ۲ — چچا ۱۱

مسئلہ ۳ فیہ ۳ حصہ ۲۱ — بیٹی ۲ — بیٹی ۲ — بیٹی ۲ — چچا ۱۵

مسئلہ ۳ فیہ ۳ حصہ ۲۱ — بیٹی ۲ — بیٹی ۲ — بیٹی ۲ — بیٹی ۲ — بیٹی ۲ — چچا ۱۱

وان کانت واحدۃً فلھا النصف اور اگر لڑکی اکیلی ہو تو اس کا آدھا ہے

مسئلہ ۲ — بیٹی ۱ — بھائی ۱

مسئلہ ۳ فیہ ۲ حصہ ۶ — بیٹی ۱ — چچا ۵

مسئلہ ۳ — بیٹی ۱ — بہن ۲

مسئلہ ۳ — بیٹی ۱ — بھائی ۲

ولابویہ لکل واحد منھما السدس مما ترک ان کان لہ ولد اور میت کے ماں باپ کو یعنی دونوں میں سے ہر ایک کو ترکے کا چھٹا حصہ ہے اس صورت میں کہ اس میت کے اولاد ہو اولاد سے مراد ہے میت کی اولاد صلبی۔ بیٹے بیٹیاں۔ اور پوتے پوتیاں۔ اور پر رتے پر وتیاں یعنی نواسے نواسیاں اور انکی نسل اس میں داخل نہیں

مسئلہ ۶ — باپ ۱ — ماں ۱ — بیٹا ۴

مسئلہ ۶ — باپ ۱ — ماں ۱ — بیٹا ۲ — بیٹا ۲

مسئلہ ۶ صف ۶ حصہ ۴۲ | مسئلہ ۶ صف ۵ حصہ ۳۰

باپ	ماں	بیٹا	بیٹا	بیٹی	باپ	ماں	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹی	بیٹی
۱	۱	۷	۷	۷	۴	۵	۵	۴	۴	۴	۲

فان لم یکن لہ ولد وورثہ ابوہ فلامہ الثلث اور اگر اس کے اولاد نہیں اور اوس کے ماں باپ ہوں تو اس کی ماں کا حصہ ایک تہائی ہے

مسئلہ ۶ | مسئلہ ۴ | مسئلہ ۶

باپ	ماں	جورو	باپ	ماں	شوہر	باپ	ماں
۲	۱	۱	۲	۱	۳	۲	۱

فان کان لہ اخوۃ فلامہ السدس لیکن اگر ماں باپ کے علاوہ میت کے ایک سے زیادہ بھائی یا بہنیں ہوں تو ماں کا چھٹا حصہ ہے۔

مسئلہ ۶ صف ۳ حصہ ۱۸ | مسئلہ ۶

ماں	بہن	بہن	بہن	چچا	ماں	بھائی	بھائی	بھائی	بھائی
۳	۴	۴	۴	۳	۱	۱	۱	۱	۱

مسئلہ ۶ صف ۴ حصہ ۲۴

باپ	ماں	بھائی	بھائی	بہن	بہن
۵	۱	م	م	م	۴

مسئلہ ۶ صف ۶ حصہ ۳۶

ماں	بھائی	بہن	بہن
۵	۱۰	۵	۵

من بعد وصیۃ یوصین بہا او دین ۔ مگر یہ حصے میت کی وصیت کی تعمیل اور ادائے قرض کے بعد دیئے جائیں۔

مخرج مشترک مسئلہ ۶ صف ۶ حصہ ۱۸ | مسئلہ ۴

ماں	بھائی	بھائی	موصی لہ الثلث	ماں	باپ	موصی لہ بالربع
۲	۵	۵	۶	۱	۱	۲

پہلی سورت میں ماں بعض کا تہائی لے گی نکل کا تہائی۔ اس لئے کہ ماں باپ کا حصہ اس طرح ہے جیسے بیٹی کا بیٹے کے ساتھ ہوتا ہے۔ موصی لہ بالربع کو چوتھائی دے دینے کے بعد تین رہے اس میں سے دو حصے باپ کو ملے اور ایک ماں کو۔

ولکم نصف ما ترک ازواجکم ان لم یکن لہن ولد اور جو ترکہ تمہاری بی بیاں چھوڑیں۔ اور ان کے بیٹا اور بیٹی نہیں تو ان کے ترکے میں آدھا تمہارا ہے۔

مسئلہ ۲ | مسئلہ ۴ صف ۳ حصہ ۱۲

شوہر	بھائی	شوہر	بھائی	بہن
۱	۱	۳	۱	۱

فان کان لہن ولد فلکم الربع مما ترکن اور اگر تمہاری بی بیوں کے بیٹا اور

بیٹی ہے تو ان کے ترکے میں تمہارا حق چوتھائی ہے ولد میں پسر کی اولاد بھی داخل ہے

مسئلہ ۴ — شوہر ۱ بیٹا ۲ بیٹی ۳ — سہم ۳ — عول ۴ — تصحیح ۱۲ — شوہر ۳ بیٹا ۸ بیٹی ۱۰ — حصۂ بیٹا ۸ حصۂ بیٹی ۴

مسئلہ ۴ — شوہر ۱ بیٹی ۲ بیٹی چچا ۳ — سہم ۳ — عول ۴ — تصحیح ۱۲ — شوہر ۳ بیٹی ۸ بیٹی ۹ بھائی ۳

مسئلہ ۴ — شوہر ۱ بیٹی ۲ بیٹا ۳ — سہم ۳ — عول ۴ — تصحیح ۱۲ — شوہر ۳ بیٹی ۸ بیٹا ۱۰ — حصۂ بیٹی ۳ حصۂ بیٹا ۶

مسئلہ ۱۲ — شوہر ۱ بیٹی ۲ بیٹی ۳ بیٹا ۴ — سہم ۳ — عول ۴ — تصحیح ۱۲ — شوہر ۳ بیٹی ۸ بیٹی ۹ بیٹا ۱۰ — حصۂ بیٹا ۵ حصۂ بیٹی ۲½

مسئلہ ۱۲ — شوہر ۱ بیٹی ۲ بیٹی ۳ بیٹا ۴ بیٹا ۵ — سہم ۳ — عول ۴ — تصحیح ۱۲ — شوہر ۳ بیٹی ۸ بیٹی ۹ بیٹا ۱۰ بیٹا ۱۱ — حصۂ بیٹا ۵ حصۂ بیٹی ۲½

مسئلہ ۱۲ — شوہر ۱ مان ۲ بیٹا ۳ بیٹا ۴ بیٹا ۵ بیٹی ۶ — سہم ۳ — عول ۴ — تصحیح ۱۲ — شوہر ۳ مان ۲ بیٹا ۲ بیٹا ۲ بیٹا ۲ بیٹی ۱ — حصۂ بیٹا ۳ حصۂ بیٹی ۱½

من بعد وصیۃ یوصین بھا او دین۔ مگر اُن بی بیوں کی وصیت کی تعمیل اور ادائے قرض کے بعد

مسئلہ ۱۲ مخرج مشترک — مخرج مشترک مسئلہ ۵ مصہ ۱۲ حصہ ۸۰

شوہر ۳ بیٹا ۹ موصی لہ بالربع ۴ — شوہر ۱۵ بیٹا ۱۸ بیٹی ۹ موصی لہ بالربع ۱۸ — حصۂ بیٹا ۲۰ حصۂ بیٹی ۱۰

مسئلہ ۱۲ مخرج مشترک

شوہر ۳ موصی لہ بالثلث ۴ بیٹا ۴ بیٹی ۲

ولھن الربع مما ترکتم ان لم یکن لکم ولد اور تم کچھ ترکہ چھوڑ مرو اور تمہاری اولاد صلبی یا پسری نہ ہو تو بی بیوں کا حصہ چوتھائی ہے

مسئلہ ۴ — بی بی ۱ بھائی ۳ — سہم ۴ — تصحیح ۴ — بی بی ۱ بھائی ۳

مسئلہ ۴ — بی بی ۱ بھائی ۲ بہن ۱ — سہم ۴ — عول ۵ — تصحیح ۲۰ — بی بی ۴ بھائی ۱۲ بہن ۴

مسئلہ ۴ مصہ ۲ و ۴ حصہ ۸ — بی بی ۱ بھائی ۲ بھائی ۲ بہن ۱ بہن ۱

فان کان لکم ولد فلھن الثمن مما ترکتم اور اگر تمہاری صلبی یا پسری اولاد ہو تو تمہارے ترکے میں سے بی بیوں کا آٹھواں حصہ ہے

مسئلہ ۸ — بی بی ۱ بیٹا ۷ — سہم ۸ — تصحیح ۸ — بی بی ۱ بیٹا ۷

مسئلہ ۸ مصہ ۲ و ۸ حصہ ۱۶ — بی بی ۲ بیٹا ۷ بیٹا ۷

مسئلہ ۸ — بی بی ۱ بیٹا ۲ بیٹا ۳ بیٹی ۴ — سہم ۸ — تصحیح ۸ — بی بی ۱ بیٹا ۲ بیٹا ۳ بیٹی ۲

مسئلہ ۸ مصہ ۲ و ۸ حصہ ۱۶ — بی بی ۲ بیٹا ۲ بیٹا ۲ بیٹا ۲ بیٹا ۲ بیٹا ۲ بیٹا ۲ بیٹی ۱ بیٹی ۱

من بعد وصیۃ توصون بھا او دین اور بی بیوں کے حصے بھی تمہاری وصیت کی تعمیل اور ادائے قرض کے بعد دیئے جائیں۔

مسئلہ ۲۴ مخرج مشترک ۲۴

بی بی	موصیٰ لہ بالثلث	بیٹا
۳	۸	۱۴

مسئلہ ۲۵ مخرج مشترک ۲۵ مصححہ ۵ حصہ ۱۰

بی بی	موصیٰ لہ بالخمس	بھای	بھای
۲	۲	۳	۳

مسئلہ ۲۶ مخرج مشترک ۴۰ مصححہ ۵ حصہ ۱۶

بی بی	موصیٰ لہ بالربع	بیٹا	بیٹا	بیٹی
۱۵	۴۰	۴۲	۴۲	۲۱

مسئلہ ۲۷ مخرج مشترک ۴۰ مصححہ ۵ حصہ ۱۶

بی بی	موصیٰ لہ بالسدس	بی بی	بیٹا
۲	۵	۵	۲۵

وان کان رجل یورث کلالۃ او امرأۃ وله أخ او اخت فلکل واحد منهما السدس اگر کسی مرد یا عورت کی میراث ہو اور اس کے باپ۔ بیٹا یعنی اصل و فرع نہ ہو اور اس کے اخیافی بھائی یا اخیافی بہن ہو تو بھائی بہن میں ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے

مسئلہ ۲

اخیافی بھائی	چچا
۱	۵

مسئلہ ۲

اخیافی بہن	چچیرا بھائی
۱	۱

مسئلہ ۶

اخیافی بہن	چچا
۱	۵

مسئلہ ۱۲

بی بی	اخیافی بھائی	حقیقی بھائی
۳	۲	۷

مسئلہ ۸

بی بی	بیٹا	اخیافی بھائی
۱	۷	۷

فان کانوا اکثر من ذلک فهم شرکاء فی الثلث اور اگر اس کلالہ کے بھائی بہنیں ایک سے زیادہ ہوں تو سب ایک تہائی میں شریک ہیں۔

مسئلہ ۳ مصححہ ۳ حصہ ۳

دو اخیافی بہنیں	چچا
۲	۱

مسئلہ ۳ مصححہ ۳ حصہ ۳

اخیافی بھائی	اخیافی بہن	چچا
۱	۱	۱

مسئلہ ۳ مصححہ ۹ حصہ ۹

اخیافی بھائی	اخیافی بہن	اخیافی بہن	چچا
۱	۲	۲	۴

من بعد وصیۃ یوصین بها او دین ۔ یہ حصے بھی میت مذکور کو کی وصیت کے تعمیل اور ادائے قرض کے بعد ملیں گے جاہلیں

مخرج مشترک مسئلہ ۱۲ مصححہ ۳ حصہ ۹

موصیٰ لہ بالثلث	موصیٰ لہ بالربع	زوجہ	چچا
۴	۳	۲	۳

یستفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ ان امرؤا هلک لیس له ولد ولہ اخت فلها نصف ما ترک۔ لوگ تم سے فتویٰ پوچھتے ہیں۔ اے محمد تم ان سے کہدو کہ اللہ تعالے تم کو کلالہ کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی مرد مرجائے اور اس کے نہ ہو

اور اس کے ایک بہن حقیقی یا علاتی ہو تو جو مال وہ چھوڑ گیا ہے اس میں سے بہن کا آدھا حصہ ہے

مسئلہ ۲		مسئلہ ۲		مسئلہ ۱۲	
کلالہ بھائی		کلالہ بھائی		کلالہ بھائی	
حقیقی بہن	چچا	شوہر	حقیقی بہن	موصیٰ لہ بالثلث	زوجہ حقیقی بہن
۱	۱	۱	۱	۴	۳

تیسری صورت میں کہ مسئلہ (۱۲) سے ہے بہن ۶ سہم لیگی۔ ۴ فرض کی وجہ سے اور ۲ رد کی وجہ سے۔

مسئلہ ۲		مسئلہ ۲		مسئلہ ۲	
کلالہ بھائی		کلالہ بھائی		کلالہ بھائی	
زوجہ	حقیقی بہن	شوہر	حقیقی بہن	حقیقی بہن	چچا
۱	۲	۱	۱	۱	۱

وھو یرثھا ان لم یکن لھا ولد اور وہ شخص اوس بہن کا وارث ہوتا ہے جب کہ اوس بہن کے بیٹا نہ ہو۔ "ہو" کی ضمیر غائب سے حقیقی و علاتی دونوں قسم کے بھائی مراد ہیں۔

مسئلہ ۲	
بھائی	بھائی
۱	۱

فان کانتا اثنتین فلھما الثلثین مما ترک۔ اگر وہ دو بہنیں ہوں۔ تو اون کے واسطے اوس مال میں سے تہائی ہے۔ جو ان کا کلالہ بھائی چھوڑ کر مر گیا ہے

مسئلہ ۳	مسئلہ ۳ وہ ۹	مسئلہ ۱۲	
حقیقی بہن حقیقی بہن چچا	حقیقی بہن حقیقی بہن حقیقی بہن چچا	زوجہ	حقیقی بہن حقیقی بہن چچا
۱ ۱ ۱	۲ ۲ ۲	۳	۴ ۴ ۱

وان کانوا اخوۃ رجالا ونساء فللذکر مثل حظ الانثیین اور اگر بہن بھائیوں کی جماعت وارث مردوں اور عورتوں پر مشتمل ہو۔ تو ایک مرد کے لئے دو عورتوں کے حصے کی برابر ہے

مسئلہ ۴		مخرج مشترک مسئلہ ۱۶			مسئلہ ۵		
بھائی	بہن	بی بی	موصیٰ لہ بالربع بھائی بہن		بی بی	بیٹی	بھائی بہن
۲	۱	۳	۴	۶	۱	۴	۲ ۱

مسئلہ ۳ وہ ۱۲ ط ۳۶	مسئلہ ۳ وہ ۹	مسئلہ ۶		
شوہر دو بہنیں بھائی بہن	موصیٰ لہ بالثلث بھائی بہن	ماں	بھائی	بہن
۹ ۲ ۱	۳ ۴ ۲	۱	۲	۱

والسنۃ اور ان وارثوں پر تقسیم کیا جائے جن کی میراث سنت سے ثابت ہے جیسے جدہ کو حضرت نے سدس دلایا تھا کیونکہ اس کا الحاق ماں کے ساتھ کیا تھا۔ جدہ کی حدیث ابو سعید خدری اور مغیرہ بن شعبہ اور قبیصہ بن ذویب سے مروی ہے۔ عمران بن حصین سے احمد اور ابو داؤد اور ترمذی

روایت کی ہے کہ ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ میرا پوتا مرا ہے پس اس کی میراث سے میرا کیا حق ہے۔ حضرتؐ نے فرمایا کہ تیرا حق چھٹا حصہ ہے جب وہ واپس ہوا تو آنحضرتؐ نے اسکو بلا کر فرمایا کہ تیرا حق اور سدس بھی ہے جب وہ واپس ہوا تو آنحضرتؐ نے اس کو بلا کر فرمایا کہ یہ دوسرا تیرا طعمہ ہے اور آپ نے اس سدس کو اس لئے طعمہ فرمایا کہ وہ اصل فرض سے جو کہ متغیر نہیں ہوتا زائد تھا۔ پس پہلا سدس بطور فرض کے تھا اور دوسرا سدس عصبہ ہونے کے سبب سے، اور سگی بہنوں کی وراثت دختروں کے ساتھ بھی سنت سے ثابت ہے۔ چنانچہ حضرتؐ نے فرمایا ہے:۔ اجعلوا الاخوات من البنات عصبۃ

سنت وہ ہے جو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے قولاً یا فعلاً مروی ہو۔ اور حدیث کا لفظ قول کے مخصوص ہے اور مطلق لفظ سنت کا "سنت نبوی" سے اختصاص کا مقتضی نہیں ہے اس لئے کہ اہل شرع کے عرف میں مطلقاً لفظ سنت سے دین کا طریقہ مراد ہے خواہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا قول یا فعل ہو یا صحابہ کبار رضی اللہ عنہم کا نافی کی ارث مغیرہ اور ابن مسلمہ کی شہادت سے ثابت ہے

واجماع اور ان لوگوں پر تقسیم کیا جائے جن کی وراثت اجماع سے ثابت ہو۔ چنانچہ دلوی کی وراثت حضرت عمر فاروقؓ کے اجتہاد سے ثابت ہے اور اس پر اجماع اصحاب کرام کا ہو گیا ہے جس کا بیان احمد دارمی ترمذی ابن ماجہ اور ابو داؤد کی روایتوں میں ہے، جو قبیصہ بن ذویب سے اخراج کی ہے اسی طرح دادا کو باپ کی طرح قرار دینا اور پوتے کو بیٹے کی مانند ٹھہرانا۔

اصل اس امر اجتہاد میں وہ بات ہے جو پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے معاذ کو یمن کی طرف روانہ کرتے وقت فرمائی تھی۔ کیف تقضی اذا عرض لک قضاء قال اقضی بکتاب اللہ قال فان لم تجد فی کتاب اللہ قال اقضی بسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال فان لم تجد فی سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ قال فقال اجتہد برائی ولا آلو قال فضرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صدرہ وقال الحمد للہ الذی وفق رسول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لما یرضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ یعنی تم کس طرح مقدمات کا فیصلہ کرو گے جب کہ کوئی مقدمہ تمہارے سامنے پیش ہو؟ کہا کہ میں قرآن کے موافق فیصلہ کروں گا۔ فرمایا کہ اگر قرآن میں تم اس کا حکم نہ پاؤ تو کیا کرو گے؟ کہا کہ آپ کی سنت کے موافق حکم دوں گا" فرمایا کہ "اگر میری سنت میں بھی اوس کا حکم نہ پاؤ۔ تو پھر کیا کرو گے؟" کہا کہ "میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ اور کوشش میں قصور نہیں کروں گا" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سینہ میں ہاتھ مارا اور فرمانے لگے کہ اللہ کی حمد ہے جس نے اپنے رسول کے ایلچی کو اس بات کی توفیق دی جس سے اس کا رسول راضی ہے" اس حدیث کو ابو داؤد اور ترمذی نے حارث بن عمر سے روایت کیا ہے جو اس کو معاذ کی طرف مرفوع کرتا ہے۔

اسی طرح روایت کرتے ہیں کہ جب ابو موسیٰ اشعری کو یمن کی طرف حضرتؐ نے روانہ کیا تو اسے کہا۔ کہ کتاب اللہ کے موافق حکم کیجو اگر اس میں نہ ملے تو سنت رسول اللہ کے موافق حکم دیجو۔ اگر اس میں بھی نہ ملے تو اپنی رائے کے اجتہاد سے کام کیجو۔

ان آثار سے ثابت ہوا کہ جب کوئی نص موجود نہ ہو تو مجتہد کو اپنے اجتہاد سے کام کرنا چاہیئے۔

الامۃ مصنف نے اجماع کے ساتھ امت کی جو قید لگائی ہے تو اس سے مراد امت محمدی کا اجماع ہے اور امت کی قید سے شرائع انبیاء سابقین کا اتفاق نکل گیا۔ اور مجتہدین کا اجماع انھیں امور پر ہوتا ہے جو کتاب وسنت سے متفق ثابت نہ ہوں شیعہ اور خوارج اجماع کے منکر ہیں اور یہ انکار ان کا صحیح نہیں صحابہ اور تابعین کا اجماع پر اتفاق ہے۔ اور منکرین اجماع کو خطاوار جانتے ہیں اور مخالفین کے تخطیے پر سب کا اتفاق رہا ہے۔ اور جم غفیر کا ایک امر کے منکرین کے تخطیے پر اتفاق کر لینا حجت قطعی ہے۔ اس امر پر کہ اجماع صحیح ہے اور منکرین کا انکار نادرست اور کسی غیر قاطع بات پر اجماع واقع ہونا عادتاً محال ہے

بہر صورت اجماع امت سے مراد یہاں اجتہاد مجتہد کا ہے اس چیز میں جس کا حکم نہ قرآن میں منصوص ہو نہ سنت میں۔ پس قول مجتہد کا ایسے مسئلے میں کافی ہے

خلاصہ کلام یہ ہے کہ وارث وہ لوگ ہیں جن کی وراثت کلام الٰہی اور سنت نبوی اور اجماع امت سے ثابت ہے

پس جن وارثوں کی فرض کی تصریح کتاب اللہ میں ہو تو اُن کے نصیب کی تقسیم کتاب اللہ کے موافق ہونی چاہیئے اور جن کے فرض کی تصریح کتاب اللہ میں تو نہ ہو بلکہ صرف سنت رسول اللہ میں ہو تو اوس کے مطابق عمل ہونا چاہیئے۔ اور کسی مورث کے وارثوں میں سے بعض ایسے ہوں کہ ان کے فرض کا ذکر کتاب اللہ میں پایا جاتا ہو۔ اور بعض ایسے ہوں کہ ان کے فرض کا ذکر سنت رسول اللہ میں ہو تو دونوں کے مطابق نصیبوں کی تقسیم ہوگی اور اگر ایسے وارث ہوں کہ ان کے حصوں کی بابت نہ کتاب اللہ میں نص ہو نہ سنت میں اور مسئلہ میں مجتہد اختلاف کرتے ہوں۔ تو ان کے قول کے مطابق باقی مال کو بانٹ دینا چاہیئے۔ اور قیاس کو فرائض میں کچھ دخل نہیں بخلاف جملہ مسائل متعلقہ عبادات ومعاملات کے **فیقسم اصحاب الفرائض وھم الذین لھم سھام مقدرۃ فی کتاب اللہ تعالٰی** پس ترکے کی تقسیم شروع کی جائے اصحاب الفرائض سے اور مراد ان سے وہ لوگ ہیں جن کے حصے قرآن میں مقرر ہیں جیسے "ماں" کہ اس کے لئے درصورت ہونے اولاد کے چھٹا حصہ مقرر ہے اور بغیر اولاد کے تہائی۔ یا بہن کہ اس کے لئے چوتھائی بغیر اولاد کے اور آٹھواں حصہ اولاد کے ساتھ مقرر ہے۔ تمام اصحاب فرض کے لئے سہام مقدرہ ہیں "سہام" جمع سہم کی ہے اور اس کے معنی حصہ مقررہ کے ہیں۔ اور "سہام مقدرہ" یعنی وہ حصے جو معین اور مقدر ہیں۔ کتاب اللہ میں چھ ہیں۔ نصف یعنی آدھا حصہ $\frac{1}{2}$، ربع یعنی چوتھائی حصہ $\frac{1}{4}$ ثمن یعنی آٹھواں حصہ $\frac{1}{8}$، ثلثان یا ثلثین یعنی دو تہائی حصے $\frac{2}{3}$، ثلث یعنی تہائی حصہ $\frac{1}{3}$، سدس یعنی چھٹا حصہ $\frac{1}{6}$

اور تمام اہل فرائض بارہ ہیں دس نسب کی راہ سے جن میں سے تین مرد ہیں اور وہ ایک باپ دوسرا دادا پر دادا جہاں تک اوپر ہو نیسرا اخیافی بھائی ہے۔ اور سات عورتیں ہیں ایک بیٹی دوسری پوتی اور پرپوتی (یعنی نواسی) جہاں تک نیچے ہو۔ تیسری سگی بہن۔ چوتھی علاتی بہن۔ پانچویں اخیافی بہن۔ چھٹی ماں۔ ساتویں دادی۔ جن بھائی بہنوں کے ماں باپ ایک ہوں اون کو "اعیانی" کہتے ہیں۔ جو سگے کے معنے ہے۔ اور جو فقط باپ کی طرف سے ہوں۔ یعنی باپ ایک اور ماں دوہوں وہ "علاتی" یعنی سوتیلے ہیں۔ اور جو فقط ماں کی طرف سے ہوں۔ اس طرح کہ ماں نے بعد شوہر اول کے دوسرے شوہر سے نکاح کیا تو "اخیافی" کہلاتے ہیں۔ اور دو سبب کی راہ سے اور وہ شوہر اور زوجہ ہیں۔

ثم بالعصبات اصحاب فرائض سے عصبات کو موخر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ پیغمبر خدا نے فرمایا ہے۔ **الحقوا الفرائض باھلھا فما بقی فلاولی رجل ذکر**۔ یعنی فرائض ان کے مستحقین کو پہنچاؤ پھر جو کچھ ان سے بچے وہ اس شخص کے لئے ہے جو مردوں میں سے میت کے بہت نزدیک ہو جیسا کہ بخاری و مسلم اور احمد و ترمذی نے عبداللہ بن عباس سے روایت کیا ہے اور "فھو لاولی" بھی روایت کرتے ہیں۔ متن حدیث میں اور بھی اختلاف ہے۔ روح ابن قاسم کی روایت میں ابن طاؤس سے مرفوعاً ہے **اقسموا المال بین اھل الفرائض علی کتاب اللہ فما ترکت فھو لاولی رجل ذکر**۔ یہاں اولے وَلی بفتحہ واؤ وسکون لام بمعنی "قرب" سے مشتق ہے۔ یعنی جو کوئی میت کی طرف اقرب ہو۔ اور قاضی عیاض نے بیان کیا ہے کہ ایک روایت میں "فھو لادنے" دال اور نون سے واقع ہے جو اقرب کے معنی میں ہے۔ یہ مسلم کی ایک روایت ہے اور خطابی سے منقول ہے کہ اس کے معنی وہ مرد ہے کہ جو عصبہ میں سے قریب تر ہو۔ اور ابن بطال سے حکایت کی گئی ہے کہ "اولے رجل" سے یہ مراد ہے کہ عصبہ میں سے مرد ذوی الفروض ہیں جب کہ ان میں ایسا مرد ہو جو میت سے بہت نزدیک ہو وہ مستحق ہوگا نہ بعید۔ اگر قرب میں برابر ہوں تو شریک ہوں گے۔ حدیث کی روایتوں میں "رجل ذکر" واقع ہے اور فقہا کی کتب مثل "صاحب نہایہ" اور اوس کے شاگرد غزالی کے "اولی عصبۃ ذکر" واقع ہے۔ بقول ابن جوزی یہ لفظ محفوظ نہیں ہے۔ اور ابن صلاح کہتے ہیں کہ یہ لفظ نحوی حیثیت سے صحت سے دور ہے۔ پس ایسی روایت نہیں ہو سکتی کیونکہ عصبہ لغت میں جماعت کا نام ہے نہ واحد کا۔ صاحب "فتح الباری" نے جواب دیا ہے کہ بظاہر یہ اسم جنس ہے رجل کے ساتھ جو ذکر کی قید ہے تو یہ سبب استحقاق پر تنبیہ ہے اور وہ ایسا مرد ہوتا ہے جو عصوبت اور ترجیح فی الارث کا سبب ہے اسی لئے مرد کا حصہ دو عورتوں کی برابر مقرر ہوا۔ جیسا کہ خرشی مالکی نے "شرح مختصر الخلیل" میں لکھا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر عصبات کو مقدم کر دیا جائے تو اہل فرائض کی محرومی لازم آئے۔ اور یہ قطعاً ناجائز ہے۔

عصبات کی تاخیر پر یوں بھی دلیل لاتے ہیں کہ اصحاب فرائض کی وراثت بہت قوی ہے کیونکہ صاحب فرض کبھی ساقط نہیں ہوتا۔ گو صاحبان فروض تمام ترکے لے لیں بخلاف عصبہ کے کہ وہ ایسے

وقت میں ساقط ہو جاتا ہے بعض نے تعصیب کے ساتھ وراثت کو نہایت قوی مانا ہے اور دلیل اس پر یہ ہے کہ عاصب اگر تنہا ہو تو تمام مال لے لیتا ہے اور صاحب فرض ایسا نہیں کر سکتا۔ اور صاحبان فرض میں عورت و مرد دونوں ہوتے ہیں بلکہ ان میں عورتیں زیادہ ہیں بعض نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔

من جهة النسب یعنی پھر اہل فرائض کے بعد عصبات نسبیہ کو ارث ملے گی۔ اور عصبات نسبی وہ اشخاص ہیں جو قرابت کی وجہ سے مستحق میراث ہوتے ہیں۔ دوسری عبارت میں نسب سے عصبہ میت کے ایسے قرابت والے عصبات ہیں جن کے لئے حصہ مقرر نہیں۔ اگر اکیلے ہوں تو کل مال الخیر پہونچے۔ اور اگر اصحاب فرائض کے ساتھ ہوں تو بعد ذوی الفروض سے بچے۔ انھیں ملے۔ جیسے بیٹا۔ بھائی۔ بھتیجا۔ ان کے ذکر کے تقدیم کی وجہ یہ ہے کہ عصبات نسبی قوی تر ہیں عصبات سببی سے کیا تم نہیں دیکھتے کہ ترکہ کا رد اصحاب فروض نسبی پر ہوتا ہے نہ اصحاب فروض سببی پر زوج و زوجہ ہیں۔

غرضکہ نسبی کی تقدم قرابت حقیقی کی وجہ سے ہے اور عصبہ سببی قرابت حکمی کی وجہ سے بنا ہے۔

والعصبة عَصَبَہ عین اور صاد کے فتحہ سے ہے۔ مغرب میں لکھا ہے کہ عَصَبَہ کا لفظ عاصب کی جمع ہے۔ اگرچہ لفظ عاصب مسموع نہیں پھر عصبہ کا اطلاق واحد و جمع مؤنث و مذکر پر بطور غلبہ کے ہوتا ہے

كل من يأخذ ما ابقته اصحاب الفرائض وعند الانفراد يحرز جميع المال

یعنی عصبہ وہ شخص ہے جو بوجہ حصص ذوی الفروض کے بقیہ مال کا لینے والا ہو اور اپنے تنہا ہونے کے وقت تمام ترکہ لے لے۔ **ثم بالعصبة من جهة السبب** پھر عصبہ نسبی کے نہونے کی صورت میں عصبہ سببی ہو۔ **وهو مولى العتاقة** اور عصبہ سببی مولائے عتاقہ ہے یعنی پھر عصبہ نسبی کے بعد ارث شروع کی جائے۔ آزاد کرنے والے سے کہ وہ بوجہ سبب کے عصبہ ہے اور اس کو عصبہ سببی کہتے ہیں اس واسطے کہ عصوبت اس کو بسبب آزاد کرنے کے حاصل ہوئی ہے۔ بسبب قرابت کے حاصل کلام یہ ہے کہ اگر میت اصل میں کسی کا غلام ہو۔ اور اس کے مولا نے اسے آزاد کر دیا ہو یا استحقاقاً خود بخود آزاد ہو گیا ہو۔ اور وہ کوئی اپنا عصبہ نسبی نہ چھوڑے۔ تو اس کا مال اس آزاد کرنے والے کو مرد ہو، یا عورت بطور عصوبت کے پہنچے گا۔ پس آزاد کرنے والا عصبہ سببی ہے "مثلاً" کسی شخص نے لونڈی یا غلام کو آزاد کیا تو اس لونڈی یا غلام کی وراثت اس آزاد کرنے والے کو پہنچے گی۔ اور وہ ان کے ترکے کا مالک ہو جائے گا۔ اور اس کو ولائے عتاقہ اور ولائے نعمت کہتے ہیں اور آزاد کرنے والے کو مولائے عتاقہ بولتے ہیں۔ اور آزاد کرنے والا اس حدیث کی دلیل سے عصبہ ہو گا کہ حضرت حمزہ کی دختر نے ایک غلام آزاد کیا بعد اس کے وہ غلام مر گیا جس کے ایک بیٹی رہی۔ تو رسول اللہ نے میت کا نصف مال اس کی بیٹی کو دلایا۔ اور نصف حمزہ کی بیٹی کو۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ مولی العتاقہ رد سے مقدم ہے اور یہ دلیل ہے اس پر کہ ذوی الارحام سے بھی مقدم ہو یہی حنفیہ کا مختار ہے لیکن عمر بن خطاب و ابن مسعود و ابن عباس و زید بن علی اور اور ناصر سے روایت کی گئی ہے کہ آزاد کرنیوالا بیت کے ذوی الارحام کے بعد وارث ہوتا ہے اور انکے سوا باقی لوگ اس طرف گئے ہیں کہ وہ ذوی الارحام پر مقدم ہوتا ہے اور ذوی الفروض کو بچا ہوا باقی لیتا ہے اور نسبی عصبہ کے ساتھ محروم ہوتا ہے کیونکہ آزاد کرنے والا تو آخری عصبہ ہے اور یہ سب

اور اس دلیل سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے و لم یترک وارثا یعنی اس نے کوئی وارث نہ چھوڑا۔ علما نے کہا ہے کہ وارث سے مراد عصبہ نسبی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی عصبہ نسبی نچھوڑا ہو تو آزاد کرنے والا عصبہ ہوگا۔ دختر حمزہ کی دلیل سے کہ اس کو بطور عصبہ میراث دلوائی اس سے معلوم ہوا کہ وارث عصبہ سے آزاد کرنے والا پیچھے لیکن ذوی الارحام سے مقدم ہے پس اگر آزاد شدہ کا کوئی عصبہ نسبی موجود نہ ہو تو اس کی میراث آزاد کرنے والے کے واسطے ہوگی اور اس کی تاویل یہ ہے کہ وہاں کوئی ایسا ذی فرض بھی موجود نہ ہو جس کا حق دو طرح ہے مثلاً باپ کہ وہ حق فرض بھی لیتا ہے اور باقی کو بطور عصبہ بھی لیتا ہے تو ایسا صاحب فرض بھی نہ ہو اور اگر ایسا صاحب فرض موجود ہو۔ تو بعد اپنے فرض کے باقی بھی لے لے گا۔ کیونکہ وہ عصبہ ہے اور عصبہ وہ شخص ہے جو باقی بچا ہوا لے۔ اور ظاہر ہے کہ عصبہ سے قبیلے کی وجہ سے انتصار ہوتا ہے۔ اور موالی کی ذات سے نصرت ہوتی ہے **ثم عصبتہ** پھر آزاد کرنے والے کے بعد اس کا عصبہ آزاد کرنے والے کے عصبات سے مطلب اس کا یہ ہے کہ اگر ایک شخص مرے۔ اور کوئی اپنا عصبہ نسبی نچھوڑے اور آزاد کرنے والا بھی نہ رہا ہو۔ تو اس آزاد کرنے والے کے عصبہ مذکر کو وہ مال بطور عصوبت ملے گا۔ اس واسطے کہ عورتوں کو ولاء سے کچھ حق نہیں ہے۔ سوائے اسکی ولاء کے جس کو انھوں نے خود آزاد کیا۔ یعنی اگر عورت نے خود آزاد کیا تو اس کی میراث پائے گی اور اگر اس کے باپ یا بھائی نے آزاد کیا تو اس کی میراث عورت کو نہ ملے گی **علی الترتیب** مراد اس سے یہ ہے کہ اول آزاد کرنے والی کے عصبہ نسبی سے میراث شروع کی جائے۔ اور اوس کی عدم موجودگی کی صورت میں عصبہ سببی کو میراث دی جائے۔ پوشیدہ نہ رہے عصبہ سببیہ دو قسم ہے (۱) بلا واسطہ (۲) بواسطہ۔ بلا واسطہ کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے ایک غلام آزاد کیا بعد اس کے وہ غلام مرگیا۔ اور اس نے سوائے اپنے آقا کے اور کوئی عصبہ نسبی کو نچھوڑا۔ پس یہ شخص اس کا عصبہ سببیہ بلا واسطہ ہے۔ اور بواسطہ کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے ایک غلام آزاد کیا پھر اس غلام آزاد نے ایک دوسرا غلام آزاد کیا بعد اس کے یہ دوسرا غلام مرگیا۔ اور سوائے اس شخص کے کہ اس کے آزاد کرنے والے کا آزاد کرنے والا ہے اور کوئی عصبہ نسبی کو نچھوڑا پس یہ شخص اس کا عصبہ سببیہ بواسطہ ہے **ثم الرد علی ذوی الفروض النسبیۃ**۔ پھر اگر عصبات نسبی اور سببی سے کوئی نہ ہو تو جو کچھ بعد دینے سہام ذوی الفروض کے بچ رہے تو اس کو ذوی الفروض نسبیہ پر رد کہ وہ یہ دس شخص ہیں باپ۔ دادا۔ اخیافی بھائی۔ بیٹی۔ پوتی۔ سگی بہن۔ علاتی بہن۔ اخیافی بہن۔ ماں۔ اور دادی) دوبارہ بطور رد کے موافق ان کے حصہ رسدی کے تقسیم کیا جائے۔ اور اس کا طریقہ "باب الرد" میں مذکور ہوگا۔

اہل فروض نسبی کی قسم سے اہل فروض سببی چنانچہ زوجین خارج ہوگئے۔ اس واسطے زوجین کو دوبارہ نہ دیا جائے گا۔ شرح "رد نقص الفرائض" میں مذکور ہے کہ زوجین پر اس لئے رد نہیں ہوتا کہ ان کی میراث خلاف قیاس ہے۔ اس لئے کہ ان کی رشتہ داری نکاح کی وجہ سے ہے جو سبب

ہی جاتی رہتی ہے اور جو چیز ایسی ہو کہ وہ نص سے تو ثابت ہو۔ مگر قیاس اسکو نہ چاہتا ہو تو اس میں اسی قدر اقتصار ہونا چاہئے۔ جس قدر نص میں وارد ہے اور ظاہر ہے کہ زوجین کے فرض پر زیادہ کرنے کی بابت کوئی نص وارد نہیں۔ مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نزدیک ان کو بھی دوبارہ دیا جائے گا۔ ابن الفنادی نے کہا ہے کہ اس زمانے میں "ردّ علی الزوجین" پر فتویٰ ہے۔ بیت المال کے فساد کی وجہ سے ہے اور "ذخیرہ" میں ہے کہ جو مال فاضل ہو زوجین سے وہ بیت المال میں نہ رکھا جائے۔ بلکہ انھیں کو دوبارہ دیا جائے۔ کیونکہ وہ میت کی طرف سبب کی جہت سے اقرب ہیں۔ بہ نسبت اور شخصوں کے اور اسی طرح رضاعی بیٹے اور رضاعی بیٹی کا حال ہے۔ اور حاشیۂ "عجم زادہ" میں ہے کہ آزاد کرنے والے کی بیٹیاں اور اس کے ذوی الارحام ہمارے زمانے میں وارث ہوتے ہیں جن کے آزاد کرکے ہوئے کا کوئی وارث نسبی نہ ہو۔ اور اسی طرح ہمارے زمانے میں زوجین پر رد میراث ہوگا۔ اور اس نے مرصاد سے نقل کیا ہے کہ اب اسی قول پر فتویٰ ہے۔ پھر عجم زادہ نے کہا ہے کہ کیونکر اس پر فتویٰ نہ ہو کہ ہمارے زمانے میں بیت المال نہیں۔ بیت المال تو صحابہ اور تابعین کے زمانے میں تھا۔ اور اگر سلطان یا قاضی کو مال مذکور دیا جائے۔ تو وہ بیت المال کے مصارف میں صرف نہیں کرتے

بقدر حقوقهم یعنی اون کے حقوق کے مطابق۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ بقدر نسبت ان کے حقوق کے مال تقسیم کریں۔ اس طرح کہ جس کا ایک سہم واجب ہے اسکو ایک سہم دیا جائے۔ اور جس کے دو سہم ہوں اوس کو دو سہم کی مقدار میں دیا جائے **ثم** یعنی درصورت نہونے **ذوی الفروض نسبیہ** اور کسی قسم کے عصبات کے **فذوی الارحام**۔ مال ذوی الارحام کو ملے گا۔ مراد یہ ہے کہ جب اہل فروض نسبیہ اور عصبات مذکورہ نہیں۔ تو ترکے میں ذوی الارحام سے ابتدا ہوگی۔ "ذوی الارحام" وہ قرابت دار ہیں۔ جن کا نہ حصہ مقرر ہے اور نہ وہ عصبہ ہیں۔ خواہ میت کی ماں کی طرف سے قرابت دار ہوں۔ یا اوس کے باپ کی طرف سے۔ لغت میں "ذورحم" اسے کہتے ہیں۔ جو ماں کی طرف سے رشتہ رکھے۔ **ثم مولے الموالات**۔ پھر جب کہ ذوی الارحام بھی نہوں تو مستحق میراث "مولے الموالات" ہے۔ "موالات" لغت میں بمعنی دوستی کے ہے اور اصطلاح میں یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کے ہاتھ پر مسلمان ہو۔ مثلاً "حامد" کے ہاتھ پر "محمود" مسلمان ہوا۔ پھر اس سے اس شرط کے ساتھ عقد موالات باندھا۔ کہ جس کے ہاتھ پر مسلمان ہوا ہے وہ اس کا وارث ہو۔ اور اگر محمود نے اپنی زندگی میں کوئی ایسا جرم کیا جس کو عاقلہ یعنی رشتہ دار اور برادری کے لوگ مدد کرکے اٹھاتے ہیں تو حامد اس کا عاقلہ ہوگا۔ تو قولاً صحیح ہے۔ پھر اگر محمود سے کوئی قتل خطا وغیرہ واقع ہو تو اس کا عاقلہ اس کا مولی حامد ہوگا۔ اور اگر محمود مرگیا اور اس کا کوئی وارث سوائے حامد کے نہیں ہے تو بھی مولے اس کا وارث ہوگا۔ اور مولائے موالات کا وارث ہونا مروی ہے حضرت عمر فاروق و علی مرتضیٰ و ابن مسعود و ابن عباس رضی اللہ عنہم سے۔ سوا اس کے ابراہیم نخعی۔ اور علمائے حنفیہ کا عمل ہے اور شافعی نے کہا ہے کہ مولی الموالات کا میراث میں سے کچھ حصہ نہیں ہے کیونکہ اس میں بیت المال کا حق مٹانا لازم آتا ہے اس واسطے دوسرے وارث موجود کے حق میں

یہ موالات جاری نہیں ہوتی ہے اور ہماری دلیل یہ آیت ہے۔ والذین عقدت ایمانکم فاتوھم نصیبھم۔ یعنی جن لوگوں سے تمہارے ہاتھوں نے عقد باندھا ہے تو اُن کو اُن کا حصہ دے دو۔ یہ آیت موالات کے بارے میں نازل ہوئی ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا۔ کہ ایک شخص دوسرے کے ہاتھ پر مسلمان ہوا۔ اور اس سے موالات کر لی۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غیر لوگوں میں سے یہی اس کی زندگی و موت میں زیادہ حقدار ہے۔ اور یہ حدیث زندگی و موت دونوں حالتوں کے ذکر سے عاقلہ ہونے، اور میراث کا اشارہ کرتی ہے۔ اس حدیث کو ابوداؤد و ترمذی و نسائی و ابن ماجہ و حاکم و احمد و ابن ابی شیبہ و دارمی و ابو یعلے و طبرانی و دارقطنی و عبدالرزاق نے "تمیم الداری" سے روایت کیا ہے۔ اور امام بخاری نے اس کو "باب فرائض" میں معلق ذکر کیا ہے اور دلیل قیاسی یہ ہے کہ مال تو اس شخص کا حق ہے پس اس کو اختیار ہے جہاں چاہے صرف کرے۔ اور بیت المال کی جانب صرف کرنا اس ضرورت سے ہوتا ہے کہ کوئی مستحق نہیں ہے۔ نہ یہ کہ بیت المال کو استحقاق ہوتا ہے۔ شافعی نے کہا ہے کہ یہ حدیث ہمارے نزدیک ثابت نہیں کیونکہ اس کو عبدالعزیز بن عمر نے ابن موہب سے اُس نے تمیم الداری سے روایت کیا ہے۔ اور ابن موہب ہمارے نزدیک معروف نہیں ہے۔ اور ہمارے علم میں تمیم الداری اور اُس سے ملاقات نہیں ہوئی۔ جیسا کہ بیہقی نے ذکر کیا ہے۔ جواب یہ ہے کہ شیخ ابن جوزی نے خود تقریب میں لکھا ہے۔ کہ عبداللہ بن موہب طبقہ ثالثہ سے ثقہ ہے اور ذہبی نے فرمایا ہے کہ اگر یحیٰی بن معین نے اس کو نہیں پہچانا۔ تو کچھ مضائقہ نہیں ہے کیونکہ دوسروں نے اسکو ثقہ بیان کیا ہے۔ اور ابن ابی شیبہ اور ابونعیم کی روایتوں میں مذکور ہے کہ ابن موہب نے کہا ہے کہ میں نے تمیم الداری سے لے لیا ہے۔ پس امام بخاری و ترمذی کا یہ خیال کہ اُس نے تمیم الداری کو نہیں پایا ہے" جاتا رہا۔ اور بغیر دلیل تردید نہ ہوگی۔ اور یہ امر کہ عبدالعزیز بن عمر کے حافظہ میں بعض نے کلام کیا ہے، سو وہ مقبول نہیں کیونکہ یہ صحیحین کے راویوں میں سے ہے اور ابن معین و ابوزرعہ و ابونعیم و ابن عماد نے کہا ہے کہ وہ ثقہ ہے پس یہ حدیث حجت ہے۔

ولاے موالات کا سبب عقد ہے یعنی باہم موالات کا عہد و پیمان کرنا اور اسی سبب سے ولاء کو اپنے سبب کی طرف مضاف کر کے ولاے عتاقہ و ولائے موالات کہتے ہیں۔ اور حکم اپنے سبب کی جانب مضاف ہوا کرتا ہے۔ اور شرع میں ان دونوں کے معنی تناصر یعنی باہم ایک دوسرے کی مدد و نصرت کرنا ہیں۔ اور زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اہل عرب بہت سی چیزوں سے باہم نصرت کرتے تھے۔ اور آپ نے ولاء کی دونوں قسموں سے اُن کا تناصر جاری رکھا۔ چنانچہ فرمایا۔ کہ قوم کا مولیٰ اُسی قوم میں سے ہے اور فرمایا کہ قوم کا حلیف اُس قوم میں سے ہے۔ اور "حلیف" سے مولے الموالات مراد ہے۔ کیونکہ اہل عرب موالات کو حلف سے مؤکد کرتے تھے۔ اور "رفاعہ" بن رافع سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ کسی قوم کا مولی (یعنی آزاد کیا ہوا غلام) اسی قوم سے ہے۔ اور کسی قوم کی لڑکی کا بیٹا بھی اسی قوم سے ہے۔ اور قوم کا حلیف بھی اسی قوم سے ہے۔

اس کو احمد اور بخاری نے ادب میں اور ابن ابی شیبہ اور طبرانی اور حاکم نے روایت کیا ہے۔

اور اگر اس نو مسلم موالات کرنے والے کا کوئی وارث ہو۔ تو اس کے مولی الموالات سے مقدم ہوگا۔ اگرچہ یہ وارث اوس کی پھپھی یا خالہ یا کوئی دوسرا ذوی الارحام میں سے ہو یعنی اگر ذوی الارحام سے کوئی موجود ہو تو وہی وارث ہوگا اور مولے کو میراث نہیں ملے گی۔ کیونکہ موالات میں ان دونوں نے اپنے طور پر عقد باندھا، تو ان کا عقد باندھنا دونوں پر لازم نہ ہوگا۔ یعنی دوسرے وارثوں کا حق نہیں مٹا سکتے۔ اور ذوی الارحام بھی وارث ہوا کرتے ہیں۔ پھر واضح ہو کہ عقد موالات میں میراث کی اور عاقلہ ہونے کی شرط ضروری ہے کیونکہ ہر ایک اس وقت وارث ہو سکتا ہے کہ جب اپنے اوپر لازم کرے اور یہ شرط بلوغ سے حاصل ہوگا اور اس کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ نو مسلم جو موالات کرنا چاہتا ہے اہل عرب میں سے نہ ہو۔ کیونکہ اہل عرب کی باہم نصرت بذریعہ قبائل ہوتی ہے تو وہاں موالات کی کچھ حاجت نہیں۔ اور یہ بھی شرط ہے کہ عقد والے کے وقت اس کا کوئی وارث نسبی موجود نہ ہو اور نہ اس کی طرف سے بیت المال یا مولائے موالات نے خون بہا ادا کیا ہو۔ اور یہ حال وراثت مولی الموالات کا مثل ذو رحم کے ہے کہ اکیلا مستحق کل مال کا ہے اور زوج یا زوجہ کے ساتھ اس قدر مال کا مستحق ہے جو ان دونوں کا حصہ دینے کے بعد بچ رہے۔ جیسے نواسا یا ماموں اگر زوج یا زوجہ کے ساتھ ہو۔ تو جو کچھ ان دونوں کا حصہ دینے کے بعد بچے ذو رحم کو ملے اور اگر اکیلا ہو تو کل مال اسے ملے۔ **لغہ** یعنی جب کہ مولی الموالات بھی نہ ہو تو مستحق میراث مثل اس کے "مقر لہ بالنسب علی الغیر" ہے جس کی نسبت مصنف کہتے ہیں۔ **المقر لہ بالنسب علی الغیر بمنزلۃ المیت**

نسبۃ باقرار من ذلک الغیر اذا مات المقر علی اقرارہ۔

یعنی وہ شخص میراث پائے جس کے واسطے میت نے اقرار کیا ہو نسب کا غیر کے ساتھ اس طرح کہ وہ نسب میت کے اقرار سے غیر کے ساتھ ثابت نہ ہوتا ہو۔ اور یہ اقرار کرنے والا مرتے دم تک اپنی بات پر قائم رہا۔ مطلب یہ ہے کہ میت نے کسی کے واسطے نسب کا اس طرح اقرار کیا ہو کہ وہ نسب میت سے تو نہ ہو۔ بلکہ غیر کی طرف رجوع کرے۔ اور وہ غیر اس نسب سے منکر ہو۔ دوسری عبارت میں "مقر لہ بالنسب علی الغیر" وہ شخص ہے کہ جس کے لئے میت نے ایسے نسب کا اقرار معتبر کیا کہ وہ نسب غیر کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اور اس غیر نے اس اقرار کو نہ تسلیم کیا ہو اور مقر مرتے دم تک اپنے اس اقرار سے نہ پھرا ہو۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب کہ مولی الموالات بھی نہ ہو تو مستحق میراث مثل اس کے مقر لہ بالنسب علی الغیر ہے اور اگر اوس کے ساتھ احد الزوجین میں سے کوئی موجود ہو تو اس کو فرض کے بعد کل مال اس کو دیدیا جائے۔ مثال اس کی یہ ہے کہ میت نے کسی مجہول النسب کو جو اس میں اوس کے باپ کا بیٹا ہو سکتا ہے۔ یہ کہدیا کہ میرا بھائی ہے، تو یہ شخص میت کے باپ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ یا میت نے کسی مجہول النسب کو جو اوس کے دادا کا بیٹا ہو سکتا ہے، یہ کہدیا کہ میرا چچا ہے تو یہ نسب میت کے دادا کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اور میت کے باپ نے پہلی صورت میں اور دادا نے دوسری صورت میں اوس مجہول النسب کو "اپنا بیٹا ہونا" نہ تسلیم کیا اور میت مذکور مرتے دم تک اس اپنے اقرار سے نہ پھری۔ پس اس صورت میں یہ مجہول النسب مقر لہ بالنسب علی الغیر ہے۔

اور بعد مولی الموالات کے مستحق میراث ہے۔ واضح ہو کہ مقر لہ بالنسب علی الغیر ہونے کے لئے اور اس مرتبے میں یعنی بعد مولی الموالات کے میراث پانے کے لئے چار شرطیں ہیں:۔

(اوّل)، یہ کہ اقرار نسب جو میت نے کیا ہے ایسا ہو کہ شرعاً معتبر ہو پس اگر ایسا اقرار کیا ہو۔ جو شرعاً معتبر نہیں۔ جیسے میت نے کسی معروف النسب یا ایسے مجہول النسب کو جو اس کے باپ سے سن میں بڑا یا برابر ہو۔ یا اتنا سن رکھتا ہو کہ اوس کے باپ کا بیٹا نہیں ہو سکتا۔ اپنا بھائی کہدیا ہو کہ ایسا اقرار شرعاً معتبر نہیں، تو ایسے مقر لہ کو کچھ نہیں ملے گا۔

(دوم)، یہ کہ جس نسب کا میت نے اقرار کیا ہے وہ نسب غیر کی طرف رجوع کرتا ہو۔ پس اگر وہ نسب خود میت کی طرف رجوع کرتا ہو جیسے میت نے کسی مجہول النسب کو جو اس کا بیٹا ہو سکتا ہے یہ کہدیا ہو کہ میرا بیٹا ہے کہ یہ نسب خود میت کی طرف رجوع کرتا ہے تو یہ مجہول النسب مقر لہ بالنسب علی الغیر نہ ہوگا۔ اور اس مرتبے میں یعنی بعد مولی الموالات کے میراث نہ پائے گا، بلکہ سچ مچ کا بیٹا ہو جائے گا اور بیٹوں کے مرتبہ میں میراث پائے گا۔

(سوم)، یہ کہ اس غیر نے جس کی طرف وہ نسب رجوع کرتا ہے اس اقرار کو تسلیم کیا ہو۔ پس اگر اس غیر نے اس اقرار کو تسلیم کر لیا۔ مثلاً۔ باپ اور دادا نے مثال مذکور صدر میں اس مجہول النسب کو جس کو میت نے اپنا بھائی یا چچا کہہ دیا تھا۔ اپنا بیٹا ہونا تسلیم کر لیا ہو تو وہ مجہول النسب مقر لہ بالنسب علی الغیر نہ ہوگا اور بعد مولی الموالات کے میراث نہ پائے گا۔ بلکہ سچ مچ کا بھائی یا چچا ہو جائے گا اور بھائی اور چچا کے مرتبے میں میراث پائے گا۔

(چہارم)، یہ کہ میت مقر مرتے دم تک اپنے اس اقرار سے نہ پھرے۔ پس اگر مرنے سے پہلے اس اقرار سے پھر گیا ہو۔ تو ایسے مقر لہ کو کچھ نہ ملے گا۔

دوسری مثال اس مسئلہ کی یہ ہے کہ حامد نے محمود کو کہا کہ یہ میرا بھائی ہے، تو حامد مقر ہے اور "محمود" مقر لہ اور غیر حامد کا باپ ہے وہ مقر علیہ ہے یعنی جب محمود کو کہا کہ یہ میرا بھائی ہے تو حامد کا باپ اس کا بھی باپ ٹھہرا۔ اس صورت میں اگر حامد کا کوئی وارث نہیں اور اس نے ایک مجہول النسب (محمود) کو بھائی کہا۔ تو یہ اس کا مال بطریق میراث کے پائے گا۔ لیکن مقر کے باپ سے اس کا نسب ثابت نہ ہوگا۔ اور نہ اوس کی میراث پائے گا۔ اس واسطے کہ آدمی کا اقرار اوس کی ذات پر حجت ہے نہ غیر پر۔ مجہول النسب کی قید اس واسطے ہے۔ کہ اگر میت نے ایسے شخص کے نسب کا اقرار کیا ہو جس کا نسب معروف ہو۔ کہ فلانے کا بیٹا ہے اس کا بھائی یا چچا نہ ہو تو اس اقرار کا کچھ اعتبار نہیں۔ ایسے مقر لہ کو کچھ نہ ملے گا۔

شافعیہ کے نزدیک ہر حالت میں کسی مقر لہ بالنسب علی الغیر کو میراث سے کچھ نہیں ملیگا

ثم الموصی لہ بجمیع المال۔ پھر وہ شخص ترکہ میت کا لیگا جس کے واسطے میت نے کل مال کی وصیت کی ہو۔ جب کہ کوئی وارث اس کے اشخاص میں سے نہ ہو۔ اس واسطے کہ موصی نے اپنا مال ایک شخص کو بالتعیین کسی شخص معین کے دینا چاہا تو یہ جائز ہے ہاں اگر میت کا کوئی وارث معلوم ہو تو جائز نہ ہوگا۔ کہ اس میں اوس کی حق تلفی ہے۔ بعض کہتے ہیں۔ کہ اس زمانے کے علما کا اس پر اجماع ہے

کہ جس کے وارث موجود ہوں اوس کی وصیت تہائی سے زیادہ ان کی اجازت کے سوا جاری نہیں ہوتی۔ اور اون کی اجازت سے تمام مال میں بھی جاری ہوسکتی ہے اور جس شخص کا کوئی وارث نہ ہو تو امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب اور اسحاق اور احمد کا مذہب اس میں یہ ہے کہ اوس کی وصیت تہائی سے زیادہ میں جائز ہے۔ اور دوسروں نے اس صورت میں تہائی سے زیادہ کو جائز نہیں رکھا ہے۔ پس جبکہ ایک بھی وارث نہ پایا گیا۔ تو جس کے واسطے موصی جو کچھ معین کردے گا حنفیہ کے نزدیک وہ پورا اس کا مال ہوگا۔ اور شافعی کے نزدیک ایسے شخص کو کچھ ترکہ نہیں ملے گا۔ کیونکہ اس میں بیت المال کی حق تلفی ہے بلکہ صرف تہائی سے وصیت جاری ہے۔ اگرچہ موصی کا کوئی وارث موجود نہ ہو۔ **شرح بیت المال**۔ پھر ترکہ بیت المال میں رکھا جائے گا اور زوجین پر رد نہوگا۔ شرح بسیط میں مولوی وجیہ الدین کہتے ہیں کہ بیت المال میں اس ضرورت سے رکھاتے ہیں۔ کہ جب کوئی وارث نہیں رہے گا تو وہ مال ضائع سمجھا جائے گا۔ اس لئے تمام مسلمانوں کا حق ہے۔ جیسے معدن میں کوئی چیز برآمد ہو یا کوئی خزانہ مدفون ایسا ملے۔ کہ جن کا کوئی مالک نہ ہو تو وہ حق مسلمانوں کا ہے اور یہ بطور میراث کے نہیں ہوتا۔ کہ کل مسلمان بھائی ہونے کی وجہ سے ایسے مال کے وارث سمجھے جائیں۔ بلکہ ایسا مال لاوارث ہوتا ہے۔ دیکھو کوئی ذمی مرجائے اور اس کا کوئی وارث نہ ہو تو اس کا مال مسلمانوں کے بیت المال میں رکھا جاتا ہے۔ اور اگر بطور وراثت کے ہوتا تو ایسا کیونکر کیا جاتا۔ کیونکہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا۔ علاوہ اس کے بیت المال کا مال مسلمان عورت و مرد کے لئے مساوی طور پر قابل تقسیم ہے اور اگر بطور وراثت کے ہوتا۔ مرد کو عورت کے ساتھ مساوات نہ ہوتی۔ جیسا کہ مواریث میں ہے۔

"بیت المال" کہتے ہیں خزانۂ بادشاہ اسلام کو جس میں مال خراج وغیرہ جمع ہوتا ہے اور اہل استحقاق کو دیا جاتا ہے۔ غرضکہ جب کوئی اوپر والے اشخاص سے نہ ہو، تو مردے کا مال بیت المال کو پہنچتا ہے۔ بیت المال اگرچہ چار قسم کا ہے۔ مگر مترو کہ لاوارث کا بیت المال قسم چہارم ہے۔ یعنی وہ بیت المال کہ جس میں مال لاوارث اور ایسے مقتولین کی دیت کہ جن کا کوئی ولی نہو اور وہ مال جو پڑا پایا جائے۔ اور جس کا کوئی وارث نہ ہو۔ داخل کیا جاتا ہے اور جس سے فقراء اور ان لوگوں کا جن کا کوئی ولی نہو۔ اور لقیط کا نفقہ وخرچ داد وکفن و دیت جنایت وغیرہ ادا ہوتا ہے۔ لقیط وہ زندہ بچہ ہے جو پڑا پایا جائے کیونکہ بوجہ خوف عسرت وتہمت زنا کے بعض ڈال دیتے ہیں۔ اور اس کا کوئی ولی ووارث نہو۔ لیکن متاخرین محققین کا قول یہ ہے کہ بیت المال میں اس تقدیر پر مال جمع کرنا چاہئے۔ جب کہ اس کے انتظام میں کسی قسم کا فتور اور خلل واقع نہ ہوا ہو۔ یعنی جہاں چاہئے وہیں خزانہ صرف کیا جاتا ہو اور اگر بیت المال کے انتظام میں کچھ فتور وخلل واقع ہوا ہو یعنی خزانہ بے جا صرف کیا جاتا ہو، تو ایسی حالت میں درصورت نہونے دوسرے مستحقین کے زوجین پر رد کیا جائے گا۔ بلکہ اگر ایسی صورت میں میت نے دختر، ضائع یا مولی العتاقہ کے عصبہ بغیرہ یا عصبہ مع غیرہ یا اوس کے ذوی الارحام کو چھوڑا تو میت کا ترکہ انہیں لوگوں کو اگر وارث موجود نہ ہوں، دیا جائے گا۔ جیسا کہ مجمع الانہر میں عینی سے اور اشباہ میں زیلعی سے اور جامع الرموز میں قنیہ سے نقل کیا ہے۔

فصل فی الموانع

یہ فصل موانع ارث کے بیان میں ہے

المانع ۔ لغت میں "مانع" باز رکھنے والے اور بیچ میں آنے والے کو کہتے ہیں۔ اصطلاح میں اس چیز کا نام ہے جس کے وجود سے عدم لازم ہو اور اوس کے عدم سے وجود یا عدم لازم نہ ہو۔ موانع اس لفظ کی جمع ہے۔ یہاں مانع سے مراد وہ ہے جس کے ہونے سے مقتضائے سبب نہ ہو سکے۔ **من الارث** ۔ "خزانۃ المفتین" میں ذکر کیا ہے کہ ارث کے معنی لغت میں "بقا" کے ہیں اور شرع میں یہ ہے کہ "ایک شخص کے مال کا دوسرے شخص کی طرف منتقل ہونا بطریق خلافت کے"۔ اور شرح خلاصۃ الفرائض میں ہے کہ ارث اصطلاح میں وہ حق ہے۔ جو تقسیم ہونے اور ٹکڑے ٹکڑے ہونے کے قابل ہے اور جس کا وہ ہے اُس کی موت کے بعد مستحق کے لئے ثابت ہوتا ہے۔ دونوں میں قرابت کی وجہ سے۔ پس وہ موروث کے معنی میں ہے اور موروث وہ شئے ہے، جو ورثے میں ملے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ ارث عبارت ہے میت حقیقی یا حکمی کے صاحب نسب کی نیابت سے میت کے مال میں یا اُس کے اُس حق میں جو نیابت کے قابل ہے یا میت کے صاحب نکاح یا صاحب ولاء کی نیابت سے خواہ نسب اور نکاح اور ولاء حقیقی ہو یا حکمی اور نیابت یہ ہے کہ شخص باقی شخص ماضی کی مانند ہو جائے۔ میت میں حکمی کی قید اس واسطے لگائی تاکہ مفقود بعد گزر جانے اس کی مدت کے داخل ہو جائے اور اسی طرح مرتد جب کہ دار الحرب میں لاحق ہو گیا ہو اور نسب اور نکاح اور ولاء میں حکمی کی قید اس واسطے لگائی تاکہ وہ نسب اور نکاح اور ولاء داخل رہے۔ جو فقط میت کے اقرار سے ثابت ہو۔ **اربعۃ** یعنی چار چیزیں ارث کے معنی میں جب اسباب ارث کے بیان کئے جاتے ہیں تو موانع ارث کا ذکر بھی ضرور کیا جاتا ہے۔ اس واسطے کہ ہر چیز کی تحقیق میں فقط سبب کا وجود کافی نہیں۔ بلکہ اوس کے ساتھ ارتفاع مانع بھی ضرور ہے۔ **الرق** یعنی موانع ارث سے پہلا مانع "رق" ہے جس کے لغوی معنی مملوکیت بطور غلامی کے ہیں اور اصطلاح شرع میں عجز حکمی کو کہتے ہیں جو انسان کے ساتھ بوجہ کفر کے قائم ہوتا ہے یعنی غلام حکم شرع کی وجہ سے ان تصرفات سے عاجز ہوتا ہے جو آزاد کر سکتا ہے جیسے گواہی دینا اور حاکم بننا و افراً کان او ناقصاً خواہ وہ غلام کامل ہو یا ناقص۔ "غلام کامل" اسے کہتے ہیں جس کی آزادی میں کوئی قید نہ ہو۔ "ناقص" وہ ہے جس کی آزادی شرطیے پر مشروط ہو۔ مثلاً مدبر و مکاتب و ام ولد۔ دوسری عبارت میں رق مانع ارث ہے عام ہے۔ اس سے کہ وہ کامل ہو کہ اوس لئے حریت کا سبب اصلاً منعقد نہ ہوا ہو۔ یا ناقص ہو۔ کہ اوس کے لئے حریت کا سبب منعقد ہو گیا ہو۔ جیسے مدبر و مکاتب و ام ولد اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک معلق بالضرر "مدبر" وہ غلام ہے کہ مالک کہے کہ بعد میری موت کے تو آزاد ہے۔ "مکاتب" وہ ہے کہ مالک کہے کہ اس قدر روپیہ ادا کرے تو تو آزاد ہے اور "ام ولد" وہ کنیز ہے جو مالک سے بچہ جنی ہو۔ پس غلام کسی طرح اپنے

مورث کا وارث نہ ہوگا۔ اگر ایک شخص مرا اور بیٹا اس کا کسی کا غلام ہے تو یہ بیٹا اوس کا وارث نہ ہوگا۔ اور "معتق البعض" وہ ہے جس کا کچھ حصہ آزاد ہو گیا ہو۔ صاحبین نے کہا ہے کہ جس غلام کا نصف یا ربع آزاد ہے وہ بمنزلہ آزاد کے ہے تو وارث اور غیر کا حاجب ہوگا اور امام ابوحنیفہ و امام مالک نے کہا ہے کہ وہ وارث نہ ہوگا۔ اور امام شافعی نے بھی کہا ہے کہ وہ وارث نہ ہوگا۔ بلکہ اس کا مال اس کے وارث کو ملے گا۔ اور امام احمد کا قول ہے کہ وہ بقدر اپنی حریت کے کہ جو اس میں ثابت ہے وارث و مورث اور حاجب ہوگا۔

مسئلہ

غیر کی باندی سے نکاح کیا اور یہ شرط نہیں کی کہ اولاد آزاد ہوگی۔ تو جو لڑکا یا لڑکی ہوئی۔ تو وہ بھی مثل ان کے غیر کے مملوک ہیں۔ حتی کہ جب باپ مرا اور اس وقت تک آزاد نہیں ہوئی۔ تو وارث نہ ہوگی۔ اور غیر کی باندی سے زنا کیا۔ تو یہ بچہ اگر آزاد ہو جائے۔ تو وہ بھی وارث نہ ہوگا جیسے آزاد کے ساتھ زنا سے پیدا ہو اگرچہ نطفہ میں اسی کا نطفہ ہے۔ حتی کہ نکاح کی حرمت متعلق ہوگی اور اگر منکوحہ کی اولاد اوس کی موت کے وقت آزاد ہو چکی تو وارث ہے۔ والقتل الذی یتعلق به وجوب القصاص او الکفارۃ دوسرا مانع ارث کا وہ قتل ہے جو قصاص یا کفارے کا موجب ہے۔ ابوہریرہ سے ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کی ہے کہ حضرت نے فرمایا القاتل لا یرث یعنی قتل کرنے والا اپنے مورث کی میراث نہیں پاتا۔ عبدالرزاق نے حدیث ابن عباس سے روایت کی ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ جس نے کسی کو قتل کیا۔ تو وہ قاتل اس کا وارث نہ ہوگا۔ اگرچہ مقتول کا اس کے سوا کوئی وارث نہ ہو اور اسی پر اجماع منعقد ہے خلاصہ کلام یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے مورث کو قتل کرے۔ تو قاتل کو مقتول کی میراث نہ ملے گی۔ اور اس میں تین شرطیں ہیں:-

اوّل :- یہ کہ قتل ناحق ہو۔ پس کسی شخص نے اپنے مورث بحکم حاکم حد میں یا قصاص میں قتل کیا یا وہ مورث اپنے بقصد قتل حملہ آور ہوا تھا۔ اوس نے مدافعت میں اوسے قتل کیا۔ تو یہ قاتل محروم نہ ہوگا۔ اس واسطے کہ اس سے قتل ناحق نہیں واقع ہوا۔

دوسری :- یہ کہ قاتل مکلف ہو۔ یعنی عاقل بالغ ہو دیوانہ یا لڑکا نہ ہو۔ پس اگر کسی دیوانے یا لڑکے کے ہاتھ سے اس کا مورث مارا گیا۔ تو وہ محروم نہ ہوگا۔

تیسری :- یہ کہ قتل اس کے ہاتھ سے واقع ہوا ہو کہ اسے مباشرت قتل کہتے ہیں۔

غرضکہ اس میں وہ قتل داخل ہے جو قصاص اور کفارے کا موجب ہے جیسے قتل عمد و قتل خطا یہی حکم ہے۔ اس قتل کا جو قتل خطا کے حکم میں ہے۔ جیسے کہ سوتا ہوا اپنے مورث پر گر پڑے۔ یا کوئی شخص چھت سے اپنے مورث پر گر پڑے۔ اور اسکو ہلاک کر دے، یا اپنے جانور سے مورث کو پامال کرا دے۔ حالانکہ اسپر سوار ہو۔ یہ سب کے سب داخل ہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا جس قتل سے قصاص اور کفارہ متعلق نہیں۔ وہ مانع میراث کا نہیں جیسے قاتل بالسبب۔ مثال اس کی یہ ہے کہ ایک شخص نے غیر کی زمین میں کنواں کھودا۔ یا پتھر رکھا اور اس کا مورث اس کنویں میں گر کے یا پتھر سے ٹھوکر کھا کر مر گیا۔ تو کنواں کھودنے اور پتھر کا رکھنے والا اوس کی میراث سے محروم نہ ہوگا۔ اور "قائد" یعنی کھینچنے والا اور "سائق" یعنی چلانے والا بھی میراث سے محروم نہیں

ہوتے۔ شافعیوں کے نزدیک قتل سبب بھی مانع ارث ہے۔ "شنشور یہ" میں لکھا ہے کہ حنابلہ کے نزدیک جو قتل ایسا ہے کہ اوس پر قصاص یا دیت یا کفارہ واجب ہے وہ میراث سے مانع ہے ورنہ نہیں۔ اور مالکیہ کے نزدیک جو قتل خطا ایسا ہے کہ اس پر مال واجب ہو تو قاتل وارث ہوگا اور جس پر دیت واجب ہو تو وہ وارث نہ ہوگا۔ اور جو عمداً عداوت سے قتل کرے تو وارث نہ ہوگا۔ انتہے کلامہ اور قتل بیٹے کا باپ کے ہاتھ سے اگرچہ قصاص و کفارے کا موجب نہیں لیکن مانع ارث ہے۔ باپ نے اگر فرزند کا خستہ کیا اور پھوڑا چیرا۔ اور اسی طرح کا کوئی اور کام کیا اور فرزند مر گیا تو باپ محروم نہ ہوگا۔ اور ادب کے لئے مارا کہ ناگاہ وہ مر گیا، تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک باپ دیت کا ضامن اور میراث سے محروم ہے۔ اور صاحبین کے نزدیک کچھ ضمان نہیں۔ اور محروم بھی نہ ہوگا۔ اور اگر باپ کی اجازت سے معلم نے مارا کہ یکایک وہ مر گیا تو بالاتفاق باپ کچھ ضامن یا محروم نہیں ہے۔ اگر مقتول سے پہلے قاتل مر گیا تو مقتول بالاجماع اس کا وارث ہوگا مثلاً زید نے اپنی بھائی کو زخمی کیا اور وہ بستر سے لگ گیا اور وہ ہنوز مرا نہیں تھا کہ زید ہیضہ کر کے مر گیا۔ پھر زخمی مرا حالانکہ زید کی میراث اس کے زخمی بھائی کو پہنچی ہے۔ مثلاً سوائے اس کے زید کا کوئی عصبہ وارث نہیں ہے تو زید کی میراث سے اس کے واسطے عصبہ کا حصہ ہوگا۔ پھر زخمی مقتول نے جو کچھ مال چھوڑا۔ منجملہ اس حصہ میراث کے وہ اس کے وارثوں کے واسطے میراث ہے

واختلاف الدینین یعنی تیسرا مانع ارث وموروث کے درمیان ملت کا اختلاف ہے۔ دلیل اس پر وہ حدیث ہے جو عبداللہ ابن عمرو سے ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا **لا یتوارث اھل الملتین شتی**۔ یعنی دو مختلف دین والوں کے درمیان وراثت جاری نہیں۔ چنانچہ توحید و شرک اور اسلام و کفر کا اختلاف ہو مثلاً ایک مسلمان ہے دوسرا یہودی۔ یا نصرانی۔ یا پارسی۔ یا ہندو وغیرہ ہے۔ کافر کا مسلمان سے وارث نہ ہونا اجماع اور حدیث اور اللہ تبارک وتعالے کے اس قول سے **ولن یجعل اللہ للکافرین علی المومنین سبیلا**۔ یعنی اللہ نے کافروں کے لئے مومنین پر راستہ نہیں بنایا ثابت ہے۔ مسلم کے کافر سے وارث ہونے میں اختلاف ہے۔ عام صحابہ کا یہ قول ہے کہ مسلم کا کافر وارث نہیں ہو سکتا۔ اور اسی پر عمل ہے ہمارے علمائے حنفیہ کا۔ اور یہی شافعیہ کا مذہب ہے۔ اور یہ استحسان ہے پس مسلمان کسی کافر و مشرک کا وارث نہ ہوگا۔ اسی واسطے حضرت علی اور جعفر رضی اللہ عنہما نے اپنے باپ ابوطالب کی میراث نہیں پائی۔ بلکہ عقیل اور طالب جو اس وقت تک شرک پر تھے وارث ہوئے۔ چنانچہ ابوداؤد اور بخاری و مسلم نے اسامہ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے کہا۔ **یا رسول اللہ این تنزل غداً فی دارک بمکۃ قال وھل ترک لنا عقیل من رباع او دور وکان عقیل ورث ابا طالب ولم یرثہ جعفر ولا علی لانھما کانا مسلمین وکان عقیل وطالب کافرین**۔ یعنی حضرت آپ کل مکے میں اپنے گھر کہاں اتریں گے؟ فرمایا کہ "عقیل نے کیا ہمارے واسطے کوئی گھر یا مکان چھوڑا ہے اور عقیل اور طالب ابوطالب کے وارث ہوئے تھے اور جعفر و علی اس کے وارث نہیں ہوئے اس واسطے کہ یہ

دونوں مسلمان ہو چکے تھے۔ اور عقیل و طالب اس وقت کافر تھے۔" اور قیاس یہ ہے کہ مسلم کافر کا وارث ہوتا ہے اور یہی قول معاذ بن جبل اور معاویہ بن ابی سفیان کا ہے اور اسی کو اخذ کیا ہے مسروق اور حسن اور محمد بن حنفیہ اور محمد بن علی بن حسین نے۔ اور امام مالکؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔ اور دلیل ان کی وہ حدیث ہے جو ابوداؤد نے ابوالاسود سے بیان کی ہے کہ معاذ کے پاس ایک یہودی کی میراث لائی گئی اس کا ایک بیٹا مسلمان تھا۔ انھوں نے اس کو اس کا وارث ٹھہرایا اور کہا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اسلام اونچا ہوتا ہے نیچا نہیں ہوتا۔ اور بڑھتا ہے گھٹتا نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ اسلام کی اس میں بھی بلندی اور ترقی ہے کہ مسلمان کافر کے مال کا وارث بنے۔ لیکن جمہور کہتے ہیں کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا۔ اور حدیث کا جواب یہ ہے کہ اس میں اسلام کا ذکر ہے نہ توارث اسلام کا۔ پس اسلام کے اونچے ہونے سے یا تو مراد یہ ہے کہ باعتبار حجت کے اسلام اعلیٰ ہے یا قہر و غلبہ کی حیثیت سے اعلیٰ ہے اس صورت میں مراد یہ ہوگی۔ کہ اسلام کا انجام کار غلبہ حاصل ہو کر رہتا ہے۔ یا آخرت میں اسلام کو عزت اور مرتبہ بلند حاصل ہوگا۔ دوسرے اس کے مقابلے میں صحیحین کی حدیث موجود ہے جس کو اسامہ بن زید سے بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لایرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم یعنی مسلمان کسی کافر کا وارث نہ ہوگا یہ کافر کسی مسلمان کا۔ مثلاً اگر بیٹا مسلمان ہو اور باپ کافر۔ یا باپ مسلمان ہو اور بیٹا کافر۔ تو ان دونوں میں توارث نہ ہوگا اور اگر باپ مرے تو بیٹے کو اوس کی میراث نہیں مل سکتی اور اگر بیٹا مرے تو باپ کو نہیں مل سکتی اور اگر اختلاف دین سوائے اسلام کے ہو مثلاً یہودی اور نصرانی ہوں تو یہ مانع ارث نہیں ہے۔

سوال:۔ جب کہ مسئلہ یہ ٹھہر گیا کہ کافر کا وارث مسلمان نہیں ہو سکتا۔ تو پھر مرتد کا مال اس کے مسلمان وارثوں کو کیونکر پہنچتا ہے؟

جواب:۔ میراث مسلم کی مرتد سے مستند ہے حالت اسلام کی طرف جس کا مطلب یہ ہے کہ مرتد کا وہ مال اس کے مسلمان وارثوں کو دیا جاتا ہے جو اس نے حالت اسلام میں کمایا ہوتا ہے کیونکہ ارتداد سے وہ ہالک ٹھہر گیا۔ اس لئے کہ مقصود زندگی سے ایمان تھا جو اس سے فوت ہو گیا۔ اور جس کا مقصود فوت ہوا وہ معدوم کی مانند ہے دلیل اس پر رب العزت کا یہ قول ہے اَوَ مَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ یعنی جو کافر تھا ہم نے اس کو ہدایت کی۔" لیکن اس پر بھی مرتد سے ہنوز بسبب نصیحت حاصل کرکے مسلمان ہو جانے کی یا کسی کے جبر سے اسلام میں داخل ہو جانے کی امید ہے اس لئے موت کا حکم اس وقت تک ظاہر نہ ہوگا۔ جب تک اوس کے قتل یا موت یا دارالحرب میں مل جانے کی وجہ سے قطع امید نہ ہو جائے پھر جب قطع امید کسی وجہ مذکور سے ہو گئی تو وہ ارتداد کے وقت سے میت ٹھہرے گا۔ اور اس کے مسلم وارث اوس کی میراث پائیں گے۔ اور جو مال اس نے ارتداد کی حالت میں حاصل کیا۔ اس میں وراثت جاری نہ ہوگی۔ وہ مسلمانوں کی غنیمت ہے اور اسی لئے مرتد مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا۔ اس لئے کہ اس کی جانب استناد کے معنی متحقق نہیں ہوتے۔ یا اس لئے وہ مسلمان کا وارث نہیں کیا جاتا کہ

اُس کی ردت کی وجہ سے یہ ایک قسم کی سزا ہوتی ہے۔ جیسا کہ جو شخص اپنے مورث کو ناحق مار ڈالے تو وہ اس کا وارث نہ بنے گا۔ پھر بھی مرتد کی حالت ارتداد پر قائم رہنے کی زیادہ وجہ پائی نہیں جاتی۔ اس لئے کہ اُس کو اسلام کی طرف رجوع کرنے کے لئے دبایا جاسکتا ہے۔ پس اسلام کا حکم اوس کے حق میں باقی رہے گا۔ اس وجہ سے اُس کا مسلمان وارث اس کا مال پائے گا اور وہ کسی کا وارث نہ بنے گا۔ اس لئے کہ اسلام کا حکم اُس کے حق میں اوسی قدر معتبر ہے کہ اُس سے دوسرا نفع اٹھائے اور وہ دوسرے سے نفع نہ اٹھائے۔ یہ امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے۔ اور صاحبین کے نزدیک اسلام اور ارتداد کا مال وارث مسلم کا ہے یہ حکم مرد مرتد کا تھا۔ اور اگر عورت مرتدہ ہوگئی تو امام اور صاحبین سب کے نزدیک دونوں حالتوں کے مال مسلم کے ہیں اور امام شافعی کے نزدیک مرتد کی دونوں حالتوں کی کمائی کا مال بیت المال میں رکھا جائے گا۔ اس مسئلہ پر مزید روشنی آگے ڈالی جائے گی۔

واختلاف الدارين: چوتھا مانع ارث کا اختلاف دو ملکوں کا ہے یعنی ایک کا فر ایک ملک کا ہنے والا ہو اور دوسرا کافر دوسرے ملک کا اور ایک ان میں سے مثلاً باپ ہو اور دوسرا بیٹا تو دونوں میں توارث نہ ہوگا اگر باپ مرے تو بیٹا اس سے نہ پائے۔ اور بیٹا مرے تو باپ نہ پائے گا۔

حقيقة كالحربي والذمي: اختلاف دو ملکوں کا حقیقۃً ہو جیسے حربی اور ذمی میں حربی سے مراد وہ کافر ہے جو دار الحرب یعنی کافروں کے ملک میں رہتا ہو۔ اور ذمی وہ شخص ہے جو اہل اسلام سے نہ ہو۔ مگر تابع اہل اسلام کا ہو گیا ہو۔ اور اہل اسلام نے اوس کی جان و مال کا ذمہ لے لیا ہو۔ نظیر اس کی یہ ہے کہ بکر کافر ذمی جزیہ دینا قبول کر کے دار الاسلام میں سکونت اختیار کرے اور "زید" کافر حربی جو بکر کا باپ ہے دار الحرب میں رہتا ہو ان دونوں میں سے کوئی مرے تو ایک دوسرے کا وارث نہ ہوگا یہ اختلاف ملک حقیقی ہے۔ **او حكما كالمستامن والذمي** یا ملکوں کا اختلاف حکماً ہو جیسے مستامن اور ذمی میں۔ مستامن وہ کافر دار الحرب کا رہنے والا ہے جو اہل اسلام سے تجارت وغیرہ کے واسطے اجازت طلب کر کے ایک سال کے لئے دار الاسلام میں آیا ہو۔ اور اُس کا بیٹا جو "ذمی" ہے دار الاسلام میں موجود ہے ہیں ان میں سے کوئی مر جائے تو ایک دوسرے کا وارث نہیں اگرچہ اختلاف ملک کا حقیقۃً نہیں، لیکن حکماً یہ اختلاف ہے کیونکہ مستامن مدام رہنے والا نہیں پس جو کچھ وہ چھوڑے گا اوس کے ملک کو بھیجا جائے گا اور اگر یہاں ذمی مر گیا جس کا یہاں کوئی وارث نہیں۔ حالانکہ دار الحرب میں اس کے وارث ہیں تو میت کا "ترکہ" بیت المال میں رہیگا

او الحربيين من دارين مختلفين۔ یا دو حربی دو مختلف ملکوں کے ہیں تو ان میں بھی توارث نہیں بسبب منقطع ہونے عصمت کے ان کے درمیان میں کیونکہ جان کا خوف ہر ایک کو ہے اور الحربیین کو اگر اس پر محمول کیجئے۔ کہ دو حربی اپنے مختلف ملکوں میں ہیں تو یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ یہ حقیقۃً اختلاف دارین کے قبیل سے ہے تو اختلاف حقیقی کی مثال میں اس کو ذکر کرنا تھا۔ اور اگر اسپر حمل کیجئے کہ دو حربی دو مختلف ملکوں کے دار الاسلام میں بطریق استیمان کے رہتے ہیں۔ تو اوس کی یہ حالت ہوگی کہ وہ حقیقۃً ایک ملک میں ہیں۔ اور حکماً دو مختلف ملکوں میں پس یہ بہتر تھا کہ مصنف بجائے

اور الحربیین" کے "او المستامنین" کہتے۔ والدار انما تختلف باختلاف المنفعۃ والملک

اور اختلاف دار کا سبب اختلاف لشکر اور بادشاہ کے ہے کیونکہ حفاظت اور نگرانی اول میں مرعی نہیں ہوتی اور جان کا خوف ہر ایک کے لئے ایک دوسرے سے دور نہیں ہوتا۔ اور ان میں سے ایک دوسرے سے جنگ کرنا اور قتل کرنا حلال جانتا ہے اور اگر کوئی آدمی ایک لشکر کا دوسرے لشکر کے آدمی کو مار ڈالے۔ تو دونوں میں عصمت اور ولایت منقطع ہونے کی وجہ سے وراثت جاتی رہتی ہے۔ کیونکہ وراثت کا مدار عصمت اور ولایت پر ہے اور اگر دونوں بادشاہوں کے درمیان اتحاد کا۔ اور جنگ میں ایک دوسرے کی مدد کا معاہدہ ہو تو دونوں کا ملک واحد سمجھا جائے گا۔

التباین:۔ اختلاف دار کا باعتبار لشکر اور سلطنت کے کفار کے حق میں متحقق ہوتا ہے نہ مسلمان کے حق میں۔ اس بنا پر اہل بغی اور اہل عدل باہم وارث ہوتے ہیں۔ اگرچہ باغیوں کا لشکر اور سلطنت علیحدہ ہو اور اہل عدل کی علیحدہ، اس واسطے کہ دار الاسلام دار الاحکام ہے تو اسلام کا حکم ان سب کو شامل ہے۔ اس لئے کہ ان میں لشکر اور سلطنت کے اختلاف سے تباین نہیں مانا جائے گا اور دار الحرب تو دار الاحکام نہیں بلکہ دار مصر ہے۔ اس لئے کہ وہاں اختلاف لشکر اور سلطان سے تباین دار متحقق ہے۔ لا نقطاع العصمۃ فی مابینھم کیونکہ لشکروں اور بادشاہوں کے مختلف ہونے سے دو مختلف ملکوں میں عصمت قائم نہیں ہوتی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ دو ملکوں کا اختلاف اس سے ہوتا ہے کہ دو ملک ایسے ہوں کہ ہر ایک میں ایک ایک بادشاہ ہو اور ان کے آپس میں عصمت منقطع ہو عصمت کے انقطاع سے یہ مراد ہے کہ ہر ایک دوسرے سے لڑنے کو حلال جانتا ہے پس اختلاف ممالک سے جو انقطاع عصمت کا مانا جاتا ہے تو اس کی وجہ یہی ہے کہ ہر ملک والا دوسرے ملک والے کے قتل کو حلال جانتا ہے اور مار ڈالتا ہے جب اس پر قابو پاتا ہے اس سے یہ بات بطور اشارے کے مستفاد ہوتی ہے کہ جب دو مختلف ملکوں کے بادشاہوں میں باہم مددگاری کا عہد و پیمان ہو تو وہ دار مختلف نہیں بلکہ بمنزلہ ملک واحد کے ہیں کیونکہ ان میں عصمت منقطع نہیں۔ اختلاف دارین غیر اہل اسلام میں مانع ارث ہے نہ اہل اسلام میں پس اگر کوئی مسلمان دار الحرب میں تجارت وغیرہ کی غرض سے جائے اور وہیں مر جائے تو جو وارث اس کے مسلمان دار الاسلام میں ہوں گے۔ ان کو اس کی میراث ملے گی۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اختلاف دارین غیر اہل اسلام میں ہمیشہ مانع ارث ہے بخلاف اہل اسلام کے کہ ان میں ہمیشہ مانع ارث نہیں ہے ورنہ بعض صورتوں میں اہل اسلام بھی مانع ارث ہے۔ جیسے ایک شخص دار الحرب میں مسلمان ہو کر وہیں رہ گیا اور دار الاسلام کو نہیں آیا اور اس کا بیٹا مسلمان دار الاسلام میں رہتا ہے۔ یا مثلاً دو بیٹے دار الحرب میں مسلمان ہوئے اور ایک ان میں سے وہیں مر گیا اور دوسرا دار الاسلام کو چلا آیا۔ ان دونوں صورتوں میں ایک دوسرے کے وارث نہ ہوں گے۔ اگرچہ اہل اسلام ہیں

تنبیہ:۔ دو مانعوں کا بیان مصنف نے قلم انداز کر دیا۔ اس لئے میں تکمیل کے لئے ذکر کرتا ہوں

(۱) ایک مانع ارث وارث و مورث کی موت کی تاریخ کا ابہام ہے یعنی جن وارث و مورث کی موت کی تاریخ معلوم نہ ہو۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کا وارث نہ ہوگا جیسے چند رشتہ دار ایک ساتھ ڈوب کر مر گئے

دب کر مر گئے۔ یا ایک کشتی میں ڈوب گئے۔ یا آگ میں جل گئے۔ یا لڑائی میں مارے گئے اور معلوم نہیں کہ کس کی جان پہلے نکلی اور کس کی جان پیچھے۔ تو اس قسم کی اموات ایک دوسرے کی وارث نہوں گی۔ بلکہ ہر ایک کی میراث اس کے اس وارث کو ملے گی۔ جو زندہ ہے مثلاً حامد محمود کہ باپ اور بیٹے ہیں۔ ایک لڑائی میں ساتھ مارے گئے۔ اور یہ معلوم نہیں کہ کون پہلے مرا اور کون پیچھے۔ اور حامد کے دو بیٹے عبد الرزاق اور عبد الکریم زندہ ہیں۔ اور محمود کے بھی دو بیٹے مشتاق اور دلاور زندہ ہیں۔ اب نہ حامد کی میراث محمود کو ملے گی۔ نہ محمود کی میراث حامد کو۔ بلکہ حامد کی میراث اس کے بیٹوں کو ملے گی۔ اور محمود کی اس کے بیٹوں کو۔ لیکن طحطاوی نے اپنی کمال سے نقل کیا ہے کہ جہالت تاریخ کی مانع نہیں۔ اس واسطے کہ اصطلاح میں مانع ارث وہ ہے جس سے وارث کی اہلیت فوت ہوتی ہو پس اگر میراث سوائے اہلیت کے اور وجہ سے فوت ہوتی ہو تو وہ مانع میں داخل نہیں۔ پس جس نے ابہام تاریخ موت کو مانع کہا ہے اس نے غلطی کی ہے۔

(۳) دوسرا مانع ارث مجہول ہونا نسب وارث کا ہے تو جب کہ سبب وراثت معلوم نہو۔ محروم ہے مثلاً:

الف:۔ ایک عورت اپنے بچے کے ساتھ کسی دوسرے شخص کے بچے کو دودھ پلایا کرتی تھی۔ کہ ناگاہ وہ مر گئی۔ اب یہ معلوم نہیں کہ دونوں بچوں میں سے اس کا بچہ کونسا ہے۔ تو اس صورت میں دونوں میں سے دودھ پلانے والی کا کوئی وارث نہوگا

ب:۔ ایک بچہ مسلمان کا اور ایک نصرانی کا دایہ کے پاس دودھ پیتے تھے۔ کہ ناگاہ دایہ مر گئی اور دونوں تمیز نہیں ہو سکتے کہ ان میں سے کون مسلمان کا بچہ ہے اور کون نصرانی کا پس دونوں اپنے باپوں کی میراث نہ پائیں گے۔ لیکن دونوں صلح کرلیں۔ تو میراث لینا جائز ہے۔ نصفا نصف یا جس قدر پر صلح ہو۔

باب معرفۃ الفرائض

یعنی یہ باب فرضوں کے بیان میں ہے

فروض فرض کی جمع ہے جس کے لغوی معنی قطع و تقدیر و بیان کے ہیں اور اصطلاح میں جز کہتے ہیں جو ترکہ میں سے مقدر ہو فرائض سہ گانہ کی کل تعداد پر چھ ہیں جو دو سلسلہ حسابی میں حصر ہیں سلسلہ اول دو یا چھ تھائی اور آخر ان ہی سے آٹھویں نکلتی ہیں چنانچہ اگر ترکہ میں سے کچھ حصہ ہو تو ترکہ کو آٹھ سہ کر کے نکال سکتے ہیں سلسلہ دوم دو و تہائی۔ تہائی اور چھٹا اور یہ سب چھ نکلتی ہیں چنانچہ چھٹا حصہ میں سے ایک ہے اور تہائی دو اور دو تہائی ۴ ہے جیسے اول میں آٹھ سہ آٹھوان ایک اور چوتھائی اور نصف چار ہو لیکن کبھی ان میں سلسلہ اول کا اور بعض سلسلہ دوم کا جمع ہوتا ہے تو مخرج دیگر کا لانا پڑتا ہے مثلاً ترکہ میں سے چھٹا اور آٹھوان دینا منظور ہے تو لا محالہ ۸ و ۶ میں سے ایک کے نصف کو دوسرے میں ضرب دے کر مخرج نکالو اور وہ ۲۴ ہے جس کا ۴ آٹھوان ۳ اور چھٹا ۴ ہے۔

ومستحقیها یعنی دوسرا ذکر اس باب میں اُن فرضوں کے مستحق لوگوں کا ہے۔ سو اربیث کے مستحق بالاتفاق دو قسم ہیں۔ اصحاب فرائض وعصبات۔ پس اُن سہام میں جو لوگ بطور فرض کے مستحق ہیں اس باب میں اُنکا ذکر ہے۔ واضح رہے کہ جب اُن چھوؤں امور میں سے کوئی امر مانع موجود نہ ہو۔ اور استحقاق ارث کا سبب موجود ہو تو بترتیب سبب باہم میراث جاری ہوگی۔ **الفرض المقدّرة** محمد بن عمر لقری نے سبط مارد ینی کی شرح رحبیہ کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ فرض کے مقدرہ کا ذکر کرنا مناسب ہے اس لئے کہ فرض لغت میں تقدیر کے معنی میں ہے اس سے ثابت ہوا کہ الفروض المقدرہ کہنا رکاکت سے خالی نہیں۔ گویہ کہا "المقدرة المقدرة" تکرار کے ساتھ۔ اس اعتراض کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ الفروض سے مراد وہ چیزیں ہیں جو واجب ہوں اور ان کی دو قسمیں ہیں ایک مقدرہ۔ دوسری غیر مقدرہ۔ اور ان کو مقدرہ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ ایسے سہام ہیں کہ نہ بڑھتے ہیں نہ گھٹتے ہیں۔ البتہ عول یا رد کے سبب سے ان میں کمی بیشی ہو جاتی ہے **فی کتاب اللہ** ستة فروض یعنی سہام مقررہ وارثوں کے واسطے چھ ہیں جو کلام آگے میں مذکور اور معین ہیں **النصف** بکسر نون وسکون صاد مہملہ آدھے کو کہتے ہیں یہ پہلا فرض ہے اور پانچ اصناف کے لئے ہے (۱) شوہر کے لئے۔ جب کہ زوجہ متوفیہ کا صلبی فرزند یا پسری فرزند نہ ہو۔ (۲) دختر صلبیہ کے لئے (۳) دختر پسری کے لئے۔ جب کہ دختر صلبیہ نہ ہو۔ (۴) عینی بہن کے لئے۔ (۵) علاتی بہن کے لئے جب کہ عینی بہن نہ ہو۔ قرآن میں ان کا ذکر تین مقاموں میں ہوا ہے

الف۔ یعنی کیلئے جب کہ وہ تنہا ہو جیسے **وان کانت واحدة فلها النصف**۔ یعنی اگر دختر اکیلی ہو تو ترکے میں اسکا آدھا ہے

(ب) شوہر کے واسطے جب کہ اس کے ساتھ اولاد نہ ہو جیسے **ولکم نصف ما ترک ازواجکم ان لم یکن لهن ولد** یعنی جو ترکہ تمہاری بی بیاں چھوڑیں اگر اولاد نہیں ہے تو اُنکے ترکے میں تمہارا آدھا ہے۔

(ج) بہن کے حق میں جب کہ اس کے ساتھ میت کی اولاد نہ ہو جیسے **ان امرؤا هلک لیس له ولد وله اخت فلها نصف ما ترک** اگر کوئی شخص مرجائے۔ اور اُس کے کوئی اولاد نہیں۔ صرف ایک بہن ہے، تو اُس بہن کے لئے اُس مال میں سے جو میت نے چھوڑا ہے آدھا ہے۔

والربع بضم راء مہملہ وسکون باء موحدہ چوتھائی کو کہتے ہیں۔ یہ فرائض میں سے دو سہام ہے اور دو صنف کا فریضہ ہے (۱) شوہر کا جب کہ میت کا فرزند اور پسری اولاد ہو (۲) زوجہ کا جب کہ فرزند اور پسری اولاد نہ ہو۔ قرآن میں اس کو دو مقاموں پر ذکر کیا ہے۔

الف۔ شوہر کے حق میں جب کہ اس کے ساتھ زوجہ متوفیہ کی اولاد ہو۔ جیسے **وان کان لهن ولد فلکم الربع مما ترکن** یعنی اگر بی بیوں کے اولاد ہو تو اُنکے ترکہ میں تمہارا چوتھائی ہے

(ب) بی بیوں کے حق میں جب کہ اُن کے ساتھ اولاد نہ ہو جیسے **ولهن الربع مما ترکتم ان لم یکن لکم ولد** یعنی اگر تم کو چھوڑ مرو اور تمہارے ساتھ اولاد نہیں تو بی بیوں کا حصہ چوتھائی ہے۔

والثمن بضم ثاء مثلثہ اور میم دونوں کے ضموں سے، اور مخفف الاکثار اللغتین میں کہا ہے کہ ایک لغت میں میم کے سکون سے بھی ہے، آٹھویں کو کہتے ہیں یہ فروض میں سے تیسرا ہے۔ اور آٹھواں حصہ

فقط زوجہ یا زوجات کا فریضہ ہے جب کہ شوہر متوفی کے اولاد یا پسری اولاد ہو۔ جیسے :۔
فان کان لکم ولد فلھن الثمن مما ترکتم۔ یعنی اگر تمھارے اولاد ہو تو تمھارے ترکے میں سے بیبیوں کا آٹھواں حصہ ہے۔

والثلثان۔ بضم ثائے مثلثہ وضم لام جیسا کہ ارجوزۃ الرحبیہ میں ہے وثلث یعنی دو تہائیوں کو کہتے ہیں۔ یہ فروض سے چوتھا ہے۔ اور چار اصناف کا فریضہ ہے (۱) دو دختر صلبیہ یا زائد ہوں جبکہ پسر نہو۔ (۲) دو یا زیادہ دختران پسری کا جبکہ صلبیہ دختر کے ساتھ نہ ہو (۳) ماں باپ سے عینی دو یا زیادہ بہنوں کا۔ جبکہ ان کا بھائی نہ ہو (۴) علاتی دو یا زیادہ بہنوں کا جب کہ عینی بہنیں نہوں۔

قرآن میں اس کو دو جگہ ذکر کیا گیا ہے۔

(الف) بنات کے واسطے چنانچہ فان کن نسآء فوق اثنتین فلھن ثلثا ما ترک
یعنی اگر لڑکیاں دو۔ یا اس سے بڑھکر ہوں تو ترکے میں ان کا دو تہائی ہے۔

(ب) بہنوں کے واسطے جیسے وان کانت اثنتین فلھما الثلثان مما ترک
یعنی میت کی دو بہنیں ہوں تو ان بہنوں کا حصہ اس مال میں جو انکے مرنے والے بھائی نے چھوڑا ہے دو تہائی ہے۔

والثلث بضم ثائے مثلثہ وضم لام اور لام کے سکون سے بھی آیا ہے۔ تہائی کو کہتے ہیں یہ پانچواں فرض ہے اور یہ دو صنف کا فریضہ ہے (۱) ماں کا جبکہ میت کی اولاد یا پسری اولاد نہو اور نہ بھائی بہنیں ہوں۔
(۲) مادری اولاد دو یا زیادہ کا خواہ مذکر ہوں۔ یا مونث ہوں۔ اسکو دو مقاموں میں ذکر کیا ہے۔

الف :۔ اخیافی بہائی بہنوں کے بارے میں جیسے فان کانوا اکثر من ذالک فھم شرکاء فی الثلث
یعنی اگر وہ مادری بھائی بہنیں ایک سے زیادہ ہوں تو ایک تہائی میں شریک ہیں۔

(ب) ماں کے حق میں جبکہ اس کے ساتھ میت کی اولاد نہو۔ جیسے فان لم یکن لہ ولد وورثہ ابواہ فلامہ الثلث
یعنی اگر میت کے اولاد نہ ہو اور اس کے صرف ماں باپ ہوں تو اس کی ماں کا ایک تہائی ہے۔

والسدس بضم سین مہملہ اول وسکون دال مہملہ چھٹے کو کہتے ہیں یہ فروض میں سے چھٹا ہے۔ اور چار پانچ اصناف کا فریضہ ہے (۱) باپ کا جب کہ میت کی اولاد یا پسری اولاد ہو۔ (۲) دادا کا جب کہ باپ نہو۔ (۳) یہی فریضہ ماں کا ہے جب کہ میت کی اولاد یا پسری اولاد ہو۔ یا دو بھائی اور بہنیں ہوں۔ (۴) یہی جدہ یا جدات کا فریضہ ہے جب کہ وارث سبع ہوں۔ (۵) پوتی کا فریضہ ہے جب کہ ایک دختر صلبیہ کے ساتھ ہو۔ تاکہ دو تہائی کا تکملہ ہو جائے۔ (۶) سوتیلی بہن کا جب کہ حقیقی بہن کے ساتھ جمع ہو (۷) مادری الاکا خواہ بہن ہو یا بھائی ہو

قرآن میں اسکو تین موقعوں پر ذکر کیا ہے

الف :۔ ماں باپ کے واسطے جب کہ ان کے ساتھ میت کی اولاد ہو جیسے
لابویہ لکل واحد منھما السدس مما ترک ان کان لہ ولد۔
یعنی میت کے باپ کو یعنی دونوں میں ہر ایک کو ترکے کا چھٹا حصہ اسطرح میں ہے کہ میت کی اولاد ہو۔

ب :۔ ماں کے واسطے جب کہ اس کے ساتھ میت کے ایک سے زیادہ بھائی یا بہنیں ہوں جیسے :۔
فان کان لہ اخوۃ فلامہ السدس یعنی اگر ماں باپ کے علاوہ میت کے میت سے زیادہ بھائی

یا بہنیں ہوں۔ تو ماں کا چھٹا حصہ ہے

(۳۷) اخیافی بھائی بہنوں کے حق میں جیسے ان کان رجل یورث کلالۃ او امرأۃ ولہ اخ او اخت فلکل واحد منہما السدس اگر کسی مرد یا عورت کے میراث ہو اور باپ اولاد (اصل و فرع) نہ ہو اور اس کے بھائی یا بہن ہو تو ان دونوں بھائی یا بہن میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے علی التضعیف یعنی بطریق تضعیف کے۔ مطلب یہ ہے کہ نصف دونا ہے ربع کا اور ربع دونا ہے ثمن کا اور ثلثان دونا ہے ثلث کا اور ثلث دونا ہے سدس کا۔ دوسری عبارت میں ثمن کے دونا کرنے سے ربع اور ربع کے دونا کرنے سے نصف اور ثلث کے دونا کرنے سے ثلثان (دو ثلث) اور سدس کے دونا کرنے سے ثلث حاصل ہوتا ہے۔ والتضعیف اور بطریق تضعیف کے۔ یعنی ثمن نصف ہے ربع کا اور ربع نصف ہے نصف کا اور سدس نصف ہے ثلث کا اور ثلث نصف ہے ثلثان کا۔

دوسری عبارت میں، نصف کے آدھا کرنے سے ربع حاصل ہوتا ہے اور ربع کے آدھا کرنے سے ثمن اور ثلثان کے آدھا کرنے سے ثلث اور ثلث کے آدھا کرنے سے سدس۔ واصحاب ھذا الاثنی عشر فقط اور مستحق ان حصوں کے بارہ شخص ہیں جن میں سے دس ذوی الفروض نسبیہ ہیں جو از روے نسب کے وارث ہیں۔ اور ان کو اہل رد بھی کہتے ہیں۔ اور دو ذوی الفروض سببیہ ہیں جو از روے نکاح کے وارث ہیں۔ پس قسم آخر میں شوہر اور زوجہ ہیں اور ان کے ماسوا سب ذوی الفروض نسبیہ ہیں۔ جس کی تفصیل مصنف یوں کرتے ہیں اربعۃ من الرجال ان میں سے چار مرد ہیں وھم الاب مردوں میں سے ایک باپ ہے والجد الصحیح دوسرا جد صحیح ہے اور جد صحیح وہ ہے کہ اس کی نسبت میت کی طرف عورت درمیان میں داخل نہ ہو جیسے باپ کا باپ یا باپ کے باپ کا باپ یعنی دادا پر دادا جہاں تک اوپر ہو۔ والاخ لام تیسرا مادری بھائی۔ کہ ایک ماں اور دوسرے باپ سے ہے۔ اس طرح کہ ماں نے بعد شوہر اول کے دوسرے شوہر سے نکاح کیا ہو ایسے بھائی اخیافی کہلاتے ہیں۔ شرح خلاصۃ الفرائض میں ہے کہ اخیاف فرس اخیف سے ماخوذ ہے کہ ایسے گھوڑے کو کہتے ہیں جس کی دونوں آنکھوں کا رنگ جدا جدا ہو۔ والزوج چوتھا شوہر ہے۔

واثنتان من النساء اور آٹھ عورتیں ہیں وھو الزوجۃ جن میں سے ایک جورو ہے والبنت دوسری بیٹی ہے وبنت الابن تیسری پوتی ہے وان سفل جہاں تک نیچے ہو اسی میں داخل ہے پوتی اور پرپوتے کی بیٹی وغیرہ وغیرہ والاخت لاب وام چوتھی حقیقی بہن جس کو صلب پدر اور رحم مادر میں قرب حاصل ہوتا ہے۔ یعنی ایسی بہن جو ایک ماں باپ سے ہو۔ جن سگے بھائی بہنوں کے ماں باپ ایک ہوں۔ ان کو "احیافی" کہتے ہیں۔ والاخت لاب پانچویں پدری بہن جس کو صرف صلب پدر میں قرب حاصل ہو کہ ایک باپ اور دوسری ماں سے ہو۔ جو بھائی بہن قرب باپ کی طرف سے ہوں یعنی ایک باپ، ایک اور ماں دو ہوں۔ وہ علاتی یا سوتیلے ہیں۔ والاخت لام چھٹی مادری بہن جس کو صرف رحم مادر میں قرب حاصل ہوتا ہے یعنی جو فقط ماں کی طرف سے ہو جیسے حوالہ کیا ہے [illegible] والجد الصحیح [illegible]

اور یہ صاحب فرض ہے اگرچہ اس کا فرض ہونا قرآن میں مذکور نہیں ہے لیکن سنت مشہورہ و اجماع صحابہ و سلف و خلف سے ثابت ہے وھی لا تدخل فی نسبتھا الی المیت جدا فاسدا اور جدۂ صحیحہ وہ ہے کہ جس کو میت سے علاقہ بذریعہ کسی جد فاسد کے نہو۔

دوسری عبارت میں جدۂ صحیحہ وہ ہے جو بے واسطہ جد فاسد یعنی نانا کی میت سے علاقہ رکھتی ہو۔ تیسری عبارت میں جدۂ صحیحہ وہ ہے کہ جس کی نسبت میت کی طرف دو عورتوں کے درمیان مرد داخل نہ ہوتا ہو۔ اور اگر داخل ہوتا ہو تو وہ جدۂ فاسدہ ہے اس لئے کہ جو باپ کی طرف عورت کے ذریعے سے نسبت رکھتا ہو وہ جد فاسد ہے پس جو کوئی ایسے مرد کے ذریعے سے نسبت رکھے گا خواہ مرد ہو یا عورت وہ ضرور فاسد ہوگا۔ پس باپ کی ماں یعنی دادی اور باپ کے باپ کی ماں یعنی پردادی جہاں تک اوپر ہو جدۂ صحیحہ ہے۔ اسی طرح نانی یعنی ماں کی ماں۔ اور پرنانی یعنی ماں کی ماں کی ماں۔ جدۂ صحیحہ ہے۔

حاصل یہ ہے کہ جو باپ کے سلسلے والی ہیں جن میں ماں واسطہ نہیں پڑتی وہ جدۂ صحیحہ ہے جیسے باپ کی ماں (دادی) اور باپ کے باپ کی ماں (پردادی) اور باپ کے باپ کے باپ کی ماں۔ جہاں تک اوپر ہوں سب دادی میں داخل ہیں۔ اور جو ماں کے سلسلے والی ہیں۔ خواہ میت کی ماں کے سلسلے والی ہوں جیسے ماں کی ماں (نانی) اور نانی کی نانی (پرنانی) جہاں تک اوپر ہوں خواہ میت کے باپ کی ماں کے سلسلہ والی ہوں۔ جیسے باپ کی ماں کی ماں یا باپ کی ماں کی ماں جہاں تک اوپر ہوں خواہ میت کے باپ کی ماں کے سلسلہ والی ہوں جیسے باپ کی ماں کی ماں یا باپ کی ماں کی ماں کی ماں جہاں تک اوپر ہو۔ خواہ میت کے دادا کی ماں کے سلسلہ والی ہوں جیسے دادا کی ماں کی ماں اور دادا کی ماں کی ماں کی ماں جہاں تک اوپر ہو۔ علی ہذا القیاس پردادا وغیرہ کے ماں کی سلسلہ والی سب نانی میں داخل ہیں اور نانی اور دادی دونوں جدۂ صحیحہ ہیں۔ پس نانا کی ماں اور نانا کے باپ کی ماں۔ اور نانا کی ماں کی ماں جہاں تک اوپر ہوں کہ بذریعہ جد فاسد کے علاقہ رکھتی ہیں جدۂ صحیحہ نہیں ہیں۔ بلکہ جدات فاسدہ ہیں جو میت کی طرف مردوں اور عورتوں کے میل سے نسبت رکھتی ہیں ان کا شمار اصحاب فرض میں نہیں ہے اور ہمارے اس مبحث سے خارج ہیں۔

امثلۃ باب فرض اصول ثلث پہلا مرد ذوی الفروض میں سے باپ ہے اس کے تین حال ہیں

الف) الفرض المطلق وھو السدس کما فی ذلک مع الابن او ابن الابن

وان سفل اول فرض محض اور وہ یہ کہ جب باپ کے ساتھ میت کا بیٹا موجود ہو یا پوتا ہو جس قدر نیچا ہو یعنی بیٹے کا بیٹا یا پوتے کا بیٹا علی ہذا القیاس تو اس کے ساتھ میں باپ کا حصہ چھٹا فرض ہے۔ اور صورت اس کی یہ ہوگی اسیس سے ایک باپ کو ملیگا باقی پانچ بیٹے کو اور بیٹا نہونے کی صورت میں پوتے کو اور پوتے نہونے کی تقدیر پر پڑپوتے کو مطلع

مسئلہ

میت	
باپ	بیٹا
۱	۵

ب) والفرض التعصیب بنفسہ وذلک مع الابن او ابنۃ الابن وان سفلت

دوسرے یہ کہ ذوی فروض اور عصبہ دونوں ہو اس طرح کہ میت نے بیٹی اور پوتی یا پوتی جو پڑپوتی ہو

اپنی اولاد مونث یا اپنے پسر کی اولاد مونث چھوڑی اگرچہ ذوی الفروض میں سے کوئی اور بھی ہو تو اس صورت میں باپ اپنا چھٹا حصہ بطور فرض کے لے گا اور بیٹی اور پوتی یا پردوتی اپنا حصہ فرض یعنی نصف لے گی اور جو باقی رہا اسکو باپ بہ طور عصوبت کے لے گا۔ پس اس وقت میں باپ ذی فرض بھی ہے اور عصبہ بھی ہے۔ اور مسئلہ سے ہوگا کیونکہ نصف چھٹے کے ساتھ جمع ہے اس میں سے چھٹا باپ بطور فرض کے لے گا اور وہ ایک ہے۔ اور نصف بیٹی اور بیٹی کے نہ ہونے کی صورت میں پوتی یا پردوتی لے گی۔ اور وہ تین ہیں باقی دو رہ جائیں گے اور وہ بطور عصوبت کے باپ کو ملیں گے۔ تو اب دو جگہ نصف نصف مال کر دیا جائے گا۔ اس طرح

مسئلہ

میت

باپ	بیٹی یا پوتی
۳	۳

والتعصیب المحض وذلک عند عدم الولد وولد الابن :۔ تیسرے عصبہ محض ہو در صورت نہونے اولاد کے یعنی جب کہ میت نے بیٹا بیٹی یا پوتا پوتی نہیں چھوڑے تو باپ عصبہ ہوتا ہے کہ اگر اکیلا ہو تو کل مال اسے ملے اور اگر ذوی الفروض کے ساتھ ہو تو باقی مال اسے پہونچے۔ پس پہلی حالت میں باپ محض ذی فرض ہے اور دوسری حالت میں محض عصبہ ہے والجد الصحیح لفظ جد سے مراد جنس ہے اور یہ واحد و تعدد کو عام ہے۔ صحابہ کو جد کی وراثت میں بہت اختلاف ہے۔ بخاری میں تعلیقاً حضرت علی اور عمر اور زید بن ثابت اور ابن مسعود سے مختلف فیصلے روایت کئے گئے ہیں اور بیہقی نے اس میں بہت سے آثار ذکر کئے ہیں اور خطابی نے "غریب" نام کتاب میں سند صحیح کے ساتھ محمد بن سیرین سے روایت کیا ہے کہ "میں نے عبیدہ سے جد کی وراثت کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ جد کی وراثت میں کیا کیا جائے۔ کہ مجھ کو حضرت عمرؓ سے اس کی وراثت میں سو فیصلے، جو کہ ایک دوسرے کے مخالف ہیں، یاد ہیں" پھر خطابی نے اس کا انکار کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ یہ قول عبیدہ کا مبالغہ پر محمول ہے۔ بزار نے بھی ایسا ہی کہا ہے۔ اور بیہقی نے ابن عباس وغیرہ سے روایت کیا ہے کہ ابوبکرؓ اور عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ جد بھائی سے اولیٰ ہے اور حضرت عمرؓ اس باب میں کلام کو اچھا نہیں جانتے تھے۔ اور بخاری میں ہے کہ علی اور ابن مسعود اور بہت سے صحابہ کا قول ہے کہ جد بھائیوں کو ساقط نہیں کرتا بلکہ وہ انکے مقاسمہ کرتا ہے بخلاف باپ کے کہ وہ ان کو ساقط کر دیتا ہے اور حضرت ابوبکر اور عائشہ اور ابن زبیر اور معاذ بن جبل اور حسن بصری اور بشر بن غیاث کہتے ہیں کہ جد باپ کی طرح بھائیوں کو محروم کرتا ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالےٰ نے اس کو اپنے کلام پاک (ملۃ ابیکم ابراھیم الایۃ) میں لفظ اب یعنی باپ سے تعبیر کیا ہے اور ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے جو کہ بھائیوں کے حق میں فرمایا ہے وھو یرثھا ان لم یکن لھا ولد یعنی وہ بھائی اس بہن کا وارث ہوتا ہے اگر اس بہن کے اولاد نہ ہو۔ اور یہ حکم عام ہے پس اس سے کوئی شے دلیل کے سوا خاص نہیں ہو سکتی۔ اور اگر "باپ کے ساتھ بھائی کے ساقط ہونے کا اجماع ہے" تو ساقط نہو۔ اس لئے کہ آیت اس امر کی مقتضی ہے کہ سوا اولاد کے کوئی دوسرا شخص بھائیوں کو محروم نہیں کرتا۔ اور ایک اور دلیل یہ ہے کہ بھائی بیٹوں کی طرح ہیں کیونکہ وہ بھائی اپنی بہنوں کو

عصبہ کرتے ہیں جیسے بیٹے بیٹیوں کو عصبہ کر دیتے ہیں۔ پس یہ دلیلیں واجب کرتی ہیں۔ کہ بھائی دادا کے ساتھ محروم نہوں اور دادا کو باپ کہنا مجازی طور پر ہے۔ پس اس سے ہمپر کوئی اعتراض نہیں آتا

کالاب۔ یعنی دادا کہ جد صحیح ہے درصورت نہونے باپ کے بالاتفاق حکم باپ کا رکھتا ہے کہ میت کی نرا ولاد یعنی بیٹیوں اور پوتوں کے ساتھ اُسے چھٹا حصہ ملتا ہے اور میت کی بیٹی اور پوتی اور پرپوتی کے ساتھ چھٹا حصہ بھی ملتا ہے اور جو کچھ ان کے دینے کے بعد بچتا ہے وہ بھی اُسے ملتا ہے اور اگر میت نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی ہے تو دادا کے واسطے کچھ مقرر نہیں بلکہ وہ عصبہ ہوتا ہے اور دادا کے بعد "پردادا" کا نمبر ہے۔ **الا فی اربع مسائل** لیکن چار مسئلوں میں کہ انمیں اختلاف ہے بعض کے نزدیک دادا حکم باپ کا رکھتا ہے بعض کے نزدیک نہیں۔ اوں صورتوں کی تفصیل یہ ہے:

(۱) بنی الاعیان یعنی حقیقی بھائی بہنیں اور بنی العلات یعنی سوتیلے بھائی بہنیں باپ کے ہوتے بالاتفاق محروم ہیں۔ اور جد صحیح کے ہوتے فقط امام اعظم کے نزدیک محروم ہیں اور صاحبین یعنی امام محمدؒ اور امام ابو یوسف کے نزدیک نہیں۔ اور فتوی امام اعظم کے قول پر ہے۔

(۲) جب میت ماں باپ کو چھوڑے، اور زوج یا زوجہ کو چھوڑے۔ تو بعد حصہ احد الزوجین کے بالاتفاق باقی کا ثلث ماں کو ملتا ہے اگر اسی صورت میں بجائے باپ کے جد ہو تو طرفین یعنی امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک ماں تمام مال کا ثلث پائے گی۔ لیکن امام ابو یوسف کے نزدیک دادا کے ساتھ ماں کے لئے باقی کا ثلثانی ہے جیسا کہ باپ کے ساتھ ہے اور فتوی طرفین کے قول پر ہے۔

(۳) میت نے اپنے مولے العتاقہ یعنی آزاد کنندہ کے باپ اور اس کے بیٹے کو چھوڑا۔ تو ابو یوسف کے نزدیک باپ کو سدس ملتا ہے اور باقی بیٹے کو۔ اور طرفین کے نزدیک کل بیٹے ہی کو ملتا ہے۔ اور اگر ایسی صورت میں بجائے باپ کے جد صحیح ہو۔ تو بالاتفاق کل بیٹے ہی کو ملتا ہے دادا کو کچھ نہیں ملتا۔

(۴) جب میت اپنے آزاد کرنے والے کے باپ اور بھائی کو چھوڑے تو بالاتفاق کل ترکہ باپ کو ملتا ہے بھائی کو کچھ نہیں ملتا۔ اور اگر ایسی صورت میں بجائے باپ کے جد صحیح ہو۔ فقط امام اعظم کے نزدیک کل ترکہ دادا کو ملتا ہے۔ اور صاحبین کے نزدیک نہیں۔ بلکہ ان کے نزدیک کل ترکہ بھائی اور دادا کے درمیان نصفا نصف تقسیم ہوتا ہے۔ مگر فتوی امام کے قول پر ہے۔

مصنف نے ایسے چار مسئلے بتائے ہیں۔ مگر درحقیقت پانچ ہیں۔ اور **پانچواں** یہ ہے کہ دادی باپ کے ساتھ محروم ہوتی ہے اور دادا کے ساتھ وارث ہوتی ہے۔ **وسنذکرھا ان شاء اللہ تعالیٰ** اگرچہ مصنف یہ کہتے ہیں کہ میں ان چاروں مسئلوں کو اگر خدا نے چاہا تو آگے چل کر بیان کروں گا۔ مگر میں نے اس خیال سے کہ طلبا کو پریشانی ہوتی اور ان مسائل کے تجسس میں متحیر ہوتے یہاں بھی ذکر کر دیا۔

شمس الائمہ نے لکھا ہے کہ فرائض کے سوا آٹھ اور مسئلے بھی ایسے ہیں کہ ان میں جد صحیح باپ کی طرح نہیں ہے جن کی تفصیل یہ ہے:

(۱) اگر کسی نے اقربا کے لئے وصیت کی تو باپ اس وصیت میں داخل نہوگا اور جد صحیح داخل ہوگا۔

(۲) صدقہ فطر بیٹے کا غنی باپ کو جائز ہے۔ جد کو جائز نہیں۔

(۳) اگر باپ غلام ہو اور مالک اس کو آزاد کر دے تو وہ بیٹے کی ولاء اپنے مالکوں کی طرف کھینچ لیتا ہے اور دادا غلام ہو اور پھر آزاد کر دیا جائے تو وہ پوتے کی ولاء اپنے آقاؤں کی طرف نہیں کھینچ سکتا

(۴) نابالغ بچہ اسلام میں باپ کا تابع سمجھا جاتا ہے باپ مسلمان ہو جائے تو وہ بھی مسلمان مانا جائے گا۔ اور دادا کے ساتھ یہ حال نہیں۔

(۵) اگر میت اولاد صغیر و مال چھوڑے تو باپ کو ولایت پہنچتی ہے اور میت کا وصی سمجھا جائے گا برخلاف دادا کے

(۶) اگر صغیر کا بھائی اور دادا ہوں۔ تو ابو یوسف کے قول کے مطابق ولایت نکاح میں دونوں شریک ہیں۔ اور امام کے قول کے مطابق دادا مختص ہے اور اگر دادا کی جگہ باپ ہو تو وہ بالاتفاق مختص ہے

(۷) اگر باپ مرجاتا ہے تو بچہ یتیم ہو جاتا ہے اور اگر دادا زندہ ہو تو وہ یتیمی کو رفع نہیں کر سکتا۔

(۸) اگر میت اولاد صغیر چھوڑے اور مال نہ ہو اور صغیروں کی ماں اور دادا اس وقت زندہ ہوں۔ تو دونوں پر نفقہ ان صغیروں کا اس طرح واجب ہے کہ تہائی ان کی ماں دیا کرے۔ اور دو تہائی دادا۔ اور دادا کی جگہ باپ ہو تو سارا نفقہ اوس کے ذمے ہے۔

ویسقط الجد بالاب لان الاب اصل فی قرابۃ الجد الی المیت

یعنی باپ کے ہوتے دادا میراث سے محروم رہتا ہے کیونکہ باپ اصل ہے دادا کی قرابت میں میت کی

سوال اس تقدیر پر لازم آتا ہے کہ میت کی ماں کی موجودگی میں ماں کی اولاد وارث سے محروم رہے کیونکہ ماں اصل ہے اپنی اولاد کی قرابت میں میت کی طرف۔

جواب:۔ باپ بسبب قوت قرابت کے کہ فرض اور عصوبت دونوں اس کو حاصل ہیں ماں سے قوی تر ہے اسی وجہ سے ماں کے فرزند کو ماں اصل ہے اپنے فرزندوں کی قرابت میں ماں کی موجودگی میں ساقط نہیں ہوتے

سوال دوم:۔ دادا بھی تو باپ کی طرح صاحب فرض و عصوبت ہے۔

جواب:۔ بے شک! دادا بھی صاحب فرض و عصوبت ہے! لیکن باہم عصوبتوں میں فرق ہے بعض عصوبت کو قوت قرابت کی وجہ سے بعض پر ترجیح ہوتی ہے۔ چنانچہ باپ کی عصوبت دادا کی عصوبت سے قوی تر ہے۔ کیونکہ دادا میت سے بتعابے باپ کے بعید ہے۔

والجد الصحیح ھو الذی لا یدخل فی نسبتہ الی المیت ام

اور جد صحیح وہ ہے کہ میت کی نسبت اُس کے ساتھ لگائے نہیں کسی ماں کا واسطہ درمیان میں نہ ہو۔ اگرچہ وہ اونچے درجے کا ہو۔ جیسے میت کے باپ کا باپ کہ "دادا" ہے۔ یا میت کے باپ کے باپ کا باپ کہ پردادا ہے وعلی ہذا القیاس اور اگر میت کی نسبت لگانے میں ماں درمیان میں آئے تو وہ جد فاسد ہے جیسے میت کی ماں کا باپ کہ "نانا" ہوتا ہے۔ یا میت کے باپ کی ماں کا باپ علی ہذا القیاس اور وہ یہاں مراد نہیں ہے ذوی الارحام سے ہے۔

"جد صحیح" کے لفظ سے صرف باپ کا باپ ہی مراد نہیں ہے بلکہ کتنی ہی اونچے درجے کا ہو مستحق میراث ہے

بشرطیکہ جد صحیح ہو۔ مگر اقرب سے ابعد محروم ہوگا۔ وَاَمَّا الْاَوْلَادُ وَالْاَبَوَانِ کی اولاد سے مراد اخیافی بھائی اور بہن ہیں جن کی ماں ایک ہوتی ہے اور باپ جدا جدا۔ اب یہاں "بنی الاخیاف" کی وجہ تسمیہ جلو کہ "اخیاف" ماخوذ ہے فرس "اخیف" سے جسکا اطلاق ایسے گھوڑے پر ہوتا ہے کہ اس کی ایک آنکھ سیاہ ہو اور ایک نیلی گویا یہی حال اولاد الام کا ہے کیونکہ دونوں کی اصلیں مختلف ہوتی ہیں اور اس لفظ میں اضافت بیانی ہے۔ مصنف نے بہن اور بھائیوں میں اخیافیوں سے بوجہ اتباع قرآن کے ابتدا کی ہے کیونکہ قرآن میں بھی ان کی میراث سے ابتدا ہوئی ہے چنانچہ فرمایا ہے وان کان رجل یورث کلالۃ او امرأۃ ولہ اخ او اخت یعنی اگر کوئی کلالہ مرد یا کلالہ عورت میراث چھوڑے جن کے واسطے ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو ان میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا حصہ ہے۔ اس آیت میں "اخ واخت" سے اخیافی بھائی اور بہن مراد ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے اور یہ اصحاب فریضہ ہیں ان کا حصہ نہ ثلث سے بڑھتا ہے مگر رد کے وقت اور نہ سدس سے گھٹتا ہے مگر عول کی صورت میں اور اس سے معنوی طور پر یہ ثابت ہے کہ وہ ماں کی طرف منسوب ہیں۔ اس لئے کہ ان کی میراث ماں کے اعتبار سے ہوتی ہے جس کی طرف وہ منسوب ہیں اور ماں کے دو حال ہیں ایک ہو تو چھٹا حصہ ہے اور جماعت کو ثلث ملتا ہے یہی حال اولاد الام میں ہے اور چونکہ ماں کی طرف منسوب ہیں تو زیادہ پانے کے وقت مرد وعورت دونوں برابر سمجھے جاتے ہیں البتہ مرد عورت پر بوجہ عصوبت کے فضیلت پالیتا ہے اور یہ لوگ چار قسم کے آدمیوں کے ساتھ حصہ نہیں پاسکتے (۱) بیٹا اور بیٹی (۲) پوتا۔ اور۔ پوتی (۳) باپ (۴) دادا۔ کیونکہ اللہ نے ان کی توریثا میں میت کا کلالہ ہونا مشروط کیا ہے۔ اور "کلالہ" وہ ہے جس کے نہ اصل ہو نہ فرع۔ مگر یہ لوگ میت کے حقیقی و علاتی بھائی بہن کے ساتھ ساقط نہیں ہوتے اور نہ ہن کا حصہ علاتیوں کے ساتھ کم ہوتا ہے ہاں اس میں اختلاف ہے کہ حقیقیوں کے ساتھ میں بھی کم ہو جاتا ہے یا نہیں؟ چنانچہ ایک عورت مری اور شوہر اور ماں اور اخیافی دو بھائی یا دو اخیافی بہنیں یا ایک اخیافی بھائی اور ایک اخیافی بہن اور دو حقیقی بھائی اور بہنیں یہ وارث چھوڑے تو حضرت علیؓ اور ابو موسیٰ اشعری اور ابی ابن کعب کا یہ مذہب ہے کہ شوہر کے لئے نصف ہے اور ماں کے لئے سدس اور اخیافی بھائی بہنوں کے لئے ثلث اور پھر حقیقی بھائی بہنوں کے لئے کچھ نہیں۔ یہی حنفیہ نے اختیار کیا ہے اور حضرت عثمانؓ و زید کہتے ہیں کہ ثلث بھائی بہن اخیافی اور حقیقی میں برابر تقسیم ہوگا۔ یہی مذہب شریح اور ثوری اور مالک اور شافعی کا ہے اور یہ مسئلہ مشرکہ کہلاتا ہے اول اول حضرت عمرؓ تشریک کو نہیں مانتے تھے۔ پھر ماننے لگے۔ ابن عباس سے دو روایتیں ہیں ان میں سے اظہر نفی تشریک کی ہے۔ فاحوال ثلث ماں کی اولاد یعنی اخیافی بھائی بہنوں کے لئے تین حال ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر ایک شخص مرے اور باپ اور دادا نہ چھوڑے بیٹا اور پوتا اور بیٹی اور پوتی بھی نہ چھوڑے اور اس کے بھائی یا بہن اخیافی ہوں تو ان کے حصے پانے کے لئے تین صورتیں ہیں۔

(۱) الاسدس للواحد یعنی اگر اخیافی بھائی یا بہن میں سے کوئی اکیلا ہو تو اس کے لئے چھٹا حصہ ہے۔ یہ حکم قرآن سے ثابت ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وان کان رجل

یورث کلالۃ او امرأۃ ولہ اخ او اخت فلکل واحد منہما السدس

یعنی اگر کوئی کلالہ مرد یا کلالہ عورت میراث چھوڑے۔ جن کے واسطے ایک بھائی یا بہن ہو تو ان میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا حصہ ہے۔ ضوء السراج میں لکھا ہے کہ کلالہ وہ ہے جس کے نہ ولد ہو نہ والد۔ اور پوتا ولد میں اور جد والد میں داخل ہے۔ جمہور کا یہی مذہب ہے کہ کلالہ وہ ہے جو نہ ولد چھوڑے نہ والد۔ لیکن ابن عباس کہتے ہیں کہ صرف ولد نہ چھوڑے اگرچہ والد ہو اور ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یفتیکم فی الکلالۃ ان امرؤ ھلک لیس لہ ولد مطلب یہ ہے کہ کلالہ وہ ہلاک ہونے والا شخص ہے جس کے ولد نہیں تمام صحابہ اور علماء نے کہا ہے کہ کلالہ وہ شخص ہے کہ جس نے اولاد چھوڑی اور نہ والد اور اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کلالہ کے معنی پوچھے گئے۔ تو فرمایا کہ اس شخص کو جس کے نہ ولد نہ والد۔ کلالہ کا بیان دو آیتوں میں ہوا ہے۔ ایک سورۂ نساء کی آیت میں جو عورات کے حال میں اتری ہے جس میں ہے وان کان رجل یورث کلالۃ (الخ) اسکو "آیت شتاء" کہتے ہیں کیونکہ جاڑے کے موسم میں اتری تھی اور سورۂ "نساء" کے اول میں ہے اور دوسری آیت "صیف" میں کہ گرمی کے موسم میں اتری تھی۔ سورۂ نساء کے آخر میں جس کا آغاز یہ ہے۔ یستفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ (الخ) آیت شتاء میں کلام بہت مبہم ہے۔ اور آیت "صیف" میں زیادہ بیان ہے۔

اقتباس اہل لغت جیسے اس امر میں اختلاف کیا ہے کہ کلالہ میت کا نام ہے یا اس کے وارثوں کا ابن مسعود کہتے ہیں کہ میت کا نام ہے۔ اور سعید بن جبیر وارثوں کا نام بتاتے ہیں۔ ابو عبیدہ معمر بن مثنیٰ کا قول ہے کہ ایسی میت کا نام ہے جس کے نہ ولد ہو نہ والد۔ یہی اہل بصرہ نے اختیار کیا ہے اہل کوفہ و مدینہ کہتے ہیں کہ ان وارثوں کا نام ہے جن میں میت کا ولد اور والد موجود نہ ہو۔ فریق اول کی حجت یہ ہے کہ قرآن میں جو آیا ہے "وان کان رجل یورث کلالۃ" یعنی اس کے یہ ہیں یورث فی حالۃ ما یکون کلالۃ یعنی ایسی حالت میں وارث چھوڑے کہ کلالہ ہو نصب کلالہ کا حال کی تقدیر پر ہے اور دوسرے فریق کی حجت یہ ہے "یستفتونک فی الکلالۃ" اور یہ بات مسلم ہے کہ استفتا ایسے وارثوں میں ہوتا ہے کہ ان میں ولد ہو نہ والد اور اگر میت سے سوال کیا جائے کہ جس کے نہ ولد ہو نہ والد تو اس سے کوئی شے نہ سمجھی جائے گی۔ اور آیت میں "یورث" کو راے مہملہ کے فتح کیساتھ پڑھا جائے اور کسرہ کی تقدیر پر دلیل اسکی ہوگی کہ کلالہ نام ہے وارثوں کا۔ اور فتح کی تاویل یہ ہے کہ کلالہ وارثوں پر بھی بولا جاتا ہے اور میت پر بھی۔ صاحب فتح الباری نے سہیلی سے حکایت کی ہے کہ کلالہ اکلیل سے ماخوذ ہے اور اکلیل تاج اور ٹوپی کو کہتے ہیں اور جس طرح تاج اور ٹوپی سر کو گھیرے ہوتے ہیں، اسی طرح کلالہ ایسی وراثت ہے جو میت کو دونوں طرف سے گھیرے ہوتی ہے۔

(۲) والثلث للاثنین فصاعداً اور ایک تہائی ہے جب کہ دو یا زیادہ ہوں یعنی اگر دو بھائی یا دو بہنیں ہوں یا تین بھائی اور تین بہنیں ہوں یا تین سے زیادہ ہوں سب بھائی یا سب

بہنیں یا بھائی بہن ملے ہوئے تو ان سب کو ایک تہائی ملتی ہے اس ایک تہائی کو سب برابر بانٹ لیں ذکورھم واناثھم فی القسمۃ والاستحقاق سواء مرد وعورت اس جگہ برابر ہیں اسی ثلث کو آپس میں برابر بانٹ لیں یعنی اولاد الام میں بھائی بہن کو حصہ برابر ملتا ہے نہ یہ کہ بھائی کو دونا بہن کا ملے جیسا کہ عینی یا علاتی بھائی بہن میں ہے پس جب اولاد الام دو یا زیادہ ہوں تو اس ثلث کو آپس میں برابر بانٹ لیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فان کانوا اکثر من ذلک فھم شرکاء فی الثلث یعنی اگر مادری بھائی بہن ایک سے زیادہ ہوں تو ایک تہائی میں سب شریک ہیں۔ "شرکت" کا لفظ برابری کو چاہتا ہے اور یہ اس بات پر دلیل ہے کہ یہ حصہ انکو مرد وعورتیں اپر یا جائیگا۔

(۳) ویسقطون بالولد اگرچہ لڑکا ہو یا بیٹی جیسا کہ شرح بسیط میں ہے وولد الابن یعنی مادری بھائی بہنوں کا تیسرا حال یہ ہے کہ یہ لوگ میت کی اولاد اور میت کے بیٹے کی اولاد کے ہونے سے ساقط ہو جاتے ہیں۔ وان سفل اگرچہ میت کے بیٹے کی اولاد کتنے ہی نیچے درجے پر ہو اس واسطے کہ اولاد الام کی میراث قرابت ضعیفہ کی وجہ سے ضعیف ہے اور میت کی فرع یعنی بیٹا بیٹی اسی طرح فرع الفرع یعنی پوتا پوتی کی قرابت قوی ہے ہاں اگر فرع غیر وارث ہو جیسے بیٹا کسی کا غلام یا قاتل ہو یا فرع الفرع غیر وارث ہو جیسے نواسہ اور نواسی تو اخیافی اس صورت میں محروم نہ ہونگے وبالاب اسی طرح اخیافی باپ کے ساتھ ساقط ہو جاتے ہیں والجد اور دادا کے ہونے سے بھی وہ ساقط ہوتے ہیں کیونکہ دادا باپ کے مثل ہے تو اس کے ساتھ بھی وارث نہ ہوں گے اور اسی پر فتوے ہے بالاتفاق یعنی اصحاب ابو حنیفہ کا اس میں اتفاق ہے کہ فرع وارث اور فرع الفرع وارث اور باپ اور دادا کے ہونے سے اخیافی ساقط ہوں گے۔ وامالزوج وھما لتان۔ چوتھا مرد ذوی الفروض میں سے شوہر ہے پس جب میت عورت ہو اور وہ زوج (شوہر) کو چھوڑے۔ تو اس کے دو حال ہیں النصف عند عدم الولد وولد الابن وان سفل اگر میت کا بیٹا اور بیٹی اور پوتا اور پوتی کسی درجہ کے موجود نہ ہوں تو اس کے لئے نصف ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ولکم نصف ما ترک ازواجکم ان لم یکن لھن ولد۔ والربع مع الولد او ولد الابن وان سفل اور اگر یہ لوگ بھی موجود نہ ہوں تو ایسی حالت میں شوہر کے لئے ربع ہے۔ کیونکہ ربع میں ایک کا وجود کافی ہے لقولہ تعالیٰ فان کان لھن ولد فلکم الربع مطلب یہ ہے کہ اگر ایک عورت مرے۔ اور اپنا شوہر چھوڑے اور اولاد یعنی بیٹا بیٹی۔ یا پوتا۔ پوتی کوئی نہ چھوڑے تو اس شوہر کو نصف ملتا ہے اور اگر اولاد بھی چھوڑے تو اسے ربع ملتا ہے۔

سوال۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ مصنف نے اول تو یہ کہا کہ "زوج کے لئے میت کا ولد اور ولد الابن ہونے کی صورت میں نصف ہے" اور دوبارہ یہ کہا کہ "اس کے لئے میت کے ولد یا ولد الابن ہونے کی صورت میں چوتھائی ہے" پہلے قول میں ولد اور ولد الابن کے درمیان واؤ لائے اور دوسرے قول میں "او" کو ذکر کیا جس کے معنی "یا" کے ہیں۔

جواب - دوسری حالت میں وجود ایک کا کافی ہے میت کا ولد ہو یا ولد الابن ہو ان میں سے ایک بھی ہو تو اسے ربع ملتا ہے۔ پس جب کہ مصنف نے اس بات کو جتا دیا کہ دونوں میں سے ایک کے ہونے کے وقت چوتھائی ہے تو اس سے یہ بھی ثابت ہے کہ دونوں کی موجودگی کے وقت بھی زوج کے لئے ربع بطریق اولے ہے بخلاف پہلی صورت کے کہ اس میں دونوں یعنی ولد یا ولد المیت میں سے ایک کا انتفا کافی نہیں بلکہ دونوں کا انتفا ضرور ہے اس لئے پہلے قول کو حرف جمع سے ذکر کیا اور دوسرے کو حرف تردید سے۔

تنبیہ - اگرچہ ایک عورت کا ایک ہی زوج ہوتا ہے لیکن اگر ایسی صورت ہو کہ ایک عورت متوفی کے ترکہ کے پر چار شخص دعوے کریں اور چاروں یہ ثابت کردیں کہ وہ عورت ان کی منکوحہ تھی اور عورت کسی کے گھر ساکن نہ تھی۔ بلکہ علیحدہ سکونت رکھتی تھی۔ تو ایسی حالت میں اس حصہ مقررہ یعنی نصف یا ربع میں چاروں کو حصہ مشترکہ ملیگا۔

فصل فی النساء

یہ فصل عورات کے بیان میں ہے

اما للزوجات لفظ زوجات کی جمع سے مراد ایک سے زیادہ چار تک **فحالتان** یعنی جب میت مرد ہو اور زوجات کو چھوڑے تو ان کے لئے دو حالتیں ہیں۔ **الربع للواحدۃ فصاعدا عند عدم الولد وولد الابن** - اول یہ کہ ایک زوجہ اور چند زوجات کے واسطے چوتھا ¼ حصہ ہے اگر میت کا بیٹا اور بیٹی اور پوتا اور پوتی کسی درجے کے موجود نہ ہوں **وان سفل** یعنی اگرچہ بیٹے کی اولاد سافل ہو جیسے پرپوتا اور پرپوتی یا پرپوتے کی اولاد میں سے خواہ مرد ہو یا عورت کوئی نہ ہو۔ بہر صورت زوجہ کا حق چوتھائی ہے اکیلے ہونے کی صورت میں **والثمن مع الولد او ولد الابن وان سفل** اور اگر میت کا بیٹا یا بیٹی یا بیٹے کی اولاد خواہ اگرچہ نیچے درجے پر ہو جیسے پرپوتا پرپوتی یا پرپوتے کی اولاد تو زوجہ کے لئے آٹھواں ⅛ حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **فان کان لکم ولد فلھن الثمن** - ولد اور ولد الابن خواہ مرد ہو خواہ عورت اور اس زوجہ سے ہو۔ یا اور بی بی سے بہر صورت زوجہ کا حق اولاد کے ساتھ آٹھواں ہے خواہ ایک زوجہ ہو یا چار اگر چار بی بیاں ہوں تو چوتھا یا آٹھواں حصہ آپس میں بانٹ لیں گی۔ عدم الولدیت کی وجہ سے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ زوجات کے دو حال ہیں یعنی ربع بلا ولد اور ولد اور ثمن مع الولد اور زوجہ کبھی ساقط نہیں ہوتی ہے۔ اور اگر اس کا مہر باقی ہو تو وہ قبل قسمت ترکہ سے پہلے ادا کیا جائے گا۔ اگر کسی نے دو۔ یا تین یا چار زوجہ چھوڑیں تو سب کو اس حصہ میں تقسیم کرنا ہوگا یہ نہیں کہ ہر ایک کو چوتھائی یا آٹھواں حصہ ملے گا۔ زوجہ کا ہم کفو ہونا میراث میں شرط نہیں ہے لیکن نکاح صحیح ہونا شرط ہے

پس ولد الزنا کا حق میراث نہیں ہے اور نہ زانیہ زوجہ تصور ہوگی وامالبنات الصلب۔ اس اضافت میں احتراز ہے بنات الابن سے کیونکہ ان کے چھٹے حال ہیں فاحوال ثلث یعنی میت کے نطفے سے جو بیٹیاں ہوں خواہ میت باپ ہو یا ماں ان کے تین حالات ہیں النصف للواحدۃ ایک یہ کہ جب میت ایک صلبی بیٹی کو چھوڑے اور اس کے ساتھ بیٹے کو نہ چھوڑے تو بیٹی کو آدھا ملے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان کانت واحدۃ فلہا النصف (مثال)

مسئلہ

بیٹی — چچا

والثلثان للاثنتین فصاعدۃ دوسرا حال یہ ہے کہ جب دو ہوں یا دو سے زیادہ ہوں تو دو ثلث ملتے ہیں اس دو ثلث کو آپس میں کتنی ہوں بانٹ لیں (مثال)

مسئلہ

بیٹی — بیٹی — چچا

بیٹیوں کے لئے ثلثین سے نہیں بڑھتا ایک سے زیادہ ہوں تو تمام صحابہ وجمہور وفقہا کا مسلک یہ ہے کہ دو ثلث میں شریک ہیں ومع الابن للذکر مثل حظ الانثیین وھو یعصبھن تیسرا حال یہ ہے کہ دختر کے ساتھ میت کا بیٹا بھی ہو یعنی دختر کا بھائی ہو۔ تو دختر بھی عصبہ ہو جائیگی پسر کو دختر سے دوچند کے حساب سے ملیگا۔ مرد کو دو حصے اور عورت کو ایک حصہ دینے کو "للذکر مثل حظ الانثیین" کہتے ہیں۔ مثال

مسئلہ

بیٹا — بیٹی
۲ — ۱

دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے "للذکر مثل حظ الانثیین" یعنی مرد کا حصہ دو عورت کی برابر ہے پس اگر پسر و دختر ہو تو پسر کے لئے دو تہائی اور دختر کے لئے تہائی ہے اس نص میں دلالت ہے کہ فقط دو دختر ہوں تو ان کے لئے دو تہائی ہے جیسے ایک بیٹے کے لئے تھا اور دو سے زیادہ کے لئے فرمایا "فان کان نساء فوق اثنتین فلھن ثلثا ما ترک" یعنی اگر دو سے زیادہ دختر ہوں۔ تو ان کے لئے دو تہائی ترکہ ہے۔ اب اوپر کے حکم سے ملا کر معلوم ہوا کہ دو ہوں۔ یا دو سے زیادہ ہوں۔ بہرحال دو تہائی ترکہ پاویں گی اور قولہ "للذکر مثل حظ الانثیین" سے نکلا کہ جب پسر کے ساتھ میں دختر ہو تو وہ عصبہ ہو جاتی ہے اور پسر اس کے حصہ کو کم کر دیتا ہے۔ کسی کے بیٹا اور بیٹی ہونے کی صورت میں ہر ایک بیٹا برابر دو بیٹیوں کے سمجھا جاتا ہے اور بیٹے اور بیٹی کا آپس میں قرابت حقیقی ہی رکھنا ضرور نہیں اگر علاتی بھی ہوں تو مطابق مذکورہ صدر تقسیم ہوگی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب میت بیٹی کو چھوڑے اور اوس کے ساتھ بیٹا بھی موجود ہو تو اس صورت میں بیٹی عصبہ ہو جائے گی۔ بیٹے کی میت سے۔ پس ذوی الفروض کے نہ ہونے کی صورت میں کل اور آن کے ہونے کی حالت میں جو کچھ ان سے بچ رہے وہ سب الھین بیٹے اور بیٹی پر کتنے ہی ہوں اس طرح تقسیم ہوگا کہ ہر ایک بیٹے کو دونا ہر ایک بیٹی سے دیا جائے گا مثلاً اگر میت ایک بیٹا اور ایک بیٹی چھوڑے تو اوس کے مال کے تین حصے کر کے دو حصے بیٹے کو اور ایک حصہ بیٹی کو دیا جائے گا اور اگر دو بیٹے اور دو بیٹی چھوڑے تو مال مذکور کے چھ حصے کر کے دو دو حصے ہر ایک بیٹے کو اور ایک ایک حصہ ہر ایک بیٹی کو دیا جائے گا۔ اسی طرح کتنے ہی ہوں جتنا ہر ایک بیٹی کو اُس کا دونا ہر ایک بیٹے کو دیا جائے گا

وبنات الابن ابن پر لام تعریف کا ہے جو جنس کا فائدہ دیتا ہے یہاں تک کہ پوتوں اور پروتوں کو بھی شامل ہے **کبنات الصلب** یعنی بیٹے کی بیٹیاں اپنی بیٹیوں کی طرح ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ عورات ذوی الفروض میں سے پوتیاں بھی ہیں خواہ کتنے ہی نیچے درجے کی ہوں **ولھن احوال ست** اور پوتیوں کے لیے چھ حالتیں ہیں **النصف للواحدۃ** پہلا حال یہ ہے کہ اگر ایک پوتی ہو تو اس کیلئے نصف ½ ہے۔ جب کہ بیٹی یا پوتی موجود نہ ہو **والثلثان للاثنتین فصاعدۃ** **عند عدم بنات الصلب** اور دوسرا حال یہ ہے کہ دو تہائی ⅔ ملتے ہیں جب کہ دو یا دو سے زیادہ ہوں۔ جس صورت میں کہ میت کی بیٹیاں نہ ہوں اسی تثلثین کو آپس میں بانٹ لیں۔ **ولھن السدس مع الواحدۃ الصلبیۃ** اور تیسرا حال یہ ہے کہ چھٹا حصہ پوتیوں کو میت کی ایک صلبی بیٹی کے ساتھ پہنچتا ہے یعنی اگر ایک بیٹی ہو اور اس کے ساتھ ایک پوتی یا کئی پوتیاں ہوں تو نصف بیٹی کو ملے گا اور ایک سدس پوتیوں کو اس سدس کو آپس میں بانٹ لیں اس صورت میں سدس اس لئے ملتا ہے کہ تثلثین سے زیادہ لڑکیوں کا نہیں ہے پس جب دو تہائی صلبی نے نصف لے لیا تو لڑکیوں کے حق میں سے فقط سدس باقی رہ گیا اس لئے وہ سدس بیٹے کی لڑکی کو دیا گیا یہی حال ہر نیچے والی کا۔ جب ایک اوپر والی موجود ہو مثلاً جب میت پروتی چھوڑے اور ایک پوتی۔ تو پوتی نصف لے لے گی۔ اور سدس جو حق دختران میں سے باقی رہا پڑتی پائے گی اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بنات کا حق تثلثین پر زیادہ نہیں ہوتا۔ اور بنات کا لفظ "بنات الابن" کو بھی شامل ہے۔ پھر جب کہ بنت صلبی نے اپنا فرض یعنی نصف لیا تو بنت الابن کو سدس ہی دینا ہوگا اور یہی ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فتویٰ دیا ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے اسی قیاس پر ہے۔ یہ بھی جو ہم نے اوپر کہا ہے کہ ایک پوتی ہو اور اس کے ساتھ ایک پروتی یا کئی پروتیاں تو پوتی کو نصف ملے گا اور پروتیوں کو سدس وعلی ہذا القیاس۔

تکملۃ للثلثین یعنی پوتیوں کو جو سدس دیا جاتا ہے یہ دو تہائیوں کے پورا کرنے کے واسطے ہے کیونکہ بنات کا حق دو ثلث ہے اس سے زیادہ نہیں جب دو ثلث بنات کو پہونچ جائیں تو پھر کسی بنات میں سے جو رہ گئی ہوں کچھ نہیں پہنچتا اور دو ثلث پہنچنے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ دو ایک درجے کی بنات میں سے پائی جائیں جیسے دو بیٹیاں اور یا دو پوتیاں دوسرے یہ کہ

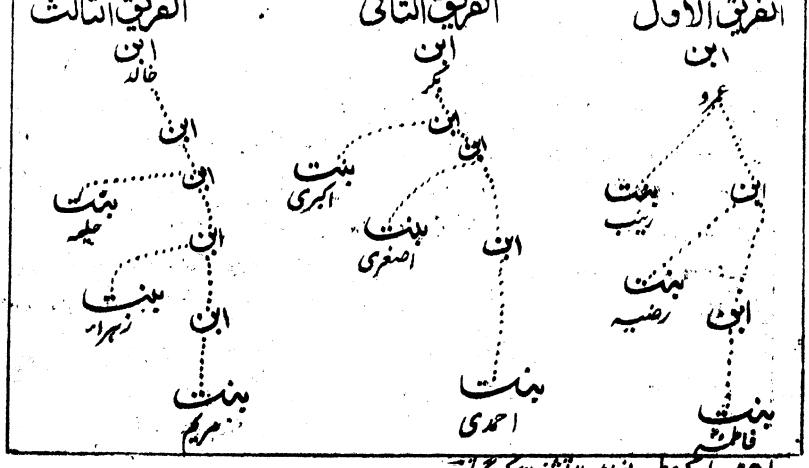
ایک اعلیٰ درجے والی کے ساتھ اسفل والی ایک کئی پائی جائیں مثلاً ایک بیٹی کے ساتھ پوتی یا پوتیاں ہوں یا ایک پوتی کے ساتھ پوتی یا پردوتیاں ہوں اس صورت میں اعلیٰ والی کو نصف ملتا ہے اور اسفل والی کو سدس اور نصف اور سدس مل کے دو ثلث ہو جاتے ہیں پس ان سے جس قدر اور اسفل والیاں ہوں اونھیں کچھ نہیں ملے گا۔ اور صلبی بیٹی کے ساتھ پوتی کا سدس اس شرط سے ہے کہ اس کے درجہ میں کوئی پوتا نہ ہو۔ اگر اس کے ساتھ پوتا ہوگا تو عصبہ بن جائے گا اور اب سدس نہ پائے گی۔ سدس کے ساتھ بیٹے کا بیٹا ہونے کی صورت میں ہے **ولا یرثن مع الصلبیتین** اوپر تھا حال یہ ہے کہ دو صلبی دختر کے ساتھ پوتیاں ہوں تو وارث نہوں گی علی الاطلاق محروم ہیں کیونکہ دو تہائی دونوں صلبیہ نے لے لئے تو دختر پسری کے لئے کچھ باقی نہیں رہا۔ غرضکہ دو اعلیٰ درجے والیوں کیساتھ نلے کے درجے والی کو یعنی دو بیٹیوں کے ساتھ پوتی کو کچھ نہیں ملتا اسی طرح دو پوتیوں کے ساتھ پردوتی کو کچھ نہیں ملتا کیونکہ نلے والیاں محجوب ہوتی ہیں۔ دو اعلیٰ درجے والیوں کے ساتھ اس لئے کہ تثنین جو بنات کا حق ہے جب اوپر کے درجے والیاں لے لیں گی تو حق بنات سے کچھ باقی نہ رہے گا کہ نلے کے درجے والی پائے لہٰذا محروم ہوگی **الا ان یکون بحذائھن او اسفل منھن** پانچواں حال یہ ہے کہ اگر پوتیوں کے ساتھ ان کے درجے کا یا ان سے نلے کے درجے کا کوئی لڑکا ہو اور میت کا صلبی پسر ندارد ہو لڑکے سے مراد عام ہے خواہ بنت الابن کے درجے کا ہو یا اس سے نیچے کا یعنی بنت الابن کا بھائی ہو یا بھتیجا یا اور اس سے نیچے **فیعصبھن** تو یہ لڑکا اُن پوتیوں کو عصبہ کر دیگا کیونکہ میت کا پسر نہ ہو تو پسر کا پسر جہاں تک نیچے درجے پر ہو وہ مثل پسر صلبی کے عصبہ ہوتا ہے۔ اور پسر اپنی بہن کو اپنے ساتھ عصبہ کر لیتا ہے **والباقی بینھم للذکر مثل حظ الانثیین** لہٰذا دونوں دختر صلبیہ کو دے کر جو مال باقی ہو وہ ان پوتیوں اور اُس لڑکے میں اس طرح تقسیم ہو جائیگا کہ پوتی سے دو چند لڑکے کو پہنچے گا۔ مثلاً ایک شخص دو بیٹیاں اور ایک پوتی اور پوتا چھوڑے تو دونوں بیٹیوں کو دو ثلث پہنچیں گے۔ اور باقی اس پوتے اور پوتی پر بطور عصوبت کے بٹ جائے گا مرد کو دو حصے اور عورت کو ایک حصہ یا کوئی شخص دو بیٹیاں اور ایک پوتی اور ایک پردتی اور ایک پردتا چھوڑے تو اس پردتے کے سبب پردتی بھی عصبہ ہوگی کہ اس کے ساتھ والی ہے اور یہ پوتی بھی کہ اُس سے اعلیٰ درجے کی ہے پردتے کو دو حصے اور پوتی اور پردتی کو ایک ایک حصہ بعد دینے دو ثلث بیٹیوں کے لے گا یا کوئی شخص دو پوتیاں چھوڑے اور ایک پردتی اور پردتا تو بھی ثلثین پوتیوں کو پہنچے گا باقی پردتی اور پردتے پر اس طرح کہ مرد کو دو عورتوں کی برابر بٹ جائے گا اور اگر پردتا نہ ہوتا تو بسبب دو پوتیوں کے پردتی محروم ہوتی **ویسقطن بالابن** چھٹا حال یہ ہے کہ میت کی پوتیاں میت کا پسر موجود ہونے کے وقت ساقط (محروم) ہو جاتی ہیں خواہ دختروں کا باپ موجود ہو یا میت کا دوسرا پسر موجود ہو اس واسطے کہ پسر عصبہ ہے خواہ اُس کی بہن ہو یا نہ ہو دختران پسر کے واسطے کچھ باقی نہیں رہا بخلاف دختر میت کے کہ وہ اہل فرائض میں سے ہے جب کہ پسر نہ ہو۔

مسئلۂ تشبیب

واضح ہو کہ اہل فرائض کا ایک مسئلہ ہے جسے "مسئلہ تشبیب" بولتے ہیں جو مختلف درجوں کی بنات الابن (یعنی پوتیوں) پر مشتمل ہے اُس کو تشبیہ[1] الاذہان کے لئے اس مقام میں ذکر کرتے ہیں۔ وجہ تسمیہ یہ ہے۔ کہ اس میں بنات کا ذکر اختلاف درجات کے طور سے کیا جاتا ہے جیسا کہ شرح بسیط میں ہے سید شریف کی تعریفات کے قلمی نسخے میں لکھا ہے کہ تشبیب النسات یہ ہے کہ لڑکیوں کا ذکر اختلاف درجات کے طور سے ہو کتب لغات میں امرأۃ کی جمع نسات نہیں ملی نساء ملتی ہے جو خلاف قیاس ہے۔ مبسوط میں سرخسی کی جو مذکور ہے کہ میراث بنات کے باب کو باب التفویض و باب ترتیث الانساب کہتے ہیں۔ اس میں "انساب" کاتب و مطبع کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔ "ترتیب النسات" ہوگا۔ صحابہ نے اس امر میں کوئی بات نہیں کہی ہے۔ متاخرین نے اس قسم کے مسائل موشگافی کے لئے بیان کئے ہیں۔

اس مسئلہ کو مصنف یوں بیان کرتے ہیں۔ ولو ترک المیت ثلث بنات ابن بعضهن اسفل من بعض اور اگر میت تین پوتیاں چھوڑے کہ ان میں سے بعض نیچے کے درجے میں ہوں بعض سے یہ فریق اول ہوا و ثلث بنات ابن آخر بعضهن اسفل من بعض اور تین پوتے کی بیٹیاں چھوڑے کہ ان میں سے بھی بعض نیچے کے درجے میں ہو۔ بعض سے یہ دوسرا فریق ہوا وثلث بنات ابن ابن ابن آخر بعضهن اسفل من بعض اور تین بیٹیاں ایک پڑپوتے کے بیٹے کی ایسی چھوڑے کہ ان میں سے بعض نیچے کے درجے میں ہو بعض سے یہ تیسرا فریق ہوا۔

بھذا الصورات اس صورت سے



[1] مبوما کے مطبوعہ نسخوں میں "تشبیہ" کی جگہ "تبیہ" ہے ۱۲

ہر فریق میں تین درجے ہیں "عُلیا" (بڑا) "وسطے" (درمیانی) "سفلیٰ" (ادنےٰ) مثلاً زید کے تین بیٹے تھے۔ (۱) عمرو (۲) بکر (۳) خالد۔ فریق اول کے سب سے پہلے ابن کو عمرو سمجھو اور فریق دوم کے پہلے ابن کو بکر فرض کرو اور فریق سوم کے پہلے ابن کو خالد مانو۔ ان میں سے عمرو اپنے باپ کی حیات میں ایک بنت (بیٹی زینب) اور ایک بنت الابن (پوتی رضیہ) اور ایک بنت ابن الابن (پوتے کی بیٹی فاطمہ) چھوڑ کر مرگیا۔ اسی طرح بکر بھی اپنے باپ کی حیات میں ایک بنت الابن (پوتی، کبریٰ) اور ایک بنت ابن الابن (پوتی۔ اصغریٰ) اور ایک بنت ابن ابن الابن (پوتے کی پوتی احمدی) چھوڑ کر مرگیا اسیطرح خالد بھی اپنے باپ کی حیات میں ایک بنت ابن الابن (پوتی حلیمہ) اور ایک ابن ابن ابن الابن (پوتے کی بیٹی زہرا) اور ایک بنت ابن ابن ابن الابن (پوتے کے پوتے کی بیٹی مریم نام) چھوڑ کر مرگیا۔ پھر زید انھیں تینوں فریق بنات الابن کو چھوڑ کر مرگیا۔ اب مصنف اس مسئلے کی تصویر یوں کھینچتے ہیں

العليا من الفريق الاول لانها احد۔ فریق اول کی علیا یعنی اوپر والے درجے کی لڑکی یعنی زینب کے مقابلے میں کوئی لڑکی نہیں۔

مطلب یہ ہے کہ فریق اول کی بڑی لڑکی کی برابر کوئی لڑکی دوسرے اور تیسرے طبقے کی نہیں اس واسطے کہ نسبت اوس کی میت (زید) کی طرف ایک واسطے سے ہے۔ اور واسطہ اوس کا باپ عمرو ہے۔ اور دوسری لڑکیوں کو ایسی نسبت حاصل نہیں

والوسطى من الفريق الاول تواريها العليا من الفريق الثاني۔ اور پہلے فریق کی درمیانی لڑکی یعنی رضیہ کے مقابل فریق ثانی کی اول نمبر کی لڑکی یعنی اکبری ہے۔ اس واسطے کہ ان میں سے ہر ایک کی نسبت میت کی طرف دو واسطے سے ہے۔ اول واسطہ میت کا پوتا ہے اور دوسرا واسطہ میت کا بیٹا،

والسفلى من الفريق الاول تواريها الوسطى من الفريق الثاني والعليا من الفريق الثالث۔ اور فریق اول کی ادنےٰ درجے والی فاطمہ کی برابر فریق دوم میں اوسط درجے والی لڑکی یعنی اصغری اور "فریق سوم" میں اعلیٰ درجے والی لڑکی یعنی "حلیمہ" ہے اس واسطے کہ ان میں سے ہر ایک کو میت کی طرف پہونچنے میں تین واسطے درکار ہیں۔

والسفلى من الفريق الثاني تواريها الوسطى من الفريق الثالث۔ اور "فریق دوم" کی ادنےٰ درجے والی لڑکی یعنی احمدی کی برابر "فریق سوم" کی اوسط درجے والی لڑکی یعنی زہرا ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک کو میت کی طرف چار واسطوں سے نسبت حاصل ہے

والسفلى من الفريق الثالث لانها احد۔ اور تیسرے فریق کی جو ادنےٰ درجے والی اور آخری لڑکی ہے یعنی مریم ہے اوس کی برابر کسی فریق میں سے کوئی نہیں کیونکہ میت کے ساتھ اس کو پانچ واسطوں سے نسبت ہے۔ اور اور فریق کی لڑکیوں میں سے کسی کی یہ حالت نہیں۔

اذا عرفت هذا فنقول للعليا من الفريق الاول النصف وللوسطى من الفريق الاول مع من يواريها السدس تكملة الثلثين جب یہ معلوم ہو چکا تو ہم کہتے ہیں۔ کہ "فریق اول" کی علیا" یعنی زینب کو نصف ملے گا۔ کیونکہ

جب مزید کی صلبی بیٹی نہیں تو یہ اس کی قائم مقام سمجھی جائے گی اور فریق اول کی وسطی یعنی زینہ اور فریق ثانی کی علیا یعنی اکبری کو سدس جو حق بنات میں سے باقی رہ گیا ہے ملے گا۔ تاکہ دو ثلثہ پورے ہو جائیں۔ کیونکہ نصف اور سدس مل کے دو ثلث پورے ہو جاتے ہیں۔ اس سدس کو دونوں سپیز بابا بانٹ لیں گی

وَلَا شَيْءَ لِلسَّفِيَاتِ ۔ اور باقی دن سے نیچے والیوں کو کچھ نہ ملے گا اور وہ پوتیاں لڑکیاں ہیں۔

(۱) فاطمہ (۲) اصغری (۳) حلیمہ (۴) احمدی (۵) زہرا (۶) مریم۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ دو ثلث تین اوپر والیوں میں پورے ہو گئے۔ پس ان چھ لڑکیوں کے واسطے کوئی فرض باقی نہ رہا۔ اور نہ ان چھوؤں کو عصوبت حاصل ہے تو ان کو ترکہ میں سے پہنچنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔

اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ مَعَهُنَّ غُلَامٌ فَيُعَصِّبُهُنَّ مِنْ كَانَتْ بِحَذَائِهٖ وَمَنْ كَانَتْ فَوْقَهٗ مِمَّنْ لَمْ تَكُنْ ذَاتَ سَهْمٍ وَيُسْقِطُ مَنْ دُوْنَهٗ ۔ مگر جب کوئی لڑکا یعنی ان کا بھائی یا بھتیجا یا اور نیچے کے درجے کا موجود ہو۔ تو وہ اپنے درجے والیوں کو اور اپنے سے اوپر والیوں کو جنہوں نے کچھ نہ پایا ہوگا عصبہ کر دے گا۔ اور باقی ماندہ مال ان کے درمیان میں للذکر مثل حظ الانثیین کے حساب سے تقسیم ہوگا اور اپنے سے نیچے درجے والیوں کو محروم کر دے گا۔ اور اس کی کئی صورتیں سراجی المختار میں اس طرح لکھی ہیں۔ مثلاً

(۱) اگر لڑکا فریق اول کی آخری درجے کی لڑکی کے ساتھ موجود ہو تو ان میں سے سب سے اونچی لڑکی نصف مال لے گی۔ اور پہلے فریق کی درمیانی لڑکی اور دوسرے فریق کی سب سے اونچی لڑکی یہ دونوں سدس لیں گی اور باقی کا مال لڑکے کی مقابل کی لڑکیوں میں کہ فریق اول کی آخری لڑکی اور فریق دوم کی درمیانی لڑکی۔ اور فریق سوم کی پہلی لڑکی ہے اس طرح تقسیم ہو جائے گا کہ پانچ حصے کر کے دو حصے لڑکے کو پہنچیں گے اور تین حصے اس کے مقابل کی تینوں لڑکیوں کو اور نیچے والی تینوں لڑکیاں کہ دوسرے فریق کی آخری لڑکی ہے اور تیسرے فریق کی دوسری اور تیسری ہے محروم ہوں گی۔

(۲) اور اگر لڑکا فریق دوم کی آخری لڑکی کے ساتھ ہوگا تو باقی ماندہ ثلث مال اس میں اور پہلے فریق کی آخری۔ اور دوسرے فریق کی درمیانی اور آخری اور تیسرے فریق کی سب سے اول کی اور درمیانی لڑکی میں سات حصے ہو کر بٹ جائے گا۔ کہ اس میں سے دو حصے لڑکے کو اور ایک ایک حصہ لڑکی کو ملے گا۔ اور تیسرے فریق کی آخری لڑکی ساقط ہو جائے گی۔

(۳) اور اگر لڑکا فریق سوم کی آخری لڑکی کے ساتھ ہوگا تو باقی کا تہائی مال لڑکے اور دو لڑکی کی چھ لڑکیوں میں آٹھ حصے ہو کر بٹ جائے گا

(۴) اور اگر لڑکے کا وجود فریق اول کی سب سے اونچی لڑکی کے ساتھ فرض کیا جائے۔ تو تمام مال اوس کو۔ اور اوس کی ہمشیرہ کو ملے گا۔ اس طرح کہ دو حصے لڑکا پائے گا۔ اور ایک حصہ لڑکی کو پہنچے گا۔ اور پھر نیچے کے درجے والی لڑکیوں کو تینوں فریق میں سے کچھ نہ ملے گا اور آٹھوں کی آٹھوں محروم ہو جائیں گی۔

(۵) اور اگر لڑکا فریق اول کی درمیانی لڑکی کے ساتھ ہوگا تو پہلے فریق میں سے سب سے اونچی لڑکی آدھا ترکہ لے گی۔ اور باقی لڑکے کو اور اس کے مقابل کی لڑکیوں کو کہ فریق اول کی درمیانی لڑکی۔ اور دوسرے فریق کی سب سے پہلی لڑکی ہے ملے گا اور مال اُنپر اس طرح تقسیم ہوگا کہ لڑکے کو دو حصے اور ہر لڑکی کو ایک ایک حصہ دیا جائے گا۔ اور نلے کی چھوڑوں لڑکیاں محروم رہیں گی۔

(۶) اور اگر لڑکا فریق ثانی کی سب سے اونچی لڑکی کے ساتھ ہو تو اس کو بھی اسی پر قیاس کر لو

مسئلۃ التشبیب کا حل دوسرے طور پر

اس مسئلے کو مسئلہ تشبیب اس لئے کہتے ہیں کہ "تشبیب" کے معنی لغت میں "شعر پڑھنے کے ہیں جس میں عاشق کے حال اور معشوق کے جمال کا ذکر ہوتا ہے اور عروض اہل فن القض میں مختلف درجوں کی بنات الابن کے ذکر کرنے کو کہتے ہیں۔ اور چونکہ اس مسئلہ میں مختلف درجوں کی بنات الابن کا ذکر ہوتا ہے اس لئے اسے "مسئلۃ التشبیب" بولتے ہیں اور یہ مسئلہ بوجہ اپنی باریکی اور خوبی کے ذہن کو تیز کرتا ہے۔ اس واسطے میں اس کی تفصیل اس طریق سے سمجھاتا ہوں جو خزانۃ المفتیین میں مذکور ہے۔

اگر میت تین پوتیاں چھوڑے کہ بعض اون کی بعض سے اسفل ہوں اور پوتے کی تین بیٹیاں چھوڑے کہ بعض اون کی بعض سے اسفل ہوں اور پوتے کی فرزند کی تین بیٹیاں چھوڑے کہ بعض اون کی بعض سے اسفل ہوں۔

صورت اس کی یہ ہے کہ جس وقت میت کے بیٹے کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہو۔ اور اوس کے پوتے کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہو۔ اور اس کے فرزند کے پوتے کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہو لیکن لڑکے سب مر جائیں۔ اور لڑکیاں باقی رہیں اس طرح کہ فرزند کی تین بیٹیاں ہوں اور اسی طرح پوتے کی تین بیٹیاں ہوں اور اسی طرح پروتے کی تین لڑکیاں ہوں۔

اسکوت پر

میت

فریق اوّل	فریق دوم	فریق سوم
بیٹا	بیٹا	بیٹا
پوتی	پوتا	پوتا
پوتی	پوتی	پروتا
پوتی	پوتی	پوتی
	پوتی	پوتی
		پوتی

چونکہ فریق اول میں سے اونچے درجے کی لڑکی ہے اوس کے مقابل کوئی نہیں اور چونکہ فریق

اول میں درمیانی درجے کی لڑکی ہے اور اس کے مقابل میں فریق دوم کی اونچے درجے کی لڑکی ہے۔ اور جو کہ فریق اول میں سے سب سے نیچی لڑکی ہے اس کے مقابل فریق دوم سے درمیانی لڑکی ہے اور فریق دوم سے اونچی لڑکی ہے اور جو کہ فریق سوم سے سب سے نیچی لڑکی ہے اس کے مقابل کوئی لڑکی نہیں پس فریق اول میں سے اونچی کے لئے نصف ہوگا اور فریق اول میں سے درمیانی کے لئے اور فریق دوم میں سب سے اونچی کے لئے بسبب برابر ہونے دونوں کے درجے میں سے ہر ایک کی تکملہ ہو جائے اور باقیوں کے لئے کوئی شے نہ ہوگی پس اگر فریق اول میں سے سب سے اونچی کے ساتھ لڑکا ہو تو مال لڑکے اور لڑکی میں اس طرح تقسیم ہوگا۔ کہ لڑکے کو دو حصے۔ اور لڑکی کو ایک حصہ دیا جائے گا۔ اور باقی عورتیں ساقط ہو جائیں گی۔ اور اگر فریق اول میں سے درمیانی لڑکی کے ساتھ لڑکا ہو تو فریق اول میں سے سب سے اونچی کے نصف ہوگا اور باقی لڑکے میں اور اس لڑکے میں کہ جو اس کے درجے میں ہے موافق للذکر مثل حظ الانثیین کے تقسیم ہوگا۔ اور اگر لڑکا فریق اول میں سب سے آخری لڑکی کے ساتھ ہوگا تو فریق اول میں سے سب سے اونچی لڑکی کے لئے نصف ہوگا۔ اور فریق اول میں سے درمیانی کے لئے مع اس کے کہ جو اس کے مقابل ہے سدس ہوگا تاکہ دو تہائی کا تکملہ ہو جائے۔ اور باقی لڑکے میں اور اس لڑکی میں کہ جو اس کے مقابل ہے موافق للذکر مثل حظ الانثیین کے تقسیم ہوگا۔ اور باقی عورتیں ساقط ہو جائیں گی۔ اور اگر فریق دوم میں سے سب سے آخری کے ساتھ لڑکا ہو تو فریق اول میں سے سب سے اونچی کے لئے نصف ہوگا اور سدس تکملہ للثلثین کی وجہ سے اس درجے میں وسطی کے لئے اور اس کے لئے ہوگا کہ جو اس کے مقابل ہے اور باقی لڑکے میں اور اس میں کہ جو اس کے مقابل ہے اور جو اس سے اونچی ہے ان میں سے کہ جن کا حصہ مقرر نہیں موافق للذکر مثل حظ الانثیین کے تقسیم ہوگا۔ اور باقی عورتیں ساقط ہو جائیں گی۔ علی ہذا القیاس اور کلیہ قاعدہ اس میں یہ ہے کہ پوتے کے ساتھ پوتی عصبہ بنجاتی ہے برابر ہو کہ پوتا اس کے درجے کا ہو یا اس سے نیچے کا۔ بشرطیکہ درجہ اس کا فرض نہ ہو۔

ایک اور طریق سے حل

بیٹیوں کا حق نہایت درجہ دو ثلث ہے اس سے زیادہ نہیں پس جب دو ثلث بیٹیوں کو ملجائے تو پھر کسی کو بیٹیوں میں سے جو باقی رہ گئی ہوں کچھ نہیں ملتا۔ اور دو ثلث ملنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ دو یا زیادہ ایک درجے کی ہوں جیسے دو بیٹی یا دو پوتی۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ ایک اعلیٰ درجے کی ہو۔ اور ایک یا زیادہ اسفل درجے کی ہوں۔ تو اعلیٰ درجے والی کو نصف اور اسفل والی کو سدس ملتا ہے اور نصف اور سدس مل کر دو ثلث ہو گئے۔ اب اس سے اسفل والیاں جس قدر ہوں محروم رہیں گی۔ مگر جس صورت میں کوئی مذکر ان کے ساتھ

موجود ہو یا ان سے کم درجے کا ہو تو اس وقت میں بعد دینے دو ثلث کے یعنی نصف اور سدس کے جو باقی رہے اس میں سے دو حصے وہ لے کر پائے گا اور ایک ایک حصہ ہر مؤنث کو ملے گا جو محروم نہیں خواہ مؤنث درجے میں مذکر کے برابر ہوں یا اس سے اعلیٰ ہوں سب برابر ہیں۔ مگر جو مؤنث اس مذکر سے درجے میں کم ہوگی وہ محروم رہے گی جیسے زید نے ایک بیٹی ایک پوتی ایک پوتا چھوڑا تو بیٹی کو آدھا اور باقی میں دو حصے پوتا اور ایک حصہ پوتی پائے گی۔ یا زید نے ایک بیٹی اور ایک پوتی اور ایک پر پوتی اور ایک پر پوتا اور چار پر پوتے کی بیٹیاں چھوڑیں تو بیٹی کے لئے نصف اور پوتی کے لئے سدس ہے اور پر پوتی محروم ہے مگر جو جو مذکر کے باقی مال میں بحساب للذکر مثل حظ الانثیین پائے گی اور پر پوتی کی بیٹیاں جو اس مذکر سے درجے میں اسفل ہیں۔ محروم رہیں گی۔ یہ بیان اس مذکر کے ساتھ کا تھا۔ جس میں مؤنث اور مذکر دونوں ایک ہی درجے کے تھے۔ یعنی پر پوتی اور پر پوتا اور مذکر کے اسفل میں ہونے کی یہ مثال ہے کہ خالد مرا، اور اوس نے ایک بیٹی ایک پوتی ایک پر پوتی ایک پر پوتے کی بیٹی۔ ایک پر پوتے کا بیٹا چھوڑا۔ تو بیٹی کو نصف اور پوتی کو سدس۔ اور باقی میں پر پوتی اور پر پوتی کی بیٹیاں جو محروم تھیں، پر پوتے کے بیٹے کے ہمراہ بحساب للذکر مثل حظ الانثیین کے پائیں گی۔ یعنی ایک پر پوتی۔ جو درجے میں مذکر سے اعلیٰ ہے پاوے گی اور ایک پر پوتے کی بیٹی جو درجے میں مذکر کے برابر ہے پائے گی، اور پر پوتے کا بیٹا دو پائے گا۔

اگرچہ اس مسئلہ کی وضاحت میں ہم سے کسی قدر تکرار مضامین واقع ہو گئی ہے۔ لیکن ایسے مشکل مبحث کو سمجھانے کے لئے قدرے مکرر سمجھنا چاہئے۔ **و اما الاخوات لاب و ام فاصلهن خمس** اور حقیقی بہن کہ ایک ماں باپ سے ہو، پانچ احوال ہیں۔ مصنف نے یہاں پانچ احوال ہمشیرہ حقیقی کے بتائے ہیں، مگر تفصیل میں چار لکھے ہیں۔ اختصار کے لئے پانچواں حال علاتی بہنوں کے حال کے ضمن میں اظہار کیا ہے۔ کیونکہ وہ بھی اُن کی مشارکت ہیں اور وہ "پانچواں حال یہ ہے کہ حقیقی بہن بیٹے اور پوتے یا پر پوتے وغیرہ کے سامنے میراث سے محروم ہو جاتی ہے۔

بہرصورت "چار" حالتوں کی تفصیل یہ ہے۔

النصف للواحدة۔ ایک حال یہ ہے کہ سگی ایک بہن ہو اور میت کا حقیقی بھائی یا بیٹا یا بیٹی۔ یا پوتا۔ یا پوتی۔ یا باپ۔ یا جد صحیح موجود نہ ہو تو اس کے واسطے نصف ہے بقولہ تعالیٰ۔ **وان کانت فلها النصف ما ترک**۔ اور مراد یہاں عینی بہن ہے، یا علاتی کیونکہ اخیافی یعنی مادری بہن کا حکم علیحدہ بیان فرمایا ہے پھر عینی و علاتی میں سے عینی مقدم ہے۔

والثلثان للاثنتین فصاعدة اور دو یا زیادہ حال یہ ہے کہ دو ثلث دو یا زیادہ بہنوں کے واسطے ہیں۔ جب کہ ساتھ میں حقیقی بھائی یا بیٹا۔ یا بیٹی۔ یا پوتا۔ یا پوتی۔ یا باپ۔ یا جد صحیح موجود نہ ہو جیسا کہ شروع آن میں آیا ہے۔ **فان کانتا اثنتین فلهما الثلثان** مگر جب کہ ذوی الفروض پورا پورا فرض ترکہ کو لے لیں تو انھیں کچھ نہ ملے گا۔ جیسے میت نے دو بیٹیاں ایک شوہر اور ماں اور بہنیں چھوڑیں تو اصل اس مسئلہ کی ۱۲ سے ہے اور عول کرے گا ۱۳ کیطرف

ان ۱۳ میں سے ۸ بیٹیوں کے ہیں اور تین شوہر کے اور ۲ ماں کے۔ اور بہنیں ساقط ہیں۔
فرع مع الاخ لاب و ام اگر بہن کے ساتھ اس کا حقیقی بھائی ہو اور بیٹی یا پوتی۔ یا بیٹا یا پوتا یا باپ۔ یا جد صحیح موجود نہ ہو **للذکر مثل حظ الانثیین یصیران به عصبة لاستوائهم فی القرابة الی المیت** تو ایسی صورت میں مرد کو عورت سے دوچند کے حساب سے ملے گا۔ بھائی کے ساتھ بہن عصبہ ہو جائے گی کیونکہ دونوں میت کے ساتھ برابری کا رشتہ رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "وان کانوا اخوۃ رجالاً ونساءً فللذکر مثل حظ الانثیین" یعنی اگر بھائی اور بہن باہم ہوں تو ان میں سے مرد کے لئے دو عورتوں کی برابر حصہ ہے۔ جب کہ اللہ پاک نے بوجہ مختلط ہونے بھائی بہنوں کے بھائی اور بہنوں کا حصہ معین نہیں کیا تو اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ بہنیں بھائیوں کے ساتھ عصبہ ہوں گی۔ اور علماء نے اس امر میں اختلاف کیا ہے کہ میت نے ایک بیٹی چھوڑی اور ایک بھائی اور ایک بہن سگے چھوڑے تو اس صورت میں بیٹی کا حصہ دے کر جو کچھ باقی رہے بھائی کو دے دیا جائے۔ اور میت کی بہن کو کچھ نہ ملے۔ اور اس قول پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے "فما بقی فهو لاولی رجل ذکر" یعنی جو کچھ اصحاب فرائض سے بچے وہ ایسے مرد کے لئے ہے جو سب سے اولے ہو اور ظاہر ہے کہ بہن مرد نہیں ہے اور اس قول کو اس طرح رد کیا گیا ہے کہ اگر میت ایک بیٹی اور ایک پوتی اور ایک پوتا چھوڑے تو علماء نے اس امر پر اجماع کیا کہ اس صورت میں بیٹی کے حصے کے بعد جو کچھ باقی رہے پوتی اور پوتے کا ہے۔ اس طرح کہ پوتے کو پوتی سے دونا دیا جائے گا۔ اور بیشتر علماء نے اس پر اجماع کیا ہے کہ اگر میت ایک بیٹی۔ اور ایک چچا اور ایک پھپھی چھوڑے، تو دختر کو حصہ دینے کے بعد باقی ترکہ چچا کے لئے ہے اور پھپھی ذوی الارحام میں سے رہ گئی۔ اور علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ میت ایک بیٹی اور حقیقی بھائی۔ اور ایک حقیقی بہن چھوڑے تو کیا بعد بیٹی کے حصے کے باقی حق بھائی بہن دونوں کا ہے۔ پس جواب یہ ہے کہ بھائی اور بہن کا حال پوتے کے حال کی طرح ہونا بہتر ہے مثل چچا اور پھپھی کے حال کے۔ اور وجہ اولویت کی یہ کہ علماء نے اس پر اجماع کیا ہے کہ پوتے اور پوتی کے ساتھ صلبی بیٹی نہ ہو تو تمام ترکہ پوتے اور پوتی کا حق ہوتا ہے اس طرح کہ مرد یعنی پوتے کے لئے عورت یعنی پوتی کا دونا ہے اسی طرح علماء کا اس پر اجماع ہے کہ جب بھائی اور بہن کے ساتھ بیٹی نہ ہو۔ تو مال کو ان دونوں میں اسی طرح تقسیم کیا جائے گا بخلاف چچا اور پھپھی کے کہ اگر ان کے ساتھ دختر نہ ہو تو کل ترکہ کا مالک عصبیت کے طور پر چچا ہوتا ہے اور پھپھی کو کچھ نہیں پہنچتا۔ اسی طرح حال باقی ترکے میں دختر کا حصہ نکلوانے کے بعد ہوتا ہے **ولهن الباقی مع البنات او بنات الابن** حاصل حال یہ ہے کہ میت کی بیٹی یا پوتی کے ساتھ باقی ترکہ بہن کے لئے عصبہ ہونے کی وجہ سے ہے اور باقی سے مراد وہ مال ہے، جو ذوی الفروض کو دے کر بچ رہتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب میت حقیقی بہن چھوڑے اور بیٹی اور پوتی بھی موجود ہو۔ اور بیٹا یا پوتا یا باپ یا جد صحیح موجود نہ ہو تو عصبہ ہو جاتی ہے اور باقی یعنی جو کچھ ذوی الفروض کو دے کر بچ رہے

پاتی ہے اور بنات الابن میں درجہ اسفل بھی داخل ہے جیسے پردتیاں۔ چنانچہ شرح بسیط میں بنات الابن کے بعد اُو بنتہ لکھ دیا ہے۔ اور کنز الدقائق وغیرہ دوسری کتب میں بھی ہے۔

لقولہ علیہ السلام مصنف نے ذیل کے قول کو حدیث نبوی ان کر ایسا لکھا ہے۔ حالانکہ اس قول کے متعلق اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ یہ اہل فرائض کا قول ہے اور بعض اسکو حدیث نبوی بتاتے ہیں اور یہی مصنف نے اختیار کیا ہے **اجعلوا الاخوات مع البنات** اس حدیث میں اخوات و بنات جمع کے صیغے ہیں لیکن مراد ان سے جنس ہے جو واحد اور متعدد دونوں کو شامل ہے **عصبۃ** یعنی آنحضرت نے فرمایا ہے کہ بہنوں کو بیٹیوں کے ساتھ عصبہ بنا دو اور اکثر صحابہ نے یہی اختیار کیا ہے چنانچہ زید و عمر و علی ابن مسعود رضی اللہ عنہم کا بھی یہی مذہب ہے کہ بہنوں کو بیٹیوں کے ساتھ عصبہ بنایا جائے اور یہی علماء کی جمہور نے اختیار کیا ہے لیکن ابن عباس نے کہا ہے کہ بہنیں بیٹیوں کے ساتھ تب عصبہ ہوتی ہیں جب دونوں کی جمع ہونے میں آدھا بیٹی کو دلاتے ہیں اور بہن کو کچھ نہیں دلاتے ہیں چنانچہ مسجع نے مجموعہ سے۔ اور حنفیوں نے ابوسلمہ ابن عبد الرحمن سے روایت کی ہے کہ ابو سلمہ نے ابن عباس سے اس فریضہ کا حال پوچھا جس میں ایک بیٹی۔ اور ایک بہن ہو تو ابن عباس نے جواب دیا کہ بیٹی کے لئے نصف ہے اور بہن کے لئے کچھ نہیں۔ ابوسلمہ نے ابن عباس سے کہا کہ حضرت عمرؓ کا تو یہ قول ہے کہ بیٹی کے لئے نصف ہے اور باقی مال بہن کا ہے تو یہ بات سنکر ابن عباس خفا ہوئے۔ اور کہا کہ تم زیادہ سمجھتے ہو یا رب العزت زیادہ سمجھتا ہے جس نے فرمایا ہے **اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ** یعنی اگر کوئی مرد مر جائے اور اس کے ولد نہ ہو اور اس کے بہن ہو تو نصف ترکہ بہن کے لئے ہے۔ زہری کہتے ہیں کہ ابن عباس کی مراد میں سمجھ میں نہ آئی۔ اس لئے میں نے عطا سے اس کا مطلب پوچھا تو انھوں نے بیان کیا کہ ابن عباس کا مقصود یہ ہے کہ اللہ نے بہن کے لئے نصف مقرر کہ بھائی کا اس شرط سے مقرر کیا ہے کہ میت کے کوئی ولد موجود نہ ہو اور اس کے لئے ولد کے ساتھ نصف مقرر نہیں کیا ہے اور ولد کا لفظ حقیقۃً لڑکی اور لڑکے دونوں کو شامل ہے یعنی اللہ نے اس آیت میں ولد کو بہن کا حاجب قرار دیا ہے اور ولد کا لفظ لڑکی اور لڑکے دونوں کے لئے مستعمل ہے پس ولد لڑکی ہو یا لڑکا بہن کو میراث نہیں پہونچنے دیتے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے جب ماں کو تہائی سے چھٹے حصے کی طرف ولد کی وجہ سے محجوب کیا ہے تو اس جگہ ولد سے لڑکا اور لڑکی برابر مانے جاتے ہیں۔ علی ہذا جب کہ شوہر اپنی زوجہ کے ترکہ میں ولد کیساتھ آدھے سے چوتھائی کی طرف محجوب ہو جاتا ہے اور اسی زوجہ کا شوہر کے ترکہ میں حاجب ہو کر اسکا حصہ چوتھائی سے آٹھواں بنا دیتا ہے تو اندونوں مقاموں میں ولد کا لفظ لڑکے اور لڑکی دونوں کو شامل ہوتا ہے اور دونوں ان تینوں کے حاجب ہونے میں برابر مانے جاتے ہیں یعنی دونوں کیساں حاجب ہوتے ہیں۔ پس جب کہ ولد موجود ہو خواہ لڑکا ہو یا لڑکی تو بہن کے لئے کچھ میراث نہیں۔ اور دلیل اسپر یہ ہے کہ صاحب فریضہ کا حق دینے کے بعد جو مال عصبہ نسبی کو پہنچتا ہے اور بھائی عصبہ ہے اور بہن عصبہ نہیں ہوتی اس سے معلوم ہوا کہ وہ عصبہ فی نفسہا نہیں ہے بلکہ اس کا عصبہ ہونا غیر کی وجہ سے معتبر ہے جب کہ غیر عصبہ ہو۔ اور ظاہر ہے کہ دختر عصبہ نہیں ہے۔ پس بہن بیٹی کے ساتھ کیونکر عصبہ بن سکتی ہے اور اگر

بیٹی کے ساتھ بہن عصبہ ہو جائے تو میراث میں اس کی شریک بن جائے حالانکہ اسپر اجماع ہے کہ بہن دختر کے حصہ میں شریک نہیں ہے اس سے معلوم ہوا کہ بہن اصلاً عصبہ نہیں ہے البتہ مرد اس کے ساتھ مل جائے تو اس وقت مرد کی وجہ سے عصبہ بن جاتی ہے۔ بخلاف بھائی کے کہ وہ عصوبت کی وجہ سے وہ مال لیتا ہے جو مری ہوئی بہن کی بیٹی سے بچ رہے۔ حنفیہ کی طرف سے ابن عباس کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ اللہ پاک کے اس قول میں۔ اِنِ امْرَؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّ لَهٗ اُخْتٌ مراد ولد سے بیٹا ہے چنانچہ ثبوت اس کا قرآن کی اس آیت سے ہوتا ہے جس کا عطف اسپر کیا ہے وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ پوری آیۃ یوں ہے۔ يَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ اِنِ امْرَؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّ لَهٗ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ

یعنی اے پیغمبر لوگ تم سے کلالہ کے باب میں فتوی طلب کرتے ہیں تو ان لوگوں سے کہدو کہ اللہ کلالہ کے بارے میں تم کو حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی ایسا مرد مر جائے کہ اس کے ولد نہ ہو اور اس کے صرف ایک بہن ہو تو بہن کے لئے اس کے ترکے کا آدھا ہے اور بہن مر جائے اور اس کے ولد نہ ہو تو اس کے سارے مال کا وارث بھائی ہے آیت مذکور میں بہن اور بھائی سے مراد حقیقی اور علاتی ہیں۔ نہ اخیافی اور ولد کا لفظ بیٹے اور باپ دونوں کو شامل ہے اس واسطے کہ ولد مشتق ہے ولادت سے، تو بیٹے پر اس کا اطلاق اس لئے ہوتا ہے کہ یہ والد سے متولد ہوا ہے اور باپ پر اس لئے کہ ولد یعنی بیٹا اس سے متولد ہوا ہے۔

غرضکہ "کلالہ" وہ ہالک (ہلاک ہونے والا) ہے جس کے نہ ولد ہو نہ والد بالکل منقطع النسب ہو اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اس قول میں "وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ" ولد سے مراد بیٹا ہے اس لئے کہ بھائی بہن کی بیٹی کی موجودگی میں اس کا وارث ہو جاتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ ولد سے مراد دونوں جگہ خاص لڑکا اور بیٹا ہی ہے اگر کہا جائے کہ یہ دو شرطیں ہیں جو علیحدہ علیحدہ حادثے میں وارد ہیں پھر اگر ایک جگہ دلیل سے یہ ثابت ہو کہ ولد سے مراد خاص لڑکا ہے تو یہ ضرور نہیں کہ دوسری جگہ بھی ایسا ہی ہو تو ہم جواب دیں گے کہ دونوں ایک شرط ہیں اول شرط میں تو یہ ذکر کیا گیا کہ جس وقت میت بھائی ہو تو اس وقت بہن کا حصہ نصف ہے پھر مسئلہ کا قلب کیا اور میت کو بہن بنایا۔ اور بھائی کو وارث گردانا اور بھائی کے لئے بہن کا تمام مال مقرر کیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ شرط واحد ہے اور وہ یہ ہے کہ دونوں حالتوں میں میت کے ولد موجود نہ ہو پس جب کہ ایک جگہ لڑکا مراد لیا جائے گا تو دوسری جگہ بھی وہی مراد ہوگا۔ تو اب ظاہر ہے کہ جب ایک مقام میں ولد سے مراد لڑکا ہوگا تو ضرور ہے کہ دوسرے مقام میں بھی وہی لڑکا مراد ہوگا۔

اور سنت سے دلیل اسپر وہ حدیث ہے جسکو بخاری نے ہذیل ابن شرحبیل سے روایت کیا ہے قَالَ سُئِلَ اَبُوْ مُوْسٰى عَنِ ابْنَةٍ وَبِنْتِ ابْنٍ وَاُخْتٍ فَقَالَ لِلْبِنْتِ النِّصْفُ وَلِلْاُخْتِ النِّصْفُ وَاْتِ ابْنَ مَسْعُوْدٍ فَسَيُتَابِعُنِيْ

فَسُئِلَ ابن مسعود و اُخبِرَ بقول ابی موسی فقال لقد ضَلَلْتُ اِذاً وَ مَا کُنَّا من المهتدین۔ اقضی فیها بما قضی النبی صلی اللہ علیہ وسلم للبنت النصف و لابنة الابن السدس تکملة للثلثین و ما بقی فللاخت فاتینا ابا موسی فاخبرنا بقول ابن مسعود فقال لاتسئلونی مادام هذا الحبر فیکم

یعنی ہذیل بن شرحبیل نے کہا ہے کہ ابو موسیٰ اس مسئلے سے سوال کئے گئے۔ کہ ایک بیٹی اور ایک پوتی اور ایک بہن ہو یعنی ایک شخص یہ وارث چھوڑ کر مر جائے تو اوس کی میراث کیونکر بٹے۔ ابو موسی نے جواب دیا۔ کہ بیٹی کے لئے آدھا اور بہن کے لئے بھی آدھا ہے۔ یعنی پوتی کو محروم کیا۔ پھر ابو موسیٰ نے سائل سے کہا کہ عبداللہ بن مسعود کے پاس جا کر اُن سے بھی مسئلہ پوچھو وہ یہی جواب دیں گے۔ اور میری موافقت کریں گے۔ چنانچہ ابن مسعود سے سوال کیا گیا اور ابو موسی نے جو جواب دیا تھا وہ بھی بیان کیا۔ تو بولے۔ کہ اگر میں ایسا فتوے دوں تو میرے گمراہ ہونے میں شبہ نہیں ہو سکتا میں اس مسئلہ میں اس طرح حکم کروں گا جس طرح سرور کائنات نے حکم کیا ہے کہ "بیٹی کا آدھا ہے اور پوتی کا چھٹا حصہ ہے" دو تہائی پورے کرنے کے لئے۔ کیونکہ دو بیٹیوں اور ان سے زیادہ کا حق دو تہائی ہے پس جب بیٹی نے آدھا پایا تو چھٹا حصہ پوتی کو دے کر دو تہائی پورے کر دیں گے اور جو باقی رہے وہ بہن کے لئے ہے۔" پھر ہم ابی موسی کے پاس آئے اور ان کو ابن مسعود کے جواب سے خبر دی۔ تو انھوں نے کہا کہ تم میں جب تک یہ عالم موجود ہے مجھ سے کچھ نہ پوچھا کرو۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جناب سرور کائنات نے دختر کے ساتھ بہن کو عصبہ قرار دیا ہے۔

پانچواں حال بہنوں کا یہ ہے کہ بیٹے اور پوتے اور پڑوتے اور باپ اور دادا اور پردادا کے ساتھ محروم ہیں۔ بلکہ جد صحیح کے ہوتے حقیقی بہن کے سوا حقیقی بھائی اور علاتی بھائی بہن بھی محروم ہو جاتے ہیں۔ یہ قول امام اعظم کا ہے اور اسی پر فتوے ہے لیکن صاحبین کے نزدیک یہ لوگ جد صحیح کے ہوتے محروم نہیں ہوتے

و الاخوات لاب کالاخوات لاب وام اور علاتی بہنیں کہ ایک باپ اور دوسری ماں سے ہوتی ہیں ان کا حکم مثل حقیقی بہنوں کے پانچ حالتوں میں ہے قبل اس کے کہ مصنف کے اقوال کی توضیح کی جائے، اجمالی طور پر بتاتا ہوں کہ ہمشیرہ پدری یعنی علاتی بہن، بہ صورت نہ ہونے ہمشیرہ حقیقی کے مثل ہمشیرہ حقیقی کے ہے۔ اس کا حکم میراث وہ ہے جو پوتی کا حکم میراث بیٹی کے ساتھ ہے۔ صرف اس قدر فرق ہے کہ پوتیوں میں نیچے کا مرد بھی اپنے سے اوپر کے درجے کی عورت کو عصبہ کر دیتا ہے۔ یہاں یہ بات نہیں بلکہ اگر ایک شخص مرے اور دو حقیقی بہنیں اور ایک پدری بہن اور ایک بھتیجا چھوڑے تو دو ثلث دو حقیقی بہنیں پاویں گی اور باقی بھتیجے کو ملے گا۔ پدری بہن کچھ نہ پائے گی۔ اور ایک حقیقی بھائی کے ہوتے پدری بھائی اور بہن محروم ہوتے ہیں اور جو عصبہ نہ ہو تو محروم نہیں ہوتے بھائی خود عصبہ ہو جاتا ہے

و لهن احوال سبع یعنی علاتی بہنوں کے سات حالتیں ہیں۔ پانچ احوال تو حقیقی بہنوں کی طرح ہیں اور دو حال اپنے اور زیادہ ہیں۔ اس طرح سات حال ہو گئے۔

پہلا حال یہ ہے (۱) للنصف للواحدة۔ ایک ہو تو آدھا ہے۔ جب کہ اس کے ساتھ

میت کی حقیقی بہن یا علاتی بھائی یا بیٹی یا پوتی۔ یا بیٹا۔ یا پوتا۔ یا باپ۔ یا جد صحیح۔ یا حقیقی بھائی موجود نہ ہو۔ نظیر اس کی یہ ہے کہ میت شوہر اور علاتی بہن کو چھوڑے تو مسئلہ دو سے ہوگا۔ نصف یعنی ایک شوہر کو ملے گا۔ کیونکہ ولد موجود نہیں ہے۔ اور نصف یعنی ایک بہن کو ملے گا۔ کیونکہ صرف ایک بہن ہے۔

صورت اس کی یہ ہے

مسئلہ ۲

شوہر	علاتی بہن
۱	۱

(۲) دوسرا حال یہ ہے والثلثان للثنتین فصاعدۃ عند عدم الاخوات لاب وام۔ اگر دو یا دو سے زیادہ ہوں تو۔ اُن کے لئے دو ثلث (۲/۳) ہے جب کہ ان کے ساتھ میت کی حقیقی بہن۔ بلکہ علاتی بھائی۔ یا بیٹی یا۔ پوتی۔ یا بیٹا۔ یا پوتا۔ یا باپ۔ یا جد صحیح یا حقیقی بھائی بھی موجود نہ ہو۔ جیسے میت نے دو علاتی بہنیں اور ایک چچا چھوڑا۔ تو مسئلہ "۳" سے ہو کر دو حصے بہنوں کو ملیں گے۔ اور ایک حصہ چچا کو بطور عصوبت کے پہنچے گا۔

صورت اسکی یہ ہے

مسئلہ ۳

علاتی بہن	علاتی بہن	چچا
۱	۱	۱

(۳) تیسرا حال یہ ہے ولهن السدس مع الاخت لاب وام تكملة للثلثين اور اگر علاتی بہنوں کے ساتھ حقیقی بہن ہے تو سدس سو تکملہ ثلثین کو ملے گا۔ اور نصف سترکہ حقیقی بہن لے گی۔ تاکہ دو تہائیاں پوری ہو جائیں۔ اس صورت میں بھی شرط یہ ہے کہ میت کا علاتی بھائی یا بیٹی یا پوتی۔ یا بیٹا یا پوتا۔ یا باپ۔ یا جد صحیح۔ یا حقیقی بھائی موجود نہ ہو۔ ویسا اس کی یہ ہے کہ علاتی بہن حقیقی بہن کے ساتھ جمع ہو تو حقیقی بہن بیٹی کی طرح ہو جاتی ہے وہ نصف لیتی ہے اور علاتی پوتی کی طرح ہو کر سدس لیتی ہے۔ تاکہ ثلثین کا تکملہ ہو جائے

مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ میت نے ایک حقیقی بہن اور ایک علاتی بہن اور ایک چچا چھوڑا تو مسئلہ "۶" سے ہوگا۔ کیونکہ تہائی کے ساتھ نصف جمع ہے۔ اس میں سے تین حقیقی بہن پائے گی۔ اور چھٹا حصہ یعنی ایک علاتی بہن کو ملے گا اور رجوباتی رہا کہ وہ دو میں عصوبت کی وجہ سے چچا پائے گا۔

صورت مسئلہ کی یہ ہے

مسئلہ ۶

حقیقی بہن	علاتی بہن	چچا
۳	۱	۲

(۴) چوتھا حال یہ ہے والباقي للاختين لاب وام او دو حقیقی بہنوں کے تھے

علاتی بہنیں بالکل محروم ہو جاتی ہیں۔ جیسے میت نے دو حقیقی بہنیں اور ایک علاتی بہن اور ایک چچا چھوڑے تو مسئلہ ۲ سے ہوگا۔ اس میں سے دو حصے دونوں حقیقی بہنوں پر ایک ایک کر کے بٹ جائیں گے اور ایک حصہ عصوبت کے طور پر چچا کو ملے گا۔ علاتی بہن محروم رہے گی۔

صورت یہ ہے

مسئلہ ۲

حقیقی بہن	حقیقی بہن	چچا	علاتی بہن
۱	۱	۱	م

(۵) پانچواں حال یہ ہے الا ان یکون معھن اخ لاب فیعصبھن۔ یعنی باوصف ہونے دو حقیقی بہنوں کے اگر علاتی بہنوں کے ساتھ اُن کا اپنا بھائی موجود ہو تو یہ انھیں عصبہ کر کے آدھا دلائے گا۔ اور آپ دونا پائے گا۔ بشرطیکہ بیٹی یا پوتی۔ یا بیٹا۔ یا پوتا یا باپ یا جد صحیح میت کا حقیقی بھائی موجود نہ ہو۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جس طرح دو بیٹوں کے ساتھ پوتیاں بالکل محروم ہو جاتی ہیں۔ ایسے ہی دو حقیقی بہنوں کے ساتھ علاتی بہنیں بالکل محروم ہو جاتی ہیں اور جس طرح محروم پوتیاں ان کے ساتھ مرد ہونے کی وجہ سے عصبہ ہو جاتی ہیں اسی طرح باوصف ہونے دو حقیقی بہنوں کے اگر میت کی علاتی بہنوں کیساتھ میت کا علاتی بھائی پایا جائے۔ تو یہ بہنیں عصبہ ہو جائیں گی۔ فرق یہ ہے کہ پوتیوں میں نیچے کا لڑکا بھی اپنے اوپر کے درجے کی لڑکی کو عصبہ کر دیتا ہے۔ یہاں یہ بات نہیں ہے۔

فوائد چار عورتیں جو ذی فرض ہیں۔ یعنی بیٹی۔ اور پوتی اور سگی بہن اور سوتیلی بہن (جسے علاتی بہن کہتے ہیں) اپنے بھائیوں کے ساتھ عصبہ ہوتی ہیں۔ اور انہیں "عصبہ بغیرہ" کہتے ہیں۔ اور سوائے ان چاروں کے کسی عورت کا بھائی اُسے عصبہ نہیں کرتا۔ جیسے پھپھی چچا کے ساتھ۔ یا چچازاد بہن چچازاد بھائی کے ساتھ۔ یا بھائی کی بیٹی۔ بھائی کے بیٹے ساتھ عصبہ نہیں ہوتیں۔ بلکہ ایسی صورتوں میں مال سب مرد کو ملتا ہے اور عورت محروم رہتی ہے اور اسی وجہ سے علاتی بہن اپنے بھائی کے بیٹے کے ساتھ عصبہ نہیں ہوتی۔ اس واسطے کہ جب وہ اپنی حقیقی بہن یعنی میت کی بھتیجی کو عصبہ نہیں کر سکتا تو اُس کو جو اوس کے درجے میں نہیں کیسے عصبہ کرے گا۔ وللباقی بینھم للذکر مثل حظ الانثیین۔ یعنی سگی ایک یا زیادہ بہنوں کو ان کا فرض دے کر جو کچھ بچے اُس کے واسطے علاتی بھائی عصبہ ہے تو وہ اپنی بہنوں کو سے اپنے ساتھ عصبہ کرے گا۔ حتی کہ جو کچھ بچتا رہا وہ ان علاتی بھائی اور بہنوں میں مرد کو عورت کے دوچند کے حساب سے تقسیم ہوگا۔ مثلاً میت نے دو حقیقی بہنیں اور ایک علاتی بھائی اور ایک علاتی بہن چھوڑی تو مسئلہ ۳ سے ہوگا۔ ان میں سے دو حقیقی بہنوں کو دو پہنچے اور یہ دو ان پر ستیم ہیں۔ اور ایک علاتی بھائی اور بہن دونوں کو ملے گا اور یہ ایک دو پر منکسر ہے اور ظاہر ہے کہ ایک بھائی بمنزلہ دو بہنوں کے ہوتا ہے۔ اس طرح گویا تین علاتی بہنیں جمع ہو گئیں۔ جب اصل مسئلے میں تین کو ضرب دیں گے تو ۹ حاصل ہوں گے پھر قاعدہ قسمہ کے موافق ہر ایک حصے کو جو تقسیم سابق سے اُسے پہنچا ہے تین میں ضرب دیا جائے گا تو

ہر ایک حقیقی بہن کو تین تین ملیں گے۔ اور علاتی بھائی کو دو اور علاتی بہن کو ایک پہنچے گا۔

صورت مسئلہ کی یہ ہے

مسئلہ ۳ تصح ۹ ے

حقیقی	حقیقی بہن	علاتی بھائی	علاتی بہن
۳	۱ ۳	۱ ۳	

(۶) والسادس ستہ مصنف نے یہاں تو چھٹی حالت کی تصریح کی اور باقی کسی حالت کی نسبت نہیں بتایا کہ یہ کونسی حالت ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اگر اس کو "سادسہ" کہکر نہ کھول دیتے تو فحوائے عبارت سے یہ معلوم ہوتا کہ یہ صدر کلام کا تتمہ ہے اس توہم کے دفعیہ کے لئے ایسا کیا ان یصرن عصبۃ مع البنات چھٹا حال یہ ہے کہ بہنیں کے ساتھ علاتی (سوتیلی) بہنیں عصبہ ہو جائیں گی۔ کہ ان کا فرض دے کر جو بچے وہ علاتی ایک بہن یا کئی بہنوں کے لئے ہے پس اگر کوئی آدمی ایک بیٹی اور ایک علاتی بہن اپنے بعد وارث چھوڑے تو حنفیہ کے نزدیک مسئلہ دو سے ہوگا۔ ایک سہام بیٹی کو ملے گا کہ وہ صرف ایک ہے اور باقی ماندہ کہ ایک ہے علاتی بہن پائے گی۔

صورت اسکی یہ ہے

مسئلہ ۲

بیٹی	علاتی بہن
۱	۱

او بنات الابن یعنی علاتی بہنیں میت کی پوتیوں کے ساتھ بھی عصبہ ہو جائیں گی اور ایسے عصبہ کو "عصبہ مع غیرہ" کہتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب کہ علاتی بہن کے ساتھ میت کی بیٹی یا اس کے بیٹے کی بیٹی موجود ہو تو وہ عصبہ مع غیرہ ہو جاتی ہے اور جو کچھ فروض کو دے کر بچے رہے وہ اس کا ہے بشرطیکہ میت کا بیٹا۔ یا پوتا۔ یا باپ۔ یا جد صحیح یا یا حقیقی بھائی یا حقیقی بہن موجود نہ ہو۔

شرح بسیط میں لکھا ہے۔ کہ مصنف نے اخوات کو بنات الابن کے ساتھ عصبہ قرار دیا ہے اور انھوں نے بنات الابن کے ساتھ یہ نہیں کہا وان سفلن یعنی یہ نہیں بیان کیا۔ کہ پوتیاں کو کتنی ہی نیچی کیوں نہ ہوں۔ مثلاً پرپوتیاں یا ان کی بیٹیاں۔ بلکہ عصبہ بنانا خاص پوتیوں کے ساتھ ہی مختص کر دیا۔ اسی طرح اور فرائض کی کتابوں میں بھی منقول ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بہنوں کے عصبہ بنانے میں بنات الابن کا درجہ اسفل یعنی پرپوتیاں وغیرہ وغیرہ معتبر نہیں۔ صرف پوتیاں ہی بہنوں کو عصبہ بناتی ہیں۔ اور پرپوتیاں یا ان سے بھی نیچے درجے والیاں عصبہ نہیں بنا سکتیں۔ اور حقیقی بہنوں کی عصوبت میں بنت الابن کی سفالت معتبر ہے۔ لما ذکرنا جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا۔ کہ رسول خدا نے فرمایا اجعلوا الاخوات مع البنات عصبۃ۔ یعنی بہنوں کو بیٹیوں کے ساتھ عصبہ بناؤ۔ اکثر صحابہ اور جمہور علماء اسی پر ہیں لیکن ابن عباس کہتے ہیں کہ بہنوں کے

لئے بیٹیوں کے ساتھ بالکل تعصیب۔ بلکہ توریث کا بھی حکم نہیں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔
اِنِ امرؤ ھلک لیس لہ ولد ولہ اخت فلھا نصف ماترک پس آیت سے مفہوم ہوتا ہے
کہ ولد بہن کا حاجب ہے اور لفظ ولد مرد و عورت دونوں کو شامل ہے۔
نظیر اس کی یہ ہے کہ ماں کو تہائی سے چھٹے کی طرف اور شوہر کو نصف سے چوتھائی کی طرف اور زوجہ کو چوتھائی
سے آٹھویں کی طرف جب ولد حاجب ہوتا ہے تو اس میں مرد و عورت دونوں برابر مانے جاتے ہیں۔

جمہور کی طرف سے جواب یہ ہے

کہ آیت مذکورہ میں ولد سے مراد صرف مرد ہے نہ عورت اور دلیل اس پر یہ ہے وھو یرثھا ان لم یکن لھا ولد۔ یعنی بھائی اوس بہن کا وارث ہوتا ہے جس کے ولد نہو۔ اور مراد بہ ولد سے بیٹا ہے کیونکہ بہن کی دختر کے ساتھ بھائی وارث ہوتا ہے محجوب نہیں ہوتا۔ میراث نامہ منظوم فارسی کی شرح رضوانی میں محمد علی بن محمد قاسم طبرسی نے اسی طرح لکھا ہے۔

(انتباہ)

غایۃ الاوطار میں لکھا ہے کہ سراجیہ کے بعض نسخوں میں ہے کہ علاتی بہن حقیقی بہن کے ساتھ محروم ہے جب کہ وہ عصبہ ہو یعنی بیٹیوں یا پوتیوں کے ساتھ ہو کیونکہ اس وقت عصبہ ہوتے ہیں وہ بھائی کی طرح ہے جو میت سے اقرب ہے دوسری عبارت میں اگر حقیقی اور سوتیلی بہن بیٹی یا پوتی کے ساتھ موجود ہو تو سوتیلی محروم ہوتی ہے اور حقیقی باعتبار عصوبت کے بھائی کی طرح ہے۔ حقیقی بہن کے ساتھ بیٹی یا پوتی کے موجود ہونے کی قید اس لئے ہے کہ علاتی بہن صرف ایک حقیقی بہن کے ہوتے محروم نہیں ہوتی بلکہ چھٹا پاتی ہے جیسا کہ تیسری حالت میں گزرا اور علاتی بھائی بہن اس حالت میں محروم ہے۔ کہ بیٹا۔ یا پوتا۔ یا باپ۔ یا جد صحیح یا حقیقی بھائی۔ یا حقیقی بہن بیٹی کے ساتھ موجود ہو۔

خلاصہ کلام یہ ہے۔ کہ حقیقی بہن بیٹیوں کے ساتھ عصبہ ہو جاتی ہے کہ اس صورت میں اہل فرض سے بچا ہوا مال اوس کو ملتا ہے۔

(۷) ساتواں حال یہ ہے:۔ وبنی الاعیان۔ اس لفظ سے مراد حقیقی بھائی اور بہنیں ہیں۔
ان کو " بنو الاعیان " اسلئے کہتے ہیں۔ کہ شے کا عین اور کل اوس کے حصے اور جزء سے اتم و اکمل ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ باپ اور ماں دونوں کی جانب سے بنو الاعیان کے حق میں پورا پورا اتصال حاصل ہے جیسا کہ سرخسی نے اپنی شرح میں لکھا ہے اور قاضی ابو عصمہ نے اپنی شرح میں ایک وجہ یہ بھی تحریر کی ہے کہ بنو الاعیان ہر قسم کے بھائی اور بہنوں سے بہتر ہیں۔ اس لئے کہ شے میں بہتر چیز اوس کا عین ہے ۔ خواہر زادہ کی شرح میں بھی اسی طرح ہے۔

شرح خلاصۃ الفرائض میں لکھا ہے کہ یہ ماخوذ ہے " اعیان القوم " سے۔ جس کے معنی خیار القوم ہے۔ دونوں تقدیروں پر بنو الاعیان میں اضافت بیانی ہوگی۔ جیسا کہ بصریوں کا مذہب ہے۔ کیونکہ یہ لوگ موصوف کی اضافت صفت کی طرف جائز نہیں رکھتے اور کوفی ان کے برخلاف جائز رکھتے ہیں۔

والعلات اس لفظ سے سوتیلے بھائی اور بہنیں مقصود ہیں۔ " بنو العلات " کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ علات جمع ہے

عَلّت کی ع کے فتحے اور لام مفتوح کی تشدید سے اُس عورت کے معنی میں ہے جو پہلی عورت پر لائی جائے۔ پس یہ عورت دوسری عورت کی سوت اور سوکن ہوئی۔ اور ظاہر ہے کہ ایسے بھائی بہنوں کا باپ ایک ہوتا ہے اور مان جدا جدا۔ واضح ہو کہ بنو الاعیان میراث کے معاملے میں میت کی اولاد صلبی کے قائم مقام ہیں۔ کہ ان کی عدم موجودگی میں تو ریث کا حق رکھتے ہیں۔ ان میں سے مرد بیٹوں کے قائم مقام ہیں۔ اور عورتیں بیٹیوں کی۔ یہاں تک کہ اگر ان میں سے صرف ایک عورت ہو تو وہ نصف ترکہ لے لے گی اور دو یا دو سے زیادہ ہوں تو ان کو دو تہائی پہنچیگا اور یہ ایک معقول بات ہے کیونکہ ارث خلافت ہے یا تو مناسبت کے ذریعہ سے یا مواصلت کے ذریعہ سے یا قرابت کے ذریعے سے۔ اور میراث علاتی بھائیوں کی فرزندزادوں کی میراث کی قائم مقام ہے جس کا مفاد یہ ہے۔ کہ اگر بنی الاعیان نہوں تو بنی العلات کے مرد بنی الاعیان کے مردوں کی مثل سمجھے جائیں گے اور ان کی عورتیں ان کی عورتوں کی طرح جس طرح بیٹے کے سامنے اوس کی اولاد نہیں پاتی۔ اسی طرح حقیقی بھائی کے سامنے بنی العلات محروم ہیں۔ یہاں تک کہ علاتی بہن حقیقی بھائی کے روبرو وارث نہ ہوگی اور نہ بیٹی کے سامنے عصبہ بن سکے گی۔ جب کہ اس کے ساتھ میت کا حقیقی بھائی موجود ہو بلکہ نصف وہ پائے گی۔ اور باقی حقیقی بھائی کو ملے گا۔ اور علاتی بہن محروم رہے گی۔

اور جب کہ بنی الاعیان و بنی العلات میں سے صرف ایک ایک عورت ہو تو نصف بنی الاعیان میں کی عورت کو ملے گا۔ اور سدس بنی العلات میں کی عورت کو تاکہ دو تہائی کا تکملہ ہو جائے اور اگر یہ لوگ مختلط ہوں گے تو اس طرح تقسیم جاری ہوگی کہ ایک مرد کو دو عورتوں کی برابر ملے گا۔

كلهم يسقطون بالابن ۔ یعنی تمام حقیقی و پدری بھائی اور بہنیں بیٹے کے سامنے ساقط ہو جاتے ہیں۔ بھائیوں کا ساقط ہونا بیٹے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مطابق ہے:۔

وهو يرثها ان لم يكن لها ولد : یعنی بھائی بہن کا اس وقت وارث ہوتا ہے جب کہ بہن کے کوئی ولد (یعنی بیٹا) نہو۔ جیسا کہ سابقاً مذکور ہو چکا۔ اور بہنوں کا سقوط بیٹے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے موافق ہے **ليس له ولد وله اخت فلها نصف ما ترك** یعنی اگر کوئی مرد مر جائے۔ اور اس کے لئے کوئی ولد نہ ہو۔ اور بہن موجود ہو تو اس بہن کے لئے نصف ترکہ ہے اور ولد سے مراد لڑکا ہے جیسا کہ اوپر گزرا

وابن الابن وان سفل اور مذکورہ بالا اشخاص پوتے کی موجودگی میں بھی گو وہ نیچے درجے کا ہو ساقط ہو جاتے ہیں حقیقی اور علاتی بھائی بہن کا پوتے کی وجہ سے ساقط ہونا اس لئے ہے کہ پوتا بیٹے کا قائم مقام ہے جب کہ بیٹا موجود نہ ہو سقوط کا یہ حکم جو بیان کیا گیا ہے خواہران حقیقی کی پانچویں حالت پر اور خواہران علاتی کی ساتویں حالت پر مشتمل ہے **وبالاب بالاتفاق** اور باپ کے سامنے یہ لوگ بالاتفاق ساقط ہوتے ہیں ان لوگوں کا باپ کے سامنے ساقط ہونا اس لئے ہے کہ ان کی توریث کے لئے یہ شرط ہے کہ میت کلالہ نہ ہو اور کلالہ اُس میت کو کہتے ہیں کہ باپ اور فرزند وارث نہ چھوڑے۔ پس باپ کی ناموجودگی میں اون کا وارث ہونا اس بات پر دلالت کرتا ہے۔ کہ اگر باپ موجود ہو تو وارث نہیں ہو سکتے۔ اور جو چیز دلالت سے ثابت ہو۔ تو اس کو معنوی طور پر بھی ثابت سمجھنا چاہیئے۔

شمس الائمہ سرخسی نے شرح سراجی میں لکھا ہے کہ ابن عباس حضرت ابو بکر کے موافق ہیں اس امر میں

کہ جد بھائیوں کا حاجب ہے تو پھر وہ کیسے کہتے ہیں کہ وہ باپ کے ساتھ وارث ہوتے ہیں۔

ویابجد عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ اور حقیقی و علاتی بھائی اور بہنیں دادا کے روبرو صرف امام ابو حنیفہ کے نزدیک ساقط ہوتی ہیں پس امام کے نزدیک دادا کے ہوتے حقیقی بھائی اور نیز حقیقی بہن اسیطرح علاتی بھائی و علاتی بہن یہ تمام محروم ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ میت کے باپ کے مقابلے میں ساقط ہو جاتے ہیں۔ پس داد کل مال ایسے لوگوں کی موجودگی میں لے لے گا۔ شریح اور عطا اور عروہ اور عمر بن عبد العزیز اور حسن ابن سیرین کا بھی یہی قول ہے اور یہی مختار ہے۔ قتادہ اور جابر بن زید اور عبادہ بن صامت کا اور امام ابو یوسف اور محمد کے نزدیک دادا کے روبرو وہ لوگ ساقط نہیں ہوتے۔ فتوے امام کے قول پر ہے۔ اور مبسوط میں مذکور ہے کہ فتوے صاحبین کے قول پر ہے امام کے مذہب پر دلیل یہ ہے کہ جد صحیح باپ کی طبع ہے سہیلی کہتے ہیں کہ جد اصل ہے لیکن بھائی میراث میں باپ کی وجہ سے اقوی ہے اس لئے کہ وہ نسبت رکھتا ہے باپ کی ولادت کے ساتھ اور ولادت میراث میں قوی ترین اسباب سے ہے اور آنحضرت نے جو فرمایا ہے " الحقوا الفرائض باہلہا فما ابقتہ الفرائض فلاولی رجل ذکر " اس سے صرف جد کی توریث پر استدلال ہوتا ہے نہ اوس کی شرکت بھائیوں کے ساتھ جد کی تقدیم پر تقریر یوں ہے کہ جو میت سے اقرب ہوگا اسکو باقی مال سے ترکہ ملے گا اور جد اقرب ہے اور دوسرے کی تقریر یوں ہے کہ جد میت سے نسبت رکھتا ہے جو اس کے بیٹے کا بیٹا ہے اور بھائی میت سے خود نسبت رکھتا ہے کیونکہ وہ اس کے باپ کا بیٹا ہے۔ پس بھائی کی تعصیب بنوت کی وجہ سے ہے اور جد کی تعصیب ابوت کی وجہ سے۔ اور بنوت قوی تر ہے ابوت سے اگر جد میت سے اقرب ہوگا۔ تو دونوں شریک ہو جائیں گے۔ اس کی دونوں جہتوں کے اعتبار سے۔

اس کی تفصیل اور ان لوگوں کے سقوط کی مدلل وجہ جد کی تقسیم کے ذیل میں مذکور ہوگی۔

ویسقط بنو العلات ایضا بالاخ لاب و ام اور نیز علاتی بھائی اور بہنیں ایک حقیقی بھائی کے ہوتے محروم ہو جاتے ہیں کیونکہ حقیقی بھائیوں اور بہنوں کی میراث فرزند ان صلبی کی قائم مقام ہے ان میں سے مرد مردوں کے قائم مقام ہیں اور عورتیں عورتوں کی قائم مقام ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ میراث کے معاملہ میں حقیقی بھائی بیٹے کی طرح ہے اور حقیقی بہن دختر کے مثل ہے اور علاتی بھائی بہنوں کی میراث فرزند زادوں کی میراث کی قائم مقام ہے کہ علاتی بھائی کی میراث پوتے کی طرح ہے اور علاتی میراث پوتی کی مثل ہے اور ظاہر ہے کہ پسر صلبی کے سامنے بیٹی کی اولاد محجوب ہے۔ اس لئے یہ مناسب ہے کہ بنو العلات حقیقی بھائی کے روبرو محجوب ہو جائیں۔ پس جس طرح بیٹے کے ہوتے پوتے کو کچھ نہیں پہنچتا۔ اسیطرح حقیقی بھائی کی موجودگی میں پدری بھائی بہنوں کو کچھ نہیں ملے گا۔ کیونکہ استحقاق میراث کا سبب حقیقی کے حق میں قوی ہے۔ کیونکہ ماں باپ دونوں کی طرف سے رشتہ رکھتا ہے اور یہ دو سبب ہیں برخلاف بنو العلات کے کہ ایک سبب رکھتے ہیں۔ اس وجہ سے حقیقی کے ہوتے علاتی وارث نہ ہوگا۔

ایضا کے لفظ سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ بنی الاعیان بھی سقوط میں شریک ہیں۔ بلکہ یہ لفظ یہاں فضول سا ہے

(سوال)

یہ حالت جو بیان ہوئی بنی العلات کی آٹھویں حالت ہے۔ حالانکہ اوپر مصنف یہ کہہ چکے ہیں کہ علاتی بہنوں کے سات حال ہیں۔ اور بنی العلات کے اعیانی بھائیوں کے روبرو ساقط ہو جانے کا حال یہاں علیحدہ شمار کیا ہے

(جواب)

بنو العلات کے سقوط کا بیان مستقلا علیحدہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ ساتویں حالت کا تتمہ ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے فبنو العلات کلهم یسقطون بالابن و بابن الابن و بالاب و الاخ لاب وام بالاتفاق یعنی مصنف کے اگلے اور پچھلے قول کا یہ مفاد ہے کہ تمام بنو العلات بیٹے اور پوتے اور باپ اور حقیقی بھائی کے سامنے بالاتفاق ساقط ہوتے ہیں۔ مگر مصنف نے یہ کیا ہے کہ اس پچھلے مسئلے کو اس اگلے مسئلے سے بضرورت جدا کر دیا ہے اور وہ ضرورت یہ ہے کہ مصنف نے اوپر بنو الاعیان کو بنو العلات کے ساتھ مجوبین کی جماعت میں داخل کیا ہے اور دونوں کا ایک حکم بیان کیا ہے اور اب ضرورت اس بات کی تھی کہ بنو الاعیان حاجبین کی جماعت میں داخل کئے جائیں۔ اور بنو العلات بدستور مجوبین کی جماعت میں داخل رہیں اس لئے مصنف نے ایسا کیا تاکہ بنو العلات کی مجوبی کی مسئلہ کی تکمیل ہو جائے۔ اس لئے بنو العلات کو بدستور مجوبین کی جماعت میں داخل کر دیا اور حقیقی بھائی کو مجوبوں کی جماعت سے جدا کر کے حاجب بنا دیا اور سائل کا اشکال اس وقت وارد ہوتا کہ جب وہ بنی العلات کو جماعت مجوبین میں اور حقیقی بھائی کو جماعت حاجبین میں داخل کرتے لیکن لفظ ایضا نے مصنف کی منشاء کو کسیقدر دھندلا کر دیا ہے۔

و بالاخت لاب وام اذا صارت عصبۃ اور نیز پدری بھائی اور بہنیں حقیقی بہن کے سامنے محروم ہوتے ہیں۔ جب کہ یہ بہن عصبہ بن جائے اور جو عصبہ نہ ہو تو محروم نہیں ہوتے بلکہ بھائی خود عصبہ ہو جاتا ہے اور حقیقی بہن کا عصبہ ہونا سقوط کے لئے اس وقت معتبر ہے کہ میت کی بیٹیوں اور پوتیوں کے ساتھ عصبہ بنجائے۔ اس لئے کہ اگر حقیقی بھائی کے ساتھ عصبہ بنے گی۔ تو بنی العلات کا سقوط اس بھائی کے سبب سے قرار پائے گا نہ بہن کی وجہ سے القصہ علاتی بھائی اور بہنوں کے سقوط کی وجہ خواہران حقیقی کے ہوتے یہ ہے کہ حقیقی بہن میت کی بیٹی یا پوتی کی وجہ سے عصبہ بنجاتی ہے تو اس حکم میں بھائی کی طرح سمجھی جاتی ہے جو میت کے قریب ترین عصبات میں سے ہے۔ چنانچہ عصبات میں اس کا حال بھی آتا ہے۔ یہ قول بھی ساتویں حالت کا تتمہ ہے نہ کہ اس سے علیحدہ آٹھویں حالت ہے

واما للام فاحوال ثلث۔ اور ماں کے تین حالات ہیں۔ ان میں سے کسی حال میں اسکو سدس ملتا ہے اور کسی میں ثلث اس کا حصہ سوائے عول کے سدس سے کبھی نہیں گھٹتا۔ اور ثلث سے کبھی بڑھتا ہے البتہ رد کے وقت بڑھ جاتا ہے

(۱) پہلا حال یہ ہے۔ السدس مع الولد او ولد الابن وان سفل۔

ولد یا ولد کی اولاد کے ساتھ خواہ کتنے ہی نیچے درجے کے ہوں چھٹا حصہ ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اگر ایک شخص مرگیا ماں اور اولاد چھوڑکر۔ اور اولاد خواہ بیٹا ہو یا بیٹی۔ پوتا ہو یا پوتی اور پوتے کا بیٹا ہو یا بیٹی تو اسکی ماں کا حصہ سدس ہے جیسا کہ قرآن میں آیا ہے ولابویہ لکل واحد منہما السدس مما ترک ان کان لہ ولد اس واسطے کہ ولد کا لفظ مرد اور عورت دونوں کو شامل ہے اور ولد الابن کو بھی عام ہے اور اسپر امت کا اجماع ہے کہ ولد الابن ماں کی توریث میں ولد صلبی کا قائمقام ہے

وہی الاثنین من الاخوۃ والاخوات فصاعداً اور اسی طرح ماں کا حصہ میت کے دو بھائی اور دو بہنوں اور دو سے زیادہ بھائی بہنوں کے ساتھ بھی سدس ہے۔ دلیل اسپر اللہ تعالےٰ کا یہ قول ہے فلی کان لہ اخوۃ فلامہ السدس لیکن ابن عباس کہتے ہیں کہ اگر دو بھائی بہنیں ماں کے ساتھ ہوں تو ثلث دینا چاہئے کیونکہ تین بہنیں یا بھائی ماں کے ثلث سے سدس کی طرف جانب ہوں گے پس ان کے تزدیک دو کے ساتھ ماں کے لئے ثلث ہے کیونکہ اخوۃ جمع کا صیغہ ہے پس وہ مثنیٰ کو متناول نہوگا بلکہ مثنیٰ کا حکم واحد کا سا ہے

دوسری عبارت میں یوں سمجھو کہ جس صورت میں بھائی اور بہنوں کی جماعت کے ساتھ سدس کا حکم ہے۔ تو دو کے ساتھ ثلث ہونا چاہئے۔ کیونکہ صیغہ جمع کا اطلاق دو پر درست نہوگا۔ اس بات کو دو طرح سے رد کیا گیا ہے۔ ایک یہ کہ میراث میں دو بھی جماعت کا حکم رکھتے ہیں۔ چنانچہ دو بیٹیاں اور دو بہنیں دو ثلث کے استحقاق کے باب میں جماعت کا حکم رکھتی ہیں

دوسرے جمع مطلق کا صیغہ دو اور زیادہ میں مشترک ہوتا ہے

دوسری عبارت میں صیغہ اخوۃ جمع مطلقہ کا افادہ کرتا ہے۔ بغیر کمیت اور تثنیہ کے جیسے ثلیث اور تربیع کمیت کا فائدہ دیتے ہیں اور مقام جمع مطلق پر دلالت کا ہے پس اخوت کے ساتھ اس پر دلالت ہے۔ بعض محققین کہتے ہیں کہ اگرچہ اقل جمع کی تین ہیں لیکن دو پر مجازاً اطلاق ہوا جیسا کہ اسپر اجماع ہے کہ دو بھی بمنزلہ تین کے ہیں۔ یعنی دو بھی جماعت کا حکم رکھتے ہیں۔

من ای جہۃ کانا۔ یعنی بھائی اور بہن خواہ سگے ہوں۔ یا سوتیلے۔ یا مادری۔ یا مختلط ہوں۔ یعنی ایک بھائی سگا ہو۔ اور دوسرا سوتیلا اور تقدیر اما دری اور خواہ سب بھائی ہوں یا سب بہنیں یا ملے ہوئے اگر ماں کے ساتھ ان بھائی بہنوں کو تفصیل کے ساتھ پھیلا کر دیکھا جائے۔ تو ۱۲ صورتیں تصور میں اس لئے کہ وہ دونوں بھائی ہوں گے یا دونوں بہنیں ہوں گی یا ایک بھائی ہوگا اور ایک بہن ہوگی۔

پہلی صورت ۶ طور پر ہے اس طرح۔

(۱) یا دونوں بھائی حقیقی ہیں۔

(۲) یا دونوں علاتی ہیں

(۳) یا دونوں اخیافی ہیں

(۴) یا ایک حقیقی ہے اور دوسرا علاتی۔

(۵) یا ایک حقیقی ہے اور ایک اخیافی۔

(۶) یا ایک علاتی ہے اور ایک اخیافی ہے

دوسری صورتیں بھی ۶ طور پر ہیں چنانچہ

(۱) یا دونوں بہنیں حقیقی ہیں
(۲) یا دونوں علاتی ہیں
(۳) یا دونوں اخیافی ہیں
(۴) یا ایک حقیقی ہے اور ایک علاتی
(۵) یا ایک حقیقی ہے اور ایک اخیافی
(۶) یا ایک علاتی ہے اور ایک اخیافی

تیسری صورت ۹ طور پر ہے اس طرح

(۱) بھائی اور بہن دونوں حقیقی ہیں۔
(۲) بھائی حقیقی ہے اور بہن علاتی ہے
(۳) بھائی حقیقی ہے اور بہن اخیافی۔
(۴) بھائی علاتی ہے اور بہن حقیقی
(۵) بھائی علاتی ہے اور بہن بھی علاتی
(۶) بھائی علاتی ہے اور بہن اخیافی
(۷) بھائی اخیافی ہے اور بہن حقیقی
(۸) بھائی اخیافی ہے اور بہن بھی اخیافی
(۹) بھائی اخیافی ہے اور بہن علاتی۔ تو ایسی صورتوں میں ماں کو سدس ملتا ہے۔

(۲) دوسرا حال یہ ہے **وثلث الکل عند عدم حق الممدکورین** - اور ماں کا حصہ تمام ترکے کی تہائی ہے۔ جب کہ اشخاص مذکورین یعنی بیٹا بیٹی اور پوتا پوتی اور پردتا پردتی۔ اور دو یا زیادہ بھائی اور بہنیں نہوں۔

مطلب یہ ہے کہ جب میت ماں کو چھوڑے اور مذکورۃ بالا لوگ یعنی ولد یا ولد الابن یا کسیطرح کے دو یا زیادہ بھائی بہن موجود نہوں۔ اگرچہ ایک بھائی یا ایک بہن موجود ہو۔ تو ماں کو اسصورت میں کل مال کا ثلث ملتا ہے۔

(۳) تیسرا حال یہ ہے **وثلث مابقی بعد فرض احد الزوجین**۔ اگر ماں کے ساتھ میت کا شوہر یا زوجہ میں سے کوئی ایک جمع ہو تو بچہ زوج یا زوجہ کو دیکر جو کچھ بچے اسکا ثلث ماں کو ملتا ہے۔

وذلک فی مسئلتین اور یہ بات دو مسئلوں میں ہے۔ یہ دونوں مسئلے مشہور ہیں۔ نام ان کا "غرّاءین" اور "عمریتین" ہے اول نام کی وجہ یہ ہے کہ دونوں مسئلے چمکدار ستاروں کی طرح مشہور ہیں۔ "غرّاء" یعنی ہر چیز مونث جو سفید اور روشن ہو۔ اور "عمریتین" کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے اسی طرح ان میں فتوے دیا ہے اور یہی رائے علی اور ابن مسعود اور

جمہور فقہا کی ہے

پہلا مسئلہ مصنف یوں بیان کرتے ہیں

زوج وابوین یعنی اگر ایک عورت مرے اور اپنے شوہر اور ابوین (یعنی ماں باپ) کو چھوڑے تو بعد دینے شوہر کے جو بچے اوس کی تہائی ماں کو پہنچے گی نہ کل مال کی اور اس کے بعد جو کچھ بچے باپ کا ہے اس کی صورت یہ ہے

مسئلہ

میت

شوہر	ماں	باپ
۳	۱	۲

۶ میں سے نصف یعنی تین شوہر کو پہنچے۔ باقی رہے تین اس کا ثلث یعنی ایک ماں کو دیا اور دو باپ کو پہنچے اور اگر کل مال کی تہائی ماں کو دیتے تو اُسے دو پہنچتے اور باپ کو ایک۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے

ابوین وزوجۃ وابوین یعنی ایک مرد مرے اور اپنی جورو اور ماں باپ چھوڑے تو جورو کا فرض دینے کے بعد جو باقی رہے اوس کی تہائی ماں کو ملے گی۔ کل مال کی نہ ملے گی اور باقی مال باپ کا ہے اس کی صورت یہ ہے

مسئلہ ۱۲

میت

جورو	ماں	باپ
۳	۳	۶

کل مال کے ۱۲ حصے کئے۔ جب ۱۲ میں سے زوجہ کو جو تہائی یعنی تین نکال دیئے تو باقی رہے نو (۹) اس کی تہائی یعنی ۳ ماں کو دیئے اور ۶ باپ کو پہنچے اور اگر کل مال کی تہائی ماں کو دیتے تو اُسے چار پہنچتے اور باپ کو پانچ

ان دو مسئلوں میں مابقی میں سے تہائی ماں کو پہنچانا یہ تمام صحابہ اور فقہا کا مسلک ہے۔ لیکن ابن عباس ان صورتوں میں بھی ماں کو اصل مال میں سے تہائی دلاتے ہیں اور ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ فرماتا ہے ولابویہ لکل واحد منہما السدس مما ترک ان کان لہ ولد یعنی ہر ایک کے لئے ماں باپ میں سے ترکے کا چھٹا ہے اگر میت کا ولد ہو۔ اس کے بعد فرمایا ہے فان لم یکن لہ ولد وورثہ ابواہ فلامہ الثلث یعنی اگر میت کے لئے ولد نہ ہو اور میت کے وارث ماں باپ ہوں تو ماں کے لئے تہائی ہے اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ ماں کے لئے کل اصل ترکے میں سے تہائی ہے نہ باقی میں سے تہائی۔ اور اس مطلب کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ترکے میں سے قرض اور وصیت کے ادا کرنے کے بعد قرآن کے تمام فروض مقدرہ اصل ترکے کے اعتبار سے ہیں۔ اور فقیہہ ابوبکر اصم نے کہا ہے

کہ ماں کے لئے شوہر کے ساتھ شوہر کا حصہ نکل جانے کے بعد باقی میں سے تہائی ہے اور زوجہ کے ساتھ اصل ترکے کا تہائی ہے اور یہی معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس لئے کہ اگر ماں کو شوہر کے ساتھ تمام ترکے کا تہائی دلایا جائے۔ تو اس سے لازم آتا ہے کہ ماں کا حصہ باپ سے زیادہ ہو۔ اس لئے کہ اس صورت میں بسبب مختلط ہونے نصف سکے ثلث کے ساتھ مسئلہ ۶ سے ہوگا۔ پس اگر شوہر کو نصف جو تین ہے دیا جائے اور ماں کو تہائی کہ دو ہے دیا جائے تو باپ کے لئے صرف ایک باقی رہے گا اور اس میں عورت کی تفصیل مرد پر لازم آتی ہے اور اگر صورت مذکورہ میں شوہر کا حصہ نکالنے کے بعد باقی کا تہائی ماں کو دیا جائے۔ تو ماں کو ایک اور شوہر کو تین۔ اور باپ کو دو حصے پہنچیں گے اور مرد پر عورت کی تفصیل لازم نہ آئے گی۔ اس لئے کہ اس حالت میں چوتھائی کے تہائی کے ساتھ ملنے سے مسئلہ (۱۲) سے ہوگا۔ پس اگر ماں اپنا تہائی جو (۴) ہے لیوے۔ اور زوجہ اپنا چوتھائی جو (۳) ہے لیوے تو باپ کے لئے (۵) باقی رہیں گے۔ اور اس میں عورت کی تفصیل مرد پر لازم نہ آئے گی۔

اور علمائے حنفیہ کی دلیل یہ ہے کہ ابن عباس نے جو دوسری آیت (فان لم یکن لہ ولد ورثہ ابوا فلامہ الثلث) سے استدلال کیا ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ اگر میت کا ولد نہ ہو اور اس کے وارث ماں باپ ہیں تو ماں کے لئے اس چیز کا تہائی ہے جس کے وارث ماں باپ ہوں گے۔ خواہ وہ چیز تمام ترکہ ہو یا ترکے میں سے بعض ہو۔ اس دلیل سے کہ اگر ترکے کا ثلث مراد ہوتا۔ تو ماں باپ کی وراثت کا ذکر آیت مذکورہ میں ضرور نہ تھا بلکہ اس قدر کہنا کافی تھا فان لم یکن لہ ولد فلامہ الثلث۔ یعنی اگر میت کا ولد نہ ہو تو اس کی ماں کے لئے ثلث ہے۔ چنانچہ اللہ پاک نے بیٹوں کے حق میں فرمایا ہے۔ وان کانت واحدۃ فلہا النصف۔ یعنی اگر ایک دختر ہو تو۔ اس کے لئے نصف ہے۔ بعد اس قول کے فان کان نساء فوق اثنتین فلہن ثلثا ما ترک۔ یعنی اگر وہ عورتیں (یعنی بیٹیاں) دو سے زیادہ ہوں۔ تو ان کے لئے ترکے سے دو تہائی ہے

حاصل کلام یہ ہے کہ آیت مذکورہ میں اصل کا تہائی مراد ہو۔ تو ماں باپ کی وراثت کا ذکر بے فائدہ ہے۔ اگر کوئی کہے کہ ماں باپ کی وراثت کا ذکر ان میں ارث کے منحصر ہونے کے لئے ہے۔ تو جواب اس کا یہ ہے کہ آیت میں دلالت ماں باپ کے ارث کے حصر پر نہیں ہے اور اگر فرض کر لیا جائے کہ ان کا ذکر حصر ہی کے لئے ہے تو ہم کہیں گے کہ اس صورت میں آیت مذکورہ کو صورت نزاع (یعنی ماں باپ کا زوج وزوجہ میں سے ایک کے ساتھ ہونا) پر بالکل دلالت نہ ہونے کی وجہ سے نہ ہونے کی وجہ سے پس آیت مذکورہ کے معنی کا مرجع یہی ہوگا کہ ماں باپ اصول میت کے درجہ میں اس طرح ہیں۔ جس طرح میت کے فروع میں بیٹا اور بیٹی ہوتے ہیں۔ کیونکہ مرد و عورت کی وراثت کا سبب ایک ہے اور ان میں سے ہر ایک میت کے ساتھ بغیر کسی توسط کے اتصال رکھتا ہے پس بعد فرض ایک کے زن و شوہر میں سے باقی ترکہ ماں باپ کے درمیان تین حصے میں

منقسم ہوگا جس طرح بیٹے اور بیٹی کے حق میں منقسم ہوتا ہے اور جس طرح ماں باپ کے حق میں منقسم ہوتا ہے۔ جب کہ یہ لوگ تنہا تنہا وارث ہوتے ہیں پس ماں کا حصہ باپ کے نصف حصہ پر زیادہ نہیں ہوسکتا۔ جیسا کہ قیاس اس کا مقتضی ہے۔ پس ابوبکر اصم کی بات کے لغو ہونے میں کلام نہیں۔

اب واضح ہو کہ جب کہ ماں کو زوجہ کے ساتھ باقی کا تہائی دیا جائے اور مسئلہ ۱۲ سے ہو اس وقت میں مسئلہ میں دو چوتھائی درحقیقت پائے جائیں گے۔ اس لئے کہ تہائی باقی صورت مذکورہ میں بارہ کا چہارم ہے۔

غرضکہ انھیں دونوں صورتوں میں زوج یا زوجہ کے حق دینے کے بعد ماں کو ثلث باقی ملتا ہے اور یہ قول طرفین یعنی امام اعظم اور امام محمد کا ہے۔

ولو کان مکان الاب جد فللام ثلث جمیع المال اور اگر دونوں مسئلوں میں دادا باپ کی جگہ ہو تو ماں کے لئے تمام مال میں سے تہائی ہے۔ اور یہ مذہب ابن عباس کا ہے اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دو روایتوں میں سے ایک روایت یہ بھی ہے۔ امام اعظم و محمد نے بھی یہی فتوے دیا ہے اور مسئلہ شوہر کے ہونے کی صورت میں چھ سے تصحیح پائے گا جس میں سے ۳ شوہر کو ملیں گے اور دو ماں کو اور ایک دادا کو۔ جیسے

مسئلہ ۶

شوہر	ماں	جد
۳	۲	۱

اور زوجہ کے ہونے کی تقدیر پر (۱۲) سے مسئلہ کی تصحیح ہوگی۔ اس میں سے ۳ چور کو ملیں گے ۴ ماں کو۔ اور ۵ جد کو جیسے

مسئلہ ۱۲

زوجہ	ماں	جد
۳	۴	۵

الا عند ابی یوسف رحمہ اللہ فان لہا ثلث الباقی۔ مگر قاضی ابو یوسف کے نزدیک ماں کے لئے دادا کے ساتھ بھی باقی کا تہائی ہے جیسا کہ باپ کے ساتھ ہے۔ اور دوسری روایت حضرت ابوبکر سے بھی ایسی ہی منقول ہے۔ پس اس روایت کی بنیاد پر دادا باپ کی طرح قرار پاتا ہے اور دادا ماں کو اسی طرح حصہ بنا لیتا ہے جس طرح باپ ماں کو حصہ بنا لیتا ہے اور وجہ روایت اول کی یہ ہے کہ علمائے حنفیہ نے اس آیت میں **فان لم یکن لہ ولد وورثہ ابواہ فلامہ الثلث** یعنی اگر میت کے ولد نہ ہو اور وارث اس کے

باپ اور ماں ہوں تو اس کی ماں کے لئے تہائی ہے) ظاہر قول کو باپ کے حق میں ترک کر دیا ہے اور تاویل اس کی اس طرح پر کر دی جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ اور وہ یہ ہے کہ اس چیز کی تہائی ماں کے لئے ہے جس کے وارث ماں باپ ہوں۔ خواہ وہ چیز تمام ترکہ ہو یا ترکہ میں سے بعض حصہ الے آخرہ تاکہ ماں کی تفضیل باپ پر لازم نہ آئے۔ باوجود اس بات کے کہ ان کو میت کے ساتھ قرابت ہونے میں مساوات ہے۔ اور اس تاویل کی اکثر صحابہ کی طرف سے تائید موجود ہے اور دادا کے حق میں حنفیہ نے اللہ کے قول کو اس کے ظاہر پر چھوڑ دیا۔ چنانچہ انہوں نے یہ قرار دیا۔ کہ ان کے دادا کے ساتھ موجود ہونے کی صورت میں ماں کے لئے تمام ترکے کا تہائی ہے کیونکہ اول تو دادا کو ماں کے برابر قرابت کے ساتھ حاصل ہے اور دوسرے صحابہ میں اس امر میں بھی اختلاف ہے اور تفاوت درجہ کی صورت میں عورت کو مرد پر تفضیل حاصل ہو جانے میں مضائقہ نہیں ہے مثلاً اگر میت ایک زوجہ ایک حقیقی بہن اور ایک علاتی بھائی چھوڑے تو اس صورت میں زوجہ کیلئے چہارم ہے اور حقیقی بہن کیلئے نصف اور سوتیلے بھائی کے لئے باقی ترکہ کا وہ بھی چوتھائی حصہ کی مقدار میں ہوتا ہے اور اس صورت میں عورت کی تفضیل مرد پر لازم آتی ہے اور یہ مسئلہ اون چار مسائل میں سے ہے جس کا مصنف نے شروع باب میں تذکرہ کیا ہے اسکو امام ابو حنیفہ اور محمد نے اس جگہ دادا کو باپ کی طرح نہ کیا ہے۔ وَ لِلْجَدِّ کا کمل نے شرح سراجیہ میں کہا ہے کہ ہر شخص کی دو جدہ ہوتی ہیں۔ ایک ماں کی ماں۔ اور دوسرے باپ کی ماں۔ اسی طرح اس کے والدین کی اور تمام اصول کی مائیں تا آدم و حوا علیہ السلام۔

خزانۃ المفتین میں لکھا ہے کہ جدات کے چند مراتب ہیں :-

(۱) مرتبہ اول میں میت کی دونوں جدات (یعنی اس کی نانی اور دادی) ہیں۔ اور یہ دونوں وارث ہوتی ہیں۔

(۲) مرتبہ دوئم میں میت کی چار جدات ہیں کہ دو جدہ اس کے باپ کی ہیں۔ اور دو جدہ اوس کی ماں کی ہیں۔ پس اول میں سے ایک اس کے باپ کے باپ کی ماں ہے اور دوسری باپ کی ماں کی ماں ہے۔ اور دوم میں سے ایک اس کی ماں کی ماں ہے اور دوسری اوس کی ماں کے باپ کی ماں اور یہ کل وارث ہوتی ہیں بجز اخیر جدہ کے

(۳) مرتبہ سوم میں آٹھ جدات ہیں۔

(الف) دو جدہ اس کے باپ کی طرف والی یہ دونوں دادی ہیں۔ ایک اس کے باپ کے دادا کی ماں۔ اور دوسری اس کے دادا کی ماں کی ماں اور یہ دونوں وارث ہوتی ہیں

(ب) دو جدہ اس کے باپ کی ماں کی طرف والی۔ ان میں سے ایک اس کے باپ کی نانی کی ماں ہے۔ اور یہ وارث ہوتی ہے۔ اور دوسری باپ کی ماں کے باپ کی نانی۔ اور یہ ساقط۔

(ج) دو جدہ ماں کے باپ کی کہ ایک ماں کر باپ یعنی نانا کی نانی ہے اور دوسری نانی کے

دادا کی نانی ہے اور یہ دونوں ساقط ہیں

(د) اور دو جدہ اوس کی نانی کی اس طرح کہ ایک ماں کی نانی کی ماں اور یہ وارث ہوتی ہے اور دوسری نانی کے باپ کی ماں۔ اور یہ وارث نہیں ہوتی۔

(۴) مرتبہ چہارم یہ ہے کہ اگر ان میں سے ہر ایک کے لئے دو جدہ ہوں۔ تو سولہ ہو جائیں گی۔ اور اگر سولہ میں سے ہر ایک کے لئے دو جدہ ہوں تو ۳۲ ہو جائیں گی وعلی ہذا۔

اختیار میں لکھا ہے کہ ماں کی جانب سے جدہ وارثہ متصور نہیں بجز ایک کے اس لئے کہ ان میں سے صحیحہ وہ ہیں کہ جن کی دو ماؤں کے درمیان میں باپ داخل نہو پس وارث ام الام ہوگی۔ اگرچہ اوپر تک ہو اور قریب بعید کو محجوب کرے گی۔ لیکن باپ کی طرف والیوں میں سے اکثر کا وارث ہونا متصور ہے۔

مصنف کہتے ہیں:۔ السدس لام کانت او اب:۔ یعنی مطلقاً جدہ کے لئے چھٹا حصہ ہے خواہ ماں کی ماں ہو۔ خواہ باپ کی ماں ہو۔ چنانچہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے اعطوا الجدۃ السدس یعنی جدہ کو میراث میں سے چھٹا حصہ دو۔ اور امام مالک کی موطا کے حاشیہ میں جس کا نام محلی ہے مروی ہے کہ حاکم نے روایت کی ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قضی للجدۃ من المیراث السدس:۔ یعنی سرور عالم نے جدہ کو میراث میں سے چھٹا حصہ دلایا۔

میراث نامۂ فارسی مؤلفہ مولوی عبدالفتاح بن مبارک کی شرح رضوانی مولفہ مولوی محمد علی بن محمد قاسم طبرسی میں لکھا ہے کہ جدۂ واحدۂ کا سدس ہونے پر دلیل یہ ہے۔ کہ ابوسعید خدری و مغیرہ بن شعبہ و قبیصہ بن ذویب نے روایت کی ہے کہ حضرت نے ایک جدہ کو چھٹا حصہ دلایا تھا۔ اور یہ اس صورت میں ہے کہ ماں موجود نہ ہو یعنی جدۂ صحیحہ کا یہ حال ہے کہ درصورت نہ ہونے ماں کے اسے چھٹا حصہ ملتا ہے۔ جدہ کے سدس حصہ کی نسبت جب کہ ماں نہ ہو حدیث میں یوں وارد ہے۔ جو ابوداؤد نے روایت کی ہے کہ حضرت نے فرمایا:۔ للجدۃ السدس اذا لم یکن دونہا ام:۔ یعنی جدہ کیواسطے چھٹا حصہ ہے جبکہ اسکی ماں نہو۔

واحدۃ کانت او اکثر:۔ یعنی جدۂ صحیحہ کے واسطے چھٹا حصہ ہے۔ خواہ ایک ہو یا زیادہ ہوں۔ اگر اکیلی ہو تو کل سدس لے لے۔ اور جو زیادہ ہوں تو اسی سدس کو آپس میں بانٹ لیں۔ پس جدہ کا حصہ گو کتنی ہی زیادہ ہو جائیں سدس سے زیادہ نہیں بڑھ سکتا۔ البتہ ردکی حالت میں بڑھ سکتا ہے اور نہ سوائے عول کے سدس سے گھٹ سکتا ہے

محمد بن نضیر نے اصحاب شافعی سے اس بات پر کہ ایک جدہ کا فرضی حصہ سدس اور دو یا تین کا بھی یہی ہے صحابہ و تابعین کا اتفاق نقل کیا ہے، اور بیہقی نے اس کو محمد بن نضیر سے روایت کیا ہے اور بحر میں ہے کہ جدات کا حصہ گو بہت ہوں جب درجے میں برابر ہوں تو چھٹا حصہ ہوتا ہے اور نانی اور دادی میں کچھ فرق نہیں دونوں برابر ہیں۔

معلوم کرنا چاہئے کہ اکیلی جدہ کا چھٹا حصہ حدیث سے ثابت ہے اور زیادہ ہونے کی صورت

میں اسی چھٹے حصہ میں مشترک ہیں جس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو عبادہ بن صامت سے عبد اللہ بن احمد نے اپنے مسند میں روایت کیا ہے۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قضی للجدتین من المیراث بالسدس بینھما یعنی آنحضرت نے دو جدہ کے لئے میراث سے چھٹا حصہ حکم دیا، اور حاکم نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ اور اس کی تصحیح شیخین کی شرط پر کی ہے۔

جیسا کہ غایۃ الوصول میں ہے اور دوسری دلیل یہ روایت ہے جو قاسم بن محمد سے امام مالکؒ نے موطا میں نکالی ہے جاءت الجدتان الی ابی بکر الصدیق فاراد ان یجعل السدس للتی من قبل الام فقال لہ رجل من قبل الانصار اما انک لو ترکت التی لو ماتت وھو حی کان ایاھا یرث فجعل السدس بینھما یعنی دو جدہ ابو بکر صدیق کے پاس آئیں۔ پس ابو بکر نے اس جدہ کو جو ماں کی طرف سے تھی۔ یعنی نانی کو سدس دینے کا ارادہ کیا۔ انصار میں سے ایک آدمی نے ابو بکرؓ سے کہا۔ کہ سنیئے تو! آپ ایسی جدہ کو محروم کرتے ہیں کہ اگر وہ جدہ اس میت کی زندگی میں مرجاتی تو یہ شخص اس کا وارث ہوتا۔ اسپر ابو بکرؓ نے سدس کو اُن دونوں کے درمیان میں تقسیم کر دیا۔

تیسری دلیل یہ روایت ہے کہ ایک شخص کی جدہ صدیق اکبر کے پاس آئی اور بولی کہ میرے نواسے کے ترکے سے حصہ مجھ کو دیجئے۔ صدیق نے جواب دیا کہ میں تیرا حصہ کتاب اللہ میں منصوص نہیں پاتا اور نہ تیری وراثت کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سنا ہے۔ لیکن میں اصحاب سے مشورہ کرتا ہوں پھر صحابہ کو جمع کیا۔ تو شعبہ کے بیٹے مغیرہ نے گواہی دی۔ کہ میں آنحضرت کے پاس حاضر ہوا تھا۔ آپ نے جدہ کو چھٹا حصہ دلوایا۔ تو حضرت ابو بکرؓ نے کہا کہ کسی اور کو بھی یہ حال معلوم ہے۔ اسپر محمد بن مسلمہ انصاری نے اس کی تائید میں بیان کیا کہ جناب سرور کائنات نے جدہ کو چھٹا حصہ دیا ہے۔ الا شہادتوں کے گزرنے کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے ویسا ہی حکم جاری کیا۔ پھر اس میت کی دوسری جدہ یعنی دادی حضرت عمرؓ کے پاس آئی اور بولی کہ میرے پوتے کی میراث مجھ کو دیجئے۔ تو انہوں نے کہا کہ وہی چھٹا حصہ تم دونوں میں مشترک ہے اور ایک جدہ ہو تو فقط اوس کا ہے یہ روایت احمد دارمی ترمذی ابن ماجہ اور ابو داؤد نے قبیصہ بن ذویب سے نکالی ہے۔ دونوں جگہ لفظ جدہ مذکور ہے جو دادی اور نانی دونوں کو شامل ہے حضرت ابو بکرؓ کے پاس نانی آئی تھی اور حضرت عمرؓ کے پاس دادی آئی تھی۔ چنانچہ ایک روایت میں اس کی تصریح موجود ہے۔

شمس الائمہ سرخسی کی مبسوط میں مذکور ہے کہ ام الاب (دادی) اور ام الام (نانی) دونوں حضرت صدیق کے پاس آئی تھیں۔ ام الاب نے تو کہا تھا کہ میرے بیٹے کے ولد کی میراث مجھے دلوایئے اور ام الام نے کہا کہ میری بیٹی کے ولد کی میراث مجھے دلوایئے۔ ریاضی والی میں بھی یہی ہے کہ حضرت صدیق ہی کے پاس پہلے میت کی نانی آئی۔ اور میراث مانگی۔ اور پھر اس میت کی دادی آئی۔ اور اسی میں آگے بھی لکھا ہے کہ مروی ہے کہ میت کی دادی نے حضرت عمر سے میراث طلب کی تھی۔ کہ میں نانی سے بہتر ہوں انہوں نے فرمایا تھا۔ کہ تم دونوں چھٹے حصہ میں برابر شریک ہو۔

جدات کی میراث میں دو شرطیں ہیں جسکو مصنف یوں بیان کرتے ہیں **اذا کن ثابتات** یعنی پہلی شرط یہ ہے کہ جسکو جدات صحیحہ ہوں اور جدات صحیحہ کی تفصیل اوپر اس طرح بیان ہو چکی کہ جدۂ صحیحہ وہ ہے کہ جسکو سمیت سے علاقہ نانا کے ذریعے کے ہو پس باپ کی ماں یعنی دادی اور پردادی وغیرہ اور ماں کی ماں یعنی نانی اور پرنانی وغیرہ سب جدات ثابتہ ہیں۔ شرح رجبیہ میں بیان کیا ہے کہ جدۂ ثابتہ تین طور کی ہوتی ہے (۱) جو صرف عورت کے ذریعے سے نسبت رکھے جیسے ماں کی ماں اور ماں کی ماں کی ماں اور پرنانی کی ماں جو صرف ماؤں کے سلسلے والی ہیں (۲) جو محض مردوں کے ذریعے سے منسوب ہو جیسے باپ کی ماں اور دادا کی ماں اور پردادا کی ماں کہ یہ محض مردوں کے ذریعے سے انتساب رکھتی ہیں (۳) جو عورتوں کے ذریعے سے مردوں کی طرف منسوب ہوں جیسے باپ کی ماں کی ماں اور جیسے دادا کی ماں کی ماں یا پردادا کی ماں کی ماں جو عورتیں اس طرح کی ہیں وہ سب جدۂ ثابتہ ہیں اور جو تیسری قسم کو برخلاف ہو یعنی مردوں کے ذریعے سے عورتوں کی طرف نسبت رکھے جیسے ماں کے باپ کی ماں تو وہ ثابتہ نہیں فاسدہ کہلاتی ہے اسی کا ذکر اس آیت میں ہے وکل من اولت بغیر وارث الخ اسکا میراث میں سے حصہ ذوی الارحام میں ہونے کی وجہ سے ملتا ہے یعنی جدات فاسدہ جو کچھ پاتی ہیں قرابت کے سبب سے پاتی ہیں عصوبت اور فرض کی وجہ سے نہیں پاتیں جدۂ فاسدہ کا ذکر ذوی الارحام میں آئے گا۔

فرائض شرفی میں لکھا ہے کہ اگر یہ معلوم کرنا چاہو کہ جدات صحیحہ کے مقابلے میں کتنی جدات فاسدہ واقع ہوتے ہیں تو مسئول کو سیدھے ہاتھ میں لے لو پھر اس میں سے دو کو دست چپ میں منتقل کرو اور جتنے عدد سیدھے ہاتھ میں باقی رہے ہوں اتنی بار الٹے ہاتھ کے اعداد کو دو چند کرو پس جو عدد انکے دو چند کرنے کے حاصل ہوگا اس میں سے عدد مسئول کے مطابق جدات صحیحہ ہونگے اور باقی فاسدہ مثلاً اگر کوئی دریافت کرے کہ چار جدۂ صحیحہ کے مقابلے میں کتنی جدۂ فاسدہ واقع ہیں تو چار کو سیدھے ہاتھ میں لے لو پھر ان چار میں سے دو کو الٹے ہاتھ میں منتقل کرو پھر الٹے ہاتھ کے دو کو اتنی بار دو چند کرو جتنے عدد سیدھے ہاتھ میں باقی رہے ہیں۔ پس ایک بار دو چند کرنے سے (۴) ہوئے پھر دوبارہ چار کو دو چند کرنے سے آٹھ ہو جاویں گے اس سے معلوم ہو جائے گا کہ جملہ چار صحیحہ ہیں اور چار باقی کہ ہیں وہ فاسدہ ہیں مثال دیگر اگر کوئی پوچھے کہ آٹھ جدۂ صحیحہ کے مقابلے میں فاسدہ کتنی ہونگی تو آٹھ کو سیدھے ہاتھ میں لے لو پھر ان میں سے دو کو لیکر الٹے ہاتھ میں رکھ لو اور الٹے ہاتھ کے ان دو کو ان اعداد کے مطابق کہ سیدھے ہاتھ میں باقی رہ گئی ہیں عدد وہ چھ ہیں ۶ بار دو چند کرو پس ایکبار دو چند کرنے سے چار ہو جاویں گے اور دوبارہ چار کو دو چند کرنے سے آٹھ ہو جاویں گے اور تیسری بار آٹھ کو دو چند کرنے سے سولہ ہو جاویں گے اور چوتھی بار سولہ کو دو چند کرنے سے ۳۲ حاصل ہونگے اور پانچویں بار بتیس کو دو چند کرنے سے ۶۴ حاصل ہونگے اور چھٹی بار ان جو نسٹھ کو دو چند کرنے سے ۱۲۸ حاصل ہونگے غرضکہ الٹے ہاتھ کے دو کے عدد کو اتنی بار دو چند کرنے سے جتنے عدد سیدھے ہاتھ میں باقی رہے ہیں ۱۲۸ حاصل ہوئے۔ تو ان ایک سو بیس میں سے آٹھ کہ مسئول ہیں صحیحہ ہیں باقی فاسدہ ہیں یہ قیاس دو جدۂ اور ایک جدۂ میں جاری نہیں ہے اسلئے کہ ایک جدۂ صحیحہ مادری کے مقابلے میں جدۂ پدری کوئی فاسدہ نہ ہوگی۔ اور اگر یہ جاننا چاہو کہ باپ کی طرف کی کتنی صحیحہ اور کتنی فاسدہ ہیں اور ماں کی جانب سے کتنی ایسی ہیں تو حاصل جمع کو دو حصے کرکے آدھے باپ کی جانب اور آدھے ماں کی جانب فرض کرو پس ان میں سے ہمیشہ ماں کی طرف ایک صحیحہ ہوگی اور باقی فاسدہ ہونگے اور جتنے صحیحات و فاسدات

فرائض شرفی میں ہے کہ اس قیاس دو وجدۂ و یک جدۂ مثنے آید نظیر آنچہ بمقابلہ یک جدۂ مادریہ صحیحہ پنج فاسدہ نہ شد ۱۲

باقی رہ جائیں گی۔ وہ باپ کی جانب والی ہونگی مثال اسکی یہ ہے کہ کوئی پوچھے کہ آٹھ جدۂ صحیحہ کے مقابلے میں کتنی فاسدہ ہونگی تو ۱۲ کے حاصل کو آدھا کروان میں سے ۶ ماں کی جانب ہوئیں اور ۶ باپ کی جانب پس ماں کی ۶ میں سے ایک صحیحہ ہے اور ۵ فاسدہ اور ۶ کہ باپ کی جانب ہیں اُن میں سے سات صحیحہ ہیں اور ستاون فاسدہ **متخاذیات** فی الدرجۃ دوسری شرط میراث جدات میں یہ ہے کہ تمام جدات درجے میں متساوی اور برابر ہوں مثلاً میت کی ماں کی ماں (نانی) اور میت کے باپ کی ماں (دادی) دونوں متخاذی ہیں تو چھٹے حصے میں دونوں شریک ہونگی بعینکہ زندہ ہوں اور کوئی ساقط یعنی محروم نہو۔

خزانۃ المفتیین میں لکھا ہے کہ متخاذیات وارثات اس طرح پہچانی جاتی ہیں کہ بقدر اُنکے شمار کے امہات ساقط کردی جائیں پھر ہر مرتبے میں ام اخیرہ تبدیل کی جائے یہاں تک کہ بمیز ایک ماں کے باقی نہ رہے اور یہ صورت پانچ جدات متخاذیات میں متصور ہے۔ ام ام ام ام الام اور ام ام ام ام الاب اور ام ام ام الاب اور ام ام الاب اور ام ام اب اب الاب اور ام اب اب الاب جدات کا درجے میں متساوی اور برابر ہونا اس لئے مشروط ہے کہ جدہ قریبہ جدۂ بعیدہ کی مطلقاً حاجب ہوتی ہے خواہ جدۂ قریبہ حاجبہ ماں کی طرف کی ہو یعنی نانی ہو یا باپ کی طرف کی ہو یعنی دادی ہو اور اسی طرح جدۂ بعیدۂ محجوبہ خواہ ماں کی طرف والی ہو جیسے نانی یا باپ کی طرف والی ہو جیسے دادی وبیطن کلہن بالام اور ماں کے برابر و جملہ جدات مادری ہوں یا پدری محروم ہیں جدۂ مادری یعنی نانی کے محروم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اونے میت کی ماں کو جنا ہے نہ خود میت کو اور ماں نے چونکہ میت کو جنا ہے تو وہ میت سے زیادہ قریب ہے ماں کی وجہ سے نانی کو میت سے رشتہ حاصل ہے پس ماں اصل ہے اور اصل اولےٰ ہے غیر اصل سے اور جدۂ پدری بھی اس وجہ سے ماں کے سامنے محجوب ہے کہ ماں نے تو خود میت کو جنا ہے اور میت سے زیادہ قریب ہے اور جب اُسکی وجہ سے نانی ساقط ہوتی ہے تو دادی کا ساقط ہونا بدرجۂ اولےٰ مناسب ہے کیونکہ دادی سے نانی زیادہ مقدار رہے دیکھو بچے کی پرورش کرنے کے باب میں نانی کا نمبر دادی سے اول ہے۔ **والاخویات ایضا بالاب** اور باپ کے برابر و بمرتبہ جدات پدری یعنی دادیاں محروم ہیں جدات مادری یعنی نانیاں محروم نہیں ہوتیں۔ یہ قول حضرت عثمانؓ و علیؓ و زید بن ثابتؓ و ابی بن کعبؓ و سعید بن ابی وقاصؓ کا ہے۔ شعبی اور طاؤس نے بھی یہی اختیار کیا ہے اور یہی علمائے حنفیہ کا مسلک ہے اور حضرت عمرؓ اور ابن مسعودؓ و ابو موسیٰ اشعریؓ اور عمران بن حصینؓ سے منقول ہے کہ باپ کی ماں باپ کے سامنے وارث ہوتی ہے اور اس کو شریح و ابن سیرین نے اختیار کیا ہے یہی مالکیہ و امام شافعی و احمد امام احمد حنبل کا مذہب ہے ان لوگوں نے ابن مسعودؓ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جدۂ کو ترکے بیٹے کے سامنے نہائی دلایا تھا دیکھو میت کا باپ زندہ تھا اور جدۂ کے میراث پائی۔ ہمارے علماء کرام کی دلیل یہ ہے کہ میراث کا استحقاق دو وجہ سے ہوتا ہے ایک نسبت سے دوسرے انتساب سے کیونکہ صرف نام بدون قرابت کے استحقاق کو واجب نہیں کرتا اور قرابت بغیر انتساب ساقط نہیں ہوتی پس یہاں دو شے ہیں ایک اتحاد سبب کا اور دوسرے انتساب اور ان دونوں کو ساقط اور محروم کرنے میں تاثیر ہے پس پس طرح محض اتحاد سبب سے جبکہ اُسکے ساتھ انتساب نہو ساقط کا حکم متحقق ہوتا ہے اسی طرح محض انتساب سے بوجہ اتحاد سبب کے ہو جاتی ہے دیکھو یہاں انتساب نہیں پایا جاتا پس جبکہ فقط اتحاد سبب کی وجہ سے باوجود نہونے انتساب کے سقوط ثابت ہے تو اسی طرح

ساقط و حرمان صرف انتساب سے بھی ثابت ہوگا گو وہ اتحاد سے معرا ہو پس جبکہ جدۂ یعنی دادی باپ سے انتساب رکھتی ہے تو اس نسبت کی وجہ سے جو اوسے میت کے باپ کے ساتھ حاصل ہے محجوب ہوگی گو یہاں اتحاد سبب کے معنے نہیں پائے جاتے اور میت کی ماں سے جدۂ (دادی) اتحاد سبب کی وجہ سے محجوب ہوگی گو یہاں انتساب نہیں ہے اور جو جدۂ ماں کی طرف والی یعنی نانی ہے وہ باپ کے ساتھ وارث ہوگی کیونکہ یہاں وہ دونوں باتیں نہیں نہ ہی انتساب ہے اور نہ ہی اتحاد سبب اور اخیافی بھائی جو ماں کے ساتھ وارث ہوتا ہے باوجودیکہ وہ ماں سے انتساب رکھتا ہے تو وجہ اسکی یہ ہے کہ یہاں نہ اتحاد سبب کا پایا جاتا ہے اور نہ اخیافی بھائی اور اُسکے حصوں میں شرکت پائی جاتی ہے بعض کہتے ہیں کہ یہ صورت مستثنےٰ ہے۔ اور ابن مسعودؓ کی حدیث کی تاویل یہ ہے کہ شاید اوس میت کا باپ غلام یا کافر ہو وکذلک بالجد یعنی جس طرح باپ کے سامنے جدات پدری ساقط ہوتی ہے اسی طرح دادا کے روبرو تمام ابویات یعنی جدات پدری محروم ہیں کیونکہ وہ باپ کی جگہ قائم ہوتا ہے بشرطیکہ اونکی نسبت میت کی طرف جد داخل ہو اور ظاہر ہے کہ جدات پدری یعنی ابویات کی نسبت میں دادا کہ میت کے باپ کا باپ ہے داخل ہے اور چونکہ جد میت کے باپ کا قائم مقام ہے تو جس طرح باپ کے ہوتے صرف جدات پدری یعنی دادیاں محروم ہیں نہ جدات مادری یعنی نانیاں اسی طرح جد صحیح کے ہوتے بھی صرف جدات پدری محروم ہیں نہ جدات مادری فائدہ شیخ الاسلام لکھتے ہیں کہ جبکہ باپ زندہ ہو اور میت کی دادی اور نانی موجود ہوں تو اس میں مشائخ نے اختلاف کیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ صرف نانی کو جدات کا تمام فریضہ دیا جائے اور بعض نے کہا ہے کہ نصف فریضہ دیا جائے اس جملۂ معترضہ کے بعد واضح ہو کہ دادا اور باپ کے ساتھ دادیوں کی محرومی میں اتنا فرق ہے کہ باپ کے ہوتے کل دادیاں محروم ہیں اور جد صحیح کے ہوتے سب دادیاں محروم نہیں ہیں بلکہ صرف وہی دادیاں محروم ہیں جو جد صحیح کے اوپر والی ہیں نہ وہ دادیاں جو اوسکے درجے والی ہیں پس جد صحیح کے ہوتے اوس کی ماں محروم ہے نہ بی بی جیسا کہ مصنف کہتے ہیں الا ام الاب لیکن باپ کی ماں کہ وہ اوس دادا کی جورو ہوتی ہے دادا کے سامنے محروم نہیں ہوتی کیونکہ باپ کی ماں کی قرابت دادا کی وجہ سے نہیں بلکہ وہ اوس کی بی بی ہے جیسا کہ باپ کے سامنے ماں محروم نہیں ہوتی دوسری عبارت میں میت کے باپ کی ماں (دادی) دادا کے ساتھ اس واسطے وارث ہوتی ہے کہ دادا اوس کی نسبت میں میت کی طرف داخل نہیں ہے اور نہ اوس کی قرابت دادا کی وجہ سے ہے بجز اس کے کہ وہ اوس کی بی بی ہے اور نہ دونوں کے درمیان اتحاد سبب ہے اور نہ حصوں میں مشارکت ہے اور اس مسئلے میں کہ دادا اپنی بی بی کو محروم نہیں کرتا سب کا اتفاق ہے وان علت اور اگر ہم الاب (دادی) اور نہ جورو کی ہر جیسے باپ کی ماں یعنی باپ کی نانی اور اس سے بھی اوپر درجے کی ہو جیسے باپ کی ماں کی ماں یعنی باپ کی پرنانی فانها ترث مع الجد یعنی میت کے باپ کی ماں جد کے ساتھ وارث ہوتی ہے اور یہ اوس صورت میں ہے کہ جبکہ جد دادا ہو اور جبکہ جد پردادا ہو یعنی دادا کا باپ ہو تو اوس کے ساتھ دو جدات ابویہ وارث ہوتی ہیں تفصیل مقام یہ ہے کہ جبکہ دادا کی دوری میت سے ایک درجے پر ہو تو اس درجے کی جدۂ یعنی ایک جدہ پدری وارث ہوگی جیسے دادا کی بیوی کہ میت کی دادی ہوتی ہے اور جبکہ دادا کی دوری میت سے دو درجے پر ہو جیسے باپ کے باپ کا باپ (یعنی پردادا) تو اوس کے ساتھ دو جدۂ پدری وارث ہونگی ایک ام اب الاب یعنی باپ کے باپ کی ماں کہ وہ دادا کی ماں ہے دوسری ام ام الاب

یعنی باپ کی ماں کی ماں کہ وہ دادی کی ماں ہے اور اگر دوری دادا کی میت سے تین درجے پر ہو جیسے پردادا کا باپ تو اوس کے ساتھ میں تین جدۂ پدری وارث ہونگی ایک دادا کی ماں کی ماں دوسری باپ کی نانی کی ماں تیسری دادا کے باپ کی ماں اور اگر دادا کی دوری میت سے چار درجے پر ہو تو اوس کے ساتھ میں چار جدۂ پدری وارث ہونگی غرضکہ جس قدر دادا کے بعد میں درجے کا اضافہ ہوگا اُسی قدر جدۂ ابو یہ کی توریث میں اضافہ ہوگا اور وجہ اسکے وراثت کی مصنف یوں بیان کرتے ہیں لانہا ادلی من قبلہ کیونکہ باپ کی ماں اور اس سے بھی اونچے درجے والی جیسے باپ کی نانی اور پرنانی کی قرابت دادا کی وجہ سے نہیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ جد کے ساتھ وہ جدہ محروم ہو جاتی ہے جس میں جد سبب ہے یعنی جد کے ذریعے سے میت سے علاقہ ہو پس دادا کے ساتھ میں پردادی ساقط ہو جائے گی اور اسی طرح اور سب جدات جنکی اولاد میں دادا ہے۔ لیکن دادی ساقط نہوگی اسواسطے کہ اوس کا اتصال میت سے باپ کے ذریعے سے ہے نہ دادا کے ذریعے سے اور پردادا کے ساتھ میں اوسکی ماں اور اوس سے اعلےٰ درجے والیاں محروم ہو جائینگی نہ پردادی وعلیٰ ہذا القیاس۔ یہ تیسرا مسئلہ ہے اُن مسائل میں سے جو اول باب میں مستثنےٰ کئے گئے ہیں کہ ام الاب باپ سے محجوب ہوتی ہے اور دادا سے محجوب نہیں ہوتی۔ والقربیٰ من ای جھۃ کانت تحجب البعدیٰ من ای جھۃ کانت اور قریب درجے والی جدۂ خواہ وہ کسی جہت سے ہو یعنی ماں کی جہت سے ہو یا باپ کی جہت سے دور والی جدہ کو خواہ کسی جہت سے ہو محروم کر دیتی ہے۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ دور والی جدات ہر ایک قریب والی جدہ کی وجہ سے محروم ہو جاتی ہیں خواہ وہ قریب والی بعید والی کے ساتھ ہم سلسلہ ہو جیسے دادی اور پردادی کہ دونوں باپ کے طرف کی ہیں خواہ دوسرے سلسلہ کی جیسے نانی اور پردادی کہ نانی ماں کی طرف کی ہے اور یہ دادی باپ کی طرف کی ہے چونکہ نانی اور دادی جدۂ قریبہ ہیں انکے ہوتے ہوئے پردادی کو کچھ نہ ملے گا اور اسی طرح دادی کے ہوتے نانی کی ماں اور باپ کی دادی کو کچھ نہ ملے گا۔ غرضکہ جدہ کے محروم ہونے کی چار صورتیں ہیں پہلی صورت یہ ہے کہ جدۂ قریبۂ مادری جدۂ بعیدۂ پدری کو محروم کرتی ہے دوسری صورت یہ ہے کہ جدۂ قریبۂ مادری جدۂ بعیدۂ مادری کو محروم کرتی ہے تیسری صورت یہ ہے کہ جدۂ قریبۂ پدری جدۂ بعیدۂ پدری کو محروم کرتی ہے چوتھی صورت یہ ہے کہ جدۂ قریبۂ پدری جدۂ بعیدۂ مادری کو محروم کرتی ہے۔

ابو عبداللہ محمد بن حسین جبی کے رسالۂ منظومہ معروف بہ رجبیہ کی شرح میں مفتی الیمن شیخ عبدالرحمٰن بن شیخ کمال الدین نے اور اسی رسالے کی شرح میں ابو بکر بن احمد نے لکھا ہے کہ جدات کے باہم وارث ہونے و ساقط ہونے کی تین صورتیں ہیں (۱) اگر جہت متحد ہو خواہ ماں کی طرف والی ہوں جیسے نانی اور پرنانی یا باپ کی طرف والی جیسے دادی اور پردادی تو بعید درجے والی ساقط ہے کیونکہ نانی اور دادی قریب ہیں (۲) اگر جدۂ بعیدہ باپ کی طرف والی ہو اور جدۂ قریبہ ماں کی طرف کی جیسے نانی اور دادا کی ماں تو بعید درجے والی ساقط ہے یعنی باپ کی طرف کی قطعاً ساقط ہے کیونکہ نانی کو قوت حاصل ہے اور ماں اصل ہے (۳) اور اگر دوسرے نمبر کا عکس ہو یعنی بعید ماں کی طرف کی ہو اور قریب باپ کی طرف کی جیسے دادی اور پرنانی تو نانی کی ماں دادی سے ساقط ہے جیسا کہ رجبیہ کے ناظم نے کہا ہے مگر مفتی الیمن کہتے ہیں کہ اظہر اسکے خلاف ہے کیونکہ ماں کی طرف کی جدہ اقوےٰ ہے۔ اور رضی الدین نے بیان کیا ہے کہ اس میں دو قول ہیں (وقف) ایک یہ کہ بعید درجے والی ساقط ہے اسلئے کہ دونوں جدہ ہیں پھر

جوان میں سے اقرب ہوگی وہ وارث ہوگی۔ پس ان میں سے قریب درجے والی بعید کی حاجب ہوگی (ب) دوسرا قول یہ ہے کہ ساقط نہیں ہوتی اسلئے کہ باپ کی طرف کی جدہ ماں کی طرف والی جدہ کو حاجب نہیں ہو سکتی تو اب جو باپ کی طرف سے انتساب رکھے گی وہ اوس کو حاجب ہوگی جو ماں کی طرف سے انتساب رکھتی ہے۔ برخلاف دوسرے نمبر کے مسئلے کے اسلئے کہ ماں اوس جدہ کو حاجب ہوتی ہے جو باپ کی طرف کی ہو تو اوس کو ماں کی ماں بھی حاجب ہوگی۔

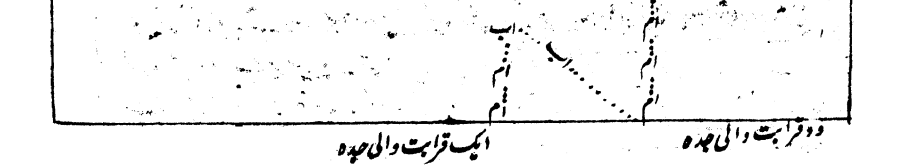
اس مسئلے میں زید ابن ثابت سے دو قول منقول ہیں جنکی تفصیل شافعی مذہب کی کتب فرائض مثل فوائد الصنبیہ اور فوائد التشنوریہ اور نور الہدایہ اور تحفۂ خیریہ اور سراجی کی شروح مثل صنور السراج و شرح شمس الائمہ سرخسی اور شرح خواہرزادہ وغیرہ میں مذکور ہے جسکی صورت یہ ہے (۱) فوائد تشنوریہ میں آیا ہے کہ زید کا ایک قول یہ ہے کہ ماں کی طرف والی جدۂ بعیدہ باپ کی طرف والی جدۂ قریبہ سے ساقط نہیں ہوتی بلکہ دونوں سدس میں شریک ہیں یہی امام شافعیؒ کا قول ہے گو ماں کی طرف والی بعید ہے لیکن وہ اقوے ہے کیونکہ ماں جہات کے ارث میں اصل ہے۔ پس قوۃ اصالت کی قوت پر نانی کو ماں کی طرف سے حاصل ہے اوس قوت نے اوس کی دوری کا تدارک کرکے باپ کی طرف والی یعنی دادی سے برابر کرکے چھٹے حصے میں شریک کر دیا۔ تحفۃ الاظہر یہ میں کہا ہے کہ اہل مدینہ کا یہی مختار ہے اور یہ اونھوں نے زید کی روایت سے اخذ کیا ہوگا کہ وہ زید کے اہل وطن ہیں کیونکہ وہ دوسروں کی بہ نسبت زید کی روایتوں سے زیادہ واقف ہیں اور فوائد الصنبیہ اور صنور السراج اور فوائد تشنوریہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام مالک نے بھی اسی پر عمل کیا ہے یہی حضرت علی اور ابن مسعود سے مروی ہے (۲) دوسرا قول زید بن ثابت کا یہ ہے کہ جدۂ قریبہ جدۂ بعیدہ کی حاجب ہے اور یہی ابو حنیفہ کا مذہب ہے اور یہی حنابلہ کا مفتی بہ ہے اور جماعت شافعیہ اور مالکیہ نے بھی اسی قول کی تصحیح پر اتفاق کیا ہے جیسا کہ فوائد تشنوریہ میں ہے نووی کی روضہ میں بغوی وغیرہ سے یہی منقول ہے۔ ابو العباس شہاب الدین احمد بن محمد معروف بہ ابن ہائم نے لکھا ہے کہ جدہ بعیدہ کو جدۂ قریبہ محجوب کرتی ہے۔ اور ہماری دلیل اسی پر یہ ہے کہ اکثر نے اس کو قبول کر لیا ہے صنور السراج میں لکھا ہے کہ شمس الائمہ سرخسی کی شرح میں آیا ہے کہ اسی روایت کو کہ جدۂ قریبہ بعیدہ کی حاجب ہے اہل عراق نے زید سے روایت کیا ہے اور خواہرزادہ کی شرح میں یہ ہے کہ یہ روایت اہل کوفہ کی ہے اور دوسری روایت میں زید سے مروی ہے اگر جدہ قریبہ ماں کی طرف والی ہو اور جدۂ بعیدہ باپ کی طرف والی تو یہی حال ہے اور اگر جدۂ قریبہ باپ کی طرف والی ہے اور بعیدہ ماں کی طرف والی تو دونوں برابر ہیں۔ سرخسی کہتے ہیں کہ یہ روایت اہل مدینہ کی ہے اسی پر علمائے مدینہ اور شافعیؒ اور مالکؒ چلتے ہیں۔

اس امر پر کہ باپ کی جہت والی جدۂ قریبہ ماں کی طرف والی جدۂ بعیدہ کی حاجب نہیں ہوتی شافعیؒ کا استدلال یہ ہے کہ جدہ کا استحقاق بالاتفاق امومت کی وجہ سے ہے اور نانی میں امومت اظہر ہے اسلئے کہ وہ ایسی ماں ہے جو میت سے بذریعہ ماں کے نسبت رکھتی ہے۔ بخلاف دادی کے کہ وہ ایسی ماں ہے کہ باپ کی وجہ سے نسبت رکھتی ہے۔ پس جبکہ جدۂ قریبہ ماں کی طرف والی ہوگی تو اسکے لئے دو طور سے ترجیح ہوگی ایک زیادتی قرب کی وجہ سے دوسرے ظہور صفت امومت کی وجہ سے تو یہ ضرور اولے ہوگی۔

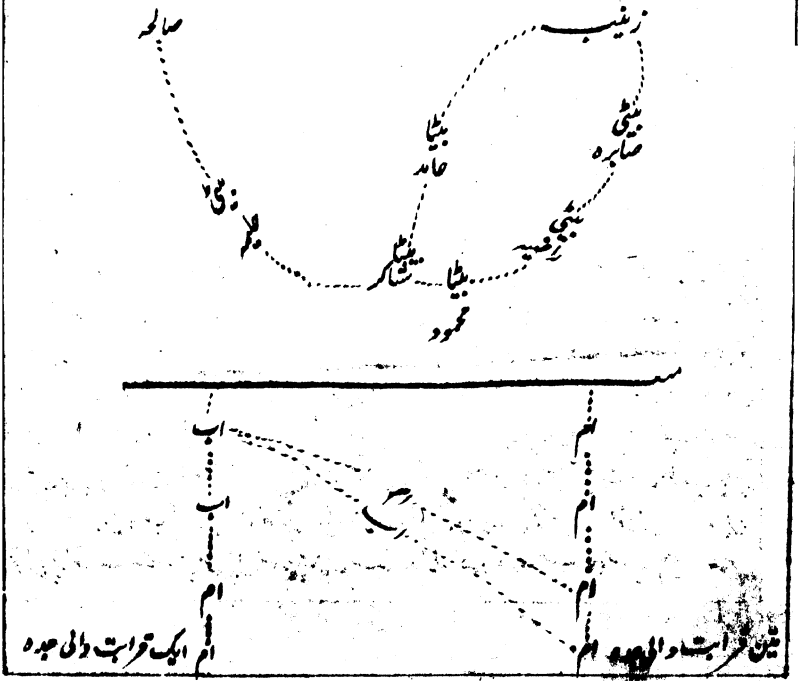
بعض حنفیہ نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اگر امومت کی رشتہ داری کا ظہور ترجیح کا موجب ہو تو ضرور ہے کہ ماں کی ماں باپ کی ماں سے مقدم ہو باوجودیکہ دونوں درجے میں مساوی ہیں اور یہ بالاتفاق باطل ہے امام ابوحنیفہ نے یہ دلیل بیان کی ہے کہ جدہ کا استحقاق باعتبار امومت کے ہے اور یہ اصلیت ہے اور اصلیت کے سننے قریب والی میں بہ نسبت بعید والی کے اظہر و اقوے ہیں برابر ہے کہ ایک جہت سے ہوں یا دو جہتوں سے قویہ دور والی پر مطلقاً مقدم ہوگی وارثۃ کانت القریبۃ خواہ وہ قریب درجے والی جدہ وارث ہو جیسے میت کی دادی جبکہ میت کا باپ موجود نہ ہو تو وارث ہوتی ہے ایسی حالت میں اگر پرنانی اس کے ساتھ جمع ہو جائے تو دادی پرنانی کو محروم کر دیتی ہے کیونکہ دادی کو میت سے بقدر قرب حاصل ہے اتنا پرنانی کو حاصل نہیں او محجوبۃ یا وہ جدہ قریبہ محجوب ہو جیسے دادی باپ کے ساتھ کہ وہ خود محروم ہوتی ہے اور باوجود اسکے پرنانی کو محروم کر دیتی ہے۔ پس اس صورت میں اگر میت نے باپ اور دادی اور پرنانی چھوڑیں تو علمائے حنفیہ کے نزدیک تمام مال باپ کے لئے ہے اسلئے کہ جدہ قریبہ کی وجہ سے جدہ بعیدہ محجوب ہے یعنی دادی نے پرنانی کو محروم کر دیا ہے اور جدہ قریبہ یعنی دادی باپ کے وجہ سے محروم ہے۔

حسن بن زیاد نے حضرت علیؓ کے قول کے قیاس پر کہا ہے کہ جدات کی میراث پرنانی کے لئے ہے اگرچہ وہ دادی سے بعید ہے اسلئے کہ حضرت علی کا قول ہے کہ قریب درجے والی بعید درجے والی کو اوس وقت محروم کرتی ہے جبکہ اوسکو وراثت کا حق حاصل ہو اور یہاں قریب درجے والی باوجود موجود ہونے بیٹے کے وارث نہیں ہے گویا کہ یہ بمنزلے کافرہ اور کنیز کے ہے تو ایسی حالت میں جدات کا فرض بعید درجے والی کو ملے گا۔

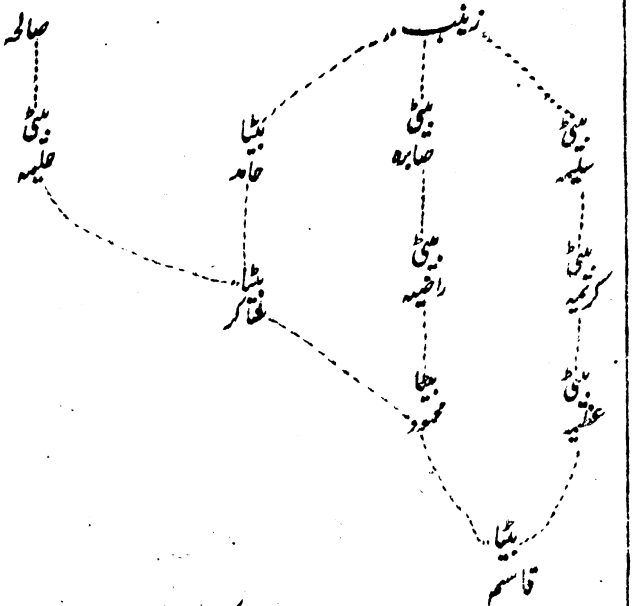
حنفیہ کی طرف سے دلیل یہ ہے کہ یہاں قریب درجے والی بعید درجے والی کے مقابلے میں وارث مان لی گئی ہے اور بعد وارث تسلیم کر چکنے کے باپ کی وجہ سے محروم ہو گئی ہے حتے کہ اگر یہاں باپ نہوتا تو میراث اسکو ملتی اس بنا پر بعید درجے والی قریب درجے والی کی وجہ سے محروم ہو جائے گی پھر قریب درجے والی اپنے بیٹے کے سبب سے محروم ہو جائے گی۔ پس کل مال اوسکے بیٹے کو جو میت کا باپ ہے ملے گا نظیر اسکی یہ ہے کہ یمین باوجود محروم و محجوب ہونے کے باپ کے سبب سے ماں کو تہائی سے چھٹے کی طرف محروم کر دیتی ہیں۔ واذا کانت الجدۃ ذات قرابۃ واحدۃ کام ام الاب والاخری ذات قرابتین او اکثر کام ام الام وھی ایضا ام الاب اگر ایک جدہ ایک قرابت والی ہو جیسے باپ کی ماں کی ماں (باپ کی نانی دوسری عبارت میں میت کی دادی کی ماں) اور دوسری جدہ دو قرابت والی یا تین قرابت والی مثلاً ماں کی ماں کی ماں (یعنی نانی کی ماں دوسری عبارت میں پرنانی) بھی ہے اور باپ کے باپ کی ماں (یعنی دادا کی ماں دوسری عبارت میں پردادی) بھی ہے بھذہ الصورۃ



بیان واضح یہ ہے کہ مثلاً ایک عورت نے جس کا نام زینب ہے اپنے پوتے شاکر بن حامد کا نکاح اپنی نواسی راضیہ بنت صابرہ سے کر دیا ان دونوں سے محمود پیدا ہوا تو زینب محمود کی دو قرابت والی جدہ ہے یعنی شاکر کے باپ کی دادی ہے اور اوسکی ماں راضیہ کی نانی بھی اور یہاں ایک اور دوسری عورت ہے۔ جس کا نام صالحہ ہے اس عورت نے اپنی بیٹی علیمہ کا نکاح اوس دو قرابت والی جدہ یعنی زینب کے بیٹے حامد سے کر دیا تھا اور اس نکاح سے وہی لڑکا پیدا ہوا تھا جو دو قرابت والی جدہ کا پوتا ہے اور اوس کا شاکر نام ہے اور یہ وہی شاکر ہے جو محمود کا باپ ہے۔ محمود مر گیا اور اوس کی وارث دو جدہ رہیں ایک زینب اور دوسری صالحہ۔ ان میں سے صالحہ محمود سے صرف ایک قرابت رکھتی ہے کہ اوس کے باپ شاکر کی نانی ہے اور زینب محمود مذکور کی دو جہت سے جدہ ہوتی ہے اس واسطے کہ اوس کے باپ کی طرف سے ام اب الاب یعنی پردادی بھی ہے اور ماں کی طرف سے ام ام الام یعنی پرنانی بھی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ باپ کی جانب سے تو اس لئے جدہ ہے کہ وہ متوفی کے دادا حامد کی ماں ہے اور ماں کی جانب سے اس لئے جدہ ہے کہ وہ متوفی کی نانی صابرہ کی ماں ہے پس یہ جدہ متوفی سے دو قرابت رکھتی ہے۔ اور یہ دونوں جدہ یعنی زینب اور صالحہ ایک مرتبے میں ہیں یعنی دونوں درجے میں متساوی اور برابر ہیں۔ اس صورت میں ظاہر ہو گیا کہ ایک قرابت والی جدہ دو قرابت والی جدہ کا جمع ہے اس شجرے سے یہ صورت خوب دل نشین ہو سکتی۔



یہ دوسری صورت ایک جہت والی جدہ اور تین جہت والی جدہ کی ہے جو ایک درجے کی ہیں۔ توضیح اس کی یہ ہے کہ زینب مذکورہ کی ایک بیٹی اور ہے جس کا نام سلیمہ ہے زینب نے سلیمہ کی نواسی یعنی علیمہ بنت کریمہ بنت سلیمہ کا محمود مذکور سے نکاح کر دیا ان دونوں سے قاسم پیدا ہوا پھر مر گیا تو زینب قاسم کی نانی کریمہ کی نانی ہوئی اور قاسم کے دادا یعنی شاکر کی دادی ہوئی اور قاسم کی دادی راضیہ کی نانی ہوئی تو زینب قاسم متوفی کی جدہ ٹھہری تین طرح کی قرابت سے اور صالحہ مذکورہ فقط ایک قرابت رکھتی ہے۔ کہ قاسم کے دادا یعنی شاکر کی نانی ہے اس صورت کو بطور شجرے کے لکھتا ہوں۔ اس بیان سے جس کی سمجھ میں بخوبی نہ آیا ہو وہ اس شجرے کو ملاحظہ کرلے۔



پس جس حالت میں کہ دو جدہ جمع ہوں جس میں ایک جدہ ایک قرابت والی ہو اور دوسری دو یا تین قرابت والی تو اس کا حکم یہ ہے جو مصنف بیان کرتے ہیں یقسم السدس بینہما عند ابی یوسف رحمہ اللہ انصافا باعتبار الابدان ایسی صورت میں امام ابو یوسف کے نزدیک تقسیم باعتبار ابدان کے نصفا نصف ہوگی ابو یوسف کی مراد یہ ہے کہ جدات اگر کئی ہوں اور کیسی ہی ہوں بشرطیکہ ایک درجے کی ہوں خواہ ایک جہت والی یعنی قرابت والی ہوں یا کئی جہت یعنی قرابت والی اور خواہ ابویات ہوں یعنی دادیاں یا امیات یعنی نانیاں سب اسی سدس کو آپس میں برابر بانٹ لیں انکے نزدیک جدات صحیحہ ایک قرابت والی اور کئی قرابت والی سب برابر ہیں۔ یعنی اسی سدس میں سب کو برابر سے گا نہ یہ کہ ایک جہت والی کم پاویں اور کئی جہت والی زیادہ پاویں اور یہی قول پر فتوے ہے۔ پس پہلی صورت میں سدس قرکہ محمود اور دوسری صورت میں سدس

ترکہ قاسم زینب اور صالحہ کو برابر ملے گا۔ وعند محمد رحمہ اللہ اثلاثا باعتبار الجہات اور امام محمدؒ کے نزدیک باعتبار جہت یعنی قرابت کے تقسیم ہوگی انکے نزدیک ایک جہت والی اور کئی جہت والی برابر نہیں بلکہ وہ اُس سُدس کو باعتبار جہات جدات کے تقسیم کرتے ہیں اور ایک جہت والیوں کو ایک حصہ اور دو جہت والیوں کو دو حصے اور تین جہت والیوں کو تین حصے دیتے ہیں علیٰ ہذا القیاس پس دو قرابت والی جدہ کو سدس میں سے دو ثلث اور ایک قرابت والی جدہ کو ایک ثلث ملیگا علیٰ ہذا القیاس تین قرابتوں کی صورت میں سدس میں سے تین قرابت والی کو تین ربع اور ایک قرابت والی کو ایک ربع ملے گا۔

غرضکہ پہلی صورت میں سدس ترکہ محمود کے تین حصے ہونگے۔ دو حصے زینب کو اور ایک حصہ صالحہ کو ملیگا اور دوسری صورت میں سدس ترکہ قاسم کے چار حصے ہونگے تین حصے زینب کو اور ایک حصہ صالحہ کو ملیگا۔

امام محمدؒ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ میراث کا استحقاق جہات قرابت کے اعتبار سے ہوتا ہے اشخاص کے اعتبار سے۔ دیکھو غلام اور کافر کیوں اسوجہ سے خارج نہیں ہیں تاکہ وہ شخص ہے بلکہ جبکہ اُسکو حق میں سبب استحقاق یعنی قرابت اور عصوبت معدوم ہو جاتی ہے تو وہ معدوم کی مانند قرار پاتا ہے کیونکہ سبب استحقاق باقی نہ رہنے سے استحقاق میراث اُٹھ جاتا ہے پس جس کے حق میں دو سبب جمع ہو جاویں تو بظاہر وہ ایک شخص قرار پائے گا لیکن حکم میں متعدد ہوگا کیونکہ اوسکے حق میں دو سبب جمع ہیں اس لئے ہر سبب کی وجہ سے اوسکے واسطے استحقاق ثابت ہوگا جیسے علیحدہ علیحدہ ایک ایک شخص کے لئے ایک ایک سبب پایا جاتا ہے تو کئی سببوں کے ایک شخص میں مجتمع ہونے کی صورت میں وہ بمنزلے کئی شخصوں کے مانا جائے گا۔ نظیر اُس کی یہ ہے کہ میت دو چچازاد بھائی چھوڑے جنمیں سے ایک ہوس کا اخیافی بھائی بھی ہو تو جو اخیافی ہوگا اوس کو میت کے مال میں سے چھٹا حصہ تو بطور فرض کے ملے گا۔ اور باقی ماندہ مال پھر دونوں پر نصفا نصف بطور عصوبت کے تقسیم ہو جائے گا۔ اسی طرح کوئی عورت اپنے بعد لیلے دو چچازاد بھائی وارث چھوڑے کہ ایک اُس کا شوہر بھی ہے تو مال مترکہ میں سے نصف تو شوہر کو بطور حصہ فرض کے دیا جائے گا اور باقی ماندہ مال عصوبت کے طور سے دونوں میں برابر بٹ جائے گا۔ پس جس جدہ میں ایک قرابت کی جہت ہوئی اوس کو ایک حصہ دیا اور جس میں دو جہتیں قرابت کی متفق احد مجتمع ہوئیں گو بظاہر وہ ایک ہے مگر حقیقت میں متعدد ہے تو اوسکو دو حصے دئے کیونکہ وہ مستحق میراث کی دو جہت سے ساتھ ہی ہے۔

ابو یوسف کے قول پر دلیل یہ ہے کہ جدات کا استحقاق نسبت کی وجہ سے نہیں ہے کیونکہ عورتوں کے ساتھ جہت کا انتساب رکھتا استحقاق میراث میں عورتوں کے لئے ایسا اثر نہیں کرتا جتنا کہ مردوں کے ساتھ انتساب رکھنے سے اُن مردوں کے حق میں اثر ہوتا ہے۔ پس جدہ خواہ ایک جہت سے ہو یا کئی جہت سے ہو ہر صورت میں اوسکی میراث کے استحقاق میں تعدد حاصل نہ ہوگا ہاں اگر جہت کے ساتھ نام کا بھی تعدد ہو تو البتہ استحقاق میراث کا بھی متعدد ہوگا اور اگر نام متعدد نہیں تو جہت کا تعدد جہت واحدہ کی مثل ہے اور یہاں اسی طرح ہے کہ دو قرابت والی کو بھی ایک قرابت والی کی طرح جدہ کہتے ہیں۔

تعدد جہت کی وجہ سے نام متعدد نہیں ہو سکتا جو عورت دو قرابتوں کی وجہ سے یا زیادہ قرابتوں کی وجہ سے

بھی ہوگی تو اوس کو جدہ ہی کہا جائے گا جس طرح ایک قرابت والی کو جدہ کہتے ہیں۔ بخلاف اوس چچازاد بھائی کے کہ جو اخیافی بھائی بھی ہے کہ یہاں ماں کے تعدد سے جہات میں تعدد پیدا ہو گیا ہے۔ پس اخیافی بھائی ہونے کی جہت چچازاد بھائی ہونے کی قرابت سے علیحدہ ہے۔ اور سبب استحقاق میں مساوات کے ہونے سے استحقاق میں مساوات واجب ہوتی ہے اس لئے کہ ہر ایک ان جہات میں سے استحقاق کے لئے علت تامہ ہے اور علت کے متعدد ہونے سے استحقاق میں زیادتی پیدا نہیں ہوتی جیسے ایک شخص اپنے حق پر دو گواہ گذارے۔ اور دوسرا شخص اپنے حق پر دس گواہ گذارے تو اقامت شہود کو دونوں کے حق میں مساوی سمجھا جائے گا۔ اسی طرح کسی نے ایک شخص کے ایک زخم لگایا اور اوس زخمی کے کسی نے دس زخم لگائے تو دونوں زخمی کرنے والوں پر دیت نصفا نصف عائد ہوگی۔

فتوے امام ابو یوسف کے قول پر ہے اور یہی مذہب امام ابو حنیفہ کا ہے۔ مصنف نے ابو یوسف کے ساتھ امام ابو حنیفہ کا ذکر نہیں کیا اور اسکی شرح ضوء السراج میں کہا ہے قال شمس الائمۃ السرخسی لم یروایۃ فیہ عن ابی حنیفۃ وذکر فی فرائض الحسن بن عبداللہ بن عبد الرزاق الشافعی من اصحاب الشافعی عند ذکر قول ابی یوسف وبہ قال ابو حنیفۃ والمالک والشافعی۔

یعنی شمس الائمہ سرخسی کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ سے تعدد قرابتیں احدے الجدتین میں کچھ روایت نہیں ہے لیکن فرائض حسن بن عبد اللہ بن عبد الرزاق شافعی شافعی المذہب میں مذکور ہے کہ ابو حنیفہ اور مالک اور شافعی کا قول ابو یوسف کے قول کی مانند ہے۔ شیخ الاسلام نے شرح سراجیہ میں لکھا ہے کہ صاحب منظومہ نے اس مسئلے کو امام محمد کے باب میں اور امام ابو حنیفہ و امام ابو یوسف کے خلاف لکھا ہے۔ اور شارحون نے تصریح کی ہے کہ ابو حنیفہ ابو یوسف کے موافق ہیں۔ اور تائید اس امر کی اس سے ہوتی ہے کہ امام ابو حنیفہ و امام ابو یوسف مسئلہ ذوی الارحام میں متفق ہیں۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ یہ بات صحیح ہے **سوال** قنے جو کہا ہے کہ نسبت کا استحقاق میراث میں اعتبار نہیں یہ متناقض ہے تمہارے اوس قول کے جو تحفے نسبت کا عجب میں لحاظ کیا ہے **جواب** عجب کا حکم غیر ہے استحقاق میراث جدات کے حکم سے اور کسی حکم سے دوسرے حکم پر استدلال کرنا اوس وقت جائز ہے کہ اون میں مساوات پائی جائے۔

باب العصبات

باب عصبات کے مسائل میں

اتقان میں ہے کہ عصبات جمع ہے عصبہ کی اور عصبہ مطلقاً لغت میں عبارت ہے محیط باشے سے اور احاطے کے معنے عصبہ شرعی میں موجود ہیں۔ کیونکہ عصبات میت کو ہر طرف سے گھیرے ہوتے ہیں۔ اصطلاح شرعی میں عصبہ وہ شخص ہے کہ جس کا حصہ کوئی مقرر نہیں۔ بلکہ اصحاب فرائض کو دیکر جو کچھ بچے اوس کے واسطے ہے اور جب وہی تنہا ہو تو کل مال لیلے اور ذوی الفروض سے کچھ نہ بچے تو عصبہ محروم رہتا ہے اوس کے لئے محول نہیں ہوتا۔ عصبہ صرف فریق پدر میں ہوتا ہے فریق مادر میں متصور نہیں قوی اسباب ارث سے عصوبت ہے کیونکہ عصوبت

کی وجہ سے آدمی تمام مال کا وارث بن جاتا ہے اور آدمی فریضے کی وجہ سے تمام مال کا مستحق نہیں ہوتا اور عصوبت کے سبب ارث ہونے میں سب کا اجماع ہے اور رحم میں یہ بات نہیں اسلئے عصوبت تمام اسباب ارث میں اقوے ہے۔ پیغمبر خدا نے فرمایا ہے الحقوا الفرائض باھلھا فما بقی فھو لاولی رجل ذکر کو خطابی نے کہا ہے کہ اولے رجل ذکر کے یہ سنتے ہیں کہ عصبوں میں سے جو مرد قریبی ہو وہ مستحق ہوتا ہے اور ابن بطال نے کہا ہے کہ فرائض کے ادا کرنے کے بعد اگر جیسے مردوں تو ان میں سے جو میت کا زیادہ قریبی ہو وہ مستحق ہوتا ہے اور بعید محروم ہوتا ہے۔ اور قرب میں مساوی ہوں تو وہ سب باقی ترکے میں شریک ہوتے ہیں اور ابن تین نے کہا ہے کہ اس سے مراد چچا پھپی کے ساتھ اور بھتیجا بھتیجی کے ساتھ اور حقیقی بھائی حقیقی بہن کے ساتھ ہیں۔ پس ان صورتوں میں مرد وارث ہوتے ہیں عورتیں وارث نہیں ہوتیں۔ اور بہن اور بھائی حقیقی یا پدری ہوں تو اس صورت میں بہنیں محروم نہیں ہوتیں کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے وان کانوا اخوۃ رجالا و نساءً فللذکر مثل حظ الانثیین یعنی اگر وارث بہن بھائی مرد اور عورتیں ہوں تو مرد کو دو عورتوں کے حصے کی برابر ملے گا اور اسی طرح بہن بھائی مادری کہ وہ بھی آپس میں شریک ہوتے ہیں فان کانوا اکثر من ذلک فھم شرکاء فی الثلث یعنی اگر وہ مادری بہن بھائی ایک سے زیادہ ہوں تو وہ سب تہائی میں شریک ہیں اور یہ صورتیں پہلی صورتوں سے مستثنےٰ ہیں۔ عزمنکہ عورت عصبہ نہیں ہوتی مگر بالتبع اصل میں مرد عصبہ ہے۔ عصوبت کے چار سبب ہیں بیٹا ہونا۔ پھر باپ ہونا۔ پھر بھائی ہونا۔ پھر چچا ہونا۔ العصبات النسبیۃ مصنف نے عصبۂ نسبی کو عصبۂ سببی پر اسواسطے مقدم کیا کہ نسبی قوی ہے سببی سے اسواسطے کہ عصبۂ نسبی وہ ہے جسکو عصوبت بوجہ قرابت کے حاصل ہوتی ہے جیسے بیٹا پوتا وغیرہ اور عصبۂ سببی وہ ہے جسکو عصوبت بوجہ آزاد کرنے کے حاصل ہوتی ہے اس کو معتق (نانے) فوقانی کے کسرے) اور موالے المناقد بھی کہتے ہیں ثلثۃ یعنی عصبہ بنفسہ کی تین قسمیں ہیں کیونکہ عصبات نسبیہ کا حصر عدد میں نہیں ہوتا بلکہ جنس میں ہوتا ہے اور اس کی تین قسمیں ہیں۔ عصبہ بنفسہ وعصبہ بغیرہ وعصبہ مع غیرہ عصبۃ بنفسہ یعنی ایسا عصبہ کہ جس کے عصبہ ہونے میں غیر کو دخل نہیں وہ خود ہی اپنی ذات سے عصبہ ہوتا ہے اور اس کی تعریف یہ ہے کہ عصبہ بنفسہ وہ مرد ہے جس کی نسبت میت کی طرف عورت واصل نہو۔ دوسری عبارت میں عصبہ بنفسہ ایسا مرد ہے کہ جس کی نسبت میت کی طرف مرد ہی مرد ہوں یوں بھی تعریف کرتے ہیں کہ عصبہ بنفسہ وہ ہے جو میت کا جزء ہو یا میت کی اصل ہو یا اوس کی اصل کا جزء ہو یا اوس کے جزء قریب کا جزء ہو عصبہ بنفسہ اوس کا مال کو لیتا ہے جو فرائض سے باقی رہگیا یعنی جو اہل فرض کو دیکر مال باقی رہا اوس باقی سب مال کو عصبہ بنفسہ لیگا خواہ جمیع اہل فروض ہوں یا ایک اور عصبہ بنفسہ تنہائی کی حالت میں تمام مال ایک جہت سے لیتا ہے۔ یعنی اگر اہل فروض نہو فقط عصبہ بنفسہ ہو تو وہ سب مال فقط ایک عصوبت کی جہت سے لیگا اور جہت کی قید اسواسطے لگائی تاکہ یہ اعتراض وارد نہو کہ صاحب فرض بھی تو سب مال لیتا ہے جبکہ اوس کے ساتھ عصبہ نہو اسلئے کہ اہل فرض کو استحقاق بعض مال کا فرضیت کے سبب سے ہے اور باقی مال کا اوس کی طرف رد ہونے کے سبب سے ہے تو ایک جہت سے اوس نے سب مال نہ پایا بلکہ وہ جہت سے برخلاف عصبہ بنفسہ کے کہ وہ فقط عصوبت

کی ایک ہی جہت سے تمام مال کو لیتا ہے **وعصبۃ بغیرہ** یعنی ایسا عصبہ جو کسی غیر کے سبب سے عصبہ بنے تعریف عصبہ بغیرہ کی یہ ہے کہ وہ ایک ایسی عورت ہے کہ کسی مرد کے ذریعے سے جو اوس کے درجے میں ہو۔ عصبہ بنے جیسے بیٹیاں بیٹوں کے ساتھ اور بہنیں بھائیوں کے ساتھ دوسری عبارت میں عصبہ بغیرہ ایک عورت ہے جو ایسے مرد کے ذریعے سے عصبہ بنتی ہے جو اوس کے مقابلے کا ہوتا ہے جیسے بیٹے کے ہمراہ بیٹی اور پوتے کے ہمراہ پوتی اور سگی یا سوتیلی بہن اپنے بھائی کے ساتھ یوں بھی تعریف کرتے ہیں کہ عصبہ بغیرہ وہ عورت ہے جس کا فرض نصف یا دو ثلث ہو اور اپنے بھائیوں کے ساتھ عصبہ بنے **وعصبۃ مع غیرہ** یعنی ایسا عصبہ جو غیر کے ساتھ عصبہ بنے اسکی تعریف یہ ہے کہ وہ عورت ہے جو دوسری عورت کے ذریعے سے عصبہ بنے جیسے بیٹیاں بہنوں کے ساتھ اور حقیقی یا سوتیلی بہنیں میت کی بیٹیوں اور پوتیوں کے ساتھ عصبہ بغیرہ اور عصبہ مع غیرہ میں یہ فرق ہے کہ عصبہ بغیرہ میں جو غیر ہوتا ہے وہ بذات خود عصبہ ہوتا ہے۔ پھر اوس کی وجہ سے عصوبت اوس کے ساتھ والی عورت کی طرف پہنچتی ہے اور عصبہ مع غیرہ میں دونوں عورتوں میں سے کوئی بذات خود عصبہ نہیں ہوتی بلکہ دونوں کے ملنے سے عصوبت پیدا ہو جاتی ہے یا یوں سمجھو کہ اس عصبہ کی عصوبت اس غیر کی عصوبت کو جامع ہوتی ہے یعنی دونوں ملکر عصبہ بنتے ہیں اور یہ غیر اپنی ذات سے عصبہ نہیں ہوتا۔

اور بعض کہتے ہیں کہ معنے کی رو سے دونوں ایک ہیں۔ فقط اصطلاحی فرق ہے یعنی عصبہ بغیرہ غیر کے ساتھ اوس وقت تک عصبہ نہیں بن سکتا کہ وہ غیر عصبہ نہ دے اور مع غیرہ وہ ہے کہ غیر عصبہ فی نفسہ نہیں ہوتا جیسے بہنیں بیٹیوں کے ساتھ کہ بیٹیاں عصبہ نہیں ہیں اور باوجود اس کے جب یہ دونوں جمع ہوں تو بہنیں عصبہ بن جاتی ہیں اور اس تیسری قسم کو جو مع کے لفظ سے تعبیر کیا ہے تو وجہ اسکی یہ ہے کہ آنحضرت کے اس قول کی اتباع کی ہے۔ **الحقوا الاخوات مع البنات عصبۃ**۔ یعنی بہنوں کو بیٹیوں کے ساتھ عصبہ قرار دو عصبہ بغیرہ و مع غیرہ تمام احکام میں عصبہ بنفسہ کی طرح ہیں مگر فرق یہ ہے کہ اگر یہ تنہا ہوں تو تمام ترکہ نہیں لے سکتے۔ عصبہ مع غیرہ کی نظیر یہ ہے کہ ایک شخص مرا اور اوسنے ایک بیٹی اور ایک حقیقی یا سوتیلی بہن چھوڑی اور ایک حقیقی یا علاتی بھائی چھوڑا تو بیٹی کو نصف ملے گا اور باقی بہن اور بھائی کو تین حصے ہو کر پہنچے گا۔ **اما العصبۃ بنفسہ فکل ذکر لا تدخل فی نسبتہ الی المیت انثی** یعنی عصبہ بنفسہ وہ ہر ایک مرد ہے جسکے رشتے میں میت کی طرف عورت نہ داخل ہو مرد کی قید سے عورت نکل گئی کہ وہ عصبہ بنفسہ نہیں ہوتی بلکہ عصبہ بغیرہ ہوتی ہے اور مع غیر ہا ہوتی ہے پھر اگر نسبت الی المیت میں عورت داخل ہوئی تو وہ عصبہ نہ ہوگا جیسا کہ بردار اخیافی یعنی مادری بھائی کہ وہ صاحب فرض ہے نہ عصبہ اور ماں کا باپ اور بیٹی کا بیٹا (یعنی نانا اور نواسہ) اسواسطے کہ وہ دونوں ذوی الارحام سے ہیں نہ صاحب فروض نہ عصبہ **وھم اربعۃ اصناف** عصبہ نسبی کی چار قسمیں ہیں۔

لورد السید میں ہے کہ شافعی کے نزدیک عصوبت کی جہات سات ہیں (۱) بیٹا ہونا (۲) باپ ہونا (۳) دادا ہونا (۴) بھائی ہونا (۵) بھتیجا ہونا (۶) چچا ہونا (۷) چچازاد ہونا۔

یہی مالکیہ کا مختار ہے اور حنابلہ کے نزدیک عصوبت کی جہات چھ ہیں۔ ابوحنیفہ نے پانچ جہات قرار دئے ہیں (۱) بیٹا ہونا (۲) باپ ہونا (۳) بھائی ہونا (۴) چچا ہونا (۵) ولاء۔ انھوں نے بیت المال کو ساقط کر دیا اور دادا ہونے کو باپ ہونے میں ملا دیا اور بھائی کی اولاد کو بھائیوں میں شامل کر دیا۔ شرح الفصول میں لکھا ہے کہ مراتب جہات عصوبت کے سات ہیں۔ بیٹا ہونا پھر باپ ہونا پھر دادا اور بھائی ہونا۔ دادا بھائی دونوں ایک مرتبے میں ہیں۔ پھر بھتیجا ہونا۔ پھر چچا ہونا۔ پھر اسلام دادا ہونا اور بھائی ہونا اسلئے ایک مرتبے میں ہے کہ بھائی اور جو بھائی کی طرف انتساب رکھتے ہیں اگر دونوں منفرد ہوں تو مال کے دو حصے ہو کے آدھا آدھا دونوں پر تقسیم ہوگا برابر ہے کہ بھائی حقیقی ہو یا علاتی اور برابر ہے کہ جد دادا ہو یا اوس سے بھی اونچے درجے کا کیونکہ ہر طرح دادا اور پردادا وغیرہ پردادا ہونا صادق ہے۔ اور بھائی کے بیٹے کی جہت کو بھائی کے بعد اس لئے علیحدہ شمار کیا کہ بھائی کا بیٹا دادا سے محجوب ہو جاتا ہے۔ برخلاف بھائی کے کہ وہ دادا کے مشارک ہے

جزء الملیت ایک صنف میت کی فرع ہے یعنی وہ لوگ جو اوس کی اولاد میں ہیں مراد اس سے بیٹے ہیں خواہ بلا واسطہ ہوں۔ یا بواسطہ دوسری قسم میں پوتے اور پردوتے داخل ہیں کیونکہ مجازاً پوتے پر بیٹے کا اطلاق ہوتا ہے۔ قرآن میں ہے یا بنی آدم اور ظاہر ہے کہ نزول قرآن کے وقت آدم کی صلبی اولاد موجود نہ تھی اکیلا بیٹا ہو تو وہ تمام مال لیتا ہے اور یہ قرآن کے اشارۃ النص سے ثابت ہے اسواسطے کہ اوس میں آیا ہے۔ للذکر مثل حظ الانثیین یعنی مرد کے لئے دو عورتوں کے برابر ہے پھر ایک عورت کے لئے نصف مقرر کیا ہے۔ چنانچہ کہا ہے وان کانت واحدۃ فلھا النصف یعنی اکیلی لڑکی ہو تو اوسکے لئے آدھا ترکہ ہے اس سے ثابت ہوا کہ لڑکے کے لئے اس سے دونا ہوگا اور نصف کا دونا تمام ہوتا ہے۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ لیسرون کے لئے نصف ہے اور دلیل اون کی آیت کا ظاہر ہے کیونکہ اللہ نے دو خترون کے استحقاق میں اگر دو سے زیادہ ہوں تو دو ثلث کی شرط کی ہے اور معلق بالشرط کا وجود قبل شرط کے معدوم ہے ہماری حجت یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے جبکہ فرمایا ہے کہ مرد کے لئے عورت سے دونا ہے۔ تو اوس نے مرد کے لئے اختلاط کی حالت میں دو لڑکیوں کی برابر حصہ مقرر کیا ہے۔ اور کم سے کم اختلاط یہ ہے کہ ایک لڑکا اور ایک لڑکی جمع ہو اور اب لڑکے کے لئے بالاتفاق دو ثلث ہیں۔ پس سمجھ لیا کہ لڑکیوں کا حصہ دو ثلث ہے اور جبکہ دو لڑکیوں کا حصہ اس اشارے سے معلوم ہو گیا تو اللہ نے دو لڑکیوں کا حصہ بھی ذکر نہیں کیا اور دو سے زیادہ کا حصہ ذکر کر دیا ثم اصلہ دوسری صنف میت کے اصول یعنی وہ لوگ جن کی اولاد میں میت ہے اور بے واسطہ یا بواسطہ باپ ہے دوسری قسم میں اجداد داخل ہیں **وجزء ابعیدہ** تیسری صنف فرع پدر کی یعنی وہ لوگ جو میت کے باپ کی اولاد میں ہیں جیسے بھائی بھتیجے اور بھتیجوں کی اولاد **وجزء اجد الاقرب** چوتھی صنف فرع جد کی یعنی وہ لوگ جو میت کے دادا کی اولاد میں ہیں جیسے چچا اور چچا کی اولاد اسی میں داخل ہیں میت کے باپ اور دادا اور پردادا کے چچے اور اسی طرح انکی اولاد ہمیشہ ان چاروں اصناف کے خصوصیت میں عورت

عصبہ نہیں مگر صنف اول میں بیٹیاں اور صنف سوم میں بہنیں مرد کے ساتھ عصبہ ہو جاتی ہیں چنانچہ اس کا بیان احوال بنات اور اخوات میں ہو چکا۔

ان چاروں صنفوں میں سے کسی صنف کا آدمی تنہا ہو تو سارا مال اوسے ملے گا اور جو کئی ہوں تو موافق دستور کے اُن پر تقسیم ہو گا اور کئی صنفیں جمع ہو جائیں تو انکے چار حال ہیں (۱) رشتہ داری کی جہات میں تعدد ہو تو اس صورت میں پہلی صنف کو دوسری صنف پر اور دوسری کو تیسری پر اور تیسری کو چوتھی پر ترجیح ہو گی (۲) رشتے میں اتحاد ہو لیکن رشتہ داری کے درجات میں تفاوت ہو تو جس کو میت سے زیادہ قرب ہو گا اوس کو دور والے پر ترجیح ہو گی مثلاً بیٹا پوتے سے اور باپ دادا سے اور دادا پر دادا سے ترجیح رکھتے ہیں اسی پر اور نکو قیاس کر لو (۳) رشتہ داری کی جہت میں اتحاد ہو لیکن قوت قرابت میں تفاوت ہو مثلاً بعض حقیقی ہوں۔ اور بعد سوتیلے تو حقیقی کو ترجیح ہو گی (۴) تینوں باتوں میں اتحاد ہو تو ایسی صورت میں مال اون پر باعتبار رؤس کے تقسیم ہو گا نہ اصول کے اعتبار سے چنانچہ مصنف اس کا حال یوں بیان کرتے ہیں الاقرب فالاقرب یحجبون بقرب الدرجۃ یعنی عصبات میں یہ چاروں اصناف جمع ہوں تو زیادہ تر قرابت دار کی تقدیم ہو گی پھر اوس کے بعد جو اوس سے فروتر ہے وہ مقدم ہو گا موافق اس ترتیب مذکور کے یعنی عصبات میں جو سب سے اقرب ہے وہی پاتا ہے اور قرب عام ہے اس سے کہ حقیقی ہو جیسے بیٹا اپنے بیٹے کے ساتھ یا باپ دادا کے ساتھ جمع ہوں تو میت کے بیٹے کو پوتے پر اور باپ کو دادا پر تقدیم ہو گی یا قرب حکمی ہو جیسے میت کا بیٹا میت کے باپ کے ساتھ جمع ہو تو بیٹا اقرب مانا جائے گا باوجودیکہ بیٹا حقیقۃً باپ کے مقابلے میں اقرب نہیں ہوتا کیونکہ دونوں کا اتصال میت سے بلا واسطہ ہے۔

لیکن میت کا بیٹا حکماً میت کے باپ سے میت کی طرف زیادہ قرب رکھتا ہے کیونکہ فرع کا اتصال اصل سے بہ نسبت اصل کے اتصال کے فرع سے اظہر ہے اعنی اولی ھم بالمیراث جزء المیت ای البنون ثم بنوھم وان سفلوا یعنی ان میں سے اولے تر میراث پانے کے لئے جزو میت ہے یعنی میت کے بیٹے اونکے بعد میت کے پوتے اگرچہ سافل ہوں یعنی پڑوتے اور پوتے کا پوتا۔

تقدیم بیٹے کی باپ پر میراث میں نقلاً اور عقلاً ثابت ہے دلیل نقلی تو قرآن مجید میں موجود ہے یعنی باپ کا حصہ مقرر فرمایا اور بیٹے کا حصہ مقرر نہیں کیا تاکہ وہ باقی مال بطریق عصوبت کے پاوے اور دلیل عقلی یہ ہے کہ انسان مال کے صرف کرنے میں ولد کو اپنے والد پر مقدم جانتا ہے اور محنت کشی سے مال فرزند کے واسطے حاصل کرتا ہے تو مقتضا اس کا یہ ہے کہ اوس کا مال فرزند سے تجاوز کر کے اوس کے باپ کو نہ پہنچے۔

لیکن نص قرآنی نے بمقدار حصہ پدری (چھٹا) کے اوس کے مقتضا کو ترک کیا تو باقی مال میں اوسکی خواہش دلی کو باقی رکھا دوسری وجہ عقلی بیٹوں کی تقدیم کی باپ پر یہ ہے کہ فرع کا اتصال اپنی اصل کے ساتھ زیادہ روشن ہے بہ نسبت اتصال اصل کے اپنی فرع کے ساتھ دیکھو فرع اصل کی تابع

ہوتی ہے۔ اور اصل کے ذکر کے ضمن میں اوس کا ذکر آجاتا ہے اور برعکس اس کے فرع کے ذکر میں اصل کا ذکر مذکور نہیں ہوتا۔ چنانچہ تعمیر اور درخت زمین کی بیع میں داخل ہوتے ہیں۔ اور درخت یا تعمیر کی بیع میں زمین داخل نہیں سمجھی جاتی **ثم اصله ای الاب** پھر فروع کے بعد اصل میت یعنی باپ مقدم ہوگا یعنی اگر میت کا بیٹا یا پوتا یا پردادا کوئی باقی نہیں ہے تو میت کا باپ عصبہ ہوکر مترد کرلیگا **ثم الجد ای اب الاب وان علا** پھر باپ کے بعد جد صحیح مقدم ہے۔ یعنی باپ کا باپ جسکو دادا کہتے ہیں اگرچہ جد ادنیٰ ہو یعنی پردادا کا باپ وغیرہ وغیرہ اور ماں کا باپ تو جد صحیح نہیں بلکہ جد فاسد ہے **ذوی الارحام** میں داخل ہے نہ عصبات میں **ثم جزء ابیه ای الاخوة** پھر جد صحیح کے بعد میت کے باپ کا جزء یعنی سگا بھائی میت کا مقدم ہے پھر اوس کے بعد سوتیلا بھائی مقدم ہے بھائیوں کی تاخیر دادا سے اگرچہ عالی ہوا بوحنیفہ کا قول ہے اور یہی قول مختار ہے فتوے کے واسطے صاحبین اور امام شافعی اوس کے خلاف ہیں۔

بعض نے کہا ہے کہ صاحبین کے قول پر فتوے ہے۔ یعنی بھائی مقدم ہیں دادا پر اور حق یہ ہے کہ امام ہی کا قول معتمد ہے **ثم بنوهم** پھر بھائی کے بعد اوس کی اولاد مذکور یعنی بھائی کے بعد سگے۔ بھائی کا بیٹا مقدم ہے پھر اوس کے بعد سوتیلے بھائی کا بیٹا مقدم ہے **وان سفلوا** اگرچہ بھتیجا نیچے درجے کا ہو۔

سفلوا سے مراد بھتیجے کے بیٹے یا پوتے ہیں سوتیلے بھائی کے سگے بھتیجے پر مقدم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بھائی کو میت سے زیادہ قرب حاصل ہے کہ وہ ایک ذریعے سے اتصال رکھتا ہے اور بھتیجے اور میت کے درمیان دو واسطے ہیں **ثم جزء جد ه ای الاعمام** پھر بھتیجوں کے بعد دادا کی اولاد یعنی سگا چچا مقدم ہے۔ پھر اوس کے بعد سوتیلا چچا پھر باپ کا چچا مقدم ہے پھر دادا کا چچا مقدم ہے۔ چچوں کی تاخیر بھائی بھتیجوں سے اُن کے درجات کی دوری کی وجہ سے ہے **ثم بنوهم وان سفلوا** پھر اعمام کے بعد اون کی اولاد ذکور کتنے ہی نیچے درجے کی ہو اس ترتیب سے کہ اول سگے چچا کا بیٹا مقدم ہے پھر اوسکے بعد سوتیلے چچا کا بیٹا پھر پہلے بھائیوں کے ساتھ ہونے سے مراد اون کے بیٹے یا پوتے ہیں کہ یہ سب اعمام پدری سے مقدم ہیں پھر بنی اعمام کے بعد باپ کا سگا چچا مقدم ہے۔ پھر اوس کا سوتیلا چچا مقدم ہے پھر اعمام پدری کے بعد باپ کے سگے چچا کا بیٹا مقدم ہے۔ پھر اوس کے بعد سوتیلے چچا کا بیٹا جد کے اعمام پر مقدم ہے۔ پھر بنی اعمام پدری کے بعد دادا کا سگا چچا مقدم ہے۔ پھر اوسکے بعد دادا کا سوتیلا چچا پھر ان کا بیٹا اوسی طرح مقدم ہے۔ یعنی سگا سوتیلے سے مقدم ہے۔

اگرچہ عم پدری کے فرزند اور عم جدی کے فرزند داخل ہوں اور اگر ایک درجے کے عصبات کی جماعت مجتمع ہو تو مال مترد کہ اون پر باعتبار اُنکے ابدان کے قسمت ہوگا نہ باعتبار اون کے اصول کے مثلاً میت کے ایک بھائی کا ایک بیٹا موجود ہے اور دوسرے بھائی کے دس بیٹے موجود ہیں تو مال کے گیارہ حصے ہونگے کہ ہر ایک کو ایک سہم دیا جائے گا اگر اصول کا اعتبار ہوتا تو ایک بھائی کے نصف

اور دوسرے کے لئے نصف ہو کر ایک نصف اوس کے ایک بھائی کے ایک بیٹے کو دیا جاتا اور دوسرا نصف اوس کے دوسرے بھائی کے دس بیٹوں کو دیا جاتا لیکن یہ نہیں ہوگا۔ بلکہ تمام مال کے گیارہ حصے ہو کر ہر ایک بیٹے کو ایک حصہ دیا جائے گا **قولہ** یعنی بعد اس کے کہ نزدیک کے درجے والا ترجیح رکھتا ہے بعید کے درجے والے پر **یرجحون لقوۃ القرابۃ** ایک درجے والوں میں یا اعتبار قوت قرابت کی ترجیح ہوتی ہے۔ تفصیل مقام کی یہ ہے کہ درجے سے مراد قربات کی جہت ہے یعنی تقدیم میں اول جہت معتبر ہے تو جزئیت کی جہت میت کی اصل کی جہت پر مقدم ہے۔ پھر جبکہ جہت متحد ہو اور دو عصبہ میں سے ایک عصبہ میت سے زیادہ تر قریب ہو چنانچہ جزئیت میں بیٹا اور پوتا یکساں ہے۔ لیکن پوتے کی نسبت بیٹا قریب تر ہے تو اب تقدیم قربت کی وجہ سے معتبر ہوگی اسی طرح باپ کو دادا پر تقدیم ہوگی اور دادا کو پردادا پر اور بھائی کو بھتیجے پر اور چچا کو چچا کے بیٹے پر اور چچا کے بیٹے کو باپ کے چچا پر اور باپ کے چچا کے بیٹے کو دادا کے چچا پر اور دادا کے چچا کو دادا کے چچا کے بیٹے پر وغیرہ وغیرہ۔

پھر جبکہ قربت میں بھی عصبات برابر ہوں تو اب تقدیم میں قرابت کی قوت معتبر ہوگی جیسا کہ مصنف نے بیان کیا ہے اور قوت قرابت کبھی شدت اتصال کی وجہ سے ہوتی ہے چنانچہ بیٹے کے ہوتے ہوئے پوتا محروم ہے اور باپ کے ہوتے ہوئے دادا محروم ہے اسواسطے کہ بیٹے کو بہ نسبت پوتے کے اور باپ کو بہ نسبت دادا کے اتصال زیادہ ہے اور سگے اور سوتیلے ہونے کے سبب سے بھی قوت قرابت کی ترجیح ہوتی ہے۔ چنانچہ حقیقی بھائی یا حقیقی چچا کے ساتھ علاتی بھائی اور چچا محروم ہیں اسی طرح حقیقی چچا کے بیٹے کے ہوتے سوتیلے چچا کا بیٹا محروم ہے اسواسطے کہ حقیقی کی قرابت قوی ہے بہ نسبت علاتی کے۔ پس عصبات میں سے جو عصبہ میت کا سگا ہوگا وہ سوتیلے پر مقدم ہے اگرچہ عصبہ قوی القرابۃ عورت ہی کیوں نہ ہو جیسے سگی بہن بیٹی کے ساتھ مقدم ہے سوتیلے بھائی پر سگے اور سوتیلے کے ہونے کی وجہ سے قرابت کی قوت صرف بھائیوں اور بھتیجوں اور چچوں اور چچیرے بھائیوں میں پائی جاتی ہے اور فروع اصول میں قوت قرابت کا یعنی سگے اور سوتیلے کا اعتبار نہیں ہو سکتا۔

مصنف نے قوت قرابت کی یوں تفسیر کی ہے **اعنی بہ ان ذا القرابتین اولی من ذی قرابۃ واحدۃ** یعنی دو قرابت والے کو ایک قرابت والے پر تقدیم ہوتی ہے یعنی درجہ برابر ہونے کی صورت میں دو قرابت والے کو ترجیح ہے ایک قرابت والے پر اور درجے میں تفاوت ہونے سے اعلے یعنی اقرب مقدم ہوتا ہے۔ برابر درجے کی مثال چنانچہ دو بھائی ہیں ایک سگا اور دوسرا سوتیلا تو سگا مقدم ہوگا کیونکہ یہ دو طرف سے قرابت رکھتا ہے باپ کی طرف سے بھی اور ماں کی طرف سے بھی اور سوتیلا فقط ایک قرابت رکھتا ہے باپ کی طرف سے نہ ماں کی طرف سے اور تفاوت درجہ کی مثال یہ ہے کہ سوتیلا بھائی اور سگے بھائی کا بیٹا جمع ہوں تو سوتیلا بھائی قریب ہونے کی وجہ سے سگے بیٹے پر مقدم ہوگا **ذکرا کان او انثی** دو قرابت والا خواہ مرد ہو یا عورت ہو **(سوال)** یہ بحث عصبہ بنفسہ کی ہے اور وہ منحصر ہے مرد میں عورت عصبہ بنفسہ نہیں ہوتی۔ پس مصنف نے ذکرا کان او انثی کیوں کہا۔

(جواب) وجہ اس کی یہ ہے کہ جب مصنف نے آگے چلکر یہ بیان کیا ہے کہ سگی بہن جب بیٹی سے ملکر عصبہ بن جاتی ہے تو وہ بھی سوتیلے بھائی سے مقدم ہوتی ہے اس لئے یہ قید لگائی لقولہ علیہ السلام ان اعیان بنی الام یتوارثون دون بنی العلات ترجیح مذکور کی دلیل یہ قول رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ کہ تحقیق عینی بھائی وارث ہوتے ہیں نہ علاتی بھائی اعیانی وہ بھائی ہیں جو باپ اور ماں دونوں میں شریک ہوں اور علاتی وہ بھائی ہیں جن کا باپ ایک ہو اور مائیں جدی جدی۔

یہ حدیث جامع ترمذی میں علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور مطلب یہ ہے کہ حقیقی بھائی بہنیں میراث کے باب میں سوتیلے بھائی بہنوں سے اولے ہیں اور لفظ اُمّ (یعنی ماں) کے ذکر سے یہاں اوس چیز کا اظہار مقصود ہے جس کی وجہ سے حقیقی بھائیوں کو سوتیلوں پر ترجیح ہوتی ہے۔

ابن ماجہ کی سنن اور ابو داؤد کی مسند میں بھی یہ حدیث کچھ اضافے کے ساتھ آئی ہے۔ اور تیسیر میں اس کا تتمہ یوں ہے الرجل یرث اخاہ لابیہ وامہ دون اخیہ لابیہ یعنی آدمی وارث ہوتا ہے اپنے بھائی کا جو ماں باپ دونوں کی طرف سے ہو نہ وہ بھائی جو صرف باپ کی طرف سے ہو۔ یعنی عینی بھائی کے ہوتے علاتی بھائی وارث نہیں ہوتے۔ غرضکہ اس حدیث میں یہ بیان ہے کہ حقیقی بہن جبکہ بیٹی کے ساتھ عصبہ بن جائے تو وہ علاتی بھائی سے بہتر ہے اسلئے کہ وہ بنی الاعیان سے ہیں۔

سوال۔ حدیث میں لفظ بنی وارد ہے تو یہ مرد کو متناول ہے عورت کو شامل نہیں۔

جواب۔ ایسا نہیں بلکہ جس طرح مرد کو متناول ہے اسی طرح عورت کو بھی متناول ہے اللہ نے فرمایا ہے یا بنی آدم یہاں بنی کا لفظ عورت و مرد دونوں شامل ہے۔ جبکہ عورتیں مردوں کے ساتھ جمع ہوں تو بنی کا لفظ بطور تغلیب و تغلیب کے عورتوں کو بھی شامل ہوتا ہے۔ ہاں اگر مردوں سے علیحدہ ہو کر مذکور ہوں۔ تو بنی کے لفظ میں شامل نہونگے۔ لیکن حق تحقیق یہ ہے کہ مردوں نے علیحدہ ہونے کی صورت میں بھی بنی کا لفظ اونکو شامل ہوتا ہے جیسے کہ عربی کا ایک شاعر کہتا ہے ؎

بنونا بنو ابنائنا وبناتنا ۔ بنوہن ابناء الرجال الاباعد۔

ابا عد سے مراد منقطع النسب ہے یعنی ہمارے بیٹوں کی اولاد خواہ مرد ہو یا عورت ہماری اولاد ہے اور ہماری بیٹیوں کے بیٹے دوسرے کی اولاد ہے اسلئے اون کا نسب ہم سے منقطع ہے۔ پس جس طرح آدمی کا پوتا باعتبار نسب کے اوسکے بیٹے میں داخل ہے اسی طور سے پوتی بھی نسب کے اعتبار سے بیٹی میں داخل ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب آدمی کے نواسے کا نسب اوس سے منقطع ہے تو ایسی ہی نواسی کا نسب بھی منقطع ہوگا اور بنو ہن میں نواسا اور نواسی دونوں شامل ہیں۔ پس عورت مرد سے متغیر ہونے کی حالت میں اس لفظ سے مقصود ہوگی جیسے مرد عورت کو شامل ہونے کی حالت میں اسی سے مراد ہوتا ہے کالاخ لاب وام او الاخت لاب وام اذا صارت عصبۃ مع البنت اعلی من الاخ لاب والاخت لاب چنانچہ بنت کا حقیقی

بھائی سوتیلے بھائی سے اور میت کی سگی بہن جبکہ میت کی بیٹی کے ساتھ عصبہ بن جائے اوس کی سوتیلی بہن سے بوجہ قوت قرابت کے مقدم ہیں۔

اس عبارت میں لف و نشر مرتب ہے کہ اخ لاب وام کے مناسب اخ لاب ہے اور اخت لاب وام کے مناسب اخت لاب ہر حقیقی بھائی کو چونکہ میت سے دو طرح سے رشتہ داری حاصل ہے اس لئے وہ پدری بھائی سے مقدم ہے کیونکہ سگا بھائی باپ اور ماں دونوں میں شریک ہے اور سوتیلے بھائی کو ایک طرف سے قرابت حاصل ہے کیونکہ صرف باپ میں میت کے ساتھ شریک ہے تو دو طرح کی قرابت قوی ہے۔ ایک طرح کی قرابت سے یہ مثال ایسی ہوگی کہ جسکو دو رشتہ داریاں حاصل ہیں کہ ایک رشتہ داری میت کے ساتھ باپ کی جہت سے ہے اور دوسری ماں کی جہت سے اور اسی طرح اخت لاب وام کو میت کے ساتھ دو جہت سے رشتہ حاصل ہے اس لئے وہ پدری بہن سے اولے ہے۔ اور اس مسئلے میں ابن عباس کو اختلاف ہے اون کے نزدیک بہن بیٹی سے ملکر عصبہ نہیں ہو سکتی۔

چونکہ یہ مقام عصبات بنفسہ کے اصناف کا اور اونکی ترجیح کی جہات کا ہے۔ تو مصنف کا ذکر کرنا سگی بہن کو بیٹی کے ساتھ بے محل ہے۔ کیونکہ اخت مذکورہ عصبہ بنفسہ نہیں ہے بلکہ عصبہ مع غیرہ ہے۔ لیکن یہ جواب ہو سکتا ہے کہ جبکہ اوس کا بھائی عصبہ بنفسہ ہے تو اوسکے ذیل میں بہن کی بھی قوت قرابت کا ذکر کر دیا وابن الاخ لاب واما اولی من ابن الاخ لاب اور سگے بھائی کا بیٹا سوتیلے بھائی کے بیٹے سے مقدم ہے باوجودیکہ دونوں درجے میں برابر ہیں کیونکہ دونوں بھتیجے کہلاتے ہیں لیکن سگا بھتیجا دو قرابت رکھتا ہے اور سوتیلا صرف ایک قرابت رکھتا ہے وکذلک الحکم فی اعمام المیت ثم فی اعمام ابیہ ثم فی اعمام جد کا اسی طرح حکم ہے میت کے چچون میں پھر اوس کے باپ کے چچون میں پھر اوسکے دادا کے چچون میں یعنی ان فریق میں اول نزدیکی درجہ کا اعتبار ہوتا ہے پھر قوت قرابت کا پس میت کا چچا مقدم ہے میت کے باپ کے چچا پر اور میت کے باپ کا چچا مقدم ہے میت کے دادا کے چچا پر اور نزدیکی درجے کے اعتبار سے ہے اور ان تین فریق میں سے دو رشتے والا ایک رشتے والے سے باوجود برابری درجہ کے قوت رکھتا ہے۔ پس میت کا وہ چچا جو ماں باپ دونوں کی طرف سے ہے اوسکے اوس چچا پر مقدم ہے جو صرف باپ کی طرف سے ہو یہی حکم ہے باپ اور دادا کے چچون میں اور یہی حکم ہے ان فریق کے فروع میں۔ پس اول درجے کی نزدیکی کا اعتبار ہے پھر رشتے کی قوت کا چنانچہ چچا کا بیٹا دوسرے درجے کی نزدیکی کے سبب سے چچا کے بیٹے پر مقدم ہے اور چچیرا بھائی جو ماں باپ دونوں کی جانب سے ہو مقدم ہے ایسے چچیرے بھائی پر کہ جو صرف باپ کی طرف سے رشتہ دار ہے کیونکہ اول کو رشتہ داری میں قوت حاصل ہے اس بات کو پھر سمجھ لو کہ عصبات میں وارثوں کو بمقابلے ایک دوسرے کے دو طور پر ترجیح ہوتی ہے ایک طور یہ ہے کہ نزدیک کے درجے والا بعید کے درجے والے پر ترجیح رکھتا ہے دوسرا طور یہ ہے کہ قوت قرابت سے ترجیح ہوتی ہے یعنی دو قرابت والا ایک قرابت والے پر ترجیح رکھتا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ مصنف کہتے ہیں کہ میت کا چچا مقدم ہے میت کے باپ کے چچا پر اور باپ کا چچا مقدم ہے میت کے دادا کے چچا پر ایسا ہی سگا چچا مقدم ہے علاتی چچا پر بوجود قرابت دار ہونے کے واما العصبۃ بغیر تو جبکہ مصنف اون عصبات کے بیان سے فارغ ہوئے جو بذات خود عصبہ ہوتے ہیں۔ اور اون میں جو سب سے اقرب موجود ہو وہ ابعد کو محروم کر دیتا ہے اور ایسے عصبہ کو عصبۂ بنفسہٖ یعنی عصبہ ذاتی کہتے ہیں تو انھوں نے اوس عصبہ کا ذکر شروع کیا جو غیر کی وجہ سے عصبہ ہو جائے اور عصبہ بغیرہ ہر وہ عورت ہے جو اپنے مقابل مرد کی وجہ سے عصبہ ہو جائے۔ پس اسکو عصبہ بغیر کہینگے۔ فاربع من النسوۃ عصبہ بغیرہ ہونے والی چار عورتیں ہیں۔

المنجد میں لکھا ہے کہ نِسْوَۃٌ اور نِسْوَانٌ اور نِسَاءٌ جمع ہے عورتوں کے لئے یہ ایسی جمع ہے جس کا مفرد نہیں وھن الاتی فرضھن النصف والثلثان جن کا حصہ نصف یا دو ثلث ہے تفصیل انکی یہ ہے (۱) ایک بیٹی جس کا حصہ آدھا ہے اور دو یا زیادہ بیٹیوں کا دو ثلثائی ہے (۲) دوسری عورت پوتی ہے کہ اوس کا ایسی حالت میں کہ میت کی صلبی بیٹی نہو تو بیٹی کا سا حصہ کہ آدھا تر کہ پائے گی (۳) تیسری عورت سگی بہن ہے کہ جب بیٹیاں یا پوتیاں موجود نہوں تو بیٹی کی طرح آدھا پاتی ہے (۴) چوتھی عورت علاتی بہن ہے کہ اگر میت کی بیٹی یا پوتی یا حقیقی بہن نہو تو وہ بھی حکم میں بیٹی کے ہے لیصرن عصبۃ باخوتھن لما دکرنا فی حالاتھن عصبہ بغیرہ ہونے والی چاروں عورتیں اپنے بھائیوں کے ساتھ عصبہ ہوتی ہیں یعنی بیٹی اور پوتی اور خواہر حقیقی اور علاتی بہن یہ چاروں اپنے بھائیوں کے ساتھ عصبہ ہوتی ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ بیٹیاں عصبہ بغیرہ بیٹوں کے ہونے سے ہو جاتی ہیں اور پوتیاں عصبہ بغیرہ پوتوں کے ہونے سے بن جاتی ہیں اگرچہ درجات میں سافل ہوں بیٹیوں اور پوتیوں کے عصبہ ہونے پر کلام مجید دلیل ہے یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین یعنی اللہ تمہاری اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ مرد کے واسطے دو عورتوں کے برابر ہے۔ یعنی اگر ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہے تو تین سہم ایک ایک بیٹی لیگی اور دو سہم بیٹا لیگا وعلی ہذا القیاس بیٹی کا دونا بیٹا پائے گا جسقدر کہ بیٹے اور بیٹیاں ہوں اسی طرح پوتوں اور پوتیوں کو سمجھنا چاہئے اور بہنوں کا اپنے بھائیوں کے ساتھ عصبہ ہونا بھی حق تعالےٰ کے کلام سے ثابت ہے وان کانوا اخوۃ رجالا ونساء فللذکر مثل حظ الانثیین یعنی اگر مرنے والے کے کئی بھائی اور بہنیں ہوں تو اُن میں سے ہر ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصوں کے برابر ہے۔

غرضکہ مذکورۂ بالا چار عورتیں کہ نصف اور ثلث کے حصے والی ہیں اپنے بھائیوں کے ہونے سے عصبہ بغیرہ ہو جاتی ہیں۔ یہاں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ پوتیاں علاوہ اپنے بھائیوں کے چچا کے بیٹے بھائیوں کے ساتھ بھی عصبہ بن جاتی ہیں اگرچہ درجات میں سافل ہوں تو پوتیوں کے حق میں چچا کے بیٹے بھی بمنزلے بھائیوں کے ہیں ومن لا فرض لھا من الاناث واخوھا عصبۃ لا تصیر عصبۃ باخیھا کالعم والعمۃ والمال کلہ للعم دون العمۃ اور جس عورت کا حصہ فرض نہیں ہے اور بھائی اس کا

م سے نصف ہوگا اور ایک سہم اور اگر دو بیٹیاں ہیں تو ہر ایک سہم سے نصف ہوگا۔

بھائی عصبہ ہے تو وہ اپنے بھائی کے ہونے سے عصبہ نہیں ہوتی چنانچہ چچا اور پھپی خواہ سگے ہوں یا سوتیلے جمع ہوں تو سب مال چچا لیگا پھپی کو کچھ نہ ملے گا کیونکہ پھپی صاحب فرض نہیں۔ بلکہ ذوی الارحام میں داخل ہے اسی طرح بھائی کا بیٹا بھائی کی بیٹی کے ساتھ ہو تو وہ عصبہ نہیں بنتی۔

مصنف کے اس قول میں یصرن عصبۃ باخوتھن بھائی برادر اصلی اور علی دونوں کو عام ہے سو اصلی برادر تین قسم کا ہوتا ہے صلبی بیٹی کا بھائی اور سگی بہن کا بھائی اور سوتیلی بہن کا بھائی ان تینوں کے ساتھ انکی بہنیں عصبہ بن جاتی ہیں اور برادر علی پوتیوں نہیں ہوتا ہے۔ پس پوتا اپنی بہنوں کو عصبہ کر دیتا ہے اور چچیری بہنوں کو بھی جو درجے میں برابر ہیں عصبہ کر دیتا ہے اور پوتیوں کو وہ برادر علی بھی عصبہ کر دیتا ہے جو اونچے درجے میں اسفل ہے تو اون میں سے اوس عورت کو بھی عصبہ کر دیتا ہے جس کا کچھ حصہ نہیں۔

پس پوتیوں کا ایک حقیقی بھائی دوسرا چچیرا بھائی تیسرا اونچے درجے والا بھائی جیسے پڑدادا وغیرہ وغیرہ یہ لوگ برادر علی ہیں واما العصبۃ مع غیرہ فکل انثی تصیر عصبۃ مع انثی اخری کالاخت مع البنت اور عصبہ مع الغیر ہر وہ عورت ہے کہ دوسری عورت کے ساتھ میں عصبہ ہو جائے جیسے حقیقی بہنیں یا علاتی بہنیں جو میت کی بیٹیوں اور پوتیوں کے ساتھ عصبہ ہو جاتی ہیں لما ذکر نا یہ اشارہ ہے اسکی طرف الحلوا الاخوات مع البنات عصبۃ یعنی بہنوں کو بیٹیوں کے ساتھ عصبہ قرار دو۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ عصبہ مع غیرہ میں دو ہی عورتیں ہیں (۱) خواہر حقیقی (۲) خواہر علاتی کہ یہ دونوں بیٹی یا پوتی کے ساتھ عصبہ مع غیرہ ہو جاتی ہیں یعنی بعد ادائے سہام مقررۂ دختر یا پوتی کے جو کچھ باقی رہے وہ یہ دونوں لیتی ہیں بشرطیکہ کوئی اور حاجب اکلا نہو۔

عصبہ بنفسہ و مع غیرہ میں تین طرح کا فرق ہے ایک یہ کہ بنفسہ میں غیر عصبہ ہوتا ہے اور مع غیرہ میں غیر عصبہ نہیں ہوتا۔ دوسرا یہ کہ بنفسہ میں غیر عصبہ بنفسہ ہے اوس کی وجہ سے عصوبت عورت کی طرف متعدی ہوتی ہے۔ تیسرا یہ کہ بنفسہ میں غیر جنس کے ساتھ عصوبت واقع ہوتی ہے یعنی عورت مرد کے ساتھ عصبہ بنتی ہے اور مع غیرہ میں ہم جنس کے ساتھ عصبہ ہوتی ہے یعنی عورت عورت کے ساتھ عصبہ بنتی ہے۔

اگر ایسی صورت واقع ہو کہ بعض وارث عصبہ بنفسہ ہوں اور بعض عصبہ بغیرہ اور بعض عصبہ مع غیرہ تو اس میں سے اوس کو ترجیح دی جائے گی جو میت سے قریب رکتا ہوگا۔ عصبہ بنفسہ ہونے کو مثلاً ایک شخص نے وفات پائی اور اسنے وارث چھوڑے بیٹی حقیقی بہن اور سوتیلے بھائی کا بیٹا تو اس صورت میں آدھا ترکہ بیٹی کا ہے اور آدھا بہن کا ہے اور سوتیلے بھتیجے کو کچھ نہ پہنچے گا کیونکہ بیٹی کے ساتھ میں بہن عصبہ ہو گئی ہے اور یہ میت سے بہ نسبت بھتیجے کے زیادہ قرب رکھتی ہے یہی حال ہوگا بھتیجے کی جگہ چچا کا بھی اور جب کہ وہ ایسے لڑکے جمع ہو جائیں جو عصوبت کے درجے میں مساوی ہوں۔

تو اب ان میں سے جو قرابت زائدہ رکھتا ہوگا۔ اوس کو دیا جائے گا قرابت زائدہ کی مثال یہ ہے۔ ایک شخص نے حقیقی بھائی اور سوتیلا بھائی چھوڑا تو ان میں سے سگا بھائی اولے ہے اور اگر کوئی آدمی مرے اور وہ سوتیلا بھائی اور حقیقی بھتیجا چھوڑے تو سوتیلا بھائی اولے ہوگا کیونکہ میت کی طرف اسبق ہے۔ جب مصنف عصبہ نسبی کے اقسام سے فارغ ہوچکے تو عصبۂ سببی کے ذکر کی طرف متوجہ ہوئے اور عصبۂ سببی دو طور پر ہے ایک مولے العتاقہ اور دوسرا مولے الموالات اور مولے دونوں لفظوں میں اپنے سبب کی طرف مضاف ہیں و آخر العصبات مولی العتاقۃ اور عصبات میں سب سے آخری شخص مولائے عتاقہ ہے یعنی آزاد کنندۂ غلام اور مولے العتاقہ سے مراد جنس ہے جو متعدد اور مفرد کو مشتمل ہے جیسا کہ مذکر و مونث کو مشتمل ہے۔

جبکہ غلام متوفی کے کوئی عصبات نسبی سے نہ ہو تو مولائے عتاقہ اور عصبات نسبی مولائے عتاقہ کے وارث ہونگے اور مولائے عتاقہ عصبہ سببی کہلاتا ہے اور ولائے عتاقہ کا سبب بقول صحیح اپنی ملک پر آزادی ہے یعنی وہ اسکی ملکیت پر آزاد ہوجائے خواہ یہ آزاد کرے یا نہیں جنتے کہ اگر اپنے ذی رحم محرم کا مالک ہوا کہ وہ آزاد ہوگیا اگرچہ یہ وراثت ہو تو اوس کی ولا بھی اس کو حاصل ہوگی یعنی اگرچہ آزاد نہیں کیا بلکہ استحقاقاً خود آزاد ہوگیا تو بھی ولا حاصل ہوئی اور اس میں اختلاف ہے کہ آیا معتق (بفتح تا) کی حیات میں عصبہ کے لئے ولایت ثابت ہے یا بعد وفات کے پس قول اول کو ترجیح دی ہے۔

مصنف نے آخر کے لفظ سے اشارہ کیا اس بات کی طرف کہ آزاد کرنے والا ذوی الارحام پر مقدم ہے کیونکہ جب وہ مرتبۂ اخیرۂ عصبات میں واقع ہوا تو اوس میں اور باقی عصبات میں کوئی اور وارث نہیں تو ذوی الارحام پر مقدم ٹھہرا اور آزاد کرنے والا ذوی الفروض علی الفرضیہ بھی مقدم ہے لیکن عمر بن خطاب اور ابن مسعود اور ابن عباس اور زید بن ثابت اور ناصر سے روایت کیا گیا ہے کہ آزاد کرنے والا مولے میت کے ذوی الارحام کے بعد وارث ہوتا ہے اور انکے سوا باقی لوگ اس طرف گئے ہیں کہ وہ ذوالارحام پر مقدم ہوتا ہے اور ذوی الفروض کے بعد جو باقی رہے لیتا ہے اور نسبی عصبوں کے ساتھ محروم ہوتا ہے۔

اور قتادہ کی روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جب غلام آزاد اپنے ذوی الفروض اور اپنے مولا کا عصبہ چھوڑ کر مرے تو ذوی الفروض کو فرضی حصہ دینے کے بعد اس کا باقی مال مولے کے عصبوں کو دیا جائے اور ابن عباس کی روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آزاد کیا ہوا غلام جب اپنے اور اپنے مولے کے ذوی الفروض چھوڑ کر مرے تو اوس کے ذوی الفروض کے حصے دینے کے بعد جو باقی بچے مولے کے ذوالفروض کو دیا جائے گا اور اہل فرائض کی ایک جماعت کے نزدیک یقینی اور مضبوط امر یہ ہے کہ آزاد کرنے والے کے ذوی الفروض میت کے ذوالفروض سے محروم ہوجاتے ہیں۔

ولائے عتاقہ میں آزاد کرنے والا تو وارث ہوجاتا ہے لیکن آزاد کرنے والے کی میراث نہ

آزاد نہیں پاتا۔ برخلاف اسحاق بن راہویہ اور حسن بن زیاد کے **ثم عصبتہ** پھر مولائے عتاقہ کے بعد اوس کا عصبہ وارث ہے اور عصبہ سے مراد یہاں وہ عصبہ بنفسہ ہے جو مرد ہو اس سے ثابت ہوا کہ غلام آزاد کے مال کے وارث اوس کے آزاد کرنے والے کے ذوی الفروض نہیں ہوتے بلکہ ولاء کی میراث آزاد کرنے والے کے عصبوں کو ملے گی **علی الترتیب الذی ذکرنا** مطلب یہ ہے کہ غلام آزاد کی میراث کے لئے آزاد کرنے والے کے بعد اوس کا بیٹا مقدم ہے پھر اوسکے بیٹے کا بیٹا پھر اوس کا پردادا پھر آزاد کرنے والے کا باپ پھر اوس کا دادا اور دادا کے نہ ہونے کی صورت میں پردادا وغیرہ وغیرہ وارث ہونگے ذکرنا اشارہ ہے اس ترتیب کی طرف اور اگر یہ لوگ موجود نہوں تو آزاد کرنے والے کا آزاد کرنے والا پھر اس کا عصبہ ترتیب مذکورہ کے ساتھ وارث ہوگا پھر آزاد کرنے والے کے آزاد کرنے والے کے آزاد کرنے والے کا آزاد کرنے والا پھر اس کا عصبہ وارث ہوگا جیسا کہ رد المحتار میں ہے وارث ہونگے۔

ترمذی نے عمر بن شعیب سے اوھنوں نے اپنے دادا سے روایت کی ہے کہ حضرتؐ نے فرمایا یرث الولاء من یرث المال یعنی غلام آزاد کی ولاء کا وہی شخص وارث ہوتا ہے جو آزاد کرنے والے کے مال کا وارث ہوتا ہے **لقولہ علیہ السلام الولاء** لفظ ولاء بفتح واو اور آخر میں مد سے یا تو ولی بفتح واو وسکون لام ویا ے تحتانی یعنی قرب سے مشتق ہے کیونکہ کسی غلام پر آزادی کا احسان کرنے سے ایسا رشتہ تعلق قوی ہوتا ہے کہ گویا حکمی قرابت ہے یا موالات سے مشتق ہے یعنی ایک کے پیچھے دوسرا لگا ہوا بدون فرق کے ہو چنانچہ جب ولائے عتق یا ولائے موالات پائی جائے تو اس سے میراث کا استحقاق ہوتا ہے جبکہ میراث کی شرط پائی جائے بدون فرق کے حضرتؐ کے قول میں ولاء سے مراد مجازاً اعتاق ہے کیونکہ آزاد کرنے والا سبب ہے ولاء کا تو یہاں مسبب کو ذکر کرکے سبب مراد لیا ہے **لحمۃ کلحمۃ النسب** یعنی ندکورہ بالا قول پر یہ حدیث دلیل ہے ولاء اتصال ہے نسب کے اتصال کی طرح یہ حدیث عبد اللہ بن عمر اور عبد اللہ بن ابی اوفی اور ابو ہریرہ سے مرفوعاً مروی ہے۔ اس حدیث کو ابن حبان نے صحیح مانا ہے کہ اپنی کتاب صحیح میں داخل کیا ہے اور شافعی نے اپنی مسند میں نکالا ہے اور حاکم نے مستدرک کی کتاب الفرائض میں شافعی کے طریق سے روایت کرکے صحیح الاسناد بنایا ہے۔ حالانکہ امام بخاری و مسلم نے اخراج نہیں کیا۔ طبرانی اور ابن عدی نے بھی نکالا ہے اور ابو یعلے نے بھی ابن عمر سے یہی مرفوعاً روایت کیا ہے اور اس سے انکار مکابرہ ہے اور اس حدیث میں ولاء سے مراد ولائے عتاقہ ہے نہ ولائے میراث مطلب یہ ہے کہ ولائے عتاقہ قرابت حاصلہ ہے۔ عتق کے سبب سے مانند قرابت حقیقی نسبی کے وجہ اسکی یہ ہے کہ آزاد ہونا انسان کے لئے ایک قسم کی حیات ہے کیونکہ انسان کے لئے اس سے مالکیت کی صفت ثابت ہوتی ہے جسکی وجہ سے وہ تمام دوسرے جانداروں اور بے جان چیزوں سے ممتاز ہوتا ہے اور غلامی بمنزلے ہلاکت کے ہے تو آزاد کرنے والا غلام آزاد کی زندگی کا سبب ہے جیسا کہ باپ بیٹے کی ایجاد اور زندگی کا باعث ہے

پس جس طرح بیٹا نسب کے اعتبار سے باپ کی طرف منسوب ہے اور باپ کی اتباع سے دوسرے رشتے داروں کی طرف نسبت رکھتا ہے اسی طرح آزاد شدہ بوجہ ولاء کے آزاد کرنے والے کی طرف منسوب ہوگا اور اوس کی تبعیت سے آزاد کرنے والے کے عصبہ کی طرف نسبت رکھے گا اور جس طرح ارث نسب سے ثابت ہوتی ہے تو ولاء سے بھی ثابت ہوگی۔

جس طرح عصبہ بنفسہ نسبی چار فریق بتلائے ہیں وہی چار فریق یعنی عصبات نسبی مولائے عتاقہ کے انہیں شرائط کے ساتھ غلام آزاد شدہ کے مال میں وارث ہونگے اوسی طور پر فریق اول مقدم ہے دوسرے فریق پر اور دوسرا تیسرے پر اور تیسرا چوتھے پر یعنی جب غلام آزاد شدہ مرجائے تو مولائے عتاقہ عصبہ اول ہوگا بعد مولے کے عصبات نسبیہ مولائے عتاقہ کے اوسی ترتیب سے عصبات ہونگے فرق اس قدر ہے کہ عصبات نسبی میں بٹیا ہاتھ پدر عصوبت میں محروم ہے مگر ولاء میں آزاد کنندہ کے باپ کو موافق حصۂ فرضیت کے سدس (۱/۶) ملے گا مگر دادا کو کچھ نہیں ولا لحقہ للاناث من ورثۃ المعتق یعنی ولاء میں عورت محروم ہے یعنی آزاد کرنے والے کی بیٹی اور پوتی اور بہن اور زوجہ وغیرہ محروم ہیں اور ولاء میں عصبہ بغیرہ و مع غیرہ کو بھی کچھ خلل نہیں ہے لقولہ علیہ السلام لیس للنساء من الولاء الا ما اعتقن یعنی عورتوں کو ولاء میں سے کچھ نہیں ہے ولا کہتے ہیں غلام آزاد کے مال کو اور یہ عصبہ کے ساتھ مخصوص ہے یعنی جو عصبہ بنفسہ کہ میت کے مال کا وارث ہوتا ہے وہی غلام آزاد کی ولاء کا وارث ہوتا ہے۔ پس ولاء کی بیٹی وارث نہیں ہوتی اگرچہ مال کی وارث ہوتی ہے اس لئے کہ بیٹی عصبہ بنفسہ نہیں ہے عصبہ بنفسہ مرد ہی ہوتا ہے عورتیں نہیں ہوتیں الا ما یہاں غلام کے لئے ما کا لفظ استعمال ہوا ہے اور آگے من کا لفظ آزادی حاصل کرچکنے کی وجہ سے استعمال پائے گا لیکن رزین کی حدیث میں عمر بن شعیب سے غلام کے لئے بھی من کا لفظ آیا ہے اعتقن مگر عورتوں کو اوس غلام کی ولاء ہے جسکو اونھوں نے خود آزاد کیا ہے۔ ایک اور حدیث میں وارد ہے الولاء لمن اعتق یعنی ولاء اوس شخص کے واسطے ہے جس نے آزاد کیا ہو رواہ ائمۃ الستۃ چنانچہ آنحضرت نے دختر حمزہ کو اوس کے آزاد کئے ہوئے غلام سے بطور عصبہ ہونے کے میراث دلوائی باوجودیکہ اوس آزاد شدہ کے ایک اولاد نسبی موجود تھی او اعتق من اعتقن یا عورتوں کو ولاء اوس کی ہے جسکو اونھوں نے آزاد کئے ہوئے غلام نے آزاد کیا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ایک عورت نے ایک غلام آزاد کیا پھر اس آزاد شدہ غلام نے کوئی غلام خرید کے اوسے آزاد کردیا۔ پس یہ دوسرا غلام آزاد مرگیا اور اوس کا کوئی عصبہ نہیں ہے اور اس سے پیشتر پہلا غلام آزاد اور اوس کا عصبہ نسبی مرچکا ہے پس اس دوسرے غلام کی میراث عصوبت کے طور سے اوس عورت کو پہنچے گی جسنے پہلے غلام کو آزاد کیا تھا او کاتبن یا عورتوں کو اوس شخص کی ولاء ہے جس کو اونھوں نے مکاتب کیا ہے یعنی وہ غلام ہے جس کو مالک نے یہ کہا ہو کہ تو اتنا مال دیدے تو آزاد ہے او کاتب من کاتبن یا عورتوں کو اوس کی ولاء ہے جسکو اونکے مکاتب نے مکاتب بنایا ہے اوس کی صورت یہ ہے کہ سیدہ بلقیس

اپنے غلام عبد الکریم کو مکاتب کیا اور اوس سے کہا کہ اگر تو ستور روپے ادا کر دے تو تو آزاد ہے چنانچہ اوس نے ستور روپے دیکر آزادی حاصل کرلی آزاد ہو جانے کے بعد عبد الکریم نے اپنے غلام رحیم بخش کو ۵۰ روپے پر مکاتب کیا رحیم بخش نے بھی کتابت کا روپیہ عبد الکریم کو دیدیا اور آزاد ہو گیا ان میں سے اول عبد الکریم مرا پھر رحیم بخش نے وفات پائی اور اوس نے کوئی عصبہ نسبی نہیں چھوڑا تو اوس کی میراث بھیں کو پہنچے گی او دبر ان یا اوس شخص کی ولا رہے جس کو عورتوں نے مدبر کیا ہے ولا ہے مدبر کی صورت یہ ہے کہ ایک عورت نے غلام کو مدبر کیا پھر وہ مرتد ہو گئی اور دار الحرب میں چلی گئی اور قاضی نے اوس غلام مدبر کی آزادی کا حکم لگا دیا بعد اس کے وہ مسلمان ہو گئی اور دار الاسلام میں لوٹ آئی اس کے بعد وہ مدبر مر گیا اور کوئی عصبہ نسبی نہ چھوڑا تو وہ عورت اوس مدبر کی عصبہ ہے او دبر من دبرن یا عورتوں کو اوس مدبر کی ولا رہے جس کو اونکے مدبر نے مدبر کیا ہے یعنی مدبر کے مدبر کا حکم بھی یہی ہے۔

تفصیل مقام یہ ہے کہ قاضی نے عورت کے مرتد ہو جانے اور دار الحرب میں چلے جانے کے سبب سے اُس کے مدبر کی آزادی کا حکم دیدیا پھر مدبر مذکور نے ایک غلام خرید کر کے اوس کو مدبر بنا دیا اور عورت کا غلام مدبر مر گیا اور عورت مسلمان ہو کر دار الاسلام میں لوٹ آئی اپنے غلام مدبر کی وفات سے پہلے یا پیچھے اور پھر دوسرا مدبر مر گیا اور اوسنے کوئی عصبہ نسبی نہ چھوڑا تو اس دوسرے مدبر کی میراث عورت کو پہنچے گی او جر ولاء معتقهن یا وہ ولا رعورتوں کو پہنچتی ہے جسے اپنی طرف اونکے آزاد کئے ہوئے غلاموں نے کھینچی ہے۔ ولاءً مفعول ہے اور معتقهن فاعل ہے اور جر یہاں ان کی تقدیر سے مصدر جعلی ہے مفعول یعنی مجرور کے معنے میں یا ولاء موصوف ہے اور یہ اسم ظاہر ہے ضمیر کی جگہ تقدیر عبارت یوں ہے لیس للنساء من الولاء کذا والا ان جر ای مجرور معتقهن او ولاءً جعل معتقهن۔ عورتوں کے آزاد کئے ہوئے کے ولار کے جر کی صورت یہ ہے کہ ایک عورت کے غلام نے اوس کی اجازت سے کسی دوسرے کی آزاد کی ہوئی کنیز سے نکاح کر لیا پھر ان دونوں سے ایک فرزند پیدا ہوا کہ جو آزاد ہے اس لئے کہ بچہ آزادی اور غلامی میں ماں کا تابع ہوتا ہے اور اس صورت میں ولار اس فرزند کی اوس شخص کو پہنچے گی جو اوس کی ماں کا مولے یعنی آزاد کنندہ ہے۔ پھر اگر وہ عورت بھی اپنے غلام کو آزاد کر دے تو وہ غلام بسبب آزاد ہو جانے کے اوس لڑکے کی ولار کو اپنی طرف کھینچ لیگا پھر وہ غلام مر جائے اور بعد اس کے وہ لڑکا مرے تو اب ولار اوس لڑکے کی اوس عورت کی طرف کھنچ آئے گی جس کے باپ کو اوس نے آزاد کیا ہے۔ یعنی وہ عورت ہی وارث ہوگی۔

بات یہ ہے کہ نسب ولار بمنزلے نسب قرابت کے ہے تو باپ کی جانب اصل ہے اور آنحضرت نے فرمایا ہے کہ ولار ایک لحمہ ہے مثل لحمہ نسب کے پھر جب معلوم ہوا کہ ولار بمنزلے نسب کے ہے اور نسب باپ کی جانب ہوتا ہے۔ تو ولار بھی باپ کی طرف ہوگی لہذا بچے کی

ولاء اوس کے باپ والونکی طرف کھنچ جائے گی اور ماں کی مولے کی طرف نسبت اس ضرورت سے واقع ہوئی کہ باپ میں نسب کی لیاقت نہ تھی پھر جب وہ بھی آزاد ہو کر لایق ہو گیا تو ولاء اسکی طرف عود کریگی۔

اَوْ مُعْتِقِ مُعْتَقِهِنَّ اور نیز عورتوں کے لئے وہ ولاء ہی جسکو اُنکے آزاد کئے ہوئے غلام کا آزاد کیا ہوا غلام کھینچتا ہے۔ صورت اسکی یہ ہے کہ ایک عورت نے اپنے غلام کو جس کا نام مقیم ہے آزاد کیا مقیم نے دوسرا غلام جس کا نام عظیم ہے خریدا اور مقیم نے عظیم کا نکاح کسی شخص کی باندی سے کیا پھر باندی کو اُسکے مولیٰ نے آزاد کر دیا پھر وہ آزادی سے چھ مہینے سے زیادہ مدت پر بچہ جنی تو بچے کی ولاء اسکی ماں کے مولے کے لئے ہے پھر جب مقیم نے اپنے غلام کو آزاد کر دیا تو بچے کے باپ عظیم نے آزاد ہو جانے کی وجہ سے بچے کی ولاء اُسکی ماں کے آقا سے اپنی طرف کھینچ لی اور عظیم سے اُسکی آزاد کرنے والی عورت کی طرف ولاء کھنچ جاتی ہے۔

ہدایہ میں ہے فان مات المولیٰ ثم مات المعتق فمیراثہ لبنی المولی دون عشیرتہ لانہ لیس للنساء من الولاء الا ما اعتقن او اعتق من اعتقن او کاتب او کاتبن وبھذہ اللفظ ورد الحدیث عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وفی آخرہ اور جرّ ولاء معتقھن یعنی اگر مولے نے مرگیا پھر آزاد شدہ مرا جس کے نسبی عصبات نہیں ہیں تو مولے کی اولاد میں سے لڑکیوں کو آزاد شدہ کی میراث نہیں ملے گی بلکہ فقط لڑکوں کو ملیگی اسکی دلیل یہ ہے کہ عورتوں کے واسطے ولاء نہیں ہے مگر اُسکی جسکو عورتوں نے آزاد کیا یا اُنکے آزاد کئے ہوئے نے آزاد کیا یا جسکو عورتوں نے مکاتب کیا یا اُنکے مکاتب کئے ہوئے نے مکاتب کیا انھیں الفاظ سے حدیث وارد ہوئی ہے۔ اسکے آخر میں ہے یا انکا آزاد کیا ہوا جس کی ولاء کھینچ لایا۔

سید شریف نے اپنی شرح میں لکھا ہے کہ اگرچہ اس حدیث میں شذوذ ہیں لیکن اسکی تاکید و تائید صحابہ کبار مثل عمر و علی و ابن مسعود رضی اللہ عنہم کی روایات سے ہوتی ہے اس لئے مشہور کے درجہ میں ہے۔ مولانا سلام اللہ نے شرح موطا میں شمنی سے نقل کیا ہے کہ اس حدیث کو فقہاء لکھتے ہیں لیکن کتب حدیث میں اس کا پتہ نہیں اور مولانا نے یہ بھی کہا ہے کہ عینی نے شرح کنز میں لکھا ہے کہ یہ حدیث منکر ہے اسکی کچھ اصل نہیں صحابہ سے جو روایتیں آئی ہیں وہ اس طرح ہیں بیہقی نے علی اور ابن مسعود اور زید بن ثابت سے اخراج کیا ہے۔ لا یورثون النساء من الولاء الا ما اعتقن او اعتق من اعتقن یعنی عورتوں کو ولاء نہیں پہنچتی بجز اُس غلام کی ولاء کے جسکو اُنھوں نے خود آزاد کیا یا اُنکے آزاد کئے ہوئے نے آزاد کیا اور رزین نے عمر بن شعیب سے اُنھوں نے اپنے دادا سے روایت کی ہے کہ حضرت نے فرمایا۔ الولاء للاکبر من الذکور ولا ترث النساء من الولاء الا من اعتقن او اعتق من اعتقن یعنی آزاد غلام کی میراث مذکروں میں سے اکبر کو ملے گی اور عورتیں ولاء سے سوا اُس شخص کی ولاء کے جسکو وہ خود آزاد کریں یا اُن کا آزاد کیا ہوا آزاد کرے وارث نہیں ہوتیں اکبر سے مراد اقرب ہے اور ابن ابی شیبہ نے مصنف میں علی اور عمر اور زید سے اس طرح اخراج کیا ہے لا یورثون النساء من الولاء الا ما اعتقن او عبد الرزاق حسن بن عمارہ نے حکم سے اُنھوں نے شعبی من جنازے اُنھوں نے علی سے روایت کی ہے لا ترث النساء من الولاء الا ما کان من اعتقن۔

مصنف نے جو حدیث بیان کی ہے اس میں آٹھ مسئلے ہیں (۱) عورتوں کے آزاد کئے ہوئے کی ولاء (۲) عورتوں کی آزاد کی ہوئی کی آزاد کی ہوئی کی ولاء (۳) عورتوں کے مکاتب کی ولاء (۴) عورتوں کے مکاتب کے مکاتب کی ولاء (۵) عورتوں کے مدبر کی ولاء (۶) عورتوں کے مدبر کے مدبر کی ولاء (۷) وہ ولاء جو عورتوں کے آزاد کئے ہوئے غلاموں نے کھینچی ہے (۸) وہ ولاء جو عورتوں کے آزاد کئے ہوئے غلاموں کے آزاد کئے ہوئے غلاموں نے کھینچی ہے۔

ولو ترك ابا المعتق وابنه عند ابي يوسف رحمه الله سدس الولاء للاب والباقي للابن اور اگر آزاد شدہ غلام نے اپنے آزاد کرنے والے کا باپ اور اُس کا بیٹا چھوڑا تو آزاد شدہ کی ترکے میں سے چھٹا حصہ ولاء کا باپ کے لئے ہے اور باقی تمام بیٹے کے لئے یہ اخیر قول امام ابو یوسف کا ہے اور یہی ایک روایت ابن مسعود سے منقول ہے۔ اور شریح اور نخعی نے بھی ایسا ہی اختیار کیا ہے۔

وعند ابي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالى الولاء كله للابن ولا شئ للاب امام ابو حنیفہؒ اور محمدؒ کے نزدیک تمام ولاء بیٹے کے لئے ہو اور باپ محروم رہے گا۔ امام شافعی اور سعید بن مسیب کا بھی یہی مذہب ہے اور وجہ اسکی یہ ہے کہ بیٹا قریب تر ہے بہ نسبت باپ کے پہلے یہی مذہب امام ابو یوسف کا بھی تھا جسکو ترک کرکے اخیر میں یہ اختیار کیا کہ ولاء میں سے چھٹا حصہ باپ کے لئے ہے اور باقی مال یعنی پانچ حصے بیٹے کے لئے ہیں۔ دلیل اُنکی یہ ہے کہ ولاء ملک کا اثر ہے تو ولاء حقیقت ملک کے ساتھ ملحق ہوگی اور اگر آزاد کردہ شدہ مال چھوڑے اور باپ اور بیٹا چھوڑے تو اُسکے باپ کو چھٹا حصہ ملیگا اور باقی تمام مال بیٹے کو ملیگا۔ پس یہی حکم اُسوقت بھی ہونا چاہئے جب آزاد شدہ ولاء چھوڑے اس دلیل کا جواب امام ابو حنیفہ اور محمد کی طرف سے یہ ہے کہ ولاء اگرچہ ملک کا اثر ہے لیکن مال نہیں ہے نہ مال کے حکم میں ہے جیسا کہ وہ قصاص جس کے عوض میں مال لے لینا جائز ہے اگرچہ وہ مال نہیں ہے لیکن مال کے حکم میں ہے برخلاف ولاء کے کہ وہ نہ مال ہے نہ مال کے حکم میں ہے پھر اسکے عوض میں مال کا لینا کیسے جائز ہوگا پس ولاء میں وارثوں کے سہام فرضیت کے ساتھ مال کی طرح جاری نہیں ہوسکتے بلکہ ولاء وراثت کا سبب ہے عصوبت کے طور پر تو اس میں زیادہ قریب کا اعتبار ہے اور ظاہر ہے کہ عصبات میں بیٹا بہ نسبت باپ کے زیادہ قریب ہے مطلب اس کا یہ ہے کہ ولاء اسطرح موروث نہیں کہ مولا کے وارثوں میں حصہ رسد پہنچے بلکہ مولی کے قایم مقام کو بطور استحقاق کے ملتی ہے اور اس میں مولی کا خلیفہ وہ ہوتا ہے جس کی ذات سے نصرت قائم ہو یہاں تک کہ اگر مولے نے باپ اور بیٹا چھوڑا تو ولاء امام ابو حنیفہ اور محمد کے نزدیک اُسکے بیٹے کے لئے ہوگی کیونکہ یہ عصبہ ہونے میں باپ سے زیادہ قریب ہے خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جمہور علماء وفقہا کے نزدیک ولاء موروث ہوتی ہے لیکن سہام اسمیں جاری نہیں ہوتے اور اگر ولاء میں وارثوں کی فرضیت کے سہام مال کی طرح جاری ہوتے تو عورتوں کو بھی ولاء میں سے بطور ارث کے حصہ ملتا۔ علاوہ اسکے آنحضرت نے فرمایا ہے۔ الولاء لحمة كلحمة النسب لا يُباع ولا يوهب ولا يورث كذا في الهداية یعنی ولاء ایک قرابت ہے مانند قرابت نسب کے اور قابل بیع وہبہ اور ارث کے نہیں ہے کیونکہ منجملہ معانی کے ایک معنی ہے

مال نہیں ہو اور جبکہ مال نہوا تو اُس میں وراثت اور ہبہ اور بیع کیسے جاری ہونگے یہ حدیث صاف طور پر دلالت کرتی ہے کہ امام ابوحنیفہ اور محمد کا قول صحیح ہے ولو ترک ابن المعتق وجدّہ فالولاء کلہ للابن اور اگر غلام آزاد کرنے والے کا بیٹا اور دادا چھوڑا تو اس صورت میں تمام ولا بیٹے کے لئے ہے اور دادا کو کچھ نہیں ملیگا۔ بالاتفاق یعنی اس مسئلے میں ابو یوسف نے ابو حنیفہ و محمد سے اختلاف نہیں کیا ہے اور وجہ اسکی یہ ہے کہ بسبب ظاہر عصوبت میں باپ بیٹے کی طرح ہے کہ انمیں سے ہر ایک کا اتصال میت کے ساتھ بلا واسطہ ہو اور اس قول کی شرح میں (ولو ترک ابالمعتق وابنہ الخ) جو ہمنے کہا ہو کہ بیٹے کو میت سے زیادہ قرب حاصل ہو اس کا سبب ایک امر حکمی ہے اور وہ یہ ہے کہ فرع کا اتصال اصل کے ساتھ زیادہ ظاہر ہے بہ نسبت اتصال اصل کے فرع کے ساتھ اسی لئے فرع کا ذکر اصل کے ذکر سے حاصل ہو جاتا ہے اور یہ بات مسئلہ بیع میں ظاہر ہے کہ زمین کی خرید و فروخت میں اشجار کی خرید و فروخت خود بخود داخل ہو جاتی ہے پس غلام آزاد شدہ کے اپنے مرنے کے بعد اپنے آزاد کرنے والے کا باپ اور بیٹا چھوڑنے کی صورت میں ابو یوسف نے ابو حنیفہ اور محمد سے اختلاف کیا ہے اور دادا کو بیٹے کے ساتھ چھوڑنے کی صورت میں اختلاف نہیں کیا کیونکہ دادا کا اتصال باپ کی وجہ سے ہے اور جبکہ باپ بہ نسبت دادا کے زیادہ قریب ہے تو بیٹا دادا سے بلاشبہ بلا اختلاف زیادہ قریب ہوگا اسی طرح اگر آزاد کرنے والی عورت نے بیٹا اور بھائی چھوڑا پھر اُسکا آزاد کیا ہوا بغیر ایسے وارث کے مرا تو اُسکی موالات کا بیٹا وارث ہوگا اور بھائی نہیں پائے گا کیونکہ وہ عصبہ ہونے میں اقرب ہے اگر مولے نے بیٹا چھوڑا اور دوسرے بیٹے کا بیٹا چھوڑا جس کا باپ مرگیا ہے تو آزاد شدہ کی میراث آقا کے بیٹے کو ملے گی دوسرے بیٹے کے بیٹے کو نہیں ملے گی۔ اس لئے کہ ولاء سب سے بڑے کے لئے ہے اور بڑے سے مراد اقرب ہے یعنی ولاء کا وہ مستحق ہو جو عصبوں میں سے مالک کی طرف زیادہ قرب رکھتا ہے۔ پس نسب میں مولے کی طرف جو اسکے بیٹے کو قرب حاصل ہو وہ پوتے کو حاصل نہیں ومن ملک ذا رحم محرم منہ عتق علیہ ویکون ولاءہ لہ بقدر الملک اور اگر کوئی اپنے ذی رحم محرم کا مالک ہو تو وہ ذی رحم محرم اُسپر آزاد ہو جاتا ہو اور ولاء اُس آزاد شدہ ذی رحم محرم کی اس مالک کو بقدر ملک پہنچے گی۔ یہ مسئلہ عصبات سببہ کے مبحث کا تتمہ ہے اور تنبیہ ہے اس امر کی طرف کہ اگرچہ آزادی اختیاری ہو تاہم ولاء کا سبب ہے اور تفصیل اس مقام کی یہ ہے کہ قرابت تین طور پر ہے (۱) قرابت قریبہ اور یہ قرابت ذی رحم محرم کی بوجہ ولادت کے ہے اور یہ خواہ اصلیت کے طور پر ہو جیسے ماں باپ اور دادا دادی اور پردادا پردادی گو کتنے ہی اونچے درجے کے ہوں خواہ فرعیت کے طریق سے ہوں جیسے بیٹا پوتا پرپوتا اور انکی اولاد لڑکا ہو یا لڑکی۔ (۲) قرابت متوسطہ اور یہ قرابت ایسے محرموں کی ہے جو نہ آبا میں داخل ہیں نہ ابنا میں اور اس میں بھائی اور بہنوں اور انکی اولاد کی قرابت داخل ہے اسی قبیل سے ہر قرابت چچا پھپی ماموں اور خالہ کی مگر انکی اولاد ان رشتہ داران متوسطہ میں داخل نہیں (۳) قرابت بعیدہ اور یہ قرابت ذی رحم غیر محرم کی ہے چنانچہ چچا زاد پھپی اور ماموں اور خالہ کی اولاد پس اگر کوئی شخص پہلی قسم کے ذی رحم محرم کا

مالک ہو تو مملوک فوراً آزاد ہو جاتا ہے اور اُسکی ولاء اسے پہنچتی ہے اس مسئلہ میں سب کا اتفاق ہے اور اگر کوئی دوسری قسم کے ذی رحم محرم کا مالک بنے تو مملوک علمائے حنفیہ کے نزدیک آزاد ہو جاتا ہے اور شافعی کے نزدیک آزاد نہیں ہوتا اور اگر کوئی تیسری قسم میں سے کسی کا مالک بنجائے تو ائمہ کا اسپر اتفاق ہے کہ مملوک آزاد نہیں ہوگا۔

مثال آزاد ہونے ذی رحم محرم کی مالک پر اور بقدر ملکیت کے ولاء کے پہنچنے کی یہ ہے کہ ثلث بنات تین آزاد لڑکیاں ہیں جن کا باپ غلام ہے اور ماں آزاد ہے صورت اسکی یہ ہے کہ ایک غلام نے اپنے مالک کی حکم سے کسی آزاد عورت سے نکاح کیا اور ان دونوں سے تین لڑکیاں پیدا ہوئیں تو یہ لڑکیاں آزاد مانی جائینگی کیونکہ اولاد آزادی و غلامی میں ماں کی تابع ہوتی ہے ماں آزاد ہے تو بچہ بھی آزاد ہے اگر ماں کنیز ہے تو بچہ بھی غلام ہے۔ للکبری ثلثون دینارًا انمیں سے بڑی کے پاس تیس اشرفیاں ہیں للصغری عشرون دینارًا اور سب سے چھوٹی کے پاس بیس اشرفیاں ہیں فاشتروا ابا ھما بالخمسین پس ان دونوں بہنوں نے اپنے غلام باپ کو پچاس کو خرید لیا تو وہ انپر فوراً آزاد ہو جائیگا فمات الاب وترک شیئا فالثلثان بینھن اثلاثا بالفرض والباقی بین مشتریی الاب اخماسا بالولاء ثلثۃ اخماسہ للکبری وخمساہ للصغری پھر باپ مرگیا اور کچھ مال چھوڑا تو دو تہائی بطور فرضیت کے ان تینوں بیٹیوں کو اسطرح ملیگا کہ اسکے تین حصے ہو کر ایک ایک حصہ تینوں کو دیدیا جائیگا اور جو تہائی باقی رہیگا اسکی پانچ حصے ہو کر انمیں سے تین حصے بطور ولاء کے سب سے بڑی بیٹی کو دی جاوینگی اور دو حصے بطور ولاء کے سب سے چھوٹی بیٹی کو دیے جاوینگے۔ وتصح من خمسۃ واربعین۔ اور مسئلہ ۴۵ سے تصحیح پائے گا پس ان ۴۵ میں سے دو ثلث کر تیس ہوتے ہیں لیکر تینوں لڑکیوں میں سے ہر ایک کو دس دس بسبب فرض کے ملینگے۔ اور باقی رہے تہائی کہ ۱۵ ہوئے ان کے پانچ حصے کرینگے جن میں سے تین خمس کہ نو ہوتے ہیں بڑی بیٹی کو ولاء کی وجہ سے دیے جاوینگے اور دو خمس کہ چھ ہیں سب سے چھوٹی کو بسبب ولاء کے ملینگے۔ دختر کلاں کا تمام حصہ فرض اور ولاء کی رو سے انیس ہے اور تمام حصہ دختر خرد کا فرض اور ولاء کی رو سے سولہ ہے اور منجھلی لڑکی کو سوائے دس کی کہ فرض ہے اور کچھ نہ دیا جائیگا۔

مسئلے کے ۴۵ سے درست ہونیکا بیان یہ ہے کہ اصل مسئلہ یہاں تین سے ہے کیونکہ سب سے چھوٹا عدد جس سے دو ثلث کی تصحیح ہو سکے تین ہے پس یہی مخرج قرار پاکر دو تہائی لیکر اور اسکے تین حصے کر کے ایک ایک حصہ ہر ایک بیٹی کو بطور فرض کے دیا جائیگا اور ثلث باقی کہ ایک ہے بطور ولاء کے ان دونوں لڑکیوں کو ملیگا جنھوں نے باپ کو خرید کیا تھا اور چونکہ دو کی تقسیم تین لڑکیوں پر درست واقع نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ درمیان عدد سہام کے کہ دو ہیں اور عدد رؤس دختران کے کہ تین ہیں نسبت تباین کی ہے پس وحدہ کی تقسیم تین پر نہو سکیگی اس لئے حسب قاعدہ لڑکیوں کے تمام عدد رؤس کہ تین ہوتے ہیں لیے گئے۔ اور چونکہ ثلث باقی کی تقسیم سب سے بڑی اور چھوٹی لڑکی پر انکی ماؤں کی نسبت سے کرنی واجب ہے اور دونوں لڑکیوں کے ماؤں میں مکہ تیس اور بیس ہیں دہائی کے ساتھ توافق ہے۔ پس تیس اشرفی میں سے دسواں تین ہے اور بیس اشرفی میں سے دسواں دو ہے اور تین اور دو کا مجموعہ پانچ ہے اور یہ پانچ بمنزلے

عدد رؤس درثہ کے ہیں اور تہائی باقی کہ ایک ہی سہام ولا پر کہ پانچ ہیں درست نہیں آتے کیونکہ ایک اور پانچ کے درمیان تباین کی نسبت ہے اس لئے پانچ کا مجموعہ لے لیا گیا اور درمیان ان پانچ اور لڑکیوں کے عدد رؤس کے کہ تین ہیں تباین ہے پس جب ہمنے پانچ کو تین میں ضرب دیا تو ۱۵ حاصل ضرب ہوئے۔ پھر حاصل ضرب کو اصل مسئلے میں کہ تین ہیں ضرب دیا تو پندرہ تیے ۴۵ حاصل ہوئے ان ۴۵ سے مسئلہ صحیح ہوتا ہے اس لئے کہ اصل مسئلے سے لڑکیوں کے لئے دو سہم ہیں اور دو کو مضروب میں کہ ۱۵ ہیں ہمنے ضرب دیا تو تیس حاصل ہوئے اور یہ تینوں بیٹیوں کے اسہام فرض کی روسے ہیں کہ ہر ایک کو دس پہنچے۔ اور سب سے بڑی اور سب سے چھوٹی لڑکی کے لئے اصل مسئلے سے ولا کی روسے ایک سہم ہے اور ایک کی ضرب سے ۱۵ میں کوئی تغیر پیدا نہیں ہوتا پس یہی پندرہ حصہ باقی سہام ولا پر کہ پانچ ہیں تقسیم کر دیا جائیگا اور اب ہر سہم تین کی مقدار میں ہو جائیگا پس پندرہ میں سے بڑی بیٹی کو تو پہنچینگے اور اسکو فرضیت کے طور پر دس پہنچتے تھے تو دونوں جمع ہو کر ۱۹۔ اسکو ملینگے اور سب سے چھوٹی کو ۱۵ میں سے چھ پہنچینگے اور فرضیت کے طور پر اسکے دس تھے تو انکا مجموعہ ۱۶ ہوگا اور بیچ کی لڑکی کو جو کہ فرضیت سے دس پہنچتے تھے وہی پہنچینگے۔

واضح رہے کہ انمیں سے سب سے بڑی اور سب سے چھوٹی لڑکی کو جنھوں نے باپ کو خریدا ہے باپ کا نکاح کرنے کی بھی ولایت حاصل ہے۔ اگر وہ سال کے زیادہ حصے میں دیوانہ رہتا ہو۔ شیخ الاسلام خواہر زادہ کہتے تھے کہ میرے استاد ابو بکر جندی ابو اسحاق حافظ حکایت کرتے تھے کہ وہ یہ کہتے تھے کہ یہ مسئلہ ایک عجیب مسئلہ ہے جس میں آدمی کی بیٹی اسکی ولیہ ہو۔

باب الحجب

باب حجابوں کے بیان میں

حجب لغت میں باز رکھنے کے معنے میں ہے اسی سے مشتق ہے حجاب اور یہ وہ چیز ہے جس سے پردہ واقع ہوا اس طرح کہ اسکی وجہ سے اسکے پیچھے کی چیزیں نہ دکھ سکیں۔ اور اصطلاح اہل فرائض میں اسے کہتے ہیں کہ ایک وارث کو بسبب ہونے دوسرے وارث کے کم ملے یا کچھ نہ ملے۔ حجب میں ہر دور والا نزدیک والے کے ہوتے محروم ہے جیسے ایک شخص نے ایک بیٹا چھوڑا اور ایک پوتا دوسرے بیٹے سے تو پوتا کہ دور والا ہے اُس بیٹے کے ہوتے کہ نزدیک والا ہے محروم ہے اگرچہ پوتا میت کی طرف بذریعے اس کے بیٹے کے منسوب ہے۔

فرق درمیان حاجب و مانع کے یہ ہے کہ مانع سے صلاحیت میراث کی معدوم ہو جاتی ہے یعنی وارث نہیں رہتا حاجب سے صلاحیت تو جاتی نہیں بلکہ وارث رہتا ہے لیکن ایک پردہ درمیان میں حائل ہے سے میراث نہیں پا سکتا۔ جب حاجب دفع ہو جائیگا برابر مستحق میراث ہوگا۔

غلام یا قاتل کسی کا حاجب نہیں ہو سکتا نہ محجوب حرمان و محجوب نقصان مثلاً ایک شخص مرا اور اُسنے ایک بیٹا

غلام یا قاتل اور ماں کو چھوڑا تو اس صورت میں ماں کو باوجود ہونے بیٹے کے ثلث ملیگا نہ سدس اسیطرح اگر اس صورت میں ماں کی جگہ پوتا ہو تو پوتا باوجود ہونے بیٹے کے محروم نہوگا اور یہ قول عامہ صحابہ کا ہے اور یہی قول حنفی مذہب میں معتبر ہے اور عبداللہ ابن مسعود کے نزدیک ممنوع دوسرے کا حاجب ہوتا ہی یہ حجب نقصان نہ بحجب حرمان پس انکے نزدیک پہلی صورت میں ماں کو سدس ملیگا نہ ثلث اور دوسری صورت میں پوتا محروم نہوگا جیسا کہ حنفی مذہب میں محروم نہیں ہوتا محجوب یعنی ایسا شخص جس کو بسبب ہونے دوسرے شخص کے کم ملے یا کچھ نہ ملے۔

دوسرے شخص کا حاجب ہوتا ہی بحجب نقصان بھی اور بحجب حرمان بھی جیسے دو بھائی یا دو بہنیں باپ کے ہوتے محجوب ہیں لیکن ماں کا حصہ ثلث سے سدس کر دیتے ہیں اور جیسے دادی کہ باپ کے ہوتے محجوب ہی لیکن نانی کی ماں کی حاجب بحجب حرمان ہوتی ہے کہ نانی کی ماں کو اُسکے ہونے سے کچھ نہیں ملتا۔

تحفۃ الافکار میں شیخ علی بن عبداللہ نے لکھا ہی کہ اس مسئلے میں دو قاعدے ہیں پہلا قاعدہ یہ ہے کہ جسکو تقدیم جہت کی وجہ سے ہو تو وہ محجوب کرتا ہی۔ اور دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ جو کوئی کسی واسطہ کے ذریعہ سے میت سے تعلق رکھتا ہے تو وہ واسطے سے محجوب ہوتا ہے جیسے دادی باپ کی ساتھ۔

محروم کی علامت (م) ہے جسکو کچھ نہ ملتا ہو اور اُس کا نام زیر میت لکھا جائے تو اُسکے نام کے تلے یہ علامت لکھ دیتے ہیں۔

تمثیلات

مسئلہ ۴ — میت زید

زوجہ	پدر	پسر کافر
۱	۳	م

اگر پسر محروم نہوتا تو زوجہ کو ثمن اور پدر کو سدس ملتا باقی پسر لیتا۔ اُسکی محرومی کی وجہ سے زوجہ ربع پائیگی باقی پدر نے ازراہ عصوبت پالیا۔

مسئلہ ۶ — میت زید

مادر	پدر	بہن	بہن
۱	۵	م	م

گو بہنیں ذوجہ باپ کے محجوب بحجب حرمان ہوگئیں لیکن باوجود اسکے ماں کے حصے میں حاجب ہوئیں یعنی اُسکو ثلث کی جگہ چھٹا حصہ ملا اگر بہنیں موجود نہوتیں تو ماں ثلث ترکہ پاتی۔

فائدہ۔ حجب اور استحقاق میں مثلث کے لئے حکم جمع کا ہے۔ الحجب علی نوعین حجب دو نوع پر ہے حجب نقصان ایک نوع حجب نقصان ہے وھو حجب عن سھم الی سھم اور وہ یہ ہے کہ بہت سہم سے کمتر سہم کی طرف حاجب ہوجائے پس حجب نقصان یہ ہے کہ اگر فلاں وارث نہوتا تو اس وارث کو زیادہ ملتا مگر ذوجہ فلاں کے کم ہوگیا۔ وذالک خمسۃ نفر للزوجین والام وبنت الابن والاخت لاب حجب نقصان پانچ وارثوں کے حق میں ہوتا ہے (۱) شوہر (۲) جورو (۳) ماں (۴) پوتی (۵) سوتیلی

وقد ظہر بیانہ ان کا حال گذر چکا اور وہ یہ ہے کہ شوہر کو نصف ملتا ہے اور اولاد کے ہونے سے کم یعنی ربع ملتا ہے اسی طرح زوجہ کو ربع ملتا ہے اور اولاد کے ہونے سے کم یعنی ثمن ملتا ہے اور ایسے ہی ان کو ثلث ملتا ہے اور اولاد کے ہونے سے مثلاً سدس باقی ہے اور پوتی کو نصف ملتا ہے اور بیٹی کے ہونے سے سدس باقی ہے۔ اور علاتی بہن کو نصف ملتا ہے اور ایک حقیقی بہن کے ہونے سے سدس باقی ہے جیسا کہ سابقاً اسکے حالات سے معلوم ہوا ہوگا۔ اس نقشے میں یہ تمام احوال مندرج ہے۔

نمبر شمار	نام وارث محجوب	حصہ مقررہ	وہ حصہ جو حجب نقصان سے باقی رہا	نام حاجب
۱	شوہر	نصف ۱/۲	ربع ۱/۴	اولاد
۲	بیوی	ربع ۱/۴	ثمن ۱/۸	اولاد
۳	ماں	ثلث ۱/۳	سدس ۱/۶	اولاد یا دو بھائی یا دو بہنیں
مکرر	ماں	ثلث کل ۱/۳	ثلث باقی ۱/۳	احد الزوجین اور باپ
۴	پوتی	نصف یا ثلثان ۱/۲ ۲/۳	سدس ۱/۶	ایک بیٹی
۵	علاتی بہن	نصف یا ثلثان ۱/۲ ۲/۳	سدس ۱/۶	ایک حقیقی بہن

وحجب حرمان اور دوسری نوع حجب حرمان ہے اور وہ یہ ہے کہ اس سے پوری محرومی حاصل ہوتی ہے یعنی ایک وارث کو بوجہ دوسرے وارث کے کچھ نہیں ملتا۔ مثلاً حقیقی دو بہنیں ہوں تو علاتی بہن کے لئے کچھ نہیں ہے۔ والورثة فيه اے فی حکمہ علی تقدیر حذف المضاف واقامة المضاف الیہ مقامہ مطلب یہ ہے کہ فیہ کے معنے فی حجب الحرمان کے ہیں مضاف کو حذف کرکے اسکی جگہ مضاف الیہ کو بٹھا دیا ہے فریقان یعنی حجب حرمان کے حکم میں وارث دو فریق ہیں فریق لا یحجبون ابدا البتہ یعنی ایک فریق وہ ہے کہ کسی حالت میں بالکل محروم نہیں ہوتا اگرچہ انہیں سے بعض حجب نقصان کے ساتھ محجوب ہو جاتا ہے وھم ستة اور وہ چھ ہیں یعنی حجب حرمان ان چھ وارثوں کے حق میں نہیں ہے یعنی کسی صورت میں وہ میراث سے بالکل محروم نہیں ہوتے بجز موانع ارث کے الابن والاب والزوج والبنت واللام والزوجة یعنی ایک پسر دوسرا پدر تیسرا شوہر چوتھی دختر پانچویں مادر چھٹی زوجہ۔ بیٹا ہمیشہ عصبہ رہتا ہے اور باپ کے واسطے ہمیشہ یا سدس ہے یا عصوبت ہے اور شوہر کا ہمیشہ یا نصف ہی یا ربع ہے اور بیٹی تین حال سے خالی نہیں اس کا یا نصف ہے

یا دو ثلث یا عصوبت ہو جبکہ بھائی کے ساتھ میں ہو تو ایسی حالت میں اُسکو بھائی سے آدھا ملیگا اور ماں کا سدس ہے یا ثلث کل میں سے یا ثلث باقی میں سے ہمیشہ اور بیوی کا یا ربع ہے یا ثمن ہمیشہ۔

سوال۔ مصنف نے جب حرمان کے معنے تو یہ بیان کئے کہ اُسکی وجہ سے پوری محرومی حاصل ہوتی ہے اور محجوب بحجب حرمان کو کبھی کچھ نہیں ملتا اور اُسکے تحت میں ایک ایسا فریق داخل کر دیا جو کبھی میراث سے باز نہیں رہتا اس کا کیا سبب ہے۔

جواب۔ شئے کے ساتھ حکم کا تعلق نفی اور اثبات دونوں کے اعتبار سے ہوتا ہے تو نفی اور اثبات دونوں اُسکے احکام میں سے ہوتے ہیں یہی حال یہاں سمجھنا چاہئے کہ حجب حرمان کا تعلق بعض وارثوں سے نہیں ہے اور بعض سے ہے۔ دوسری عبارت میں بعض وارثوں سے حجب حرمان کا تعلق بطور نفی کے ہے اور بعض سے بطور اثبات کے پس حجب کی نفی اور اثبات دونوں ہی حجب حرمان کے احکام سے ہونگے اس لئے مصنف پر لازم آیا کہ جو وارث حجب حرمان سے مستثنیٰ ہیں اول اُن کا حال بیان کرکے پھر اُنکا حال بیان کریں جو حجب حرمان کی ساتھ محجوب ہوتے ہیں اور یہی طریق اُنھوں نے اختیار کرکے اول اس بات کی توضیح کر دی کہ کن کن وارثوں سے حجب حرمان کا تعلق نہیں ہوتا۔ اور پھر یہ ظاہر کیا کہ کن کن سے اُس کا تعلق ہے دوسری عبارت میں یوں سمجھو کہ ایسے فریق کو جو کسی حالت میں محجوب نہیں ہے حجب حرمان میں اس لئے داخل کیا ہے کہ حجب حرمان کی دو حکم ہیں ایک فریق کے لئے نفی کا اور دوسرے کے لئے اثبات کا پس ہر ایک فریق تقسیم میں داخل رہیگا جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ خطابات شرع میں انسان دو قسم پر ہے ایک اُس میں داخل ہے اور وہ بالغ عاقل ہے اور دوسری قسم غیر داخل ہے جیسے بچہ اور مجنون اگرچہ یہ پچھلی قسم اُس میں داخل نہیں مگر تقسیم میں شامل کیا ہے۔ وفریق یرثون بحال ویحجبون بحال اور دوسرا فریق وہ ہے جو ایک حال میں تو وارث ہوتا ہے اور دوسرے حال میں محجوب ہوتا ہے وھذا مبنی علی اصلین اور فریق ثانی میں حجب کی بناء دو اصلوں پر ہے یعنی محجوب ہونا پایا جاتا ہے دو قاعدوں کے ہونے یا ایک کے ہونے سے تو جن قریبوں میں دونوں اصلیں یا ایک اصل پائی گئی تو وہ قریب محجوب ہونگے ورنہ وارث ہونگے

احدھما ھو ان کل من یدلی الی المیت بشخص لا یرث مع وجود ذلک الشخص۔ پہلی اصل یہ ہے کہ جو آدمی کہ اُسکا نسب میت کی طرف کسی شخص کی وجہ سے پہنچتا ہے تو وہ آدمی اُس کی موجود ہوتے وارث نہیں ہوگا چنانچہ پوتا بیٹے کے ساتھ وارث نہیں ہوتا کیونکہ پوتے کی قرابت دادا سے باپ کے ذریعے سے ہے تو پوتا دادا کے مال کا وارث باپ کے ہوتے نہ ہوگا۔ سوی اولاد الام فانھم یرثون معھا لا نعدام استحقاقھا جمیع الترکۃ مگر مادری یعنی اخیافی بھائی بہنیں ماں کے ساتھ وارث ہوتے ہیں اسواسطے کہ ماں تمام ترکہ کو نہیں پاتی حاصل کلام یہ ہے کہ جو شخص میت کی طرف بذریعہ کسی دوسرے کے منسوب ہے تو وہ شخص اگر شخص حقیقی ہوتے محروم ہے مگر اولاد الام یعنی اخیافی بھائی بہنیں کہ باوجودیکہ ام یعنی ماں کے واسطے سے منسوب ہیں مگر ام کے ہوتے محروم نہیں حالانکہ میت کی قرابت مادری بھائی بہنوں سے ماں کے ذریعے سے ہے تو اصل اول کا مقتضا یہ تھا کہ مادری بھائی

بہن ماں کے ساتھ وارث ہوتے مگر انکی وراثت اس وجہ سے ہوئی کہ منسوب الیہ کے ہوتے منسوب الیہ محروم ہوتا ہے کہ منسوب الیہ کل ترکہ کا استحقاق رکھتا ہو یا دونوں ایک جہت سے میراث پانے کے مستحق ہوں پس اگر ایسا نہو جیسے ام اور اولاد الام میں کہ ماں نہ کل ترکے کا استحقاق رکھتی ہے اور نہ دونوں ایک جہت سے میراث پانے کے مستحق ہیں بلکہ ام ماں ہونے کی جہت سے مستحق ہے اور اولاد الام بھائی بہن ہونے کی جہت سے۔

سوال۔ ماں جب تنہا ہو کہ کوئی اہل فرائض و عصبات میں سے اُسکے ساتھ نہو تو تمام ترکہ پاتی ہے۔

جواب۔ یہ استحقاق ایک جہت سے نہیں ہے بلکہ بعض ترکہ فرض کی وجہ سے اور بعض رد کے سبب سے پاتی ہے اور اوپر ہماری مراد یہ ہے کہ ماں کو ایک جہت سے سب ترکے کے ملنے کا استحقاق نہیں ہے والثانی الاقرب فالاقرب دوسری اصل یہ ہے کہ وارثوں میں قریب تر بعید تر کو محجوب کر دیتا ہے اسواسطے کہ قریبی صاحب فرض ہو یا عصبہ ہو یا ذوی الارحام ہو ہر ایک بعید پر مقدم ہوتا ہے خواہ دونوں قریب ہوں اسے سبب ارث میں متحد ہوں یعنی دوسری صورت حجب کی اقرب الی الجد کے پائے جانے سے حاصل ہوتی ہے تو اقرب الجد کا حاجب ہوتا ہے۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ محروم الارث تو نہو بلکہ مقدم کی جہت سے محجوب ہو تو یہ ہر چند خود محجوب ہی لیکن بالاتفاق وہ مستحق وارث کو نقصان سے محجوب کر دیتا ہے کما ذکرنا فی العصبات چنانچہ عصبات میں مذکور ہو چکا کہ میت کا جزمیت کی اصل کا حاجب ہوتا ہے اور میت کی اصل اپنی فرع اقی کی حاجب ہو اور فرع پدری فرع جدی کی حاجب ہے۔ وعلی ہذا القیاس ذوی الفروض اقرب ابعد کا حاجب ہو اتحاد سبب کی مثال چنانچہ جدات ماں کے ساتھ اور پوتیاں بیٹیوں کے ساتھ اور سوتیلی بہنیں سگی بہنوں کے ساتھ اور عدم اتحاد سبب کی مثال باپ اور بھائی ہے۔ شرح فصول الہمہ میں ابو الطیب بدر الدین محمد نے حجب حرمان کی اس طرح دو قسمیں بتائی ہیں (۱) محجب بصفت اور یہ کفر اور غلامی اور قتل وغیرہ ہے اور دوسرا حجب بالشخص سو یہ بات دوسری ہے اسکو اس مقام سے تعلق نہیں ہے۔ والمحروم واضح رہے کہ محروم و محجوب کے درمیان یہ فرق ہے کہ محروم دوسرے کا حاجب نہیں ہوگا مگر محجوب دوسرے کا حاجب ہو مطلب یہ ہو کہ محروم کے لفظ سے مراد وہ ہے جو موانع ارث سے محروم ہوتا ہے اگر حجب حرمان سے محجوب ہو تو وہ حاجب دوسرے کا ہوگا کالمحجوب عندنا یعنی محروم المیراث ہمارے نزدیک کسی طرح حاجب نہیں ہوتا نہ وہ مستحق وارث کو محروم کر سکتا ہے نہ اُسکا حصہ کم کر سکتا ہے جب محروم میں صلاحیت میراث کی اصلا نہ ہی تو وہ استحقاق ارث میں میت کی مانند ہو گیا تو اسی طرح حق حجب میں وہ بمنزلے میت کے ہے اہلیت کے فوت ہونے کی وجہ سے وعند ابن مسعود رضی اللہ عنہ یحجب حجب النقصان کالکافر والقاتل والرقیق لیکن ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک محروم محجوب کرتا ہے حجب نقصان کے ساتھ نہ حجب حرمان کے ساتھ جیسے کافر اور قاتل اور غلام جیسا کہ شرح سرخسی اور اسرار قاضی ابو زید دبوسی اور فرائض تمرتاشی اور فرائض عثمانی میں ہے امام محمد نے کتاب فرائض میں ذکر کیا ہے کہ ایک مسلمان عورت نے مسلمان شوہر اور دو مسلمان اخیافی بھائی اور ایک کافر بیٹا چھوڑا پس حضرت علی و زید بن ثابت نے شوہر کو نصف اور دونوں بھائیوں کو ثلث ملنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ باقی ماندہ عصبہ کا حق ہے تو

ظاہر ہے کہ کافر بیٹے نے شوہر کو آدھے سے چوتھائی کی طرف محجوب نکیا اور نہ دونوں بھائیوں کو محجوب کیا لیکن ابن مسعود اسکے خلاف ہیں وہ کہتے ہیں کہ شوہر کے لئے ربع ہے اور دو اخیافی بھائیوں کے لئے ثلث اور باقی عصبہ کے لئے۔

پس یہ روایت دلالت کرتی ہے کہ محروم جس طرح ابن مسعود کے نزدیک حجب نقصان کا باعث ہی اسیطرح حجب حرمان کا بھی سبب ہی شرح خواہرزادہ سے اسی طرح مستفاد ہوتا ہے تو اس صورت میں ابن مسعود کی حجب حرمان میں دو روایتیں ہونگی قول مذکور کی وجہ یہ ہی کہ حجب نقصان بیٹے اور بھائی کے نام کے ساتھ ثابت ہی پھر کفر اور قتل اور غلامی کی وجہ سے یہ نام بدل نہیں سکتا اور بیٹے اور بھائی کے وارث ہونے کی قید لگانے سے نص پر زیادتی لازم آتی ہے اور زیادتی نص پر نسخ ہے۔

پس اُسی چیز سے ثابت ہوگی جس سے نسخ ثابت ہوتا ہے اور یہ برخلاف حجب حرمان کے ہے۔ اس لئے کہ حجب حرمان ابعد پر اقرب کی تقدیم کے اعتبار سے ہوتا ہے۔

اور یہ اُسوقت متحقق ہوتا ہے جبکہ اقرب مستحق ہو اور حجب نقصان باعتبار سبب کے بیٹے اور بھائیوں کے وجود کے ساتھ اُس کا موجب نہیں ہوسکتا ہاں وہ حصوں میں سے جو حصہ کمتر ہو اُسکے دلانے کا موجب ہوتا ہے اور اس معنے کی بنا پر اس بات میں کہ بیٹا اور بھائی وارث ہیں یا وارث نہیں فرق نہوگا اور یہ کہنا نہ چاہیئے کہ جو وارث نہیں ہے میت کی طرح قرار دے لیا جائیگا اور اس صورت میں وہ حاجب نہوگا اسلئے کہ اسپر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ میت نے ماں باپ اور بھائی چھوڑے تو ماں کا چھٹا حصہ ہو اور باقی ماندہ باپ کا پس بھائیوں نے ماں کو تہائی سے چھٹے کی طرف محجوب کردیا اور خود وارث نہیں ہوئے اسیطرح جائز ہے کہ کافر اور غلام حاجب ہوں اور باوجود اسکے خود وارث نہوں۔

حنفیہ کی طرف سے حجت یہ ہے کہ کافر مسلم سے میراث کا اہل ہی نہیں اور نہ غلام میراث کا آزاد سے اہل ہی اور جبکہ یہ بات ہی تو علت اہلیت کے فوت ہونے اور شرائط انعقاد میں سے ایک شرط کے فوت ہوجانے سے وراثت کی اہلیت جاتی رہتی ہے۔ نظیر اسکی یہ ہے کہ مجنون کی بیع اہلیت کے فوت ہوجانے سے منعقد نہیں ہوتی۔ اور آزاد کو فروخت کرنا اور مول لینا بوجہ فوت ہونے شرط انعقاد کے کہ وہ مالیت سے درست نہیں اور بیع کا وجود وعدم ایک درجے میں قرار دیا ہے تو کافر و غلام بمنزلے میت کے قرار پائیگا اس قول کی صحت پر دلیل مشائخ کا وہ قول ہے جو اُنھوں نے اس صورت میں کہا ہی کہ میت نے باپ اور دادا چھوڑے اور باپ اُسکا ایک شخص کا مملوک ہے یا کافر ہے تو دادا اُس سے وارث ہوتا ہے۔ طحاوی نے اسپر کتاب اختلاف علما میں اجماع نقل کیا ہے اور باپ کا وجود جو میراث کا اہل نہیں ہی بمنزلے میت کے ہوگیا ہے پس اسی طرح یہاں بھی ہوگا برخلاف بھائیوں کے باپ کے ساتھ کہ انکو میت میں شمار نہیں کیا گیا گو وہ باپ کے ساتھ وارث نہیں ہوتے ہیں اسواسطے کہ بھائی میراث کا اہل ہے کیونکہ وہ آزاد ہے مسلمان ہے اور میراث کی اہلیت حریت اور اسلام ہی سے ثابت ہوتی ہے مگر علت نے حکم یعنی میراث کے ایجاد کرنے میں اپنا عمل نہیں کیا کیونکہ عمل کے شرائط میں سے ایک شرط فوت ہوگئی ہے اور وہ شرط باپ کا عدم ہے نہ بوجہ فوت ہوجانے اہلیت یا شرائط انعقاد کے عمل نہیں کیا اور جبکہ علت پائی جاتی ہو اور عمل اُس کا بوجہ تحقق شرط عمل کے فوت ہوجانے کے جاری

نہیں ہوتا نہ اس وجہ سے جاری نہیں ہوتا کہ شرائط انعقاد میں سے کوئی شرط یا اہلیت فوت ہوگئی ہے تو اسکو عدم قرار نہیں دیتے جیسے فضولی کی بیع اور بیع بشرط الخیار کہ انکو عدم نہیں قرار دیتے کیونکہ انمیں فوت شرط عمل ہے نہ شرط انعقاد جو متعاقدین کی اہلیت اور مبیع کی مالیت سے عبارت ہے اور حجب غلام اور کافر کو میت بنانا ممکن نہوا تو وہ بالضرور حاجب ہونگے بخلاف اس صورت کے جسمیں ہم گفتگو کرتے ہیں اور چونکہ جو شخص میراث کا اہل نہیں ہوتا تو وہ استحقاق میراث میں میت کی طرح سمجھا جاتا ہے اسی طرح وہ حجب میں میت کی طرح ہے اور جیساکہ غلام ہونے کے سبب سے فرزندی سے خارج نہیں ہوتا تو موت سے بھی فرزند ہونے سے خارج نہوگا پھر جسطرح حجب کے لئے اُسکی زندگی شرط ہے اسی طرح اُسکا وارث ہونا بھی حجب کے لئے شرط ہوگا اور ہم حجب نقصان کو حجب حرمان پر قیاس کرینگے کیونکہ معنوی طور پر دونوں میں فرق نہیں ہے کیونکہ حجب حرمان میں تقدیم اقرب کی ابعد پر عام میں ہوتی ہے اور حجب نقصان میں تقدیم حاجب کی محجوب پر بعض میں ہوتی ہے پس جبکہ صفت وراثت کی حاجب میں مشروط ہے تو اسی طرح یہاں بھی مشروط ہوگی اور ابن مسعود کا یہ کہنا کہ حجب نقصان نص سے اسم ولد کے ساتھ ثابت ہی محل نظر ہے اس لئے کہ آیت میں ولد مذکور سے مراد وہ ولد ہے جو وارث ہو اسواسطے کہ ولد مذکور کا عطف جس آیت پر ہے اُس میں اسی قسم کا ولد مراد ہے اور وہ آیت یہ ہے۔ یوصیکم اللہ فی اولادکم پس جبکہ آیت اول میں ولد وارث کو ذکر کیا اور اس ولد کو اُس کے بعد ذکر کیا تو اس بات سے ثابت ہوا کہ اس سے وہی ولد وارث مراد ہے جو اول مذکور ہوچکا اور جبکہ صفت وراثت کی ولد میں مذکور ہوئی تو آیت معطوفہ کی تقدیر یوں ہوگی۔ فان لم یکن لہن ولد وارث جیساکہ نکتہ اول میں شیخ الاسلام خواہرزادہ نے اور نکتہ دوم میں شمس الائمہ سرخسی نے تعلیل کی ہے اور تائید اسکی اس سے ہوتی ہے کہ قرآن کی آیت اول میں اولاد کو اضافت کے ساتھ معرفہ کرکے بیان کیا ہے۔ پھر ولد کو نکرہ ذکر کیا ہے۔ اور قاعدہ مقرری ہے کہ جبکہ معرفے کا اعادہ نکرہ کی صورت میں کیا جاتا ہے تو اس نکرے سے وہی معرفہ مراد ہوتا ہے والمحجوب یحجب بالاتفاق اور وہ شخص جو محجوب حجب حرمان کا ہے تو وہ اپنے سے غیر کو نقصان پہنچانے کے ساتھ بھی محجوب کرتا ہے اور بالکل بھی محجوب کردیتا ہے اور اسمیں سب کا اتفاق ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ابن مسعود کو اس میں اختلاف نہیں بلکہ جو تجویز حنفیہ کی ہے وہی ابن مسعود کی ہے کیونکہ اُنکے نزدیک محروم ومحجوب میں غیر کا حاجب بننے میں کوئی فرق نہیں تو اسلئے اُنکے نزدیک محجوب کے دوسرے کا حاجب مانے جانے میں کوئی اشکال پیدا نہیں ہوتا۔ کالاثنین من الاخوۃ والاخوات فصاعدا من ای جہۃ کانا فانہما لا یرثان مع الاب ولکن یحجبان الام من الثلث الی السدس چنانچہ دو یا زیادہ بھائی بہنیں حقیقی ہوں یا علاتی یا اخیافی یہ لوگ باپ کے سامنے وارث نہیں ہوتے لیکن ماں کو تہائی حصے سے چھٹے حصے کی طرف محجوب کردیتے ہیں یہ مثال حجب نقصان کی ہے۔ صاحب روضہ نے کہا ہے کہ محجوب جو غیر کا حاجب نقصان کے ساتھ ہوتا ہے وہ چار طرح ہے (۱) میت نے ماں باپ اور دو بھائی چھوڑے تو ماں کو سدس ملیگا اور باقی باپ کو اور باپ کی وجہ سے بھائی ساقط ہیں (۲) میت نے ماں اور جد اور دو اخیافی بھائی چھوڑی تو ماں کا چھٹا ہے اور باقی جد کا (۳) میت نے باپ اور دادی اور نانی چھوڑی تو دادی باپ کی وجہ سے

ساقط ہے اور نانی کے وارث ہونے میں دو وجہیں ہیں (الف) اصح یہ ہے کہ اُسکا حصہ تمام ترکے سے چھٹا ہے (ب) بیٹے کا آدھا ہے (۴) جد اگر وہ حقیقی نہیں اور ایک علاتی بھائی چھوڑا تو علاتی بھائی کی وجہ سے جد کا حصہ کم ہو جائیگا خود علاتی کو کچھ نہ ملیگا۔

اور ایک پانچویں صورت بھی ہے کہ میت نے ماں اور ایک حقیقی بھائی اور ایک علاتی بھائی چھوڑے تو ماں کو سدس ملیگا اور باقی حقیقی کو۔

اور حجب حرمان کی یہ مثال ہے کہ باپ کے ساتھ دادی محجوب ہو اور باوجود اسکے دادی نانی کی ماں کو بالکل محجوب کر دیتی ہے ابن مسعود کے نزدیک تو اسکی وجہ آسان ہے اور وہ یہ ہے کہ اُنکے نزدیک جبکہ محروم حاجب ہے باوجودیکہ اُسکو خود کسی طرح سے وراثت کا حق حاصل نہیں ہے تو محجوب کا دوسرے کے لئے حاجب ہونا بدرجۂ اولیٰ درست ہوگا بلکہ بہ نسبت محروم کے محجوب اس کام کے لئے زیادہ اہل ہے کیونکہ یہ ایک وجہ سے وارث ہے اور دوسری وجہ سے وارث نہیں ہے برخلاف محروم کہ وہ کسی نہج سے وارث نہیں ہے اور حنفیہ کے نزدیک محجوب کے حاجب ہونے کی توجیہ یہ ہے کہ محروم کو اُنھوں نے معدوم قرار دے رکھا ہے کیونکہ وہ کسی طرح بھی میراث کی اہلیت نہیں رکھتا ہے تو وہ اُسکو حاجب نہیں مانتے اور محجوب کو اسوجہ سے حاجب مانتے ہیں کہ وہ ایک وجہ سے میراث کا اہل ہے اور دوسری وجہ سے اہل نہیں ہے اہل تو اصل کے اعتبار سے ہے اور نا اہل حاجب کی وجہ سے ہوتا ہے اب دونوں میں فرق ظاہر ہے کہ محروم تو بوجہ نہ ہونے اہلیت کے حاجب نہیں ہو سکتا اور محجوب ایک وجہ سے یعنی اہلیت رکھنے کے سبب سے حاجب ہو سکتا ہے محروم تو بالکلیہ معدوم سمجھ لیا گیا ہے اور محجوب استحقاق ارث کے حق میں میت کی طرح سمجھا جاتا ہے یہاں تک کہ حاجب کے ہوتے وارث نہیں ہو سکتا اور غیر کا حاجب بنجانے کے حق میں زندہ مانا جاتا ہے۔ دوسری عبارت میں محروم اور محجوب بحجب حرمان ایک نہیں ہیں بلکہ دونوں میں بڑا فرق ہے اس لئے کہ اُن موانع ارث میں سے کہ غلامی قتل اختلاف دین۔ اور اختلاف ملک ہے کسی ایک مانع سے کوئی ملتبس ہو جاتا ہے تو ہمیشہ کو ارث سے ممنوع اور محروم ہو جاتا ہے کسی طرح اور کبھی اپنے مورث کا وارث نہیں ہو سکتا بلکہ فی نفسہ مثل معدوم کے سمجھا جاتا ہے بخلاف اُس شخص کے جو کسی سبب سے حجب حرمان کے ساتھ محجوب ہو گیا ہے وہ مطلقاً غیر اہل ارث میں سے شمار ہونے کے قابل نہیں بلکہ وہ ایک وجہ سے وارث ہے اور دوسری وجہ سے غیر وارث ہے وارث تو اس جہت سے ہے کہ وہ غیر کے حق میں حاجب بنجاتا ہے پس دوسرے وارث کے حجب کے حق میں وہ وارث سمجھا جاتا ہے کیونکہ وارث ہونے کی حیثیت حاصل ہوئی تو غیر کو کیسے محجوب کرتا اور خود اپنی ذات کے اعتبار سے غیر وارث ہے۔

کافر بیٹے کی ماں کے ارث میں سے ابن مسعود کے نزدیک شوہر کو چہارم ملتا ہے اس لئے کہ بیٹا گو کفر کی وجہ سے محروم ہے لیکن شوہر کا حاجب نصف سے ربع کی طرف ہو گیا ہے اور ابو حنیفہ کے نزدیک اس کافر بیٹے کے وجود سے شوہر کو نقصان نہ پہنچے گا یہ مثال اُس روایت سے ماخوذ ہے کہ ایک مسلمان عورت نے ایک کافر بیٹا اور شوہر اور دو بھائی چھوڑے تھے تو حضرت علی اور زید بن ثابت نے نصف کو

مشہور کو بیان کیا جیسا کہ ابھی مذکور ہو چکا۔ اسی طرح ایک شخص مرا اور کافر لڑکی اور جورو اور ماں باپ چھوڑے انیس سہ جورو کو باوجود بیٹی کے ربع ملیگا اور ابن مسعود کے نزدیک ثمن ملیگا۔ اسی طرح کسی آدمی نے کافر بیٹی اور مسلمان پوتی چھوڑی تو یہ کافرۂ قریبہ مسلمۂ بعیدہ کی حاجب ہو سکے گی اور ابن مسعود کے نزدیک پوتی کو بیٹی نصف سے سدس کی طرف محجوب کر دیگی۔

جب محروم کا حال ذہن نشین ہو چکا تو محجوب کا حال سنیے تاکہ دونوں میں امتیاز خوب معلوم ہو جائے کہ جب کسی کا وارثوں میں سے کوئی غیر حاجب ہو جائے تو وہ محجوب بحجب حرمان ہے۔ اور یہ وارث جو محجوب ہو گیا ہے دوسرے شخص کا دونوں طرح سے حاجب ہو سکتا ہے یعنی اُسکا حصہ کم بھی کر سکتا ہے اور کچھ بھی نہیں دلاتا اس امر میں حنفیہ و ابن مسعود دونوں کا اتفاق ہے ابن مسعود سے بھی اس میں کوئی نزاع مروی نہیں ہے حجب نقصان کی مثال تو دہی ہے جو مصنف نے ذکر کی ہے۔ اور حجب حرمان کی مثال میں ذکر کر چکا ہوں کہ اگرچہ ام الاب (دادی) باپ کی وجہ سے قطعاً ارث سے محجوب ہو لیکن اس سے ام ام الام (نانی کی ماں) میراث سے بالکلیہ خارج ہو گئی اسے کچھ نہیں پہنچتا اور یہی حجب حرمان کی صورت ہے۔

تذییل۔ اب ہم ساقطین کی تو ضیح کرتے ہیں اگر کوئی بات مگر رہ جائے تو اُسے ناپسند نکرنا چاہیے اگر میت کا بیٹا یا بیٹے کا بیٹا موجود ہو تو میت کے سگے بھائی ورثے سے ساقط ہو جاتے ہیں اور اسی طرح میت کا باپ ہو تو بھی ساقط ہو جاتے ہیں اور صاحبین کے نزدیک نہیں اور اگر علاتی بھائی ہوں تو میت کے بیٹے اور پوتے اور باپ اور دادا سے ساقط ہوتے ہیں اور حقیقی بھائیوں سے بھی ساقط ہو جاتے ہیں اور اگر اخیافی بھائی ہوں تو وہ میت کے بیٹے اور بیٹی یا میت کے بیٹے کی اولاد ہوتے ہوئے ساقط ہوتے ہیں اور باپ یا دادا کے ساتھ میں بھی بالاتفاق ساقط ہوتے ہیں۔

میت کی ماں موجود ہو تو سب جدات خواہ ماں کی جانب سے ہوں یا باپ کی جانب سے ساقط ہو جاتی ہیں اور پدری جدات تو باپ کے ساتھ بھی ساقط ہو جاتی ہیں جیسے باپ کے ساتھ میں دادا ساقط ہو جاتا ہے اسی طرح اگر دادا موجود ہو اور اس سے اوپر کی جدات اسکی جہت سے ہوں تو جدات سب ساقط ہو جائینگی باپ کی ماں اس وجہ سے ساقط نہیں ہوتی کہ وہ دادا کی جہت سے نہیں ہے بلکہ باپ کی جہت سے ہے اور باپ کے ساتھ میں جو جدات کہ ماں کی جانب سے ہوں وہ ساقط نہیں ہوتی ہیں مثلاً میت نے باپ چھوڑا اور باپ کی ماں چھوڑی اور ماں کی ماں چھوڑی تو باپ کی ماں بوجہ باپ کے ساقط ہے لیکن ماں کی ماں ساقط نہیں ہوگی اس میں یہ اختلاف ہے کہ نانی کو چھٹا حصہ ملیگا یا بارھواں حصہ۔

واضح ہو کہ جدات میں قریب والی دادی و دور والی کو ساقط کرتی ہے اور ماں کی طرف سے وارث ہونیوالی جدات سوائے ایک کے کہ وہ نانی ہے دیگر متصور نہیں کیونکہ باقی سب فاسدہ ہونگی اور باپ کی طرف سے البتہ جدات صحیحہ بہت متصور ہیں۔

ہر حاجب و محجوب دونوں ذوی الفروض سے ہوں اس میں کبھی محجب حرمان ہوتا ہے مثلاً اولاد اخیافی

دختروں کی وجہ سے محروم ہو جاتی ہے اور کبھی حجب نقصان ہوتا ہے مثلاً بیٹے سے ماں کا حصہ کم ہو جاتا ہے۔ حاجب و محجوب اگر عصبات سے ہوں تو اس میں صرف حجب حرمان ہوتا ہے حجب نقصان نہیں ہے مثلاً بیٹے سے پوتا محروم ہوتا ہے اگر حاجب عصبہ اور محجوب ذی فرض ہو تو یہ حجب کبھی حجب حرمان ہوتا ہے مثلاً برادر اخیافی پسر سے محروم ہے اور کبھی حجب نقصان ہوتا ہے مثلاً شوہر ولد وجہ کا حصہ بیٹے سے کم ہو جاتا ہے اگر حاجب ذی فرض اور محجوب عصبہ ہو یہ صورت غیر ممکن ہے (توضیح) یہ سوال کہ باپ اور دادا سے بھائی اور چچے محروم ہو جاتے ہیں وہ حجب از روے عصوبت ہے از راہ فرضیت نہیں ہے۔

باب مخارج الفروض
باب بیان میں مخارج فروض کے

مخارج جمع ہے مخرج کی یعنی جائے خروج فروض سے اب اُن قاعدوں کا بیان شروع ہوا جنکی بدولت فروض ہر حاجب سے مخرج اُس عدد کو کہتے ہیں جس سے کوئی کسر یعنی حصہ جیسے نصف یا ثلث یا ربع صحیح نکل سکے۔ اور اس سے کم ہو تو بغیر ٹوٹے نہ نکلے جیسے کو کسر کہتے ہیں چونکہ سب فروض کسور ہیں تو اُنکی مخارج بھی کسور کے مخارج ہیں۔ مخرج کا ضابطہ جبتک معلوم نہو تقسیم نہو سکے گی کیونکہ جتنے سہام مقررہ ہیں وہ کسور ہیں پس لازم ہوا کہ پہلے مخرج اُس کا معلوم کیا جائے یہ ضابطہ بہتر و قدیم ہے اس لئے کہ اسکو قواعد سے حساب دان وغیر حساب دان تقسیم کر سکتا ہے۔

اعلم ان الفروض المذکورۃ فی کتاب اللہ تعالیٰ مخفی نہ رہے کہ سہام مقررہ جو قرآن میں مذکور ہیں وہ چھ ہیں نصف۔ ربع۔ ثمن۔ ثلثان۔ ثلث۔ اور سدس ان چھوؤں فرائض کو بعض علمائے فرائض نے دو جنس قرار دیا ہے اس طرح کہ ایک جنس ثلثان اور اُس کا آدھا یعنی ثلث اور آدھے کا آدھا یعنی سدس ہے اور دوسری جنس نصف اور نصف کا آدھا یعنی ربع اور آدھے کا آدھا یعنی ثمن ہے اور بعض نے انکو جنس واحد قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ ثمن کی نسبت سدس کے ساتھ ایسی ہے جیسی نسبت ربع کی ثلث کے ساتھ کیونکہ ثمن تین چوتھائی سدس کا ہے اور ربع تین چوتھائی ثلث کا اور نصف تین چوتھائی ثلثان کا پس کل جنس واحد ہے جس نے انکو دو جنس قرار دیا ہے کہا ہے کہ ثلثان اور سدس صرف اقارب کے فرائض سے ہیں اور ربع اور ثمن صرف زوجین کے فرائض سے ہیں اور نصف میں سب شریک ہیں مصنف کہتے ہیں نوعات یعنی وہ چھوؤں سہام دو نوع کے ہیں ان فروض کو دو قسم ٹھہرانے کی یہ وجہ ہے کہ ان میں سے تین یعنی نصف و ربع۔ اور ثمن ایک لگاؤ کے ہیں اور تین یعنی ثلثان و ثلث اور سدس ایک لگاؤ کے اور ہر نوع میں تین قسمیں ہیں۔ الاول النصف والربع والثمن یعنی پہلی نوع نصف و ربع و ثمن ہے۔ واضح رہے کہ نصف کو اول ٹھہرانے کی یہ وجہ ہے کہ آدمیوں میں اول موجودات زوجین ہیں یعنی آدم و حوا علی نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام اور ہر ہم زوجین کے اسی قسم میں پائے جاتے ہیں اسلئے اسی قسم کو اول ٹھہرایا۔ والثانی الثلثان والثلث والسدس دوسری نوع ثلثان و ثلث و سدس ہے

اہل فرائض نے ان فروض ستہ میں سے اُس فرض کو تلاش کیا جو مقدار میں کمتر ہو تو ثمن کو پایا جس کا مخرج ثمانیہ ہے اور ربع ونصف کو دیکھا کہ ثمانیہ سے دونوں بلا کسر نکلتے ہیں تو اُنھوں نے ان تینوں فروض کو ایک قسم ٹھہرایا پھر ثمن کے بعد اقل فرض کو تلاش کیا تو سدس کو پایا جس کا مخرج ستہ ہے اور ثلث وثلثان کو دیکھا کہ اُس میں سے بلا کسر نکلتے ہیں تو ان تینوں کو دوسری قسم قرار دیا۔

ذیل میں جو نقشہ ہے اُس سے جملہ قسم کے مخارج واضح ہوتے ہیں۔

مخارج	نصف	ربع	ثمن	ثلثان	ثلث	سدس
نصف	۲	۴	۸	۶	۶	۶
ربع	۴	۴	۸	۱۲	۱۲	۱۲
ثمن	۸	۸	۸	۲۴	۲۴	۲۴
ثلثان	۶	۱۲	۲۴	۳	۳	۶
ثلث	۶	۱۲	۲۴	۳	۳	۶
سدس	۶	۱۲	۲۴	۶	۶	۶

علی التضعیف تضعیف کے معنے دونا کرنے کے ہیں اور دونا کرنیکا طریق یہ ہے کہ جب ثمن کو دونا کیا جائے تو ربع حاصل ہوتا ہے اور ربع کو دونا کیا جاتا ہے تو نصف حاصل ہوتا ہے اور سدس کو جب دونا کیا جاتا ہے تو ثلث حاصل ہوتا ہے اور ثلث کو دونا کیا جاتا ہے تو ثلثان حاصل ہوتا ہے۔ والتنصیف تنصیف کے معنے آدھا کرنے کے ہیں طریق تنصیف کا یہ ہے کہ نصف کو جب آدھا کیا جائیگا ربع ہو جائیگا اور ربع کو جب آدھا کیا جائیگا ثمن ہو جائیگا اور ثلثان کو جب نصف کیا جائیگا ثلث ہو جائیگا اور ثلث کو جب نصف کیا جائیگا سدس ہو جائیگا پس حاصل اسکا یہ ہے کہ پہلی نوع میں بوجہ تنصیف کے کہہ سکتے ہیں کہ آدھے کا آدھا چوتھائی ہے اور چوتھائی کا آدھا آٹھواں ہے اور بوجہ تضعیف کہہ سکتے ہیں کہ آٹھویں کا دونا چوتھائی ہے اور چوتھائی کا دونا نصف ہے اور دوسری نوع میں بطریق تنصیف کے کہہ سکتے ہیں کہ دو تہائی کا آدھا تہائی ہے اور تہائی کا آدھا چھٹا ہے اور تضعیف کے طور پر کہینگے کہ چھٹے کا دونا تہائی ہے اور تہائی کا دونا دو تہائی ہے فاذا جاء فی المسائل من ھذہ الفروض احاد احاد فمخرج کل فرض سہمہ پھر جبکہ مسئلہ فرائض میں ان چھ فرضوں سے ایک ایک فرض آئے تو ہر فرد فرض کا مخرج اُس کا ہم نام مفرد ہے یعنی کے معنے ہم نام کے ہیں اور ہمنام سے مراد وہ عدد صحیح ہے جو ہمجنس اور مشارک اُس فرض کا حروف اُصول میں تحقیقاً خواہ تقدیراً ہو جیسے اربعہ ربع کا ہم جنس اور مشارک حروف اُصول یعنی رباع میں تحقیقاً ہے اسی طرح ثمانیہ ثمن کا اور ثلثہ ثلثان وثلث کا اور جیسے ستہ کہ حروف اُصول میں تقدیراً ہمجنس اور مشارک سدس کا ہے اس لئے کہ ستہ اصل میں سدسہ تھا دال اور سین کو تا سے بدل کے تا کو تا میں ادغام کیا ستہ ہو گیا اور مراد اس سے کہ مخرج اُن کا ہم نام اُن کا ہوگا یہ ہے کہ مسئلہ اُسی ہمنام سے کیا جائیگا اور ترکہ اُسی ہمنام پر

تقسیم کیا جائیگا یعنی ترکے کے اُتنے ہی حصے کئے جائینگے اسی طرح جہاں کہیں اس فن میں لفظ مخرج کا آجائے اُس سے یہی مراد سمجھی جائیگی جیسا کہ مثالوں سے واضح ہوگا اَلا النصف وھو من اثنین سوائے نصف کے کہ وہ ہمنام سے نہیں کیونکہ اُس کا مخرج اثنین ہے مطلب یہ ہے کہ مخرج نصف کا یعنی ایسا عدد جس سے نصف صحیح نکلے اور اس سے کم سے بغیر ٹوٹے نہ نکلے اثنین یعنی دو ہے کہ نصف اُسکا کیونکہ اور دو سے کم ایک ہے اُسکا نصف عدد صحیح نہیں نکلتا بلکہ آدھا نکلتا ہے کالربع من اربعۃ والثمن من ثمانیۃ والثلث من ثلثۃ مطلب یہ ہے کہ اگر کسی مسئلے میں فقط ربع ہو یا فقط ثمن ثلث تو اُسکا مخرج فقط اربعہ ہے یا فقط ثمانیہ یا فقط ثلثہ کیونکہ ربع نکلتا ہے اربعہ سے اور ثمن نکلتا ہے ثمانیہ سے اور ثلث نکلتا ہے ثلثہ سے مصنف کی غرض تمام تقریر سے یہ ہے کہ اگر نصف یا اور حصے تنہا ہوں ایک کے ساتھ دوسرا نہو تب یہ قاعدہ مخرج کا ہے کہ نصف کا اثنین ہے یعنی آدھے کا مخرج دو ہے اور دو کا ہمنام ہے یعنی ربع کا مخرج اربعہ یعنی ۴۔ اور ثمن کا ثمانیہ یعنی ۸۔ اور ثلث کا ثلثہ یعنی ۳۔ ہے مصنف نے تمثیل میں ربع اور ثمن کو ثلث پر اس وجہ سے مقدم کیا ہے کہ وہ دونوں نوع اول میں سے ہیں جیسے کہ نصف ہے اور مصنف نے ثلثان کو اس لئے ترک کر دیا ہے کہ وہ ثلث کے حکم میں ہے اس لئے کہ ثلث کو مکرر کرنے سے ثلثان بنجاتا ہے اور سدس کو اس لئے چھوڑ دیا کہ اُسکا حال ظاہر ہے۔

پس جو مسئلہ کہ اُس میں نصف پایا جائیگا وہ دو سے ہوگا مثلاً ایک بیٹی اور حقیقی بھائی چھوڑے اور اگر ربع پایا جائیگا تو وہ مسئلہ ۴ سے ہوگا جیسے عورت نے شوہر اور بیٹا چھوڑا۔ اور ثمن پایا جائیگا تو مسئلہ ۸ سے ہوگا جیسے کوئی مرد زوجہ اور پسر چھوڑے اور اگر صرف ثلث پایا جائیگا تو مسئلہ ۳ سے ہوگا جیسے میت ماں اور بھائی چھوڑے اور فقط ثلثان پائے جاویں تو بھی مسئلہ ۳ سے ہوگا جیسے کوئی شخص دو بیٹیاں اور ایک چچا چھوڑے۔ اور صرف سدس پایا جائیگا تو مسئلہ ۶ سے ہوگا جیسے کسی شخص نے باپ ماں اور بیٹا چھوڑا۔ نقشے میں اسکی صورت دیکھو۔

مخرج نصف ۲		مخرج ربع ۴		مخرج ثمن ۸	
بیٹی	حقیقی بھائی	شوہر	بیٹا	زوجہ	بیٹا
۱	۱	۱	۳	۱	۷

مخرج ثلث ۳			مخرج ثلثان ۳		مخرج سدس ۶		
ماں	بھائی		دو بیٹیاں	چچا	باپ	ماں	بیٹا
۱	۲		۲	۱	۱	۱	۴

واذا جاء مثنیٰ او ثلث وھما من نوع واحد فکل عدد یکون مخرجا لجزء فذلک العدد ایضا یکون مخرجا لضعف ذلک الجزء والضعف ضعفہ اور جبکہ کسی مسئلے میں فروض مذکورہ سے دو دو تین تین فرض آویں اور حالانکہ وہ

ایک ہی قسم سے ہوں تو جو عدد کم جز کا مخرج ہے سو وہی عدد اُسکے دُگنے اور تگنے فرض کا مخرج ہے چنانچہ ستہ یعنی چھ سدس کا مخرج ہے اور یہی سدس کے دو چند یعنی ثلث کا اور سدس کے دو چند کے دو چند یعنی ثلثان کا مخرج ہے پس اقل فرض کا جو مخرج ہے وہی اکثر فرض کا مخرج ہے بشرطیکہ فروض مجتمعہ ایک نوع سے ہوں چنانچہ ستہ ثلث کا مخرج ہے سو یہی ثلث اور ثلثان کا مخرج ہے اور ثمن کا مخرج ثمانیہ ہے سو یہی ربع اور نصف کا بھی مخرج ہے اور بھید اس کا یہ ہے کہ اکثر کا مخرج اقل میں موجود ہے سوا قل کے مخرج میں استغنا ہے اکثر کے مخرج سے مثلاً ثلث اور ثلثان کا مخرج ثلثہ ہے سو یہ سدس کے مخرج یعنی ستہ میں موجود ہے اور اسی طرح ربع اور نصف کا مخرج ثمن کے مخرج میں داخل ہے۔

کالستۃ ھی مخرج للسدس جیسے ستہ مخرج ہے سدس کا اور سدس کا ہمنام ستہ کا ہونا اصل کر اعتبار سے ہے اس واسطے کہ ستہ کی اصل سدسہ ہے جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے والضعفہ وضعف ضعفہ اور یہی مخرج ہے سدس کے دو چند یعنی ثلث کا اور یہی مخرج ہے سدس کے دو چند کے دو چند یعنی ثلثان کا جیسے ثمانیہ مخرج ثمن کا ہے اور ثمن کے المضاعف یعنی ربع کا بھی یہی مخرج ہے اور اُسکے المضاعف کے المضاعف یعنی نصف کا بھی یہی مخرج ہے وجہ اسکی یہ ہے کہ کسی جز کے المضاعف کا مخرج اُسکے جز میں داخل ہوتا ہے۔

ایک طرح کے دو حصوں یا تین حصوں کے مسائل میں جمع ہونے کی صورتیں چھ ہیں۔

(۱) سدس و ثلث والے جمع ہوں مثلاً مسئلہ مخرج ۶

ماں	دو اخیافی بہنیں	حقیقی بھائی
۱	۲	۳

(۲) سدس و ثلثان والے جمع ہوں مثلاً مسئلہ مخرج ۶

ماں	دو حقیقی بہنیں	چچا
۱	۴	۱

(۳) سدس و ثلثان و ثلث والے جمع ہوں مثلاً مسئلہ مخرج ۶

ماں	دو حقیقی بہنیں	چچا
۱	۴	۱

(۴) ثلث و ثلثان والے جمع ہوں مثلاً مسئلہ مخرج ۳

دو اخیافی بہنیں	دو حقیقی بہنیں
۱	۲

(۵) ثمن و نصف والے جمع ہوں مثلاً مسئلہ مخرج ۸

زوجہ	بیٹی	چچا
۱	۴	۳

(۶) ربع اور نصف والے جمع ہوں مثلاً مسئلہ مخرج ۴

شوہر	بیٹی
۱	۳

واذا اختلط النصف من الاول بکل الثانی یعنی جس وقت فرض کی نوع اول کا نصف مختلط ہو نوع ثانی کے تینوں فرضوں ثلثان و ثلث و سدس کے ساتھ تو مسئلہ چھ سے ہوگا صورت اجتماع نصف کی دوسری تمام نوع کے ساتھ یہ ہے کہ ایک عورت اپنے بعد شوہر اور دو بہنیں حقیقی اور دو بہنیں اخیافی چھوڑے شوہر کو نصف پہنچا اور حقیقی بہنوں کو دو ثلث اور اخیافی بہنوں کو ایک ثلث اور ماں کو سدس

اگرچہ اصل مسئلہ ۱۲ سے ہے لیکن عول اُس کا دس تک ہوگا کہ زوج کو تین اور ماں کو ایک اور دو حقیقی بہنوں کو چار اور اخیافی بہنوں کو دو سہام پہنچینگے جن کا مجموعہ دس ہوا۔

مسئلہ عول ۱۰

میت

شوہر	ماں	دو حقیقی بہنیں	دو اخیافی بہنیں
۳	۱	۴	۲

او ببعضہ یا نوع اول کا نصف نوع ثانی کے بعض سے مختلط ہو تب بھی مسئلہ چھ سے ہوگا۔ اور صورت اجتماع نصف کی بعض نوع ثانی کے ساتھ چھ طور پر ہے اور ہر ایک وارث کے حصے کی تعداد کا ہندسہ اُسکے تلے لکھدیا جائیگا۔

(۱) نصف اور ثلث یکجا ہوں جیسا کہ میت شوہر اور دو اخیافی بہنیں اور حقیقی چھوڑے یا میت شوہر کے ساتھ صرف دو اخیافی بہنیں چھوڑے تو شوہر کو تین اور اخیافی بہنوں کو دو پہنچینگے۔ یہ مسئلہ رد یہ ہے۔

(۲) نصف اور دو ثلث یکجا ہوں چنانچہ میت شوہر اور دو حقیقی بہنیں چھوڑے۔ یہاں ۶ کا عول سات کی طرف ہے۔

(۳) نصف اور سدس یکجا ہوں چنانچہ میت ماں اور بیٹی اور چچا چھوڑے۔

یا ماں اور بیٹی چھوڑے تو ماں کو تین اور بیٹی کو ایک ملیگا مسئلہ رد یہ ہے۔

(۴) نصف اور ثلث اور ثلثان یکجا ہوں چنانچہ میت شوہر اور دو حقیقی بہنیں اور دو اخیافی بہنیں چھوڑے یہاں ۶ کا عول نو کی طرف ہے۔

(۵) نصف اور ثلثان اور سدس یکجا ہوں چنانچہ میت شوہر اور ماں اور دو حقیقی بہنیں چھوڑے یہاں ۶ کا عول ۸ کی طرف ہے۔

(۶) نصف اور ثلث اور سدس یکجا ہوں مثلاً میت شوہر اور دو اخیافی بہنیں اور ماں چھوڑی۔

فھو من ستۃ سبب درست ہونے مسئلہ کا چھ سے وقت مجتمع ہونے نصف کے دوسری نوع کے ساتھ یہ ہے کہ دو کا عدد کہ نصف کا مخرج ہے اور تین کہ ثلث اور ثلثان کا مخرج ہے یہ دونوں چھ میں داخل ہیں پس متداخل کو گرا کر متداخل فیہ یعنی ستہ کو لینگے اس لئے چھ مخرج ہوگا نصف کے لئے جو نوع دوم کے فروض کے ساتھ مجتمع ہوگا۔ نصف اور سدس کی مخرجوں میں موافقت بالنصف ہے جب ایک کے وفق کو دوسرے کے تمام میں ضرب دینگے تو بارہ حاصل ضرب ہونگے اور نصف اور ثلثان کے مخرجوں میں موافقت نہیں بلکہ مباینت ہے۔ کیونکہ نصف کا مخرج دو ہے اور ثلث یا ثلثان کا تین پس ان دونوں میں سے ایک کو دوسرے میں ضرب دینگے تو بھی چھ حاصل ہونگے جو مخرج نصف اور ثلث اور ثلثان تینوں کا ہے واذا اختلط الربع بکل الثانی او ببعضہ

فھو من اثنی عشر اور جبوقت قسم اول میں سے ربع قسم ثانی کی تمام نوع یا بعض کے ساتھ مجتمع ہو تو اس صورت میں مسئلہ بارہ سے ہوگا۔

صورت اختلاط ربع کی تمام دوسری قسم کی نوع یعنی ثلثان و ثلث و سدس کے ساتھ یہ ہے کہ

میت بیوی اور ماں اور دو حقیقی اور دو اخیافی بہنیں چھوڑے تو مسئلہ ۱۲ سے ہو کر ۷ تک عول کریگا۔ جس میں سے ربع یعنی ۳ بیوی کو اور سدس یعنی ۲ ماں کو اور دو ثلث یعنی ۸ دونوں حقیقی بہنوں کو اور ثلث یعنی ۴ دو خواہر اخیافی کو ملینگے۔

صورت اختلاط ربع کی نوع دوم کے بعض کے ساتھ چھ طرح پر ہے۔

(۱) ربع صرف دو ثلث کے ساتھ یک جا ہو جیسا کہ میت شوہر اور دو بیٹیوں کو چھوڑے۔ یہ مسئلہ ردیہ ہے یا بیوی اور دو حقیقی بہنیں اور چچا چھوڑے۔

(۲) ربع صرف ثلث کے ساتھ یکجا ہو جیسا کہ میت جورو ماں اور بھتیجا چھوڑے۔ اگر صرف جورو اور ماں رہے گی تو بارہ میں سے صرف چوتھائی یعنی ۳ بیوی کو پہنچکر باقی بطور فرض رد کے ماں کو ملینگے کہ تہائی یعنی ۴ بطور فرض کے اور پانچ بطور رد کے پائے گی۔

(۳) ربع صرف سدس کے ساتھ یک جا ہو جیسا کہ میت زوجہ اور ایک اخیافی بھائی چھوڑے یہ مسئلہ ردیہ ہے۔

(۴) ربع ثلثان اور سدس کے ساتھ جمع ہو جیسا کہ میت زوجہ اور ماں اور دو حقیقی بہنیں چھوڑے یہاں ۱۲ کا عول ۱۳ کی طرف ہوگا۔

(۵) ربع ثلثان اور ثلث کے ساتھ یک جا ہو جیسا کہ میت زوجہ اور دو حقیقی بہنیں اور دو اخیافی بہنیں چھوڑے۔ یہاں ۱۲ کا عول ۱۵ کی طرف ہے۔

(۶) ربع ثلث اور سدس سے مختلط ہو جیسا کہ میت زوجہ۔ ماں اور دو اخیافی بہنیں چھوڑے۔ یہ مسئلہ ردیہ ہے۔

وجہ درست ہونے مسئلہ کی ۱۲ سے وقت مجتمع ہونے ربع کے دوسری نوع کے ساتھ یہ ہے کہ مخرج سدس کا کہ چھوٹا جزو دوسری نوع کا ہے چھ ہے اور مخرج ثلث و ثلثان کا بھی اس میں داخل ہے پس چھ کو لیا پھر چار کو کہ مخرج ربع کا ہے لیا اور چھ اور چار میں توافق بالنصف ہے جب ایک کے نصف کو دوسرے کے تمام میں ضرب دیا تو بارہ حاصل ہوئے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ درمیان مخرج ثلث و ثلثان کے تباین ہے اور مخرج ربع کے کہ چار ہے مباینت ہے جب ہم ایک کو دوسرے میں ضرب دینگے بارہ حاصل ہونگے اور یہ نوع اول کے ربع کے دوسری نوع کے کل اور بعض کے ساتھ مجتمع ہونے کا مخرج ہے

واذا اختلط الثمن بکل الثانی اور جس وقت نوع اول میں سے ثمن نوع دوم کے کل کے ساتھ مختلط اور مجتمع ہو تو اس کا مخرج ۲۴ آئیگا جیسا کہ مصنف آگے کہینگے۔

سوال۔ مصنف کا یہ قول درست نہیں اس لئے کہ ثمن کا فرض ثلثین اور ثلث اور سدس کے ساتھ جمع نہیں ہوتا۔

جواب۔ حنفیہ کے نزدیک بے شک ان کا جمع ہونا متصور نہیں ہے مگر عبد اللہ ابن مسعود کے نزدیک ثمن کا ثلثان اور ثلث اور سدس کے ساتھ مجتمع ہونا جائز ہے کیونکہ انکی تحقیق کی بنا پر شخص محروم دوسرے کا حاجب حجب نقصان کے ساتھ بنجاتا ہے مثلاً میت نے کافر یا غلام یا اپنا قاتل بیٹا اور اپنی

بیوی اور ماں اور دو سگی بہنیں اور دو اخیافی بہنیں چھوڑیں تو اس صورت میں محرومِ بیٹا زوجہ کا حاجب ہو جائیگا اور اُس کا حصہ چوتھائی سے آٹھواں کر دیگا پس انکی نزدیک اختلاط ثمن کا تمام نوع ثانی کے ساتھ درست ہے چنانچہ مثال مذکور میں اصل مسئلہ ۲۴ سے اور عول اُس کا ۳۱ تک ہوگا پس زوجہ کو ثمن یعنی ۳ ماں کو سدس یعنی ۴ دونوں حقیقی بہنوں کو ثلثان یعنی ۱۶ دونوں اخیافی بہنوں کو ثلث یعنی ۸ پہنچینگے۔

لیکن حنفیہ کے نزدیک جو کہ محروم معدوم کے حکم میں ہے اس لئے وہ کسی طرح دوسرے کو محجوب نہیں کر سکتا پس انکے مذہب پر ثمن کے اختلاط کی صورت دوسری تمام نوع کے ساتھ متصور نہیں ہے اس لئے کہ حجب ثمن زوجہ کے لئے ہوگا تو ایسی حالت میں یہ واجب ہے کہ دو ثلث پانے والی دونوں بیٹیاں ہوں اور سدس کی مستحق ماں تو اسوقت میں تہائی حصے کا لینے والا پایا نہیں جاتا کیونکہ ثلث کی مستحق یا ماں کی اولاد یعنی اخیافی بہنیں ہیں اور اس مسئلے میں ماں ثلث سے سدس کی طرف بوجہ دونوں بیٹیوں کے محجوب ہو چکی ہے اور ماں کی تمام اولاد یعنی میت کی اخیافی بہنیں بوجہ میت کی دونوں حقیقی بہنوں کے محجوب ہو چکی ہیں پس مسئلہ مذکورہ میں ثمن سوائے دو ثلث اور سدس کے ثلث کے ساتھ مجتمع نہ ہو سکے گا اس لئے صورت مذکورہ علمائے حنفیہ کے نزدیک از قبیل اختلاط ربع کے کل فرع ثانی کے ساتھ ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا اور مثال مذکورہ میں اصل مسئلہ ۱۲ سے ہوگا کیونکہ ربع کا اجتماع سدس کے ساتھ ہے اور ۱۷ تک عول کریگا اور محروم بیٹا معدوم متصور ہوگا پس بیوی کو ربع یعنی ۳ ماں کو سدس یعنی ۲ حقیقی بہنوں کو ثلثان یعنی ۸ ماں کی اولاد یعنی اخیافی بہنوں کو ثلث یعنی ۴ سہام ملینگے انکا مجموعہ ۱۷ ہوگا۔ اَوْ ببعضہ یعنی یا نوع اول میں سے ثمن نوع دوم کے بعض فرض کے ساتھ مجتمع ہو اور اس صورت میں بھی مسئلہ ۲۴ سے ہوگا جیسا کہ مصنف آگے چلکر کہینگے۔ صورت اختلاط ثمن کی دوسری نوع میں سے بعض کے ساتھ تین طور پر ہے۔

(۱) اختلاط ثمن کا ثلثان اور سدس کے ساتھ چنانچہ میت زوجہ اور ماں اور دو بیٹیاں اور بھائی چھوڑے۔

(۲) اختلاط ثمن کا ثلثان کے ساتھ چنانچہ میت زوجہ اور دو بیٹیاں اور چچا کو چھوڑی۔

(۳) اختلاط ثمن کا سدس کے ساتھ چنانچہ میت زوجہ اور ماں اور باپ اور بیٹا چھوڑی۔

ابن مسعود کے نزدیک دوسری تین صورتیں اور بھی ہیں۔

(۱) اختلاط ثمن کا ثلث اور سدس کے ساتھ مثال اسکی یہ ہے کہ میت بیوی اور ماں اور دو اخیافی بہنیں اور پسر کافر چھوڑے۔

(۲) اختلاط ثمن کا ثلثان اور ثلث کے ساتھ چنانچہ میت کافر بیٹا اور بیوی اور دو حقیقی بہنیں اور دو اخیافی بہنیں چھوڑے۔

(۳) اختلاط ثمن کا صرف ثلث کے ساتھ جیسے میت بیوی اور غلام بیٹا اور دو اخیافی بہنیں چھوڑے

فھو من اربعۃ وعشرین وقت اختلاط ثمن کے دوسری نوع کے ساتھ مسئلے کو ۲۴ سے درست ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مخرج سدس کا جو دوسری نوع کا کمتر جزء ہے چھ ہے اور اس مخرج میں ثلث اور ثلثان کا مخرج کہ تین ہے داخل ہے پس چھ کو اور ثمن کے مخرج کو کہ آٹھ ہے ہمنے لیا اور چھ اور آٹھ میں توافق بالنصف کی نسبت ہے اور جب ایک کے نصف کو دوسرے کے تمام میں ضرب دیا تو ۲۴ حاصل ہوے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ درمیان تین کے جو ثلث اور ثلثان کا مخرج ہے اور درمیان آٹھ کے کہ ثمن کا مخرج ہے مباینت ہے جب ہم انمیں سے ایک کو دوسرے میں ضرب دینگے تو ۲۴ حاصل ہونگے پس اس سے تمام فرائض جو ثمن کے ساتھ مختلط ہونگے نکلینگے اس پھیلے ہوے بحث کو سمجھنے کے لئے ہم یہاں ایک نقشہ دیتے ہیں۔

اجتماع حصص	نصف		ربع		ثمن	
	مثال	مخرج	مثال	مخرج	مثال	مخرج
ثلث و ثلثان و سدس کو ساتھ	شوہر- ماں- دو حقیقی بہنیں ۳ ۱ ۴ دو اخیافی بہنیں ۲	۶ عول تا ۱۰	زوجہ- ماں- دو حقیقی بہنیں ۳ ۲ ۸ دو اخیافی بہنیں ۴	۱۲ عول تا ۱۷	حنفیہ کے مذہب پر ممکن نہیں کیونکہ محروم انکے نزدیک حاجب نہیں اور ابن مسعود کے نزدیک جائز ہے کیونکہ انکے ہاں محروم حاجب ہے۔	
ثلث کے ساتھ	شوہر- دو اخیافی بہنیں ۳ ۴ بھتیجا ۱	۶	جورو- ماں- بھتیجا ۳ ۴ ۵	۱۲	ایضاً	۲۴
ثلثان کے ساتھ	شوہر- دو حقیقی بہنیں ۳ ۴	۶ عول تا ۷	جورو- دو حقیقی بہنیں ۳ ۸ چچا ۱	۱۲	جورو- بیٹیاں- چچا ۳ ۱۶ ۵	۲۴
سدس کے ساتھ	ماں- بیٹی- چچا ۱ ۳ ۲	۶	جورو- اخیافی بہنیں ۳ ۴	۱۲ روبہ ہے	جورو- ماں- باپ- بیٹا ۳ ۴ ۴ ۱۳	۲۴
ثلث و ثلثان کے ساتھ	شوہر- دو حقیقی بہنیں- ۳ ۴ دو اخیافی بہنیں- ۲	۶ عول تا ۹	جورو- دو حقیقی بہنیں ۳ ۸ دو اخیافی بہنیں ۴	۱۲ عول تا ۱۵	حنفیہ کے مذہب پر غیر ممکن ہے اور ابن مسعود کے نزدیک ممکن ہے۔	۲۴
ثلثان و سدس کے ساتھ	شوہر- ماں ۳ ۲ دو حقیقی بہنیں ۴	۶ عول تا ۸	جورو- ماں ۳ ۲ دو حقیقی بہنیں ۸	۱۲ عول تا ۱۳	جورو- ماں- بیٹی ۳ ۴ ۱۶ بھائی ۱	۲۴
ثلث و سدس کے ساتھ	شوہر- ماں ۳ ۱ دو اخیافی بہنیں ۲	۶	جورو- ماں ۳ ۲ دو اخیافی بہنیں ۴	۱۲ یہ مسئلہ ردیہ ہے	حنفیہ کے مذہب پر ممکن نہیں اور ابن مسعود کے نزدیک جائز ہے۔	۲۴

انتباہ جب مختلف حصے جمع ہوں تو دیکھا جائے کہ اُن میں سب سے بڑا عدد کون ہے پس اُس عدد میں دوسرے حصوں کے اعداد تفوق کے طریقے سے پورے یا کسر داخل ہو جاتے ہیں تو وہی بنا مخرج ہوگا اور اگر پورے طور پر داخل نہوں بلکہ کسر باقی رہجائے اور وہ کسر ایک عدد سے زائد ہو تو اُس کسر کا ہمنام مضروب سے لیکر بڑے عدد میں ضرب دینا چاہئے حاصل ضرب مخرج ہوگا اگر کسر ایک عدد نکلے تو اصل مضروب سے ہی ضرب دینا چاہئے۔

تمثیلات

۲-۶ میں داخل ہے مخرج اسکا ۶ ہوگا۔
۲-۳ میں داخل نہیں کسر ایک ہے لہذا اصل مضروب سے ضرب دیا مخرج ۶ ہوا۔
۴-۶ میں داخل نہیں کسر دو رہتی ہے پس نصف مضروب سے ضرب دیا مخرج ۱۲ ہوا۔
۳-۴ میں داخل نہیں کسر ایک رہتی ہے اصل مضروب سے ضرب دیا مخرج ۱۲ ہوا۔
۳-۸ میں داخل نہیں کسر ایک رہتی ہے لہذا اصل مضروب ۳ سے ۸ میں ضرب دیا مخرج ۲۴ ہوا۔
۶-۸ میں داخل نہیں کسر ۲ رہتی ہے پس اسکے نصف سے ضرب دیا مخرج ۲۴ ہوا۔

باب العول

یہ باب عول کے مسائل میں ہے

عول بفتح اول وسکون واو لغت میں جور وغلبہ ورفع وزیادت کے معنے میں مستعمل ہے بعض کہتے ہیں کہ ان معنے میں سے پہلے معنی اصطلاحی معنے سے مناسبت رکھتے ہیں اس لئے کہ اہل فروض پر جو ہوا کہ اُنکے حصے گھٹ گئے بعض کہتے ہیں کہ دوسرے معنے اصطلاحی معنے کے زیادہ مناسب ہیں کہ اہل فروض پر ضرر کا غلبہ ہوا ہے لیکن حق تحقیق یہ ہے کہ معنے اخیر معنی اصطلاحی سے زیادہ مناسبت رکھتے ہیں۔ اس واسطے کہ جب مسئلہ فروض مجتمعہ سے تنگ ہوگیا تو ترکہ کو اصل عدد کی طرف مرتفع اور اُسکی مخرج سے زیادہ کر دیا تاکہ تمام وارثوں کے فرائض میں نقصان داخل ہو جائے۔

اور اس عول ورد میں عجیب لطافت یہ ہے کہ حکمت یا لغہ نے یہ احکام ایسے طور پر مقرر فرمائے کہ ہر قوم خواہ حساب جانتی ہو یا نہیں نہایت آسان طریقے سے ان حقوق کو نکال سکتی ہے اور حقوق اپنی مناسبت کے ساتھ محفوظ ہیں چنانچہ ۱۲ کی جگہ جب سترہ حصے ہوئے تو نصف والیکو بہ نسبت چوتھائی والے سے تھی وہ ۱۷ حصے میں بھی ویسی ہی باقی ہے اور حکمت الٰہی میں اسی نسبت سے مواہبات مقصودہ ہے پس یہ حکمت بھیجیہ ہے۔

واضح ہو کہ فرائض کی تین صورتیں ہیں فریضۂ عادلہ و فریضۂ قاصرہ و فریضۂ عائلہ پس فریضۂ عادلہ یہ ہے

کہ ترکے کے جس قدر سہام مسئلے میں فرض کئے گئے ہیں اسی قدر اہل فرائض کے حقوق کا مجموعہ ہو یعنی کم یا زیادہ نہو یا اس طرح کہو کہ ترکے کے جسقدر حصے مستقیم ہوسکتے ہیں اسی قدر اصحاب فرائض کے حقوق ہوں اور اسکی توجیہ یہ ہے کہ ہر چیز کا مل کے اجزا باعتبار النصف وثلث وغیرہ کے محدود ہوتے ہیں مثلاً نصف پس ایک چیز کے نصف فقط دو سے زیادہ نہیں ہوسکتے ہیں اور چوتھائی فقط چار سے زیادہ نہونگے اور تہائی فقط تین سے زیادہ نہونگی مثال یہ ہے کہ میت دو حقیقی بہنیں اور دو اخیافی بہنیں چھوڑے تو حقیقی بہنیں دو تہائی کی مستحق ہیں اور اخیافی بہنیں ایک تہائی کی مستحق ہیں تو کل مال کی صرف تین ہی تہائی ہوتی ہیں وہ ان میں برابر پوری اُتریں اور اسی طرح اگر ترکے کے سہام فرائض بہ نسبت مال کے کم ہیں لیکن باقی کا لینے والا کوئی عصبہ ہے تو بھی تقسیم پوری اُترے گی کہ نہ کمی ہوئی اور نہ زیادتی ہے۔

فریضۂ قاصرہ کی صورت یہ ہے کہ میت کے وارث لوگ کل مال کے حصص سے کم کے مستحق ہیں یعنی اصحاب فرائض کو دیکر مال بچ جاتا ہے اس طرح کہ باقی کا لینے والا کوئی عصبہ نہیں ہے کیونکہ اصحاب فرائض کا حق تو محدود ہوتا ہے اور عصبہ کا کوئی حصہ مفروض نہیں بلکہ اصحاب فرائض کو دیکر جو کچھ بچے وہ سب اُسکے واسطے ہی اور کبھی ایسی صورت ہوتی ہے کہ اصحاب فرائض کے بعد کچھ باقی نہیں رہتا کہ عصبہ پائے مثلاً میت کی سگی دو بہنیں اور اخیافی دو بہنیں اور چچا ہے تو سگی بہنوں نے کل کا دو تہائی لیا اور اخیافی بہنوں نے ایک تہائی لیا پس چچا کے لئے کچھ نہیں بچا اور کبھی عصبہ کو بہت مل جاتا ہے جب ذی فرض فقط قلیل کا مستحق ہو تو باقی سب عصبہ کے واسطے ہی اور اگر عصبہ نہو تو بچا ہوا مال بھی ذوی الفروض پر رد کیا جاتا ہے اور اسکی مثال یہ ہے کہ میت کی ماں اور سگی دو بہنیں موجود ہیں تو ماں کو چھٹا حصہ اور بہنوں کے واسطے دو تہائی ہے اور باقی چھٹا حصہ رہگیا تو وہ بھی اُن وارثوں پر رد کیا جائیگا۔

فریضۂ عائلہ یہ ہے کہ اصحاب فرائض اسقدر موجود ہیں کہ انکے سہام کا مجموعہ بہ نسبت مال کے بڑھ جاتا ہے مثلاً میت کا شوہر اور سگی دو بہنیں موجود ہیں تو میت کا شوہر نصف کا اور اُسکی سگی دو بہنیں دو تہائی کی مستحق ہیں حالانکہ نصف کے بعد دو تہائی باقی نہیں رہتے ہیں اور یہ بھی ممکن نہیں کہ کسی ذی فرض کو مستحق نکیا جائے بلکہ ہر ایک قطعاً مستحق ہوتا ہے اور کسی کو ترجیح نہیں ہوسکتی ہے تو اسکا حکم اکثر صحابہ کے نزدیک عول ہے۔ اور یہی فقہائے امت کا مذہب ہے عول کی علامت عصہ ہے

العول یزاد علی المخرج شیٔ من اجزائہ اذا ضاق عن فرض یعنی عول اصطلاح میں عبارت ہے مخرج مفروضہ پر کچھ اُسکے اجزاء میں سے زیادہ کردینے سے جبکہ وارثوں کے سہام کو وہ مخرج کافی نہو پس جسے اس مخرج اضافہ شدہ سے بانٹے جاویں تاکہ نقصان اور کمی ہر وارث پر بقدر اُسکے حصۂ مقررہ کے داخل ہو جیسے کہ سبب جسے کرنے کے قرض خواہ ہو پر نقصان داخل ہوتا ہے یعنی جسقدر حصۂ ترکہ میں تنگی ہوئی ہے تو ہر قرض خواہ ایک حصۂ ناقص پاتا ہے۔

الحاصل عول اس سے عبارت ہے کہ جب مخرج ادائے فروض مجتمعہ سے تنگی کرے تو مخرج پر کچھ اُسکے اجزا سے زیادہ کیا جائے اور اُس عدد کی طرف مرفوع کرنا چاہئے جو کہ اُس مخرج سے اکثر ہو

پھر قسمت کرنا چاہیے تاکہ تمام وارثوں کے حقوق میں نقصان ایک نسبت پر داخل ہو یعنی بقدر حصوں کے یکساں کمی ہو۔ جتنا نقصان ہر وارث پر داخل ہوتا ہے اُس کا اندازہ کسر زائد کے عدد اکثر کی طرف نسبت کرنے سے معلوم ہوتا ہے مثلاً اگر شوہر اور دو سگی بہنیں وارث ہوں تو نصف اور دو ثلث جمع ہوئے اس صورت میں مسئلہ ۶ سے ہے اور عول سات کی طرف کریگا تو شوہر پر نقصان ہر سہم سبع یعنی ساتویں حصے کا داخل ہوگا تو وہ چھ میں سے دو سہم اور چار سبع (۴/۷) پائیگا اور بہنوں پر چار سبع (۴/۷) کا نقصان داخل ہوگا تو وہ تین سہم اور تین سبع (۳/۷) پاویں گی۔

خلاصہ یہ ہے کہ ایک چھ کا چھٹا جز تھا جب چھ پر ایک زیادہ کیا تو سات ہوگئے تو ایک کو سات کے ساتھ سبع کی نسبت ہے تو بقدر سبع کے ہر وارث کے ہر سہم میں کمی ہوگئی۔

پہلے جسنے عول کا حکم کیا وہ امیر المؤمنین عمر فاروق ہیں اُنکے زمانہ میں ایک صورت واقع ہوئی جسکا مخرج اُسکے ادائے فرض سے تنگ تھا تو اُنہوں نے اصحاب کبار سے مشورہ کیا عباس بن عبد المطلب نے عول کی طرف اشارہ کیا اسپر سب صحابہ نے اتفاق کر لیا اور کسی نے انکار نکیا۔ مگر عباس کے بیٹے عبد اللہ نے حضرت عمر کی موت کے بعد عول میں اختلاف کیا حالانکہ اول رائے اُنکی باپ کے موافق تھی پس یہ تنبیہ ہے کہ علم شریعت میں ہر شخص پر اللہ تعالیٰ کے واسطے اتباع شریعت فرض ہے تاکہ حسن نیت پر ثواب جمیل کا مستحق ہو۔ اعلم ان مجموع المخارج ستۃ سبعۃ واضح رہے کہ مخارج سب سات ہیں اس لئے کہ کل فروض چھ ہیں اور مخارج اُنکے حالت انفراد میں پانچ ہیں ۲-۳-۴-۶-۸ اسلئے کہ نصف کا مخرج دو ہے۔ ثلثان و ثلث کا ۳۔ ربع کا ۴۔ سدس کا چھ۔ ثمن کا ۸۔ جب دو دو یا تین تین جمع ہو جاتے ہیں اور سب ایک قسم کے ہوتے ہیں تو کوئی مخرج جدید علاوہ ان پانچوں مخرجوں کے پیدا نہیں ہوتا۔ اور جب نصف دوسری قسم کے ساتھ ملتا ہے تو مخرج نئے یعنی ۱۲-و ۲۴ پیدا ہوتے ہیں تو سب مخارج فرضیات ہی ٹھہرے اُس سے بڑھے نہیں۔ اربعۃ منہا کانت تعول وھی الاثنان والثلثۃ والاربعۃ والثمانیۃ مخارج سبعہ سے ۴ مخرج عول نہیں کرتے یعنی دو اور تین اور چار اور آٹھ یہ حصر باعتبار استقرار کے ہے یعنی جزئیات کی تتبع اور تلاش کے بعد یہی معلوم ہوا ہے۔

سوال کا وجہ کہ چار مخرج ۲-۳-۴-۸ میں عول نہیں ہوتا۔

جواب۔ یہ ایسے مخارج ہیں کہ اُنسے حصے ٹھیک بٹ جاتے ہیں یا بچ رہتا ہے جس کی تفصیل یہ ہے۔ جسقدر فرض اُنسے متعلق ہوتے ہیں بعض صورتوں میں یہ مخرج ان تمام کے ادا کرنے کو کافی ہوتے ہیں اور بعض صورتوں میں فرضوں کے ادا کر دینے کے بعد کچھ باقی رہجاتا ہے تو ان میں عول کی حاجت نہیں ہوتی جس کا بیان یہ ہے کہ دوسرے مسئلہ اُس جگہ ہوتا ہے کہ دو نصف فرضیت کے طور سے یا نصف فرضیت کے طور سے اور باقی عصوبت کے طور سے جمع ہو۔ پہلی صورت کی نظیر یہ ہے کہ میت نے شوہر اور حقیقی بہن چھوڑی پس اصل مسئلہ دو سے ہوگا کہ نصف شوہر کو اور نصف سگی بہن کو دیا جائے گا۔ اسی طرح اگر شوہر اور علاتی بہن ہو تو بھی یہی فریضہ ہے اس صورت میں مخرج فرضوں کے ادا کرنیکو کافی ہے

قولہ جسنے عول کا حکم کیا ان پانچوں سے باہر نہیں ہاں جب ربع یا ثمن دوسری قسم سے ساتھ ملتا ہے

فرضوں کے ادا کرنے کے بعد کچھ باقی نہیں رہتا۔ فرائض میں سوا ان دو صورتوں کے کوئی صورت نہیں کہ فریضہ قسماوی واقع ہوا گرچہ فریضہ عصبہ کے طور پر بنصفا منصف ہوسکتا ہے دوسری صورت کی نظیر یہ ہے کہ میت شوہر اور بھائی چھوڑے کہ نصف شوہر کو اور باقی عصبہ کو دیا جائیگا۔ اور تین سے مسئلہ ہوتا ہے کہ ثلث فرضیت کے طور پر اور باقی عصوبت کے طور پر یا دو ثلث فرضیت کے طور پر اور باقی عصوبت کے طور پر یا ثلث اور ربع فرضیت کے طور پر جمع ہوں پہلی کی مثال یہ ہے کہ میت ماں اور حقیقی بھائی چھوڑے۔ دوسرے کی مثال یہ ہے کہ میت دو بیٹیاں اور حقیقی بھائی چھوڑے دو ثلث دو بیٹیوں کو ملینگے باقی حقیقی بھائی لیجائیگا تیسرے کی مثال یہ ہے کہ میت دو ماری بہنیں اور دو حقیقی بہنیں چھوڑے اصل مسئلہ سے ہے جن میں سے دو سگی بہنوں کو دو ثلث اور اخیافی بہنوں کو ثلث دیا جائیگا اس صورت میں مخرج فرضوں کے ادا کرنے کو کافی ہے اور فرضوں کے ادا کرنے کے بعد کچھ باقی نہیں رہتا اور چارے مسئلہ وہاں ہوتا ہے کہ ربع بطور فرضیت کے اور باقی بطور عصوبت کے یا ربع اور نصف بطور فرضیت کے اور باقی بطور عصوبت کے یا ربع اور ثلث بطور فرضیت کے اور باقی بطور عصوبت کے جمع ہو پہلے کی نظیر یہ ہے کہ میت شوہر اور بیٹا چھوڑے اور دوسرے کی نظیر یہ ہے کہ میت شوہر اور بیٹی اور حقیقی بھائی چھوڑے تیسرے کی نظیر یہ ہے کہ میت جورو اور باپ کو چھوڑے اور آٹھ سے مسئلہ وہاں ہوگا کہ ثمن بطور فرضیت کے اور باقی بطور عصوبت کے یا ثمن و نصف بطور فرضیت کے اور باقی بطور عصوبت کے جمع ہو نظیر اول کی یہ ہے کہ میت جورو اور بیٹا چھوڑے اور دوسرے کی نظیر یہ ہے کہ میت زوجہ اور دو بیٹی اور حقیقی بھائی چھوڑے اور اس بیان سے ظاہر ہوا کہ ان مسائل میں مطلقاً عول نہیں ہے

وثلثه منها قد تعول اور تین مخارج میں کبھی عول ہوتا ہے لفظ قد سے مصنف نے اشارہ کیا ہے کہ مخارج ثلثہ میں عول لازم نہیں ہے جنکی تفصیل یوں ہے۔ اما الستة فانها تعول الی عشرة وترا وشفعا ان تین میں سے چھ میں چار عول واقع ہوتے ہیں دس تک طاق بھی اور جفت بھی یعنی سہام جھ سے طاق اور جفت دونوں طرف سے بڑھتے ہیں دس تک صورت ایسی ہے کہ کبھی چھ کے عول میں اسکا چھٹا حصہ بڑھتا ہے تو سات ہو جاتے ہیں کبھی تہائی بڑھتا ہے تو آٹھ ہو جاتے ہیں کبھی نصف بڑھتا ہے تو نو ہو جاتے ہیں کبھی دو تہائی یعنی نصف اور چھٹا یعنی تین اور ایک بڑھتا ہے تو دس ہو جاتے ہیں۔

چھ کا عول سات کی طرف اس طرح ہے کہ اگر میت کی جدۂ صحیحہ و اخیافی بہن و علاتی بہن و عینی بہن ہے تو اصل مسئلہ سے ہوگا کہ جدہ کو چھٹا حصہ یعنی ایک اور اخیافی بہن کو اسی طرح ایک اور عینی بہن کو نصف کے تین اور بطور تکملۂ دو ثلث کے علاتی بہن کو ایک ملیگا پس یہ سب ملکر چھ ہوئے لو بطور فریضۂ عادلہ کے پورا تقسیم ہوگیا اور اس مسئلہ میں اخیافی دو بہنیں ہوں تو دونوں کے واسطے تہائی کے دو سہام رہینگے پس اصل مسئلہ سے تھا حالانکہ عول ہو کر سات سے ہوگیا۔ (دیگر) شوہر اور اخیافی دو بہنیں یا اخیافی دو بھائی ہیں اصل مسئلہ سے ہے کہ شوہر کو نصف اور ماں کو چھٹا حصہ اور اخیافیوں کو تہائی ملا اور پورا تقسیم ہوگیا حضرت ابن عباس جو عول کے قائل نہ تھے ماں کو اخیافی بھائی بہنوں

یا بہنوں کی وجہ سے تہائی سے محجوب کرکے چھٹے حصے پر لانے کے قائل نہ تھے۔ پس یہی مسئلہ اُنپر الزام ہے کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ وہ اس مسئلے میں کیا کرینگے۔ اگر اُنھوں نے ماں کو چھٹا حصہ دیا تو اخیافیوں کی وجہ سے ماں کے محجوب ہونے کے قائل ہوگئے اور اگر اُنھوں نے ماں کو تہائی دیا مگر دونوں اخیافیوں کو چھٹا حصہ دیا تو یہ نص قرآن کے خلاف ہے کہ دو یا زیادہ اخیافیوں کے لئے تہائی منصوص ہے اور اگر اُنھوں نے اخیافیوں کو بھی تہائی دیا تو مسئلہ عول ہوکر ۷ ہوگیا۔ پس عول کے قائل ہوگئے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اس مسئلے سے ابن عباس پر دونوں میں سے ایک بات لازم ہے یا تو قائل ہیں کہ دو اخیافیوں کی وجہ سے ماں کو تہائی سے نقصان ہوکر چھٹا حصہ ملتا ہے یا عول کے قائل ہوں اس کو اصطلاح فرائض میں عول ناقصہ کہتے ہیں۔

اور چھ کا عول آٹھ کی طرف یوں ہوگا کہ شوہر اور دو سگی بہنیں اور ماں وارث ہیں تو اس صورت میں اصل مسئلہ ۶ سے ہے پھر شوہر کو ۳ ماں کو دو سگی بہن کو ۳ ملینگے۔ پس مسئلہ عول ہوکر آٹھ ہوگیا۔ روایت ہے کہ ابتدائے خلافت حضرت عمر میں یہی پہلا عول پیش آیا تھا اور ۶ کا عول ۹ کی طرف یوں ہوگا کہ شوہر اور ماں اور سگی بہن اور علاتی بہن اور اخیافی بہن یہ وارث میت کے موجود ہیں تو اصل مسئلہ ۶ سے ہوکر عول اس کا ۹ کی طرف ہوگیا۔ اس طرح کہ شوہر کو ۳ ماں کو ایک سگی بہن کو ۳۔ علاتی بہن کو ایک اور اخیافی بہن کو ایک ملیگا۔

اس مسئلے کو مروانیہ کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ صورت بنی اُمیہ کے زمانہ میں واقع ہوئی۔ اور شوہر مروانی تھا اُسنے چاہا کہ میں نصف مال لوں جب علمائے حجاز سے اس کا سوال ہوا تو اُنھوں نے کہا کہ ثلث مال اُسکا حق ہے اور ۶ کا عول ۱۰ کی طرف اس طرح ہوتا ہے کہ شوہر اور دو سگی بہنیں اور ماں اور دو اخیافی بھائی وارث ہوں تو اس صورت میں چھ کا اُسکے دو ثلث کے ساتھ عول ہوگا۔ اور دو ثلث چار ہوتے ہیں جب انکو چھ پر زیادہ کیا تو ۱۰ ہوگئے۔

اُس مسئلے کو شریحیہ کہتے ہیں اسواسطے کہ اس میں قاضی شریح نے جو حضرت عمر کے عہدے برابر خلافت راشدہ میں قاضی رہے ایک مرد کے واسطے عورت کے ترکے سے ۱۰ سہم میں سے ۳ سہم کا حکم دیا تو شوہر شہروں گھومتا پھرتا اور لوگوں سے سوال کرتا تھا کہ ایک عورت مرگئی۔ اور اُسنے کوئی بیٹا یا باپ نہیں چھوڑا اس حالت میں شوہر کا حصہ کیا ہے لوگ کہتے تھے کہ نصف ہے۔ وہ کہتا تھا کہ شریح قاضی نے نہ مجھکو نصف دیا نہ ثلث یہ خبر قاضی کو پہنچی تو اُسنے اُس شخص کو یہ کہکر طلب کیا کہ تیرے لئے ہمارے پاس کچھ باقی ہے جب وہ آیا اُسکو سزا دی اور کہا کہ تو قاضی پر طعن کرتا ہے اور واجبی حکم کو ظلم بتاتا ہے اور ایسے حکم کی مجھ سے پہلے امام عادل متقی نے سبقت کی ہے۔

یعنی عول کا حکم امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق نے دیا ہے۔

القصہ وہ شخص جاہل تھا عول کی حقیقت نہ سمجھتا تھا اس لئے اس حکم کو حق نہ جانتا تھا۔

واما اثنے عشر ففی تعول الی سبعة عشر وترا لا شفعا۔ اور ۱۲ کا عول ۱۷ کی طرف ہے

اس کا عول جفت نہیں آتا طاق ہی آتا ہے ۱۳- آتا ہے اور ۱۵- آتا ہے اور ۱۷- آتا ہے- ۱۴- اور ۱۶ نہیں آتا- مثال اسکی یہ ہے کہ زوجہ اور سگی دو بہنیں- اور علاتی بھائی موجود ہیں اصل مسئلہ ۱۲ سے ہوا- پس بیوی کو چوتھائی یعنی ۳ سگی بہنوں کو تہائی یعنی ۸ ملینگے باقی علاتی بھائی کے واسطے ہے پس پورا تقسیم ہو گیا- اس میں عول تین طور سے ہوتا ہے کبھی بارہ پر اسکے چھٹے حصے کا آدھا یعنی ایک بڑھانے سے تو اس صورت میں ۱۳ ہو جاتے ہیں کبھی بارہ کے چوتھائی یعنی ۳ کو اوپر بڑھانے سے تو ۱۵ ہو جاتے ہیں- کبھی بارہ کے چوتھائی اور اسکے چھٹے کا آدھا یعنی ۴- اور ایک بڑھانے سے تو اسوقت ۱۷ ہو جاتے ہیں- (پہلی مثال) بیوی اور جدہ اور سگی دو بہنیں ہیں- اصل مسئلہ ۱۲ سے ہے پس زوجہ کے لئے تین جدہ کے لئے دو- اور سگی بہنوں کے لئے آٹھ ہیں انکا مجموعہ ۱۳ ہو گیا- لہذا ۱۲ سے عول ہو کر ۱۳ ہو گیا- اور اس صورت میں علاتی بھائی ہوتا تو اسکو کچھ نہ ملتا- (دوسری صورت کی مثال) زوجہ اور اخیافی دو بھائی یا بہنیں اور دو سگی بہنیں ہیں اصل مسئلہ ۱۲ سے ہے پس بیوی کو تین اخیافیوں کے واسطے چار اور سگی بہنوں کے لئے آٹھ ہیں پس مجموعہ ۱۵ ہے لہذا ۱۲ سے عول ہو کر ۱۵ ہو گیا- (تیسری صورت کی مثال) بیوی اور ماں اور اخیافی دو بہنیں اور سگی دو بہنیں ہیں اصل مسئلہ ۱۲ سے ہو گا- زوجہ کے لئے تین ماں کے لئے دو اخیافیوں کے لئے چار اور سگی بہنوں کے لئے آٹھ پس مجموعہ ۱۷ ہے- تو ۱۲ کا عدد عول ہو کر ۱۷ ہو گیا- (دیگر) ۳ بیویاں اور ۲ جدہ اور ۴- اخیافی بہنیں اور آٹھ سگی بہنیں پس مسئلہ ۱۲ سے ہوا تو تینوں بیویوں کے لئے تین اور دونوں جدہ کے لئے دو اور چار اخیافیوں کے لئے چار اور آٹھوں سگی بہنوں کے لئے دو تہائی کے آٹھ ہیں پس ہر حصے میں جو کچھ پڑا وہ ہر فریق پر پورا تقسیم ہو جاتا ہے لیکن مسئلہ ۱۲ سے عول ہو کر ۱۷ ہو گیا- اور اس مسئلے میں سب ہی عورتیں ہیں اسواسطے اسکو ام الارامل کہتے ہیں اور ہر عورت کو ایک ہی سہم ملا-

علماء فرائض باہم امتحانی سوال کرتے ہیں کہ وہ کیا صورت ہے کہ ایک مرد مرا اسنے سترہ اشرفیاں چھوڑیں اور وارثوں میں سترہ عورتیں چھوڑیں اور ہر عورت کو ایک ہی ایک اشرفی ملی اس کا جواب یہی صورت ہے جو اوپر کو ہوئی یہ سب ۱۲ کے عول کا بیان تھا واما اربعۃ وعشرون فانہا تعول الی سبعۃ وعشرین عولا واحدا اور ۲۴ کا عول صرف ۲۷ تک ہے-

بغیر عول کی مثال یہ ہے زوجہ اور باپ اور ماں اور بیٹا میت کے موجود ہیں اصل مسئلہ ۲۴ سے ہو گا پس زوجہ کو ۳ باپ کو ۴ ماں کو ۴ باقی اُسکے بیٹے کو ملیگا تو بدون عول کے تقسیم ہو گیا کما فی مسئلۃ المنبریۃ مثال ۲۴ کی عول کی ۲۷ کی طرف مسئلہ منبریہ ہے- وجہ تسمیہ یہ ہے کہ حضرت علی مرتضٰے سے اس کا سوال ایسی حالت میں ہوا تھا کہ آپ کوفے کی مسجد میں منبر پر خطبہ پڑھتے تھے کہ اتنے میں ایک شخص نے یہی مسئلہ آپ سے پوچھا آپ نے اُسی وقت برجستہ سائل کو جواب سے سرفراز فرمایا تب سائل نے ازراہ تعنت یہ کہا کہ زوجہ کو شن چاہیئے اس صورت میں شن کہاں ہے آپنے ارشاد فرمایا صار ثمنہا تسعا یعنی اُسکا آٹھواں حصہ نو ان ہو گیا اور خطبہ خوانی میں مشغول رہے لوگوں نے آپکی فطنت و ذکاوت پر تعجب کیا اس جواب میں عجیب لطافت ہے کہ جب زوجہ کا نواں ہو گیا تو معلوم ہو گیا کہ کل سہام ۲۴ کے نو گنو یعنی ۲۷ ہیں پس باقیوں کی سہام کو

خود دریافت کرنا بہت آسان ہے وھی امرأۃ وبنتان وابوان اور وہ یہ ہے کہ میت کی بیوی اور دو بیٹیاں اور ماں باپ موجود ہیں اصل مسئلہ ۲۴ سے ہوگا کیونکہ آٹھواں اور چھٹا جمع ہے پس بیوی کو ۳ دونوں دخترون کو ۱۶ ماں کو ۴ باپ کو ۴ ملینگے پس مجموعہ ۲۷ ہوگیا تو ۲۴ کا عول ہو کر ۲۷ ہوا اور اس حالت میں بیوی کے حصے میں آٹھواں چاہئے حالانکہ نواں ہوگیا کیونکہ بیوی کو ۳ سہام ملے اور یہ ۲۷ کا نواں حصہ ہے اگرچہ ۲۴ کا آٹھواں تھا۔ اگر اس مسئلہ میں ماں اور باپ کی جگہ جدہ وجد ہو یا جدہ اور باپ ہو تو بھی یہی حکم ہوگا کہ ۲۴ کا عول ۲۷ ہو جائیگا کیونکہ ماں کی جگہ جدہ ہے اور باپ کی جگہ جد ہے۔ اسی طرح اگر دونوں بیٹیوں کی جگہ ایک بیٹی اور ایک پوتی ہو تو بھی یہی ہوگا کیونکہ پوتی کے لئے چھٹا حصہ اور بیٹی کے لئے نصف ہوگا تاکہ دونوں میں دو تہائیاں پوری ہو جائیں اور وجہ اسکی یہ ہے کہ صلبی بیٹی میں پوتے کی بیٹی بھی شامل ہے لیکن پوتی سے بیٹی مقدم ہے اور جب دو بیٹیاں ہوں تو اُنکے لئے دو تہائی ہوتا ہے اور یہاں اپنی بیٹی اور بیٹے کی بیٹی سے دو کا وجود ہوا تو ان دونوں کے واسطے دو تہائی چاہئے ہے لیکن دختر صلبی کے لئے نصف ہے تو لا محالہ دختر پسری کے واسطے چھٹا حصہ ہے ولا یزاد علی ھذا الا عند ابن مسعود رضی اللہ عنہ فان عندہ تعول الی احد وثلثین یعنی ۲۴ کا عول ۲۷ سے بڑھایا نہیں جاتا مگر ابن مسعود کے نزدیک ۳۱ تک ۲۴ کا عول ہوتا ہے۔ اس طور سے کہ ۲۴ پر اُس کا چھٹا حصہ یعنی چار اور آٹھواں حصہ یعنی ۳ جملہ ۷ کا اضافہ کر دیا جاتا ہے مثلاً میت نے وارث بیوی، ماں اور حقیقی بہنیں اور ایک کا فرمحروم الارث بیٹا ہے تو یہ کافر محروم بیٹا میت کی زوجہ کو چوتھے حصے سے آٹھویں حصے کی طرف محجوب کر دے گا۔ پس ابن مسعود کے نزدیک مسئلہ ۲۴ سے ہے کیونکہ نوع اول میں سے ثمن یعنی آٹھواں فرض کل نوع ثانی (ثلثان۔ وثلث۔ وسدس) کے ساتھ یک جا ہوتا ہے اور چونکہ بیوی کا حصہ جب بیٹے محروم بیٹے کر آٹھواں حصہ یعنی ثمن سہام ہیں اور ماں کا چھٹا حصہ یعنی چار سہام ہیں اور دونوں حقیقی بہنوں کے دو تہائی سہام ہیں کہ سولہ ہوئے اور اخیافی بہنوں کا تہائی جسکے آٹھ ہوتے ہیں تو اس تمام کا مجموعہ ۳۱ ہوا۔ اسکی طرف ۲۴ عول کریگا اور ابن مسعود کے سوا دوسرے اکابر کے نزدیک مسئلہ ۱۲ سے ہو کر ۱۷ کی طرف عول کریگا کیونکہ جب بیوی کو چار ملینگے تو مسئلہ ۱۲ سے ہوگا اور پسر محروم کی وجہ سے کوئی محجوب نہیں ہوگا۔ کیونکہ اُسکا وجود و عدم برابر ہے۔

فائدہ جلیلہ۔ جب اصل مسئلہ ۶ سے ہو اور وہ ۸ یا ۹ یا ۱۰ تک عول کرے تو جان لینا چاہئے کہ میت ضرور عورت ہے۔ یعنی بدون عورت میت کے یہ عول کبھی نہ ہوگا اور اگر اصل مسئلہ سے ہو کر ۷ تک عول کرے تو ہو سکتا ہے کہ میت عورت ہو یا مرد جب اصل مسئلہ ۱۲ سے ۱۷ تک عول کرے تو میت قطعاً مرد ہے۔

اور اگر ۱۳ یا ۱۵ تک عول کرے تو ہو سکتا ہے کہ میت مرد ہو یا عورت ہو۔

جب اصل مسئلہ ۲۴ سے عول ہو کر ۲۷ ہو تو میت بالضرور مرد ہے۔

یہ سب عول کا بیان ہوا۔

فصل فی معرفۃ التماثل والتداخل والتوافق والتباین

فصل بیان میں تماثل اور تداخل اور توافق اور تباین کے

جو کہ تقسیم ترکہ میں مستحق کی تعداد پر اکثر کسر لازم آتی ہے اور بغیر دریافت نسبت کے عدد کے قاعدوں کو درمیان تقسیم درست نہیں ہو سکتی اس لئے مصنف نے ایک عدد کی نسبت کا بیان دوسرے عدد کے ساتھ اس عبارت سے شروع کیا اور نسبت دو عدد دونوں کے درمیان چار طرح ہے تماثل - وتداخل - وتوافق وتباین کی اعداد کی نسبتوں کے ان چار میں منحصر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب ایک کو دوسرے عدد کی طرف نسبت کریں تو وہ یا دونوں برابر ہونگے یا چھوٹا عدد بڑے کو فنا کرتا ہوگا یا چھوٹا بڑے کو فنا کرتا ہوگا بلکہ کوئی تیسرا عدد دونوں کو فنا کریگا یا واحد دونوں کو فنا کریگا سوا اول کا نام تماثل ہے دوسرے کا نام تداخل تیسرے کا توافق اور چوتھے کا تباین -

بین العددین یعنی یہ چار نسبتیں دو عددوں کے درمیان میں پائی جاتی ہیں - واضح ہو کہ مراد عدد سے یہاں وہ ہے جو ایک کے سوا ہو اسی طرح جہاں کہیں اس کتاب میں لفظ عدد کا آجائے اس سے یہی مراد سمجھیں اس لئے کہ اگر یہ مراد نہ ہو تو نسبتیں تماثل اور تداخل اور توافق میں منحصر ہو جائیں گی اور تباین میں کوئی نسبت نہ ٹھہرے گی - تماثل العددین کون احدھما مساویا للآخر تماثل کے لغوی معنے ایک دوسرے کے ساتھ مشابہ ہونے کے ہیں اور فن فرائض کی اصطلاح میں دو عددوں کا یکساں ہونا تماثل ہے جیسے ۳ + ۳ = ۴ + ۲ یعنی دو عدد اگر برابر ہوں تو ان دونوں میں نسبت تماثل ہے اور وہ دونوں متماثلین کہلاتے ہیں اور تماثل عددین کا جب مانا جاتا ہے کہ دو محل میں ایسے عدد ہوں وتداخل العددین المختلفین ان یفنی اقلھما الاکثر ای یفنیہ اور تداخل کے لغوی معنے ایک چیز کے دوسری چیز میں داخل ہو جانے کے ہیں اور اصطلاح میں تداخل یہ ہے کہ دو مختلف عددوں میں سے جب چھوٹے عدد کو بڑے عدد میں سے چند بار نکالیں تو بڑا عدد ختم ہو جائے اور اس میں سے کچھ باقی نہ رہے جیسے دو اور چھ کہ جب دو کو تین بار چھ میں سے نکالیں تو وہ فنا ہو جائیگا -

دوسری مثال ۴ - ۱۶ ہے کہ جب چار کو چار بار ۱۶ میں سے نکالیں تو فنا ہو جائے برخلاف تین اور آٹھ کے اسلئے کہ اگر آٹھ سے دو بار تین کو گرایا جائے تو دو باقی رہینگے - تمام آٹھ کا عدد بالکل فنا کر دینا تین کو ناممکن ہے ہاں اگر دو کو چار بار آٹھ سے گرایا جائے تو پورا آٹھ کا عدد فنا ہو جائیگا اور یہ دو عدد متداخلین کہلاتے ہیں

او نقول ھو ان یکون الاکثر العدد ین منقسما علی الاقل قسمۃ صحیحۃ دوسری عبارت میں یوں سمجھ کہ دو عدد مختلف کا تداخل یہ ہے کہ بڑا عدد چھوٹے عدد پر بدون کسر کے تقسیم ہو جائے جیسے تین اور نو کا نو سے تین کا عدد بدون کسر کے باقی رہے تین پر تقسیم ہو جاتا ہے اسی طرح بیس کو

پانچ پر تقسیم کریں تو قسمت صحیح کی رد سے چار حصے ہونگے اسی طرح بیس کو چار پر تقسیم کیا جائے تو پانچ حصے قسمت صحیح کے ساتھ ہونگے اونقول هو ان یزید علی الاقل مثله او امثاله فیسمی الاکثر تیسری عبارت میں تداخل کے معنے یوں سمجھو کہ اگر چھوٹے عدد پر اُسکی برابر عدد یا زیادہ مرتبہ بڑھایا جائے تو بڑا عدد بنجائے جیسے تین پر اُسی کی برابر کا عدد یعنی تین ایکبار زیادہ کریں تو ۶ بنجائے۔ اور دو بار زیادہ کریں تو نو ہو جائے اونقول هو ان یکون الاقل جزءً الاکثر مثل ثلثة وتسعة چوتھی عبارت میں تداخل یہ ہے کہ چھوٹا عدد جزء عدد اکثر کا ہوتا ہے جیسے تین جزو کا ہے۔ خزانۃ المبتدین میں لکھا ہے کہ متداخلین وہ دو عدد ہیں کہ اُن میں سے ایک دوسرے کا جزو ہو اور اُسکے نصف سے زیادہ نہو جیسے نو کی نسبت تین اور بارہ کی نسبت چار پس تین نو کی تہائی ہیں۔ اور چار بارہ کی تہائی اور چار آٹھ کا نصف ہے۔ اسی طرح تین چھ کا نصف ہے۔

(سوال) اس عبارت سے لازم آتا ہے کہ چار اور دس یا تین اور پانچ کے درمیان مثلاً تداخل کی نسبت ہو۔ حالانکہ دو عدد اول کے درمیان نسبت توافق بالنصف کی ہے۔ اور دوسرے دو عدد کے درمیان تباین کی نسبت ہے۔

(جواب) اس عبارت میں جزء سے مراد جزو اصطلاحی ہے کہ ایک ہوتا ہے۔ اور مکرر نہیں ہو سکتا۔

پس چار جزو واحد اصطلاحی دس کا نہیں ہے۔ اسی طرح تین جزو واحد اصطلاحی پانچ کا نہیں ہے کیونکہ جزو اصطلاحی وہ ہے کہ اپنے سے اکثر میں سے نکالا جائے تو اُسے فنا کر دے۔ اور اگر اُسکو فنا نکرتا ہو تو وہ جزو نہیں بلکہ اکثر کے اجزا میں داخل ہے۔ پس تین میں جزو سے مراد جزو واحد ہے نہ مکرر۔ غرض کہ وحدت جزو اصطلاحی کی ذات میں معتبر ہے۔

توضیح یہ ہے کہ جو چھوٹا عدد اپنے سے بڑے عدد کو فنا کرے تو اس چھوٹے عدد کو اُس بڑے عدد کا جزو بولتے ہیں۔

اور اگر فنا نکرتا ہو تو اجزا کہتے ہیں اور چار دس کا دو خمس ہے اور تین پانچ کا تین خمس ہے۔

وتوافق العددین ان لا یعد اقلهما الاکثر اور توافق دو عددوں کا یہ ہے کہ چھوٹا عدد بڑے عدد کو فنا نکرے اور نہ بڑا چھوٹے پر منقسم ہو سکے۔ ولکن یعدهما عدد ثالث لیکن اُن دونوں کو کوئی تیسرا عدد فنا کرے تو یہ دونوں فنا کرنے والے کے جزء کے ساتھ متوافق ہونگے۔ اور فنا کرنیوالی عدد کے واسطے ضرور ہے کہ واحد سے زیادہ ہو واحد کا فنا کرنا معتبر نہیں کیونکہ وہ قول اصح میں عدد میں داخل نہیں ہے اس واسطے کہ عدد عبارت ہے اُس مقدار سے جو مرکب ہو اکائیوں سے اور واحد ایسا نہیں ہے۔ بہرصورت مصنف کے نزدیک یہ امر مسلمات میں سے ہے کہ واحد عدد میں داخل نہیں ہے تو اُسکی عبارت میں عدد ثالث کے بعد سوے الواحد مقدر ماننا پڑے گا۔ مطلب یہ ہوگا کہ توافق العددین یہ ہے کہ اقل اکثر کو فنا نکرے لیکن دونوں کو عدد ثالث کہ واحد کے سوا ہو فنا کرے اسواسطے کہ واحد تو تمام اعداد کو فنا کرتا ہے۔ کالثمانیة مع العشرین یعدهما اربعة فهما

متوافقان بالربع لان العدد العاد لهما مخرج الجزء الوفق جیسے آٹھ اور بیس کہ آٹھ بیس کو فنا نہیں کر سکتا بلکہ چار کو اسنے علیحدہ ایک عدد ہے وہ ان دونوں کو فنا کرتا ہے چنانچہ آٹھ کو دو بار میں گرا دیتا ہے اور بیس کو پانچ مرتبہ میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ جب آٹھ کا عدد بیس کے عدد سے دو بار گرایا جائیگا تو چار باقی رہینگے کہ یہ تیسرا عدد ہے پس چار دونوں کو گرا دیتا ہے۔

پس آٹھ اور بیس چوتھائی میں متوافق ہیں اس لئے کہ چار کا عدد جو آٹھ اور بیس کو فنا کرنے والا ہے چوتھائی کا مخرج ہے جو آٹھ اور بیس کے درمیان جزو وفق ہے۔

تمام عبارت کا حاصل یہ ہے کہ ہر کسر کا مخرج جن دو اعداد کو فنا کرتا ہے اُن دونوں عددوں کو اس کسر میں متوافق کہتے ہیں۔ چنانچہ ۴ نے آٹھ اور ۲۰ کو فنا کیا اور یہ مخرج ہے ربع کا تو آٹھ اور بیس چوتھائی میں متوافق ہیں۔ اسی طرح دس اور بارہ کو دو کا عدد فنا کرنے والا ہے اور دو مخرج ہے نصف کا تو کہا جائیگا کہ دس اور بارہ نصف میں متوافق ہیں۔ اسی طرح پندرہ اور اٹھارہ کہ تین کا عدد ان دونوں کو فنا کرتا ہے اور تین مخرج تہائی کا ہے اس لئے پندرہ اور اٹھارہ تہائی میں متوافق مانے جاتے ہیں۔

(سوال) مخرج نصف کا کہ دو ہے آٹھ اور بیس کو فنا کرنے والا ہے پس آٹھ اور بیس کو نصف میں متوافق کیوں نہ کہا جائے۔

(جواب) دو عددوں کو فنا کرنے والا عدد اگرچہ متعدد ہوتا ہم اس فن میں معتبر وہ عدد ہے کہ زیادہ ہو اور اُن دو عددوں کو فنا کرنے والا ہو اور اس اعتبار کا فائدہ یہ ہے کہ جزو وفق کثیر ہو جائے اور حساب میں آسانی آجائے اس لئے کہ شے کا چہارم اُس کے آدھے سے کم ہے اور چہارم کا حساب آسان ہے آدھے کے حساب سے بارہ اور اٹھارہ کہ باہم آدھے اور تہائی اور چھٹے میں متوافق ہیں لیکن چھٹے کا توافق کہ حساب میں آسان ہے معتبر ہے اس لئے کہ چھ بہ نسبت مخرج تہائی یعنی تین کے دونا ہے اور بہ نسبت مخرج نصف کے کہ دو سے تگنا ہے اگرچہ تداخل اور توافق دونوں میں ایک عدد دوسرے سے بڑا ہوتا ہے لیکن فرق یہ ہے کہ تداخل میں بڑا عدد چھوٹے عدد پر تقسیم ہو جاتا ہے اور توافق میں بڑا چھوٹے پر برابر تقسیم نہیں ہوتا بلکہ دونوں عدد ایک تیسرے پر تقسیم ہوتے ہیں۔ مسئلے کی تصحیح میں سوائے نسبت تداخل کے کہ درمیان میں دونوں فریق وارثوں کی ہو توافق کے حساب سے لیتے ہیں۔ چنانچہ تین اور چھ کو تہائی کی توافق کے حساب سے لیتے ہیں اور چھ اور اٹھارہ کی توافق کو چھٹے کی توافق کے حساب سے اختیار کرتی ہیں۔

تباین العددین ان لا یعد العددین معا عدد فالثالث کالتسعة مع العشرة

دو عددوں میں تباین یہ ہے کہ اُن دونوں کو کوئی تیسرا عدد فنا نکرے چنانچہ نو اور دس کہ واحد کے سوا کوئی انکو فنا نہیں کر سکتا۔ اور واحد علی الاصح عدد میں داخل نہیں ہے پس نو اور دس میں تباین کی نسبت ہے اور یہ دونوں عدد متباینین کہلاتے ہیں لیکن واضح رہے کہ متبائنین کو ضرور نہیں کہ دونوں عدد ہی ہوں جیسے ۱+۲ بلکہ یہ بھی جائز ہے کہ دونوں غیر عدد ہوں جیسے ۱+۱ پس تعریف متباینین میں عددین کو اختیار کرنا صرف اکثر کے اعتبار سے ہے نہ اس اعتبار سے کہ

غیر عدد بن متبائنین نہیں ہوتے اور یہ بھی واضح ہو کہ جانبین میں سے کسی جانب میں ایک ہوگا۔ جیسے ۱+۱ یا ۱+۲ تو وہاں تباین ہی کی نسبت ہوگی۔ مجموع الملکای میں جسکا قلمی نسخہ ۸۸۶ھ ہجری کا لکھا ہوا میری نظر سے گذرا ہے مذکور ہے کہ متبائنین وہ دو عدد ہیں کہ اُن میں کسی جز کے ساتھ موافقت نہو جیسے ۳ و ۴ کہ ایک کامل دوسرے کامل میں ضرب دیا جائے آول سے آخر تک مصنف کی تقریر کا حاصل یہ ہے کہ واحد کے سوا جو دو عدد ہوں اگر دونوں برابر ہیں تو دونوں عدد باہم متماثل ہیں ورنہ اگر اقل اکثر کو فنا کرے تو وہ باہم متداخل ہیں اور اگر دونوں کو تیسرا عدد فنا کردے تو وہ دونوں باہم متوافق ہیں اور جس کا عدد ثالث مخرج ہے وہی اُن دونوں عددوں کا وفق ہے اور اگر عدد ثالث اُنکو فنا نکرے تو وہ باہم متباین ہیں۔

انتباہ - چونکہ تماثل اور تداخل کی معرفت میں پیچیدگی نہ تھی بلکہ توافق اور تباین کی معرفت میں پیچیدگی ہے لہذا مصنف نے اسکی توضیح قول آیندہ سے شروع کی۔ وطریق معرفة الموافقة والمباينة بين العددين المختلفين واضح ہو کہ توافق کے دو معنے ہیں ایک خاص اور دوسرا عام خاص تو وہی ہیں جو متن میں مذکور ہوئے یعنی یہ کہ دو ایسے چھوٹے بڑے عدد ہوں کہ بڑا چھوٹے پر پورا تقسیم نہو سکے لیکن دونوں کسی تیسرے پر تقسیم ہو جائیں اور عام یہ ہیں کہ ایسے دو چھوٹے بڑے عدد ہوں کہ جن میں یا بڑا چھوٹے پر یا دونوں کسی تیسرے پر پورا تقسیم ہو جائیں پس یہ معنے تداخل کو بھی شامل ہیں بخلاف پہلے معنے کے اور اس فن میں جب توافق بولتے ہیں تو کبھی اس سے پہلے معنے (یعنی خاص) مراد لیتے ہیں اور یہاں اور نیز تصحیح کے بعض قاعدوں میں اور باب مناسخہ میں اور نیز فصل تقسیم ترکات میں یہی عام معنے مراد ہیں تو چونکہ یہ معنے تداخل کو بھی شامل تھے لہذا یہ نہیں کہا کہ طریق دریافت تداخل و توافق و تباین کا دو مختلف عددوں میں اور چونکہ تماثل ظاہر تھا لہذا اُسکے طریق دریافت کے بیان کی حاجت نہیں۔ ان ينقص من الاكثر بمقدار الاقل من الجانبين مرة او مرارا حتى اتفقا فى درجة واحدة فان اتفقا فى واحد فلا وفق بينهما یعنی واضح طریق دو عددوں میں موافقت اور مباینت کے پہچاننے کا یہ ہے کہ بڑے عدد میں سے چھوٹے عدد کو ہر جانب سے ایکبار یا کئی بار گرادیں یہانتک کہ دونوں ایک درجے پر پہنچ جائیں پس وہ درجہ اگر ایسے مقام پر پہنچے کہ صرف ایک باقی رہے تو سمجھ لینا چاہئے کہ اُن دونوں عددوں میں موافقت نہیں بلکہ مباینت ہے جیسے دس اور سات کہ جب سات کو دس میں سے ایکبار گرادیا جائے تو تین باقی رہینگے اور جب تین کو سات میں سے دو بار گرایا جائے تو ایک باقی رہے اور اگر ایک کو دو بار تین سے گرادینگے تو بھی ایک ہی باقی رہیگا چونکہ دس اور سات کہ عدد کے دونوں طرف سے گرانے سے ایک پر قرار پکڑتے ہیں یعنی دونوں عددوں میں سے اسقاط درجات میں ایک ہی باقی رہتا ہے پس ایسے دونوں عدد متباین ہیں۔ وان اتفقا فى عدد فهما متوافقان بذلك العدد اور اگر اقل عدد کو اکثر عدد سے چند بار ساقط اور کم کر دینے کے بعد دونوں کسی عدد میں متفق ہو جائیں

اور عدد سے مراد ماسوا ایک کا ہے تو اُن عدد و نمیں موافقت ہی مباینت نہیں اور ہر ایک اُن دونوں عددوں میں سے ایک جزمیں متوافق کہلائیگا جسکا مخرج عدد باقی ہے یعنی فنا کرنے والا عدد جس کا مخرج ہو اُسی کسر میں توافق ہوتا ہے اور وہ کسر وفق کہلاتی ہے پھر اگر چھوٹا عدد دو ہو جیسے ۲ + ۴ تو توافق بالنصف ہوگا اور تین ہو جیسے ۳ + ۶ تو توافق بالثلث اور چار ہو جیسے ۴ + ۸ تو توافق بالربع علی ہذا القیاس جیسا کہ آیندہ واضح ہوگا - یہاں سے مصنف نے کسری توافق کو نو کسور مشہورہ میں سے بیان کرنا چاہا ہے قبل اس کہ مصنف کے کلام کی شرح کیجائے ایک جدول مخارج کسور تسعہ کی لکھتا ہوں -

	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰
۲	تماثل	تباین	تداخل	تباین	تداخل	تباین	تداخل	تباین	تداخل
۳	تباین	تماثل	تباین	تباین	تداخل	تباین	تباین	تداخل	تباین
۴	تداخل	تباین	تماثل	تباین	توافق بنصف	تباین	تداخل	تباین	توافق بنصف
۵	تباین	تباین	تباین	تماثل	تباین	تباین	تباین	تباین	تداخل
۶	تداخل	تداخل	توافق بنصف	تباین	تماثل	تباین	توافق بنصف	توافق بنصف	توافق بنصف
۷	تباین	تباین	تباین	تباین	تباین	تماثل	تباین	تباین	تباین
۸	تداخل	تباین	تداخل	تباین	توافق بنصف	تباین	تماثل	تباین	توافق بنصف
۹	تباین	تداخل	تباین	تباین	توافق بثلث	تباین	تباین	تماثل	تباین
۱۰	تداخل	تباین	توافق بنصف	تداخل	توافق بنصف	تباین	توافق بنصف	تباین	تماثل

فی الاثنین بالنصف پس اگر دو میں متوافق ہوں یعنی جن عدد و نکا فنا کرنے والا عدد ثالث دو ہو تو توافق نصف میں ہوتا ہے کیونکہ دو مخرج نصف کا ہے چنانچہ دس اور چار کہ جب چار کو دس میں سے دو بار گرائیں تو دو باقی رہینگے یعنی دونوں عددوں کا فنا کرنے والا دو ہوگا پس دس اور چار میں توافق بالنصف ہے اور نصف ہر ایک کا وفق ہے اور اگر اٹھارہ سے آٹھ کو دو بار ساقط کیجئے تو دو باقی رہینگے اور جب دو کو تین بار آٹھ سے گرائے تو بھی وہی باقی رہینگے تو یہ دونوں عدد اٹھارہ اور آٹھ متوافق بالنصف ہیں مطلب اس کا یہ ہے کہ مخرج نصف کا ان دو عدد دونکو فنا کر دیتا ہے - وفی الثلثة بالثلث اور اگر تین میں متوافق ہوں تو تہائی میں توافق ہوگا یعنی اگر عدد ثالث فنا کرنے والا تین ہو تو توافق بالثلث ہوتا ہے جیسے چھ اور پندرہ کہ جب چھ کو دو بار پندرہ سے نکالڈالیں تو ۳ باقی رہینگے اور تین کو چھ سے گرادیا جائے تو بھی تین باقی رہینگے پس یہ دونوں عدد بوجہ گرادینے کمتر عدد کے دونوں جانب سے تین کے عدد پر قرار پکڑتے ہیں پس ہر ایک ان دونوں میں سے تہائی میں متوافق ہے جس کا مخرج تین ہے - وفی الاربعة بالربع اور اگر چار میں متفق ہوں یعنی فنا کرنے والا عدد چار ہو تو چوتھائی میں

توافق ہوگا چنانچہ چار مخرج ربع کا ہے ۱۶- اور ۲۰ میں کہ منفی ان دونوں کا چار ہے اور ان میں توافق بالربع ہے اور ۱۶ میں وفق ہے اور ۲۰ میں وفق ۵ یعنی ۴ چوک ۱۶ ہوتے ہیں اور پانچ چوک بیس ہوتے ہیں۔

وکذا الی العشرۃ اسی پر قیاس کرلو دس تک چنانچہ (الف) اگر دونوں عدد پانچ میں متفق ہوں یعنی اُن کا فنا کرنے والا پانچ ہو تو توافق خمس یعنی پانچویں میں ہوگا جیسے دس اور پچیس کہ جب ۱۰ کو ۲۵ سے دو بار گرا دیں تو پانچ باقی رہینگے اور پانچ فنا کرنے والا دونوں عدد کا ہے (ب) اور اگر چھ میں اتفاق ہو تو سدس یعنی چھٹی میں موافقت ہوگی جیسے ۱۸- اور ۳۰ کہ جب اٹھارہ کو تیس میں سے نکالدو بارہ باقی رہینگے اور چھ دونوں کو فنا کرتا ہے (ج) اور سات میں اتفاق ہو تو توافق بالسبع ہے جیسے ۱۴- اور ۲۱ کہ جب ۱۴ کو اکیس میں سے ایکبار نکالڈالیں تو ۷ باقی رہینگے سات کا عدد ان دونوں کو فنا کرتا ہے پس سبع یعنی ساتواں انکا مخرج ہے (د) اور اگر آٹھ میں اتفاق ہو تو دونوں کا توافق ثمن یعنی آٹھویں میں قرار پائیگا۔ جیسے ۱۶- اور ۲۴ کہ ۱۶ کو ۲۴ سے ساقط کردیں تو آٹھ باقی رہینگے اور انکو فنا کرنے والا آٹھ ہے تو انمیں توافق بالثمن ہے (ر) اور اگر نو میں اتفاق ہو تو دونوں کا توافق نویں میں ہوگا جیسے ۱۸- اور ۲۷ کہ اٹھارہ کو ۲۷ میں سے نکالدینے کے بعد نو باقی رہتے ہیں پس انمیں توافق بالتسع ہے کیونکہ نو دونوں کو فنا کرتا ہے (س) اور اگر دس میں اتفاق کریں تو انکا توافق دسویں میں سمجھا جائیگا جیسے ۲۰- اور ۳۰ میں توافق بالعشر ہے کیونکہ بیس کو تیس سے گرادینے کے بعد دس باقی رہجائینگے- اور دس کا عدد بیس اور تیس دونوں کو فنا کرتا ہے۔

فائدہ ان کو کسور منطقہ کہتے ہیں کیونکہ انکی تعبیر دو طرح ہوتی ہے ایک جزئیت کے طور پر جیسے پانچویں کو خمس کہتے ہیں- دوسرے مخرج کی طرف اضافت کے ساتھ بھی جیسے پانچویں کو کہیں جزء من خمسۃ یعنی پانچ میں سے ایک جزو دوسری عبارت میں یوں سمجھو کہ انکو کسور منطقہ اس لئے کہتے ہیں کہ ایسی کسر کی تعبیر بدون اُسکے مخرج کی طرف اضافت کرنے کے بھی ممکن ہے جیسے آدھا جو تھا تا آخر۔

وکذا ما بین العشرۃ متوافقان بجزء منہ اور دس سے زیادہ میں موافقت واقع ہونے کی صورت میں دونوں عدد اُس کسر کے ایک جزء میں متوافق ہونگے اسکو کسر اصم کہتے ہیں- اور اصم گونگے کے معنے میں ہے اور ایسی کسر کو گونگا کہنا باعتبار مجاز کے ہے کسر منطق کی تعبیر دو طرح سے ہوسکتی تھی اور کسر اصم کی تعبیر بدون اضافت اُسکے مخرج کے ممکن نہیں- **اعنی فی احد عشر بجزء من احد عشر** چنانچہ دو عددوں کے گیارہ میں متوافق ہونے کو کہینگے کہ انکا توافق گیارہ کے ایک جزء میں ہے اسکی مثال ۲۲- اور ۳۳ ہے کہ اگر بائیس کو تین تیس سے گرادیا جائیگا تو گیارہ باقی رہینگے اور ۱۱ کا عدد دونوں کو فنا کرتا ہے تو دونوں عددوں میں توافق گیارہ کے ایک جزو میں ہوگا- اسی طرح توافق بارہ میں ہو تو بارہ کے ایک جزء میں توافق کہینگے- جیسے ۲۴- اور ۳۶ کہ ۲۴ کو ۳۶ میں سے ساقط کیا جائے تو ۱۲ رہینگے جو دونوں کو فنا کرتے ہیں- اسی طرح اگر دونوں عدد میں توافق تیرہ میں ہوگا تو انکا توافق تیرہ کے ایک جزء میں مانینگے جیسے ۲۶- اور ۳۹ کہ ۲۶ کو ۳۹ سے نکال ڈالا جائے تو ۱۳ باقی رہینگے اور تیرہ ۲۶- اور ۳۹ دونوں کو فنا کرتے ہیں تو یہ دونوں عدد ۱۳ کے ایک جزو میں متوافق ہیں اسی طرح دونوں عدد میں توافق ۱۴ میں ہوگا تو انکا توافق ۱۴ کے ایک جزء میں مانینگے جیسے ۲۸- اور

کہ اگر ۲۸ کو ۴۲ میں سے نکال ڈالا جائے تو ۱۴ باقی رہینگے اور چودہ ۲۸- اور ۴۲ دونوں کو فنا کرتے ہیں تو یہ دونوں ۱۴ کے ایک جزء میں متوافق ہیں وفی خمسۃ عشر یتوافقان من جملۃ عشر اور ۱۵ میں توافق واقع ہو تو توافق ۱۵ کے ایک جزء میں ہوگا مطلب یہ ہے کہ توافق پندرہ کے ساتھ ہوگا جیسے ۳۰- اور ۴۵ کہ جب ۳۰ کو ۴۵ سے گرادیں تو ۱۵ باقی رہینگے جو ۳۰- اور ۴۵ دونوں کو فنا کرتے ہیں فاعتبر هذا یعنی دوسرے عددوں کے توافق کا حال جو اس سے زیادہ ہوں اسی پر قیاس کرلو مثلاً ۱۹ میں توافق ہو تو انیسویں کے ساتھ توافق کہلائے گا چنانچہ ۳۸ و ۵۷ کہ اگر ۳۸ کو ستاون میں سے ایکبار ساقط کردیا جائے تو ۱۹ رہینگے اور یہی عدد دونوں کا فنا کرنے والا ہے۔

خزانۃ المفتیین سے متوافقین کے بحث کی توضیح کرنے کے لئے کہتا ہوں کہ متوافقین وہ عدد ہیں کہ اون میں کا ایک دوسرے کو فنا نکرے اور اوس پر منقسم نہو بلکہ اور عدد ان دونوں کو فنا کرے تو یہ دونوں مفنی کے جزء کے ساتھ متوافقین ہونگے جیسے آٹھ اور بارہ کہ ان دونوں کو چار فنا کرتے ہیں۔ پس انکو متوافقین بالربع کہینگے اور اسی طرح پندرہ اور پچیس کہ ان دونوں کو پانچ فنا کرتے ہیں۔ پس ان دونوں میں توافق بالخمس ہے اور کبھی دو عدد انکو چند عدد فنا کرتے ہیں جیسے کہ بارہ اور اٹھارہ کہ ان دونوں کو چھ اور تین اور دو فنا کرتے ہیں۔ پس اکثر اعداد میں سے وفق کا جزء لیا جائے اور یہ ضرب وحساب میں زیادہ مختصر ہوگا اور توافق کی معرفت کا طریق یہ ہے کہ ایک کو دوسرے میں سے کم کیا جائے۔ پس جس قدر باقی بچے اوس میں سے توافق کا جزء لیا جائے جیسے پندرہ اور پچیس پس جبکہ پچیس میں سے پندرہ کو کم کریں تو دس باقی رہینگے اور جبکہ ۱۵ میں سے دس کو کم کریں تو پانچ باقی رہینگے اور توافق کے جزء کی معرفت کا طریق یہ ہے کہ ایک کو عدد باقی کی طرف نسبت کریں۔ پس باقی کی طرف ایک کے نسبت کرنے سے جو حاصل ہو وہ توافق کا جزء ہے۔ مثال اس کی وہی ہے جو ہمنے بیان کی پانچ باقی رہے انکی طرف ایک کو نسبت کیا جائے تو ایک کی پانچ کی طرف پانچویں حصے کی نسبت ہوگی تو پندرہ اور پچیس کے درمیان توافق بالخمس ہے اور اگر وہ جزء جو دونوں عدد کا مفنی ہے دس سے زیادہ ہو جیسے کہ ۳۶- اور ۵۴- پس وہ عدد جو ان دونوں کو فنا کرے اٹھارہ ہیں اور ۲۲ و ۳۳ کو جو فنا کرے وہ گیارہ ہیں اور ۳۰ و ۴۵ کو جو فنا کرے ۱۵ ہیں پس اگر مفنی فرد اول ہو یعنی جسکے لئے جزء صحیح نہو یعنی ایک عدد کے دوسرے میں ضرب کرنے سے مرکب نہوا ہو جیسے کہ گیارہ تو یہ سمجھ لو کہ توافق ان دونوں میں گیارہ سے ایک جزء ہے کیونکہ اس سے دوسری شے کے ساتھ تعبیر صحیح ممکن نہیں اور اگر عدد مفنی زوج ہو جیسے کہ اٹھارہ اس صورت میں کہ جو ہمنے بیان کی یا فرد مرکب ہو اور فرد مرکب وہ عدد ہے کہ جسکے دو جزء صحیح یا زیادہ ہوں جیسے کہ پندرہ اسکے کہ اسکے دو جزء صحیح ہیں اور وہ پانچواں یعنی تین اور تہائی یعنی پانچ ہیں تو اسکو مرکب کہتے ہیں اس لئے کہ یہ ایک عدد کے دوسرے عدد میں ضرب کرنے سے مرکب ہے یعنی تین کو پانچ میں ضرب کرنے سے پس اگر تم اس طور سے کہنا چاہو جیسا کہ تمنے فرد اول میں کہا کہ یہ پندرہ میں سے ایک جزء کے موافق ہے اور اٹھارہ میں سے ایک جزء کے موافق ہے اور اگر تم چاہو کہ ایک کو اسکی طرف دوسروں کے ساتھ نسبت کرو تو ایک غیر کو دوسرے کی طرف مضاف ہوگا۔ پس تم کہو کہ پندرہ میں توافق ثلث الخمس ہے اور اٹھارہ میں توافق ثلث السدس

ہے۔ وعلی ہذا القیاس۔

باب التصحیح
یہ باب تصحیح کے بیان میں ہے

یعنی اس میں وارثوں پر تقسیم کی صحیح کرنے کی قواعد بیان ہوتی ہیں۔ تصحیح تفعیل کے وزن پر صحت سے ماخوذ ہے جو ضد ہے سقم کی اور یہاں مراد یہ ہے کہ اُس کسر کو زائل کرنا جو وارثوں کی کل فریق کی رؤس اور اُنکی سہام میں جو اصل مسئلے سے ہوں واقع ہو اس سے بھی واضح طور پر سمجھو کہ مسائل فرائض میں تصحیح اس سے عبارت ہے کہ کمتر عدد ممکن سے اس طرح پر سہام لگ جائیں کہ کسی وارث پر کسر واقع نہو یعنی سب وارثوں کے سہام پورے ہوں کسی کا سہم تہائی چوتھائی نہو۔ صاف لفظوں میں یوں سمجھو کہ ایسا چھوٹا عدد حاصل کریں جس سے ہر وارث کا حصہ صحیح طور پر نکل آئے۔ تصحیح میں ہر کسر کا نام عدد صحیح رکھدیا جاتا ہے۔

تصحیح مسئلے کی صورت اُس وقت واقع ہوتی ہے جبکہ جھتے از روئے مخرج یا عول کے بانٹ دیے جائیں اور وہ حصے بوجہ زیادہ ہونے وارثوں کی تعداد کے بلا کسر نہ بٹ سکتے ہوں تو تصحیح کرنا لازم ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ تصحیح کی حاجت صرف اُسوقت ہوتی ہے کہ سہام میں کسر پڑتی ہو اور جب سہام میں کسر نہ پڑی بلکہ پورے پورے وارثوں پر تقسیم ہو جاویں تو حاجت تصحیح کی نہیں ہے اور عدد کے ساتھ کمتر کی قید کا فائدہ یہ ہے کہ وارثوں کے سہام بلا کسر ایسے عدد سے جو اُس سے چھوٹا ہو نہیں نکل سکتے اور کمتر عدد سے زیادہ سے ممکن ہے مگر طول لا طائل ہے۔

مختصر یہ ہے کہ مخرج مشترک کے صحیح نکالنے کو تصحیح کہتے ہیں۔ اور تصحیح میں یہ قاعدہ ہے کہ میت نے جن یا اسباب وغیرہ چھوڑے تو اُنکے روپے یا اشرفی سو قیمت مقرر کرکے تصحیح مسئلے کی کیجائے گی اور تصحیح کی علامت یہ ہے ـــــــــــ اور کبھی صرف یوں لکھتے ہیں ـــــــــــ کسر کے لکھنے کی یہ صورت ہے۔ چوتھائی ¼۔ آدھا ½۔ تہائی ⅓۔ سوا ۱¼۔ ڈیڑھ ۱½۔ پونے دو ۱¾۔ سوا دو ۲¼۔ ایک چیز کا پانچواں حصہ ⅕۔ چھٹا حصہ ⅙۔ اور چار حصوں میں سے دو حصے ⅖۔ پانچ حصوں میں سے تین حصے ⅗۔ نو حصوں میں سے چار حصے ⅘ وغیرہ وغیرہ۔

یحتاج فی تصحیح المسائل الی سبعۃ اصول تصحیح مسائل میں سات قاعدوں کی ضرورت ہے ثلثۃ بین السہام والرؤس اُن میں سے تین قاعدے تو درمیان سہام مخارج اور رؤس ورثہ کے ہیں وارثوں کی تعداد کو عدد رؤس یا رؤس کہتے ہیں اور حصوں کی تعداد کو عدد سہام یا سہام کہتے ہیں۔ اعداد رؤس اور اعداد سہام میں نسبت دیکھی جائے اور نسبت چار طرح کی ہوتی ہے تماثل ہوگی یا تداخل ہوگی یا توافق ہوگی یا تباین ہوگی۔ تماثل کی صورت میں تصحیح

کی ضرورت نہیں خود وہی تصحیح ہے جیسا کہ مسئلہ منبریہ میں۔ اور تداخل کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اگر سہام زیادہ ہوں اور رؤس کم ہوں تو اس صورت میں بھی صحت کی ضرورت نہیں اسکو تماثل حکمی کہتے ہیں دوسری صورت یہ ہے کہ سہام کم ہوں اور رؤس زیادہ اس کا طریقہ مطابق توافق کے ہے کیونکہ اسکو توافق حکمی کہتے ہیں پس چاروں نسبتوں میں توافق اور تباین میں ہی ضرورت تصحیح کی ہوتی ہے خواہ توافق حقیقی ہو یا حکمی واربعۃ بین الرؤس والرؤس اور چار قاعدے درمیان رؤس اور رؤس یعنی وارثوں کے گروہ کے ہیں اس طرح کہ کبھی فرقوں کے عدد رؤس میں باہم تماثل کی نسبت ہوتی ہے اور کبھی تداخل کی اور کبھی توافق کی اور کبھی تباین کی ان چار صورتوں کی تفصیل آگے آتی ہے۔

اما الثلثۃ ان اصول ثلثہ سہام اور رؤس کا حاصل مقام یہ ہے کہ اگر سہام ماخوذ از مخرج وارثوں پر مستقیم ہوگئے تو یہ پہلا قاعدہ ہے اور اگر مستقیم نہ ہوئے تو یا ایک گروہ پر منکسر ہوئے یا اکثر پر دوسری شق تو اصول اربعہ میں مذکور ہے اور اول شق یعنی ایک ہی گروہ پر انکسار ہو وہ دو حال سے خالی نہیں کہ اس گروہ کے سہام میں اور انکے عدد رؤس میں موافقت ہے یا نہیں اگر موافقت ہے تو وہ دوسرا قاعدہ ہے اور اگر موافقت نہیں بلکہ مباینت ہے تو وہ تیسرا قاعدہ ہے۔ فاحدھا

ان کانت سہام کل فریق منقسمۃ علیھم بلا کسر فلا حاجۃ الی الضرب سو تین میں پہلا قاعدہ استقامت کہلاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ سہام ہر فریق کے وارثوں میں سے اُنپر منقسم ہو جائیں بدون کسر پڑنے کے تو یہاں ضرب کی کچھ حاجت نہیں کما بین وبتبین چنانچہ ایک شخص کے والدین اور دو بیٹیاں وارث ہوں اسواسطے کہ یہاں مسئلہ ۶ سے ہے والدین میں سے ہر ایک کا حصہ سدس یعنی ایک ایک سہم ہے اور بیٹیوں کے دو ثلث یعنی چار کہ ہر بیٹی کی دو سہم ہو گئے صورت اسکی یہ ہے۔

مسئلہ ۶

میت	باپ	ماں	بیٹی	بیٹی
	۱	۱	۲	۲

والثانی ان کسر علی طائفۃ واحدۃ ولکن بین سہامھم ورؤسھم موافقۃ فیضرب وفق عدد رؤس من انکسرت علیھم السہام فی اصل المسئلۃ دوسرا قاعدہ موافقت کا ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک گروہ کا حصہ ٹوٹتا ہو لیکن اس کے سہام اور رؤس میں توافق کی نسبت ہو تو یہاں عدد رؤس وارثان کے وفق کو اصل مسئلے میں ضرب دینگے اگر عول نہو وفق رؤس سے وہ کسر رؤس کی مراد ہے جس کسر کے ساتھ سہام ورؤس میں توافق ہو جیسے توافق بالنصف میں نصف اور توافق بالثلث میں ثلث اور توافق بالربع میں ربع وعلی ہذا القیاس پس جب سہام ورؤس میں توافق بالنصف ہو تو نصف رؤس کو ضرب دیں اور جب توافق بالثلث ہو تو ثلث رؤس کو اور جب توافق بالربع ہو تو ربع رؤس کو علی ہذا القیاس یہاں توافق سے عام مراد ہے خواہ توافق ہو یا تداخل اور اصل مسئلہ وہ عدد ہے جو باعتبار کل وارثوں کے حصے کے مقرر کیا جائے اور اس سے حصہ مقررہ حصہ داروں کا علیحدہ

کیا جائے وعولها ان کانت عائلة اگر مسئلہ عائلہ ہو تو عول میں مسئلے کے ضرب دیا جائے یعنی اصل مع زیادتی میں ضرب دیا چاہیے جو کچھ حاصل ہو اُس سے سب وارثوں کو صحیح بٹ جائے گا کالبوین وعشر بنات یہ مثال مسئلہ غیر عائلہ کی ہے یعنی میت نے باپ ماں اور دس بیٹیاں چھوڑیں تو مسئلہ ۶ سے ہوگا اور تصحیح ۳۰ سے اور نسبت توافق بالنصف کی ہے۔

مسئلہ ۶ تصحیح ۳۰ زید

میت

باپ	ماں	۱۰ دختران
۱/۵	۱/۵	۴/۶

حل

ثلثان وسدسان والی جمع ہونے سے مخرج ۶ ہوا۔ ثلثان یعنی چار پانے والی بیٹیاں ہیں اور سدسان یعنی دو پانے والے والدین ہیں۔ ۶ میں سے ایک ایک سہم ماں باپ کو اور چار سہم دس بیٹیوں کو دیے گئے۔ چونکہ بیٹیاں دس ہیں اور اُنکے سہام ۴ تو یہ سہام اُنپر بلا کسر تقسیم نہیں ہو سکتے اور چار اور دس میں نسبت توافق بالنصف کی ہے۔ پس عدد رؤس دختران میں سے نصف یعنی پانچ لیکر اصل مسئلے میں ضرب دینے سے تیس سے تصحیح ہوئی لہذا پانچ پانچ سہم ماں باپ کو اور بیس سہم بیٹیوں کو ملے۔ فی دختر دو سہام پڑے۔

اور زوج وابوین وستت بنات یا میت نے شوہر اور ماں باپ اور چھ بیٹیاں چھوڑیں یہ تمثیل مسئلہ عائلہ کی ہے۔ مسئلہ ۱۲ سے۔ عول ۱۵ تک۔ مضروب ۳۔ تصحیح ۴۵ سے۔ نسبت توافق بالنصف۔

مسئلہ عول ۱۵ تصحیح ۴۵ زینب

میت

شوہر	باپ	ماں	۶ بیٹیاں
۳/۹	۲/۶	۲/۶	۸/۲۴

حل

ربع کے ثلثان اور سدس کے ساتھ جمع ہونے سے مخرج ۱۲ ہوا۔ ربع یعنی ۳ سہم حصہ شوہر کا اور سدس یعنی ۴ سہم ابوین کا اور ثلثان یعنی ۸ بیٹیوں کا اس کا عول کیا گیا ۱۵ کی طرف بیٹیوں کا حصہ اُنکے عدد رؤس پر غیر منقسم ہے اور ۸ عدد سہام اور ۶ عدد رؤس میں نسبت توافق بالنصف کی ہے تو اُنکے رؤس کو نصف یعنی ۳ کی طرف پھیرا پھر نصف عدد رؤس دختران کو کہ تین ہیں مسئلے کی عول میں کہ پندرہ ہیں ضرب دیا گیا جس کی تصحیح ۴۵ سے ہوئی تو اب مسئلہ مستقیم ہوگیا اسواسطے کہ زوج کا حصہ اصل مسئلے میں جو تین سہم کا تھا اسکو مضروب یعنی تین میں ضرب دیا تو حاصل ہوا تو نو سہم شوہر کے ٹھیرے۔ اور والدین کا حصہ اُس میں سے چار سہم کا تھا اسکو اُسی مضروب یعنی تین میں ضرب دیا

بارہ حاصل ہوے تو ہر ایک کے چھ سہم ہوے اور بیٹیوں کا حصہ آٹھ سہم کا تھا اسکو بھی تین میں ضرب دیا تو ۲۴ حاصل ہوے پس ہر بیٹی کا حصہ ۸ سہم کا ہوا خلاصہ یہ ہوکہ ۹ سہم شوہر کو اور چھ چھ سہم ماں باپ کو اور ۲۴ سہم دختروں کو تقسیم کئے اور فی دختر ۴ سہم پڑے والثالث ان لا تکون بین سھامھم ورؤسھم موافقۃ فیضرب کل عدد رؤس من انکسرت علیھم السھام فی اصل المسئلۃ وعولھا ان کانت عائلۃ یعنی تیسری اصل یہ ہوکہ اگر ایک ہی گروہ کے سہام اور عدد رؤس میں موافقت ہو بلکہ سہام ہر فریق کے وارثوں پر ٹوٹ پھوٹ جائیں تو جس گروہ کا حصہ ٹوٹتا ہو اُسکے کل عدد رؤس کو اصل مسئلہ میں ضرب دیا جائیگا۔ اگر عول ہو اور اگر مسئلہ عائلہ ہوگا تو اصل مع زیادتی میں ضرب دیا جائیگا اور حاصل کو سب وارثوں پر صحیح طور پر بانٹ دینگے کاب وام وخمس بنات مثلاً ایک میت نے ماں باپ اور پانچ بیٹیاں چھوڑیں تو یہاں اصل مسئلہ ۶ سے ہے باپ اور ماں کو ایک ایک سدس پہنچتا ہے اور پانچ بیٹیوں کو دو ثلث جو چار ہیں پہنچے ہیں اور چار پانچ پر صحیح طور سے تقسیم نہیں ہوسکتے لہذا پانچ کو جو عدد رؤس ہیں اور چار کو جو سہام اُنکے ہیں ہنسنے دیکھا کہ ان دونوں میں نسبت تباین کی واقع ہے تو اصل مسئلے کو یعنی ۶ کو عدد رؤس یعنی عدد وارثان میں کہ پانچ ہیں ضرب دیا تو تیس حاصل ہوے اس میں سے پانچ یعنی ایک سدس باپ کو اور ایسے ہی پانچ یعنی ایک سدس ماں کو دئے اور دو ثلث یعنی بیس پانچوں بیٹیوں کو دیے جن میں سے ہر ایک کو چار چار پہنچے۔

صورت اسکی یہ ہے۔

مسئلہ ۶ تصحیح ۳۰

باپ	ماں	۵ بیٹیاں
۱/۵	۱/۵	۴/۲۰

یہ مثال مسئلہ غیر عائلہ کی ہوا دنی وجہ وخمس اخوات لاب وام یعنی شوہر اور پانچ سگی بہنیں وارث ہیں اصل مسئلہ ۶ سے ہے اُس کا نصف یعنی تین زوج کا حصہ ہے اور اُسکی دو ثلث یعنی چار بہنوں کا حصہ ہے تو مسئلے نے ۶ سے عول کیا ۷ کی طرف یہاں ۴ سہم بہنوں پر ٹوٹتے ہیں اور اُنکی سہام اور رؤس یعنی چار اور پانچ میں تباین کی نسبت ہے۔ لہذا تمام اعداد رؤس خواہران یعنی پانچ کو اصل مسئلے اور اُسکی عول میں ضرب دیا تو ۳۵ سے تصحیح ہوئی یعنی اس حاصل سے مسئلہ صحیح ہوگیا۔ اس طرح کہ شوہر کے تین سہم تھے اُنکو مضروب یعنی پانچ میں ضرب دیا پندرہ ہوے اور پانچ بہنوں کے چار سہم تھے اُنکو بھی پانچ میں ضرب دیا ۲۰ ہوے پس ۱۵ سہم شوہر کو اور بیس سہم پانچ بہنوں کو ملکر فی خواہر چار چار سہم پڑے۔

صورت اسکی یہ ہے۔

مسئلہ ۶ عول ۷ تصحیح ۳۵

شوہر	۵ بہنیں
۳/۱۵	۴/۲۰

یہ مثال مسئلہ عائلہ کی ہے واما الرابعۃ یعنی چار قاعدے جو درمیان رؤس و رؤس کے ہیں۔ اُنکی تفصیل یوں ہے فاحدھا ان یکون الکسر علی طائفتین او اکثر پہلا قاعدہ یہ ہو کہ دو گروہ یا زیادہ کے عدد رؤس پر سہام درست نہ بیٹھیں یعنی ٹوٹتے ہوں ولکن بین اعداد رؤسہم مماثلۃ لیکن سب فرقوں کے اعداد رؤس کے درمیان نسبت تماثل کی ہو اور اعداد رؤس سے مراد وہ چیز ہے جو ان تمام اعداد کو اور انکے وفق کو بھی متناول ہو اس واسطے کہ اگر کسی گروہ کے رؤس میں اور انکے سہام میں موافقت ہو گی تو ایسی حالت میں اول اُنکے عدد رؤس کا وفق کی طرف رد کیا جائیگا پھر اس وفق اور تمام اعداد میں مماثلت کا اعتبار کیا جائیگا۔ فالحکم فیہا ان یضرب احد الاعداد فی اصل المسئلۃ اس صورت میں اعداد مماثلہ میں سے ایک کو اصل مسئلے میں ضرب دینگے اور درصورت عول کے عول میں اور درصورت رد کے رد میں ضرب دینگے مثل ست بنات وثلث جدات وثلثۃ اعمام مثلاً میت نے چھ بیٹیاں اور تین جدات اور تین چچے چھوڑے یہ مثال مسئلہ غیر عائلہ کی ہے اور یہاں اصل مسئلہ ۶ سے ہوا اس میں سے ۶ بیٹیوں کو دو ثلث یعنی چار سہام پہنچتے ہیں اور یہ عدد رؤس پر منکسر ہیں اور دونوں میں توافق بالنصف کی نسبت ہے اس لئے چھ میں سے اُسکا وفق یعنی تین معتبر ہوا اور تین جدات کو سدس پہنچتا ہے اور وہ چھ میں سے ایک ہوتا ہے اور ایک تینوں جدات کو صحیح طور پر نہیں پہنچ سکتا بلکہ ٹوٹتا ہے۔ اور تباین رکھتا ہے اس لئے جدات کے کل عدد رؤس کا اعتبار ہوا اور تینوں چچوں کو ایک پہنچتا ہے یہ بھی صحیح طور پر تقسیم نہیں ہو سکتا بلکہ منکسر ہے اور نسبت تباین کی رکھتا ہے اسلئے کل عدد رؤس کا جو تین ہیں یہاں بھی اعتبار ہوا پس تینوں فرقہ سے وارثان کے عدد رؤس اور وفق رؤس میں بموجب قاعدے کے نسبت جو ملحوظ ہوئی تو تماثل معلوم ہوا وجہ اسکی یہ ہے کہ جدات اور چچوں کے تین تین عدد رؤس کے ساتھ بہنوں کے وفق عدد رؤس کا ملاحظہ ہو گا۔ اب انمیں سے ایک کو یعنی فقط ۳ کو اصل مسئلے میں یعنی ۶ میں ضرب دیا اٹھارہ حاصل ہوئے اس میں سے ۴ جو سدس ہے تینوں دادیوں کو پہنچے اور بارہ جو دو ثلث ہیں چھ دوں بہنوں کو دیے گئے اور تین باقی تینوں چچوں کو تو بموجب اس قاعدے کے ہر ایک کو صحیح حصہ ملگیا صورت مسئلے کی یہ ہے۔

مسئلہ ۶ صحت ۱۸

۶ بیٹیاں	تین جدہ	۳ چچے
۱۲	۳	۳

اگر ہم صورت مذکورہ میں تین کی جگہ ایک چچا فرض کریں تو انکسار صرف دو رؤس پر ہو گا۔ کہ وہ جدات اور بیٹیاں ہیں۔

اور ایسی حالت میں جدات کا عدد رؤس بیٹیوں کے وفق عدد رؤس کے ساتھ مماثل ہو گا۔ اس لئے کہ ہر ایک تین ہے پھر جبکہ تین کو اصل مسئلے یعنی ۶ میں ضرب دیا تو ۱۸ ہو گئے۔ اور انسہم صحیح ہو جائینگے۔

مثال دیگر مسئلہ ۶ تصحیح ۱۸

۳ جدہ	۱۲ بہنیں	۳ چچے
۱/۳	۴/۱۲	

اصل مسئلہ ۶ سے ہے اس میں سے سدس کا ایک ۳ جدہ کو پہنچتا ہے اور یہ اُنپر منکسر ہے اور تباین رکھتا ہے اس لئے کل تین کا اعتبار ہوا۔ بارہ بہنوں کو ثلثان کے چار پہنچتے ہیں یہ بھی منکسر ہیں مگر نسبت توافق بالنصف کی رکھتی ہیں اس لئے ۶ میں سے نصف اس کا یعنی ۳ معتبر ہوا اور اس سے نسبت ۳ پہلے کی لحاظ کی تو تماثل معلوم ہوا اور تین چچوں کو ایک پہنچتا ہے یہ بھی منکسر ہے اور تباین کی نسبت رکھتا ہے اس لئے کل ۳ کا یہاں بھی اعتبار ہوا پس وارثوں کے تینوں فرقوں کے عدد رؤس میں بموجب قاعدہ کے نسبت جو ملحوظ ہوئی تماثل معلوم ہوا ان میں سے فقط تین کو اصل مسئلہ یعنی ۶ میں ضرب دیا ۱۸ حاصل ہوے۔ اس میں سے تین تینوں جدہ کو پہنچے اور بارہ چھوہوں بہنوں کو اور تین تینوں چچوں کو ہر ایک کو صحیح مل گیا۔

مثال دیگر میت نے تین چچے اور تین بیٹیاں چھوڑیں پس بیٹیوں کے واسطے اصل مسئلہ تین سے ہے کیونکہ چچے تو عصبہ ہیں پس بیٹیوں کے لئے دو ہوا اور ایک باقی رہا لیکن دو سہم تین لڑکیوں پر تقسیم نہیں ہو سکتے ہیں اور اسی طرح ایک سہم بھی تین چچوں پر تقسیم نہیں ہو سکتا لیکن دونوں فریق کا عدد رؤس متماثل ہے یعنی بیٹیاں بھی تین ہیں اور چچے بھی تین ہیں اس لئے ایک کو اصل مسئلے میں ضرب دیا تو ۹ سے تصحیح ہو گئی کہ ۹ میں سے دو تہائی کہ ۶ ہیں تینوں بیٹیوں کے واسطے ہیں جن میں سے ہر بیٹی کے لئے دو ہوے اور باقی تین سہام تین چچوں کے واسطے تو ہر ایک کے واسطے ایک سہم ہوا۔

مثال دیگر پانچ جدات اور پانچ حقیقی بہنیں اور ایک چچا وارث رہے پس جدات کے لحاظ سے اصل مسئلہ ۶ سے فرض کیا جس میں سے ایک سہم جدات کے لئے ہوا۔ حالانکہ اس ایک سہم کے پانچ ٹکڑے ہوں تو ہر جدہ کو ایک ایک سطے لیکن پانچ حصص یافتہ اور پانچ بہنوں اور پانچ جدات سب میں تماثل ہے تو انمیں سے ایک کو اصل مسئلہ یعنی ۶ میں ضرب دینے سے ۳۰ حاصل ہونگے اس سے تصحیح ہو گی پس جملہ ترکے کے ۳۰ سہام میں سے جدات کو چھٹے حصے کے پانچ سہام دینے سے ہر ایک کو ایک ایک سہم ملیگا۔ اور پانچ بہنوں کو دو تہائی کے ۲۰ ملینگے جس میں سے ہر ایک کو چار سہم پہنچینگے اور باقی چچا پاوے گا۔

مسئلہ عائلہ کی مثال میت نے دو زوجہ ۳۲ بیٹیاں آٹھ جدہ اور باپ چھوڑا تو اس صورت میں دو زوجہ کو ثمن اور ۳۲ بیٹیوں کو دو تہائی اور ہر ایک کو ۸ جدہ کو ۱/۶ باپ میں سے سدس ملتے ہیں لہذا بموجب قاعدۂ مخارج الفروض کے مسئلہ ۲۴ سے ہو کر عول ۲۷ تک ہوا اس میں سے ثمن یعنی ۳ دو زوجہ کو پہنچے اور وہ اُنپر ٹوٹتے ہیں اسی طرح دو ثلث یعنی ۱۶ ۳۲ بیٹیوں کو اور سدس یعنی ۴ جو ۸ جدہ کو پہنچے وہ اُنپر ٹوٹتے ہیں اور صرف سدس یعنی ۴ جو باپ کو

پہنچے وہ اسپر نہیں ٹوٹتے سو سب ۲۷ ہو گئے پس یہاں ۲۴ کا عول ۲۷ تک ہوا اور کسر دو فریق سے زیادہ پر واقع ہوئی اس لئے اولاً جن جن فریق کے سہام میں کسر واقع ہوئی ہے اُنکے سہام ورؤس میں نسبت لحاظ کی تو زوجہ کے سہام ورؤس کے درمیان تباین پایا اس لئے کل رؤس یعنی دو کو محفوظ رکھا اور بیٹیوں کے سہام ورؤس کے درمیان توافق سولھویں کے ساتھ پایا اس لئے سولھویں حصے یعنی دو کو کہ وفق رؤس ہے محفوظ رکھا اور جدّہ کے سہام ورؤس کے درمیان توافق بالربع پایا اس لئے ربع رؤس یعنی دو کو کہ وفق رؤس ہے محفوظ رکھا بعدا سکے اعداد محفوظ میں نسبت لحاظ کی تو تماثل پایا اس لئے اُس میں سے ایک کو یعنی دو کو عول میں یعنی ۲۷ میں ضرب دیا ۵۴ حاصل ہوے اس میں سے بموجب قاعدہ ۶ دوز وجہ کو ملے اب یہ اُپنر نہیں ٹوٹتے ہر ایک کو تین پڑ جاتے ہیں اور ۳۲ بیٹیوں کو ۳۲ پہنچے جس میں ہر ایک بیٹی ایک پائے گی اور آٹھ جدہ کو ۸ دیے جائینگے جس میں سے ہر ایک کو ایک ملیگا۔ اور باب آٹھ پائے گا۔ والثانی ان یکون بعض الاعداد متداخلا فی البعض دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ اگر وارثوں کے بعض اعداد رؤس جنپر اُنکے سہام ٹوٹتے ہوں بعض میں متداخل ہوں یعنی رؤس و رؤس میں تداخل کی نسبت ہو۔ فالحکم فیہا ان یضرب اکثر الاعداد فی اصل المسئلۃ تو حکم اس کا یہ ہے کہ بڑے عدد کو اصل مسئلے میں ضرب دیں جو کچھ کہ ضرب سے حاصل ہو گا صحیح طور پر بلا کسر وارثوں پر تقسیم ہو جائے گا۔ مثل اربع زوجات وثلث جدات واثنی عشر عما یہ اُس تداخل کی مثال ہے کہ مسئلے میں عول نہو یعنی ایک میت کی چار عورتیں اور تین دادیاں اور بارہ چچے رہے۔ صورت اسکی یہ ہے۔

مسئلہ ۱۲ مضروب ۱۲ تصحیح ۱۴۴ نسبت تداخل

زید

۴ بیویاں	۳ جدہ	۱۲ چچے
۳	۲	۷
۳۶	۲۴	۷۲

ربع وسدس کے یک جا ہونے سے مخرج ۱۲ ہوا۔ ۳ سہم چاروں بیویوں کو ۲ سہم تینوں جدہ کو ۷ سہم بارہ چچوں کو دیے گئے۔ تمام سہم جملہ وارثوں پر منقسم نہیں ہو سکتے اور سب میں تباین کی نسبت ہے اس لئے تمام اعداد رؤس بحیثیت موجودہ رکھے گئے بعد اسکے جملہ حصہ داروں کے اعداد رؤس کے درمیان میں نسبت دیکھی گئی ان میں نسبت تداخل کی ہے پس سب سے بڑا عدد رؤس ۱۲ ہے اسکو اصل مسئلے میں ضرب دیا گیا ۱۴۴ سے تصحیح ہوئی اس میں سے ۳۶ سہم چاروں بیویوں کو دیے کہ ہر بی بی کو ۹ سہم پہنچے اور ۲۴ سہم جدات کو کہ فی جدہ ۸ سہم پہنچے اور ۷۲ سہم ۱۲ چچوں کو دیے کہ ہر چچا کو ۶ سہم ملے۔

دوسری مثال } مسئلہ ۶ تصحیح ۱۰۸

۳ جدہ	۹ بہنیں	۱۸ چچے
۱	۳	۳
۱۸	۵۴	۵۴

اصل مسئلہ ۶ سے ہے انہیں سے ایک جدات کا حصہ ہے اور چار حصے بہنوں کے اور ایک حصہ چچیوں کا ہے اور سب کے سہام ورؤس میں تباین ہے اس لئے یہ سب رؤس کل معتبر ہیں اور انہیں باہم تداخل کی نسبت ہے ۳ تو ۹ میں متداخل ہیں اور ۹ - اٹھارہ میں پس ۱۸ کو کہ بڑا عدد ہے اصل مسئلے یعنی ۶ میں ضرب دیا ۱۰۸ حاصل ہوئے یہ ۱۰۸ سب پر صحیح بٹ جاتے ہیں ۱۸ جدات کو پہنچتے ہیں ہر جدہ کو ۶ اور ۲ بہنوں کو کہ ہر بہن کو ۸ ملے اور ۱۸ چچوں کو کہ ہر چچا کو ایک پڑا۔

مثال مسئلہ عائلہ { دو زوجہ ۳/۱۸ | ۳ حقیقی بہنیں ۱۸/۴۸ | ۱۲ جدہ ۲/۱۲

ربع اور ثلثان وسدس کے جمع ہونے سے مخرج ۱۲ ہو کر عول ۱۳ پر ہوا۔ بیویوں اور بہنوں کے سہام ورؤس میں تباین کی نسبت ہے اس لئے دونوں کے تمام عدد رؤس محفوظ رکھے گئے اور جدات کے رؤس وسہام میں توافق بالنصف ہونے سے نصف عدد رؤس جدہ یعنی ۶ لئے گئے۔ پھر رؤس و رؤس میں نسبت دیکھی گئی تو تداخل پایا یعنی دو زوجہ کے اور تین بہنوں کے یہ دونوں عدد رؤس ۶ میں جو وفق جدہ کا ہے داخل ہو جاتے ہیں اسلئے اکثر المتداخلین کو کہ ۶ ہیں مسئلے کے عول میں ضرب دیا ۷۸ سے تصحیح ہوئی انہیں سے ۱۸ سہم دو بیویوں کو فی بیوی ۹ سہم کے حساب سے اور ۴۸ سہم تینوں بہنوں کو فی ہمشیرہ ۱۶ سہم کے حساب سے اور ۱۲ سہم ۱۲ جدات کو فی جدہ ایک سہم کے حساب سے بانٹ دیئے گئے پس اصل مسئلہ ۱۲ سے ہے اور عول ۱۳ تک ہوا مضروب ۶۔ تصحیح ۷۸ سے اور نسبت تداخل کی ہے۔

والثالث ان یوافق بعض الاعداد بعضا۔ ان چار اصول میں سے تیسری اصل یہ ہے کہ بعض فرق کو اعداد رؤس بعض فرق کو اعداد رؤس کسی ساتھ موافقت کہتے ہوں یعنی فرقوں کے عدد رؤس میں توافق ہو۔ فالحکم فیہا ان یضرب وفق احد الاعداد فی جمیع الثانی تو اس صورت میں حکم یہ ہے کہ ایک فریق کے عدد ہائے رؤس کے وفق کو دوسرے فریق کے تمام عدد رؤس میں ضرب دیا جائے ثم ما بلغ فی وفق الثالث ان وافق المبلغ الثالث یعنی جو پہلی ضرب سے حاصل ہوا اسکو تیسرے فرقے کے عدد رؤس کے وفق میں ضرب دینا چاہئے بشرطیکہ وہ حاصل ضرب تیسرے کے وفق کے ساتھ توافق رکھتا ہو واکا اور اگر دونوں میں توافق نہ ہو بلکہ تباین ہو فالمبلغ فی جمیع الثالث تو اس حاصل ضرب کو تیسرے فریق کے عدد رؤس میں ضرب دیا جائے ثم المبلغ فی الرابع کذلک پھر اس دوسرے حاصل ضرب کو چوتھے فریق کے عدد رؤس میں اسی طرح ضرب دیا جائے یعنی اگر حاصل ضرب اور چوتھے فریق کے عدد رؤس متوافق ہوں تو حاصل ضرب کو چوتھے فریق کے عدد رؤس کے وفق میں ضرب دیا جائے اور اگر متوافق نہ ہوں تو تمام عدد رؤس میں ضرب دیا جائے ثم المبلغ پھر اس تیسرے حاصل ضرب یعنی مجتمع کو جو جزو سہم کہلاتا ہے اور ہمارے اس مسئلے میں ۱۸۰ ہے۔ فی اصل المسئلۃ اصل مسئلے میں جو یہاں ۲۴ ہے ضرب دیا جائیگا تو ۴۳۲۰ ہو جائینگے جسکے عمل کی صورت یہ ہے ۱۸۰ × ۲۴ = ۴۳۲۰

ان اعداد سے تقسیم بلا کسر صحیح ہوگی مصنف کی تقریر کا حاصل یہ ہے کہ اگر اعداد مخرجہ میں سے کسی دو

ہیں توافق ہو تو ایک کے وفق کو دوسرے کے کل میں ضرب دیں پھر اُسکے حاصل اور تیسرے میں لحاظ کریں اگر توافق ہو تو بدستور ایک کے وفق کو دوسرے کے کل میں اور تباین ہو تو ایک کے کل کو دوسری کے کل میں ضرب دیں اسی طرح اس حاصل اور چوتھے میں نسبت لحاظ کرکے بدستور عمل کریں پھر جو حاصل اخیر کو اصل مسئلے میں اور درصورت عول یا رد کے عول یا رد میں ضرب دیں اس بیان میں پہلا لفظ توافق سے مراد خاص ہے اور دوسرے لفظ توافق سے عام توافق مراد ہے اور مبلغ سے مراد حاصل ضرب ہی لفظی معنے مبلغ کے پہنچنے کی جگہ کے ہیں پس ایک مسئلے کے اعداد کو دوسرے مسئلے کے اعداد میں ضرب دینے سے جو عدد حاصل ہوتا ہے وہ بھی اپنے مقام پر پہنچ جانے کی وجہ سے مبلغ کہلاتا ہے۔ کار بع نزد جات وثمانی عشر ینتا وخمس عشر ۃ جدۃ وستۃ اعمام میت نے چار زوجہ اور ۱۸ بیٹیاں اور پندرہ جدہ اور ۶ چچے چھوڑے۔ اس صورت میں ۴ زوجہ کو ثمن اور ۱۸ بیٹیوں کو دو ثلث اور پندرہ جدہ کو سدس ملتے ہیں اور چچا عصبہ ہے اس لئے بموجب قاعدۂ مخارج الفروض کے مسئلہ ۲۴ سے ہوا۔ اس میں سے ثمن یعنی ۳ جو چار زوجہ کو اور ثلثان یعنی ۱۶ جو اٹھارہ بیٹیوں کو اور سدس یعنی ۴ جو پندرہ جدہ کو اور باقی یعنی ایک جو چچے چچوں کو پہنچے ان سب پر ٹوٹتے ہیں پس یہاں دو فریق سے زیادہ پر کسر واقع ہوتی ہے۔ اور چونکہ ہر فریق کے سہام میں کسر واقع ہوتی ہے اس لئے اولاً ہر فریق کے سہام ورؤس میں نسبت لحاظ کی پس درمیان سہام ورؤس زوجات کے تباین پایا اس لئے کل رؤس یعنی ۴ کو محفوظ رکھا اور درمیان سہام ورؤس دختران کے توافق بالنصف پایا اس لئے نصف رؤس یعنی ۹ کو کہ وفق رؤس ہے محفوظ رکھا اور درمیان سہام ورؤس جدہ وعم کے تباین پایا اس لئے اُن کے رؤس یعنی ۱۵ و ۶ کو محفوظ رکھا پھر محفوظ ہیں ۴ - ۹ - ۱۵ - ۶ ہیں نسبت لحاظ کی تو ۶ و ۱۵ میں توافق بالثلث پایا۔ اس لئے ایک مثلاً انکے ثلث یعنی ۲ کو کہ وفق رؤس ہے دوسرے یعنی ۱۵ کے کل میں ضرب دیا ۳۰ حاصل ہوئے پھر اس حاصل (۳۰) اور تیسرے یعنی ۹ میں مثلاً نسبت لحاظ کی تو ان میں بھی توافق بالثلث پایا اس لئے ایک مثلاً ۳۰ کے ثلث یعنی ۱۰ کو دوسرے یعنی ۹ کے کل میں ضرب دیا ۹۰ حاصل ہوئے پھر اس حاصل یعنی ۹۰ اور چوتھے یعنی ۴ میں مثلاً نسبت لحاظ کی تو توافق بالنصف پایا اس لئے ایک مثلاً ۴ کے نصف یعنی دو کو دوسرے یعنی ۹۰ کے کل میں ضرب دیا ۱۸۰ حاصل ہوئے پس اس حاصل اخیر یعنی ۱۸۰ کو اصل مسئلے یعنی ۲۴ میں ضرب دیا تو ۴۳۲۰ حاصل ہوئے اس سے سب کو صحیح طور پر ملجاتا ہے اس طرح کہ بیویوں کو اصل مسئلے سے ۳ ملے تھے اسکو ۱۸۰ میں ضرب دیا ۵۴۰ حاصل ہوئے۔ یہ بیویوں کے سہام ہیں ہر ایک کو ۱۳۵ ملتے ہیں اور بیٹیوں کو ۱۶ ملے تھے انھیں ۱۸۰ میں ضرب دیا ۲۸۸۰ حاصل ہوئے یہ سہام بیٹیوں کے ہیں ہر بیٹی کو ۱۶۰ پہنچتے ہیں اور جدات کو اصل مسئلے سے ۴ پہنچتے تھے انھیں ۱۸۰ میں ضرب دیا ۷۲۰ حاصل ہوئے یہ سہام جدات کے ہیں ہر ایک کو ۴۸ ملینگے۔ اور چچوں کو اصل مسئلے سے ایک پہنچتا تھا اُسے ۱۸۰ میں ضرب دیا یہی حاصل ہوئے۔ یہ چچوں کے سہام ہیں ہر ایک کو ۱۸۰ پہنچتے ہیں۔

صورت مسئلے کی یہ ہے۔

مسئلہ ۲۴ تصحیح ۳۲۰ سے مضروب ۱۸۰

۴ زوجہ	۱۸ بیٹیاں	۱۵ جدہ	۶ چچے
۳ / ۵۴۰	۶ / ۲۸۸۰	۴ / ۷۲۰	۱ / ۱۸۰

مسئلہ عائلہ کی مثال

مسئلہ ۱۲ عـ ۱۳ تصحیح ۴۴۸

۴ بیویاں	۹ سگی بہنیں	۱۲ جدہ
۳ / ۱۰۸	۱۸ / ۲۸۸	۲۴

سدس و ثلثان کے ربع کے ساتھ مجتمع ہونے سے مسئلہ ۱۲ سے ہوکر عول اس کا ۱۳ تک ہوا انمیں سے ۳ سہم ۴ بیویوں کو اور ۸ سہم نو بہنوں کو اور دو سہم بارہ جدات کو پہنچے۔ تمام حصے بلا کسر نہیں بنتے پس ۴ بیویوں اور اُنکے ۳ سہم ہیں اور ۹ بہنوں اور اُنکے ۸ سہم میں تباین ہے۔ اس لئے پورے عدد رؤس محفوظ رکھے گئے لیکن ۱۲ جدہ اور اُنکے دو سہام میں توافق بالنصف ہوا اس لئے عدد جدہ کی نصف یعنی ۶ کو وفق قرار دیا گیا بعد ازاں رؤس اور رؤس میں نسبت دیکھی گئی یعنی وفق رؤس جدہ ۶ ہیں اور ۹ عدد رؤس خواہران میں توافق بالثلث ہے۔ پس بہنوں کے عدد کا تہائی یعنی تین لیکر دونوں وفقوں کو ضرب دیا تو ۱۸ ہوئے امدان اظہارہ اور رؤس زوجہ کے چار میں نسبت توافق بالنصف کی ہے اس لئے نصف عدد رؤس زوجہ یعنی ۲ کو ۱۸ میں ضرب دیا ۳۶ حاصل ہوئے ان ۳۶ حاصل ضرب کو مسئلے کے عول یعنی ۱۳ میں ضرب دینے سے ۴۶۸ پر تصحیح ہوئی اور قسمت پوری ہوگئی یعنی ۱۰۸ چاروں بیویوں کو ملے کہ ہر بیوی کے حصے میں ۲۷۔ آئے اور ۲۸۸ سہم ۹ بہنوں کو ملے کہ ہر بہن کو ۳۲ سہم پہنچے اور ۲۴ سہم بارہ جدہ کو ملے کہ فی جدہ ۶ پڑے۔ اصل مسئلہ ۱۲ سے ہوکر عول ۱۳ تک ہوا اور تصحیح ۴۶۸ سے ہے اور نسبت توافق کی ہے۔

تنبیہ ۔ اکثر اشخاص کو خلجان ہوتا ہے کہ توریث جدات میں دو سے زیادہ کا اجتماع ممکن نہیں اسواسطے کہ اگر جدات دو سے زیادہ ہونگی تو ایک درجے کی نہونگی بلکہ بعض نزدیک والی ہونگی اور بعض دور والی ہونگی اور دور والی نزدیک والیوں سے محروم ہو جاوینگی۔ پس کوئی صورت ایسی نہ نکلے گی کہ دو جدہ سے زیادہ وارث ہوسکیں۔ پھر جو مثالوں میں بارہ اور ۱۵ جدہ مصنف نے لکھی ہیں اور کہیں میں جدہ اور اس سے بھی زیادہ لکھی جاتی ہیں اور سب وارث قرار دی جاتی ہیں اسکی کیا صورت ہے سو دفعیہ اس خلجان کا یہ ہے کہ جسقدر جدۂ بعیدہ ہو اسی قدر اس میں کثرت ممکن ہے۔

اول درجے میں دو ہیں

ام الاب (یعنی دادی) اور ام الام (یعنی نانی)

اور دوسرے درجے میں تین
ام ام الام (یعنی نانی کی ماں یا پرنانی) اور ام ام الاب (یعنی دادی کی ماں)
اور تیسرے درجے میں چار
ام ام ام الام (یعنی نانی کی ماں کی ماں یا ماں کی پرنانی) اور ام ام ام الاب (یعنی باپ کی پرنانی)
اور ام ام اب الاب (یعنی دادا کی نانی) اور ام اب اب الاب (یعنی دادا کی دادی)
اور چوتھے درجے میں پانچ
ام ام ام ام الام (یعنی ماں کی پرنانی کی ماں) اور ام ام ام ام الاب (یعنی دادی کی پرنانی)
اور ام ام ام اب الاب (یعنی دادا کی پرنانی) اور ام ام اب اب الاب (یعنی پردادا کی نانی) اور ام
اب اب اب الاب (یعنی پردادا کی دادی)
علی ہذا القیاس پانچویں درجے میں چھ اور چھٹے درجے میں سات اسی طرح جتنے ہی درجے اوپر بڑھتے
جاویں گے اُتنے ہی عدد میں ایک ایک جدہ بڑھتی جاویگی پس ایسی صورتیں جن میں جدات دو سے زیادہ
وارث ہو سکیں بہت سی نکل سکتی ہیں۔
عینی نے شرح کنز الدقائق میں ایک قاعدہ واسطے نکالنے ایک درجے کی جدات کثیرہ کے خوب لکھا ہے
وہ یہ ہے کہ جس قدر جدات ایک درجے اور مرتبے کی منظور ہوں اُس قدر لفظ ام لکھ جائیں پھر آخری ام کی
جگہ اب لکھیں باقی ام رہنے دیں۔ پھر آخر سے اوپر والی ام کی جگہ بھی لفظ اب لکھیں اور اس طرح اوپر کو
اب بڑھاتے جائیں یہاں تک کہ فقط ایک ام اوپر کی رہجائے باقی سب اب ہو جائیں پس اسقدر جدات
ایک درجے کی حاصل ہو جائیں گی مثلاً ۶ جدہ ایک درجے کی دریافت کرنی منظور ہیں تو ہم نے لکھا۔

(۱) ام ام ام ام ام۔
(۲) ام ام ام ام اب۔
(۳) ام ام ام اب اب۔
(۴) ام ام اب اب اب۔
(۵) ام اب اب اب اب۔
(۶) اب اب اب اب اب۔

پس یہ چھ جدہ صحیحہ ایک درجے کی ہیں اور سبب اسکا یہ ہے کہ ام اب الام جدہ فاسدہ ہے پس ماں کی جانب سے
کسی مرتبے میں ایک جدۂ صحیحہ سے زیادہ ممکن نہیں اور باپ کی جانب سے اسی وجہ سے کہ ہر اب کی
ام الاب اور ام الام جدۂ صحیحہ ہے بقدر مشروح الصدر ہو سکتی ہیں والرابع ان تکون الاعداد قلتا
اُن چار اُصول میں سے چوتھی اصل یہ ہے کہ اعداد رؤس میں باہم تباین ہو یعنی ایک فریق کے اعداد
رؤس دوسرے فریق کے اعداد رؤس سے نسبت تباین کی رکھتے ہوں اور متبائنہ ہونے سے مراد یہ ہے
لا یوافق بعضہا بعضا بعض فریق کے اعداد رؤس کو بعض دوسرے فریق کے اعداد رؤس کے ساتھ
توافق نہو۔ فالحکم فیہا ان یضرب احد الاعداد فی جمیع الثانی اس صورت میں حکم یہ ہے کہ جس

فریق کے اعداد رؤس پر سہام اُنکے ٹوٹتے ہوں اُنکے اعداد رؤس کو دوسرے فریق کے تمام اعداد رؤس میں ضرب دیا جائے۔ ثم ما بلغ فی جمیع الثالث پھر اس پہلی حاصل ضرب کو تیسرے فریق کے تمام عدد رؤس میں ضرب دیا جائے۔ ثم ما بلغ فی جمیع الرابع پھر اس دوسرے حاصل ضرب کو چوتھے فریق کے تمام عدد رؤس میں ضرب دیا جائے مصنف نے چوتھے فریق تک ذکر کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ استقراء سے معلوم ہوا کہ کسر چار فریق سے زیادہ پر واقع نہیں ہوتی۔ ثم ما اجتمع پھر جو کچھ مجتمع ہو یعنی جو کچھ تیسرے مرتبے میں حاصل ضرب ہاتھ آئے جسکا نام جزو سہم ہے فی اصل المسئلة اُس مجتمع کو اس مسئلہ میں ضرب دیا جائے ان دونوں کی ضرب سے عدد اخیر حاصل ہوگا جس سے مسئلے کی تصحیح ہوجائیگی۔

کام اس میں یہ ہے جدات وعشر بنات وسبعة اعمام ایک مردنے دو بیویاں ۶ جدہ اور دس بیٹیاں اور سات چچے چھوڑے یہ مثال مسئلہ غیر عائلہ کی ہے۔ صورت اسکی یہ ہے۔

اصل مسئلہ ۲۴۔ مضروب ۲۱۰۔ تصحیح ۵۰۴۰ نسبت تباین

۲ زوجہ	۶ جدہ	۱۰ بیٹیاں	۷ چچے
۳	۴	۱۶	۱
۶۳۰	۸۴۰	۳۳۶۰	۲۱۰

حل

اصل مسئلہ یہاں بسبب مخلوط ہونے ثمن کے سدس اور دو ثلث کے ساتھ ۲۴ سے ہوا۔ اس میں سے دو بیویوں کے لئے آٹھواں حصہ ہے کہ تین ہوتے ہیں اور یہ تین دو پر نہیں بٹ سکتے دو اور تین میں تباین ہے پس تمام عدد رؤس زوجہ کو کہ دو ہیں محفوظ رکھا گیا۔ اور ۶ دادیوں کے لئے چھٹا حصہ ہے کہ چار ہوتے ہیں اور چار چھ پر بغیر ٹوٹے نہیں بٹ سکتے اور چھ اور چار کے درمیان توافق بالنصف کی نسبت ہے پس ہمنے دادیوں کے عدد رؤس کے نصف کو کہ تین ہیں محفوظ رکھا اور دس بیٹیوں کے لئے دو ثلث چاہئے کہ سولہ ہوتی ہیں اور سولہ بھی دس پر پورے طور پر تقسیم نہیں ہوسکتے ان کے عدد سہام وعدد رؤس میں بھی توافق بالنصف کی نسبت ہے پس عدد رؤس دختران میں سے نصف یعنی پانچ محفوظ رکھے اور چوبیس میں سے باقی سات چچوں کے لئے ہے اور وہ صرف ایک ہے جو سات پر نہیں بٹ سکتا اور ایک اور سات کے درمیان تباین ہے پس چچوں کے تمام عدد رؤس محفوظ رکھے گئے اور وہ سات ہیں پس وارثوں کے عدد محفوظ رکھے ہوئے ۲ - ۳ - ۵ - ۷ - ہیں اور سب باہم متباین ہیں پس دو کو تین میں ضرب دیا ۶ حاصل ہوئے (یہ توضیح ہے مصنف کی اس عبارت کی اَن یضرب احد الاعداد فی جمیع الثانی) اور یہ چھ کہ پہلا حاصل ہے اسکو پانچ میں ضرب دیا گیا تو تیس حاصل ہوئے۔ (مصنف کے اس قول سے ثم ما بلغ فی جمیع الثالث یہی مراد ہے) پھر اس دوسرے حاصل کو ۷ میں ضرب دیا ۲۱۰ حاصل ہوئے (مصنف کے اس قول کا ثم ما بلغ فی جمیع الرابع یہی مطلب ہے) اس عدد اخیر (یعنی ۲۱۰) کا نام جزو سہم اور مضروب ہے۔ اس مبلغ کو کہ تیس حاصل ہے اصل مسئلے میں کہ ۲۴ ہے ضرب دیا ۵۰۴۰

حاصل ہوئے (مصنف کے اس قول کی ثم ما اجتمع فی اصل المسئلۃ یہی توضیح ہے) مسئلے کی تصحیح کامل ہو اس سے ہر وارث کو بے کسر پہنچتا ہے۔ دونوں بیویوں کو اصل مسئلے سے تین پہنچے تھے اُسے ۲۱۰ میں ضرب دیا ۶۳۰ حاصل ہوئے ان میں سے ہر بیوی کو ۱۵ پہنچتے ہیں اور ۶ دادیوں کو ۴ ملے تھے انھیں ۲۱۰ میں ضرب دیا ۸۴۰ حاصل ہوئے۔ ہر دادی کو ۱۴۰ ملے بیٹیوں کا حصہ اصل مسئلے سے ۱۶ تھا اُسے ۲۱۰ میں ضرب دیا ۳۳۶۰ ہوئے۔ ہر بیٹی کو ۳۳۶ پہنچتے ہیں اور چچوں کو ایک ملتا تھا اسے ۲۱۰ میں ضرب دیا وہی حاصل ہوئے ہر ایک کو ۳۰ پہنچتے ہیں اور مجموعہ ان حصوں کا ۵۰۴۰ ہے۔

جزو سہم یہاں عبارت ہے مبلغ ثالث سے کیونکہ عدد اول اور ثانی (۲ و ۳) کی ضرب سے ایک مبلغ (۶) حاصل ہوا اور اس مبلغ کو عدد ثالث (۵) میں ضرب دینے سے مبلغ ثانی (۳۰) حاصل ہوا۔ اور مبلغ ثمانی کی ضرب سے عدد رابع (۷) میں مبلغ ثالث (۲۱۰) حاصل ہوا۔ اور یہی مبلغ ثالث جزو سہم ہے۔

اب مسئلہ حائلہ کی مثال سنو۔ میت نے اتنے وارث چھوڑے۔

۲ زوجہ	۳ جدہ	۱۵ اخیافی بہنیں	۷ حقیقی بہنیں
۳	۲	۸	۸
۶۲۰	۴۲۰	۱۶۸۰	۱۶۸۰
ق	ق	ق	ق
۳۱۰	۱۴۰	۱۶۸	۲۴۰

یہاں ربع کے نوع ثانی کے ساتھ جمع ہونے سے مسئلہ ۱۲ سے ہو کر عول ۱۷ کی طرف ہوگا مضرب ۲۱۰ ہے تصحیح ۳۵۷۰ سے ہوگی اور نسبت تباین کی ہے۔ تفصیل اسکی یہ ہے کہ دونوں زوجہ کے لئے ربع یعنی ۳ سہام ہیں جو اُپر مستقیم نہیں ہیں اور زوجات کے عدد رؤس اور سہام میں مبائنت ہے اس لئے ان تمام کے عدد رؤس کو محفوظ رکھا جو دو ہیں اور تین جدہ کے لئے چھٹا حصہ یعنی دو ہیں۔ یہ دو سہام بھی انکے تین رؤس پر مستقیم نہیں بلکہ عدد رؤس و سہام میں یہاں بھی مبائنت ہوا اس لئے انکے بھی عدد رؤس کو محفوظ رکھا اور پانچ اخیافی بہنوں کے ثلث یعنی ۸ سہام ہیں انکو رؤس و سہام میں بھی مبائنت ہے اس لئے انکے عدد رؤس کو محفوظ رکھا اور سات حقیقی بہنوں کے لئے دو ثلث یعنی آٹھ سہام ہیں اور انکے عدد رؤس سہام میں بھی مبائنت ہے۔ اس لئے انکے عدد رؤس کو بھی محفوظ رکھا۔ اب ہمارے ہاتھ میں اعداد رؤس ۲-۳-۵-۷ ہیں ان اعداد رؤس میں بھی باہم مبائنت ہے اس لئے ایک کو دوسرے میں ضرب دیا اس طرح کہ دو کو تین میں ضرب دیا تو ۶ حاصل ہوئے اور یہ سمجھ کہ پہلا حاصل ہے اسکو پانچ میں ضرب دیا تو ۳۰ حاصل ہوئے پھر اس دوسرے حاصل کو سات میں ضرب دیا تو ۲۱۰ حاصل ہوئے۔ اس عدد اخیر کو جسکا نام جزو سہم ہے مسئلے کے عول یعنی ۱۷ میں مضروب کرنے سے ۳۵۷۰ سے تصحیح ہوتی ہے جس میں سے ۲۰ سہم زوجہ کو اور ۴۲۰ سہم تین جدہ کو اور ۸۴۰ سہم پانچ خواہران اخیافی کو اور ۱۶۸۰ سہم سات خواہران حقیقی کو تقسیم ہوئے۔

تحقیقات کا پنجوڑ یہ ہے کہ اگر اعداد میں کئی نسبتیں جمع ہو جائیں خواہ دو دو جیسے تماثل و تداخل ۲+۲+۴ یا تماثل و توافق ۴+۴+۶ یا تماثل و تباین ۴+۴+۵

یا تداخل وتباین ۲+۴+۵ یا تداخل وتوافق ۲+۴+۶ یا توافق وتباین ۴+۶+۷ خواہ تین تین جیسے تماثل وتداخل وتباین ۲+۲+۴+۵ یا تماثل وتداخل وتوافق ۲+۲+۴+۶ یا تماثل وتباین وتوافق ۴+۴+۶+۷ یا تداخل وتباین وتوافق ۲+۴+۶+۵ تو ان صورتوں میں سے جس صورت میں تماثل ہو تو اُس صورت میں اعداد متماثلہ میں سے صرف کسی ایک کو لیکر اُس میں اور باقی اعداد میں نسبت لحاظ کر کے حسب قواعد بالا تصحیح کے عمل کریں اور جس صورت میں تداخل ہو تو اس صورت میں اعداد متداخلہ میں سے بڑے عدد کو لیکر اُس میں اور باقی اعداد میں نسبت لحاظ کر کے حسب قواعد صدر کاربند ہوں اور جس صورت میں تماثل اور تداخل دونوں ہوں تو اس صورت میں اعداد متماثلہ میں سے کسی ایک کو اور اعداد متداخلہ میں سے بڑے عدد کو لیکر اُس میں اور باقی اعداد میں نسبت لحاظ کر کے بدستور عمل کریں۔

اور واضح رہے کہ اجتماع چار نسبتوں کا کبھی نہ ہوگا جیسا کہ استقرا سے معلوم ہوا۔

فصل

مواریث سے مقصود یہ ہے کہ ہر وارث کو اُس کا حق دیا جائے اس اہتمام کے واسطے مصنف نے تصحیح کے ذیل میں چار طریقے ذکر کئے۔ اذا اردت ان تعرف نصیب کل فریق من التصحیح فاضرب ماکان لکل فریق من اصل المسئلة فی ماضربته فی اصل المسئلة فما حصل کان نصیب ذلك الفریق یعنی اگر تم چاہو کہ وارثوں میں سے ہر فریق کا حصہ تصحیح مسئلہ میں جان لو تو اُس عدد کو جو اصل مسئلے میں سے اُس فریق کو پہنچا تھا اُس عدد میں ضرب دو جسکو اصل مسئلہ میں ضرب دیا تھا یعنی حصۂ ابتدائی کو مضروب تصحیح میں (یعنی جس حاصل ضرب سے اصل مسئلے میں ضرب دیتے ہیں اور وہ جزو سہم اور مضروب کہلاتا ہے) ضرب دو حاصل ضرب حصہ اُس فریق کا ہوگا مثال اسکی یہ ہے کہ میت نے ۵ بیٹیاں ۳ دادیاں اور دو چچے چھوڑے تو یہاں مسئلہ ۱۵ سے ہوگا ۸ سہام بیٹیوں کے لئے ہیں اور ایک دادیوں کے لئے اور جو کچھ باقی رہا چچوں کا حصہ ہے اور ان تمام سہام ورؤس میں مباینت ہے اور باہم رؤس ورؤس میں بھی تباین کی نسبت ہی ہمنے بیٹیوں کے عدد رؤس کو کہ پانچ ہیں دادیوں کے عدد رؤس میں جو تین ہیں ضرب دیا ۱۵ حاصل ہوے پھر ہمنے ان ۱۵ کو چچوں کے عدد رؤس میں کہ دو ہیں ضرب دیا تو ۳۰ حاصل ہوے پھر ہمنے اس سب سے پچھلے حاصل ضرب کو اصل مسئلے میں ضرب دیا تو ۱۸۰ حاصل ہوئے اس مجموعے سے مسئلے کی تصحیح ہوتی ہے پس جب بیٹیوں کا حصہ معلوم کرنا ہو تو اُسکی تدبیر یہ ہے کہ اُنکو اصل مسئلے سے جو کچھ پہنچتا ہے اور وہ ۸ سہام ہیں انکو ۳۰ میں ضرب دینے سے ۱۲۰ حاصل ہونگے اور یہ تمام بیٹیوں کا حصہ ہے اسی طرح چچوں کا اصل مسئلے سے ایک ہے اسکو اُسی مضروب یعنی ۳۰ میں ضرب دینے سے ۳۰ حاصل ہونگے اور یہ دونوں چچوں کا حصہ ہے وعلی ہذا القیاس واذا اردت ان تعرف نصیب کل واحد من آحاد ذلك الفریق فاقسم ماکان لکل فریق من اصل المسئلة علی عدد رؤسهم ثم اضرب الخارج فی المضروب فالحاصل نصیب کل واحد من آحاد ذلك الفریق اگر تم یہ چاہو کہ تصحیح مسئلہ سے

حصہ ہر وارث کا اُن فریق میں سے معلوم کر و پس ہر فریق کے سہام کو جو اصل مسئلہ سے اُسے پہنچتے ہوں اُنکے عدد رُوس پر بانٹ دو بعد اسکے جو کچھ خارج قسمت ہو اُس کو اُس عدد میں کہ اصل مسئلے میں تصحیح کے لئے مضروب ہو ضرب دو پس حاصل ضرب حصہ ہر ایک آدمی کا اُس فریق کے وارثوں میں سے ہوگا مثال اسکی مسئلہ تباین اعداد رُوس سے یوں سمجھ کہ میت نے جو دو زوجہ ۶ دادیاں دس بیٹیاں اور سات چچا چھوڑے تھے تو یہاں اصل مسئلہ ۲۴ سے تھا اور اس اصل مسئلے میں بیویوں کا حصہ ۳ سہم تھا پھر جب تین کو دو زوجہ پر قسمت کیا تو ہر ایک کا حصہ ایک اور نصف یعنی ڈیڑھ ہوا سو اسکو جب اصل مسئلے کی مضروب یعنی ۱۰ میں ضرب دیا ۱۵ حاصل ہوئے پس یہی حصہ ہر بیوی کا ہے اور بیٹیوں کا حصہ اصل مسئلے سے ۱۶ سہم تھا۔ پھر جب اسکو عدد رُوس یعنی دس پر قسمت کیا تو ایک اور تین خمس یعنی تین بٹا پانچ (۱ ۳/۵) خارج ہوئے تو اسکو جبکہ اُسی مضروب میں ضرب دیا ۳۶ حاصل ہوئے۔ یہ حصہ ہوا ہر بیٹی کا اور جدات کا حصہ اصل مسئلے سے ۱۶ سہم تھا پھر جب اسکو ۶ دادیوں پر قسمت کیا تو ایک سہم کی دو تہائیاں (۲/۳) حاصل ہوئیں سو جبکہ اسکو مضروب مذکور میں ضرب دیا ۱۰ حاصل ہوئے۔ یہ حصہ ٹھہرا ہر دادی کا اور چچوں کا حصہ اصل مسئلے سے ایک سہم تھا پھر جب اسکو سات چچوں پر قسمت کیا تو سات واں حصہ (۱/۷) حاصل ہوا۔ اسکو جب مضروب مذکور یعنی ۱۰ میں ضرب دیا تو حاصل ضرب ۳۰ ہوا۔ ہر چچا کا یہی حصہ ہے۔ یہ طریقہ سب سے سہل اور عمدہ ہے

وجہ آخر وھو ان تقسم المضروب علی ای فریق شئت ثم اضرب الخارج فی نصیب الفریق الذی قسمت علیھم المضروب فالحاصل نصیب کل واحد من آحاد ذلک الفریق اور دوسری وجہ واسطے دریافت کرنے ہر آدمی کے حصے کے کسی فریق میں سے یہ ہے کہ تصحیح کے لئے جو عدد اصل مسئلے میں مضروب ہوا اُسکو اُس فریق کے عدد رُوس پر جس کا حصہ معلوم کرنا چاہتے ہو تقسیم کرو جو کچھ خارج قسمت ہو اُسکو فریق مذکور کے اُس عدد سہام پر جو اصل مسئلے سے اُسے پہنچتا ہے ضرب دو حاصل ضرب حصہ ہر ایک شخص کا اُس فریق میں سے ہوگا۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ یہ طریقہ قسمت کا ہے اور اس میں مضروب کو جس فریق پر چاہو تقسیم کرو پھر خارج قسمت کو اُس فریق کے مقسوم علیہ میں ضرب دو تو حاصل ضرب حصہ اُس فریق کے ہر واحد کا ہوگا پس جبکہ مسئلہ مذکورہ میں مضروب یعنی ۱۰ کو دو بیویوں پر قسمت کیا تو خارج قسمت ۵ ہوا پھر جبکہ اس خارج کو دونوں عورتوں کے حصوں میں جو اصل مسئلے میں تھا یعنی تین میں ضرب دیا تو ۱۵ حاصل ہوئے۔ پس ہر عورت کا یہی حصہ ہوا اور جبکہ مضروب مذکور کو دس بیٹیوں پر تقسیم کیا تو خارج قسمت ۱ ہوا پھر جبکہ اسکو اُنکے اصل مسئلے کے حصے میں یعنی ۱۶ میں ضرب دیا ۳۶ حاصل ہوئے یہ حصہ ہر بیٹی کا ہے اور جبکہ اُس مضروب کو چھ دادیوں پر تقسیم کیا تو ۳۵ ہوئے پھر جبکہ انکو جدات کے اصل مسئلے کے حصوں یعنی ۴ میں ضرب دیا ۱۰ ہوئے ہر دادی کا یہی حصہ ہے اور جبکہ مضروب مذکور کو سات چچوں پر قسمت کیا تو ۳۰ حاصل ہوئے ہر چچا کا یہی حصہ ہے۔ یاد رہے کہ قسمت مضروب کی دقت سے خالی نہیں کیونکہ دو بار ضرب کی محتاج ہے۔

وجہ آخر وھو طریقۃ النسبۃ اور ایک اور وجہ ہر وارث کے حصے کی شناخت میں ہے اور وہ نسبت کا طریقہ ہے۔ نسبت دو متجانس چیزوں میں مقدار

کے پائے جانے کا نام ہو دوسری عبارت میں نسبت دو متجانس چیزوں میں لگاؤ کے ہونے کا نام ہو تیسری عبارت میں دو متجانس چیزوں میں سے ایک چیز کو دوسری چیز کی طرف منسوب کرنے سے جو تقدار پائی جائے وہ نسبت ہے پس ایک متجانس کو دوسرے متجانس کی طرف نسبت کرنے سے جو کچھ نکلے وہ یا تو منسوب الیہ کا جزء ہوتا ہے جیسے عین آدھا جزء ہے چھ کا۔ اور دو کہ تہائی جزء ہے ۶ کا اور ۴ کہ دو ثلث ہے ۶ کا یا اُسکے امثال سے ہوتا ہے مثلاً دس دمثل یعنی دونا پانچ کا ہے یا جزا اور مثل دونوں کا مجموعہ ہوتا ہے جیسے بارہ مثل اور نصف ہے آٹھ کا اس طرح کہ بارہ میں سے آٹھ تو مثل ہے آٹھ کا اور باقی چار جو رہی وہ آٹھ کا جز یعنی نصف ہے اور کبھی نسبت اصم ہوتی ہے اور کبھی غیر اصم پس اسم وہ ہے کہ جس نسبت کا تلفظ بغیر جزئیت کے ناممکن ہو جیسے ۱۱ میں سے ایک جزا و غیر اسم وہ ہے جس کا تلفظ جزئیت کے تلفظ کی بغیر ممکن ہو جیسے نصف اور نسبت کے کئی طور ہیں جیسے دونوں میں مساوات کی نسبت ہو یا دونوں میں کمی بیشی کی اس طرح کہ تھوڑے کی نسبت بہت کی طرف یا بہت کی نسبت تھوڑے کی جانب وھوالاوضح یہ طریقہ اُن دونوں پہلی وجہوں سے زیادہ صاف ہے اس واسطے کہ اس طریقے میں قسمت اور ضرب کی حاجت نہیں پڑتی برخلاف اور طریقوں کے مصنف نے اس طریقہ کو نہایت واضح لکھا ہے حالانکہ یہ دقت سے خالی نہیں وھوان تنسب سہام کل فریق من اصل المسئلۃ الی عدد رؤس سہم مفردا اشم تعطی بہ مثل تلک النسبۃ من المضروب لکل واحد من آحاد ذلک الفریق اور وہ یعنی نسبت کا طریقہ یہ ہے کہ ہر فریق کے جس قدر سہام اصل مسئلے سے مقرر ہوں اُن سہام کو تنہا اُس فریق کے عدد رؤس کی طرف نسبت کیا جائے بعد اسکے اس نسبت کے مطابق مثل اُس فریق کی ہر ایک شخص کو اُس عدد میں سے دیا جائے جو واسطے تصحیح کے اصل مسئلے میں مضروب ہو پس جبکہ مسئلۂ مذکورہ میں دونوں بیویوں کے ۳ سہام کی نسبت انکے دو عدد رؤس کی طرف کی تو مثل اور نصف یعنی ڈیوڑھی نسبت ہوئی اور جبکہ ہر بیوی کو مضروب یعنی ۲۱۰ سے اس نسبت کے مطابق دیا تو ۱۵۳ ہوئے اور جبکہ بیٹیوں کے سہام یعنی ۱۶ کو اُنکے عدد رؤس یعنی دس کی طرف نسبت کیا تو ایک مثل اور ایک مثل کے پانچ حصوں میں سے تین حصوں کی مقدار میں (یعنی ۱ ۳/۵) نسبت حاصل ہوئی پھر جبکہ ہر بیٹی کو مضروب سے اس نسبت کے موافق دیا تو ہر ایک کو ۳۶ پہنچے اور جبکہ جدات کے چاروں سہام کو اُنکے عدد رؤس یعنی ۶ کی طرف نسبت کیا تو ایک سہم کو وہ تقلیل کی مقدار میں نسبت پائی گئی اور جبکہ ہر دادی کو مضروب کی دو تہائیاں دیں تو ۱۴۰ کا حصہ ہوا اور جبکہ چچوں کے سہام کو کہ ایک ہے اُنکے عدد رؤس کی طرف کہ سات ہیں نسبت کیا تو سبع یعنی ساتویں حصے کی نسبت پائی گئی تو جبکہ مضروب کا ساتواں حصہ ہر چچا کو دیا تو تیس ہر ایک کے حصے میں آئے۔

تکملہ

مصنف نے مسائل وصیت کے متعلق اصل تصحیح کا ذکر نہیں کیا ہے اس لئے طلبا کی بصیرت کے لئے اس کو لکھتا ہوں۔

مخفی نرہے کہ اصل تصحیح مسائل وصیت میں خواہ وصیت تہائی مال کی ہو یا تہائی سے کم کی یا زیادہ کی اگر وارث لوگ اسکی اجازت دیں اقل مخرج موصے لہم سے اُنکو دیا جائیگا پس اگر کوئی سہم باقی نرہے گا تو وارثوں کو کچھ نہ ملیگا کیونکہ اُنکے لئے کچھ باقی نرہے گا اور اس سے تصحیح ہو جائے گی۔ مثلاً کوئی شخص نصف اور ثلث اور سدس کے ساتھ وصیت کرے۔

مسئلہ ۶ مخرج مشترک

موصی لہ بالنصف	موصی لہ بالثلث	موصی لہ بالسدس
۳	۲	۱

اور اگر کچھ باقی رہجائے تو اُس میں اور تصحیح مسئلہ وارثان میں نظر کیجائے اگر اُسپر مستقیم ہو وارثوں کے جسقدر سہام تصحیح سے ہوتے ہوں اُنکو خارج قسمت میں ضرب دیں اور حاصل ضرب کو اُنھیں دیدیا جائے اسی سے اُنکے مسئلے کی تصحیح ہو جائیگی اور اگر مستقیم نہو تو ایسا کرنا چاہئے کہ کل تصحیح کو تباین کی تقدیر پر اور وفق تصحیح کو توافق کی تقدیر پر تمام مخرج میں ضرب دیں حاصل ضرب سے تصحیح ہو جائے گی پھر وارثوں کے سہام کو جو اصل تصحیح سے ہیں کل باقی میں یا اُسکے وفق میں جیسا موقع ہو ضرب دیں اور اسی طرح موصیٰ لہ کے سہام کو اصل تصحیح میں یا وفق تصحیح میں ضرب دیں پس جو کچھ حاصل ضرب ہوگا وہی ہر ایک کا دونوں فریق میں سے نصیب ہے۔ اور اگر تمام وارثوں نے اجازت نہیں دی اور یہ اُس صورت میں ہو کہ تہائی مال سے زیادہ کے لئے میت وصیت کر گئی ہے تو اس کا قاعدہ یہ ہو کہ سہام وصیت کو اُسکے مخرج سے دیدینے کے بعد دیکھا جائے کہ موصی لہم کے سہام کے دو چند میں اور وارثوں کے مسئلے کی تصحیح میں اُن تینوں نسبتوں میں سے کون سی نسبت ہو۔ اگر وہ اُسپر مستقیم ہوں تو اس طرح عمل کیا جائے جیسا کہ ہمنے ذکر کر دیا ہے اور اگر توافق و تباین کی نسبت دونوں میں ہو تو پہلی صورت میں وفق تصحیح کو اور دوسری صورت میں کل تصحیح کو سہام وصیت کے مجموعے اور اُس کے دو چند میں ضرب دیا جائے اس ضرب سے جو کچھ حاصل ہوگا اُس مسئلے کی تصحیح ہوگی اور باقی عمل مخفی نہیں ہے اور اگر ایسی صورت ہو کہ بعض وارثوں نے بعض موصی لہم کے لئے اجازت دیدی ہو اور بعض وارثوں نے بعض کے لئے اجازت نہ دی ہو تو اسکا قاعدہ یہ ہے کہ اول مسئلے کی تصحیح صرف اُس قدر مال میں اصل مذکور کے ساتھ کیجائے جسقدر کی وارث اجازت دیتے ہوں اور دوبارہ صرف بطور انکار کے قاعدۂ مسطورہ کے موافق تصحیح کیجائے پھر دونوں تصحیح شدہ مسئلوں میں سے ایک کے وفق کو دوسرے میں ضرب دیا جائے بشرطیکہ تباین ہو اور اگر دونوں میں تباین ہو تو پوری تصحیح شدہ مسئلے کو پورے دوسرے میں ضرب دیا جاوے پھر جو کچھ حاصل ہوگا اُس سے دونوں مسئلوں کی تصحیح ہو جائے گی پھر مسئلۂ اجازت کے مستحقین کے سہام کو مسئلۂ انکار کے وفق میں اگر دونوں میں توافق ہو اور تباین کی تقدیر پر مسئلۂ اجازت کے مستحقین کے سہام کو کل مسئلۂ انکار میں ضرب دیں اور مسئلۂ انکار کے وارثوں کے سہام کو توافق کی صورت میں مسئلۂ اجازت کے وفق میں اور تباین کی صورت میں کل مسئلۂ اجازت میں بدستور ضرب دیں پھر وارثوں کے سہام دیدینے کے بعد اُس تفاوت کو جو اجازت دینے والوں کے سہاموں میں دونوں مسئلوں

کے حاصلوں سے واقع ہوا ہے لے لیں اور اُن میں سے کم سے کم کو اجازت دینے والے کو عطا کر دیں پھر تفاوت کو سہام وصایا پر تقسیم کر دیں پس استقامت کی تقدیر پر جس کی نسبت اجازت دیدی گئی ہے اُسکے اُن سہام کو جو سہام وصایا کے مخرج سے اُسے پہنچتے ہیں خارج قسمت میں ضرب دیں اور حاصل ضرب کو اُسے عطا کر دیں پھر اس مقدار کو تفاوت سے گرا کر جو کچھ بعد بچے اجازت دیے ہوئے شخص کے سہام کے باقی رہا ہو وہ اجازت دینے والے کو دیدیں اور استقامت کے نہونے کی صورت میں اگر سہام وصایا اور تفاوت میں موافقت ہو تو سہام وصایا کے وفق کو اور مباینت کی تقدیر پر کل سہام وصایا کو اُس تصحیح میں ضرب دیں جو ایک تصحیح شدہ مسئلے کے وفق کو دوسرے کے کل میں یا تصحیح شدہ مسئلے کے کل کو دوسرے کے کل میں ضرب دینے سے حاصل ہوئی ہے اب جو کچھ اس ضرب سے حاصل ہوگا اُس سے دونوں تصحیح شدہ مسئلوں کی تصحیح ہو جائے گی پھر اُس شخص کے سہام کو جسکو دونوں مسئلوں سے کچھ پہنچتا ہو سہام وصایا کے وفق یا کل سہام وصایا میں ضرب دیا جاے اور تفاوت کو لیکر سہام وصایا پر تقسیم کر دیا جاے پس بجز استقامت کے کچھ بچا یا جائیگا اور عمل ختم ہو جائے گا جیسا کہ اوپر ابھی مذکور ہو چکا۔

(۱) استقامت کی مثالیں حسب ذیل ہیں۔

(الف) استقامت کی پہلی صورت جس میں وصیت تہائی سے کم ہو یہ ہے۔

مسئلہ۔ بقیہ سہام ۷۔ مخرج مشترک ۱۰۔ سہام وصیت ۳

بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹی	موصیٰ لہ بالخمس	موصیٰ لہ بالعشر
۲	۲	۲	۱	۲	۱

(ب) دوسری صورت جبکہ وصیت تہائی کی ہو۔

مسئلہ۔ بقیہ سہام ۱۲۔ مخرج مشترک ۱۸۔ سہام وصیت ۶

بیٹا	بیٹا	بیٹی	بیٹی	موصیٰ لہ بالسدس	موصیٰ لہ بالتسع	موصیٰ لہ بثلث الکل
۴	۴	۲	۲	۳	۲	۱

(ج) تہائی سے زیادہ کی وصیت کی تقدیر پر۔

مسئلہ۔ بقیہ سہام ۷۔ مخرج مشترک ۱۲ سہام وصیت ۵

بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹی	موصیٰ لہ بنصف المنصف	موصیٰ لہ بالسدس
۲	۲	۲	۱	۳	۲

(۲) وفق کی مثال اجازت کی تقدیر پر۔

مسئلہ ۱۴ - وفق ۲ - مخرج مشترک ۹ - بقیہ سہام ۵ - سہام وصیت ۴ - تصحیح ۱۸ سے

بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹی	موصٰے لہ باثلث	موصٰے لہ بالثلث
۲	۲	۲	۲	۱	۲	۲

(۳) تباین کی مثال اجازت کی تقدیر پر۔

مسئلہ ۳ - مخرج مشترک ۱۲ - بقیہ سہام ۴ - سہام وصیت ۸ - مضروب ۳ - ۱۲ میں - حاصل ضرب ۳۶

بیٹا	بیٹی	موصٰے لہ بالربع	موصٰی لہ بالربع	موصٰے لہ بالسدس
۸	۴	۳	۳	۲

(۴) استقامت کی مثال انکار کی تقدیر پر۔

مسئلہ ۴ - مخرج مشترک ۱۲ - بقیہ سہام ۴ - سہام وصیت ۸ - دو چند ۱۶ - عصہ ۲۴

بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا	موصٰے لہ بنصف النصف	موصٰے لہ بالربع	موصٰی لہ بالسدس
۴	۴	۴	۴	۳	۳	۲

فصل فی قسمۃ التركات بين الورثة والغرماء

اس فصل میں ترکے کی تقسیم درمیان وارثوں اور قرض خواہوں کے مذکور ہے

مطلب یہ ہے کہ اس فصل میں دو باتوں کا بیان ہے ایک اس بات کا کہ میت کے ترکے کو جو روپے اشرفی وغیرہ کی قسم سے ہے اسکے وارثوں پر کیونکر تقسیم کریں۔ دوسرے اس بات کا کہ جب میت کئی شخصوں کی قرضدار مری ہو اور اتنا مال چھوڑا ہو جس سے ہر ایک قرض خواہ کا پورا پورا دین ادا ہو سکے تو اس مال کو قرض خواہوں پر کیونکر تقسیم کریں۔

اور غرما غریم کی جمع ہے معنی اسکے یہاں قرض خواہ کے ہیں۔

مصنف کے قول پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ ورثہ اور غرما کے درمیان واو کے ساتھ جو حرف جمع کا ہے عطف کرنا صحیح نہیں ہے اس لئے کہ اگر ترکہ اتنا زیادہ ہے کہ تمام قرض خواہوں کا قرض چکا دینے کے بعد وارثوں کے واسطے کچھ باقی رہتا ہے تو اس حالت میں قرض خواہوں پر قسمت کی حاجت نہیں ہے صرف وارثوں پر تقسیم کی ضرورت رہے گی۔ اور اگر ترکہ اتنا زیادہ نہیں ہے کہ قرض خواہوں کو دیکر کچھ بچ رہے تو ورثہ کی قسمت کا ذکر بے کار ہے۔ اسکا جواب دو طور سے

دیا جاتا ہے۔

(۱) لفظ غرما پر بائین کا لفظ مقدر ہے مراد مصنف کی یہ ہے فی قسمۃ التیرکات بین الورثۃ وبین الغرماء اور اس سے یہ نکلے گا کہ ہر فریق کے لئے موافق اُسکی حال کے علیحدہ تقسیم کا بیان ہے۔

(۲) واؤ یہاں لفظ اَو کا قائم مقام ہے جس کا ترجمہ یا ہے کہ تردید کے لئے آتا ہے اس صورت میں بھی معنے یہی ہیں کہ وارثوں کی تقسیم موافق اُنکے احوال کے علیحدہ طور پر ہے اور قرض خواہونکی تقسیم موافق اُنکے حالات کے علیحدہ طریق پر ہے۔

بہرصورت تقسیم ترکے کی یا فقط وارثوں میں ہوتی ہے یا فقط قرض خواہوں میں ایک ساتھ دونوں میں نہیں ہوتی پس قرض خواہ وارثوں کی تقسیم پر مقدم ہیں۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ جب ترکہ قرض خواہوں کا قرض ادا کرنے میں کافی ہوگیا اور کچھ باقی رہا تو ایسی صورت میں قرض خواہوں میں تقسیم کرنے کی حاجت نہیں۔ قرض خواہو پر تقسیم کا موقع اُس وقت آتا ہے کہ ترکہ کم ہو۔ وارثوں میں البتہ تقسیم ہوگی اور اگر ترکہ قرض خواہوں کا قرض چکانے میں کافی نہوا تو ایسی حالت میں وارثوں کے لئے کچھ باقی نرہا۔ پس وارثوں میں تقسیم نہوگی۔

اور حاشیۂ عجم زادہ میں ہے کہ دو گروہوں میں ترکے کی تقسیم سے یہ مراد ہے کہ ہر گروہ کی افراد میں خصوصیت کے ساتھ تقسیم ہوگی نہ مشترک طور پر گروہونمیں بعد تصحیح مسئلہ کے یہ دیکھا جائے کہ جسقدر متروکہ ہے اُس میں اور تصحیح میں چار نسبتوں میں سے کونسی نسبت ہے۔

اذا کان بین التصحیح والترکۃ مباینۃ فاضرب سہام کل وارث من التصحیح فی جمیع الترکۃ ثم اقسم المبلغ علی التصحیح پس اگر تصحیح اور ترکے میں مباینت کی نسبت ہے تو ہر وارث کے سہام کو جملہ متروکے میں ضرب دو پھر حاصل ضرب کو مسئلے کی تصحیح پر قسمت کرو جو کچھ خارج قسمت ہوگا حصہ ہر وارث کا ہے۔

مراد تصحیح سے یہاں تصحیح عام ہے خواہ تصحیح ہو یا اصل مسئلہ یا عول یا رد۔ مثالہ بنتان و ابوان والترکۃ سبعۃ دنانیر یعنی ایک میت نے دو بیٹیاں اور ماں باپ چھوڑے اور ترکہ سات اشرفیاں ہیں۔ اصل مسئلہ ۶ سے ہوا اور چھ اور سات میں مباینت ہے پس ہمنے ماں باپ کو حصے کو کہ ایک ایک سہم ہے سات میں ضرب دیا تو حاصل ضرب وہی سات ہوئے اسکی تقسیم چھ پر کی تو خارج قسمت ایک اشرفی اور ایک اشرفی کا چھٹا حصہ ہوا اور یہی حصہ باپ اور ماں کا ہے اور ہر بیٹی کا حصہ دو ہے جب دو کو سات میں ضرب دیا تو ۱۴ ہوئے اسکو چھ پر بانٹا تو ہر ایک کو دو اشرفیاں اور تہائی اشرفی پہنچے گی اور یہ حصہ ہر بیٹی کا ہے۔ یہ مثال مسئلہ غیر عائلہ کی ہے۔ مسئلہ عائلہ کی مثال یہ ہے کہ ایک عورت اپنا شوہر اور ماں اور سگی دو بہنیں چھوڑ کر مر گئی اور ترکہ پچیس اشرفیاں ہیں تو اصل مسئلہ ۶ سے ہے اور عول کریگا آٹھ کی طرف تو شوہر کے ان میں سے ۳ سہم ہیں اور ماں کا ایک اور ہر بہن کے دو سہم اور ترکہ (یعنی ۲۵) اور تصحیح (یعنی آٹھ) میں تباین ہے۔ پھر جب ہر وارث کا حصہ ترکے سے دریافت کرنے کی ضرورت پڑی تو جو حصہ جسکو ہر کا تصحیح سے تھا

یعنی ۳- اُسکو تمام ترکے میں ضرب دینگے ۷۵ حاصل ہونگے پھر اس مبلغ کو تصحیح یعنی آٹھ پر قسمت کرنے سے نو اشرفیاں اور ایک اشرفی کے آٹھ حصوں میں سے تین حصے (۹ ۳/۸) خارج ہونگی تو یہ حق ہے شوہر کا اس ترکے یعنی ۲۵- اشرفیوں میں سے اور ماں کے اُس حصے کو جو تصحیح سے اُسکے لئے ہے اور وہ ایک ہی تمام ترکہ یعنی ۲۵- اشرفیوں ضرب دیا تو ۲۵ ہی حاصل ضرب ہوئے پھر جب اُن کو آٹھ پر تقسیم کیا تو تین اشرفیاں اور ایک اشرفی کا آٹھواں (۳ ۱/۸) خارج قسمت ہوا تو ۲۵- اشرفیوں کے ترکے میں سے یہ حصہ ماں کا ہے اور ہر بہن کے حصے یعنی دو کو تمام ترکے میں ضرب دیا تو پچاس حاصل ضرب ہوئے- پھر جب انکو آٹھ پر قسمت کیا تو چھ اشرفیاں اور چوتھائی اشرفی (۶ ۱/۴) حاصل قسمت ہوا سو یہ حصہ ہر بہن کا ہے ترکۂ مذکورہ سے-

انتباہ } فاضل جرجانی کی شرح میں جو چھپ کر ہندوستان میں متداول ہے اذا کان بین التصحیح والترکۃ مباینۃ کا فقرہ نہیں ہے اور اسکے نہونے کی توجیہ بھی اُنھوں نے اس قول کی شرح میں واذا کان بین الترکۃ والتصحیح موافقۃ بتادی ہے لیکن سراجی کے چھاپے کے نسخوں میں یہ فقرہ پایا جاتا ہے- اب سراجی کے قلمی نسخے کا حال سُنیے جو کتب خانۂ ریاست رامپور میں موجود ہے اُس میں یوں ہے-

انہ اذا کان بین الترکۃ والتصحیح مماثلۃ فالامر ظاھر واذا لم یکن فاضرب سہام کل وارث من التصحیح فی جمیع الترکۃ ثم اقسم المبلغ علی التصحیح اور شریفیہ کے ایک قلمی نسخے میں یوں ہے-

اذا کان بین التصحیح والترکۃ مماثلۃ فالامر ظاھر واذا لم یکن بینہما مماثلۃ بل کانت بینہما مباینۃ فاضرب سہام کل وارث من التصحیح فی جمیع الترکۃ ثم اقسم المبلغ علی التصحیح اور شریفیہ کے دوسرے قلمی نسخے میں یوں ہے-

انہ اذا کان بین الترکۃ والتصحیح مماثلۃ فالامر ظاھر واذا لم یکن بینہما مماثلۃ فاضرب سہام کل وارث الی آخرہ- اور شریفیہ کے تیسرے قلمی نسخے میں ہے-

اذا لم یکن بینہما مماثلۃ فاضرب سہام کل وارث من التصحیح فی جمیع الترکۃ الی آخرہ- اور ابو العلاء محمد بن ابو بکر بن ابو العلاء بخاری ثم کلا آبادی متوفی سنہ ہجری کی سفر موسوم بہ ضوء السراج کے نسخۂ مکتوبہ سنہ ۱۱۱۸ ہجری میں یوں ہے-

اذا کان بین التصحیح والترکۃ مباینۃ یعنی صح المسئلۃ ثم اطلب الوفق بین التصحیح و بین الترکۃ فان کان بینہما مباینۃ فاضرب الی آخرہ- اور سراجی کی شرح موسوم بہ نور السراج مولفہ محمد بن عمر بن علی عمادی کے قلمی نسخے میں ہے-

ان کان بین التصحیح والترکۃ مباینۃ فاضرب سہام کل وارث اور شیخ الاسلام سیف الدین احمد بن یحیی بن محمد مشہور بہ حفید التفتازانی ہروی متوفی سنہ ۹۱۶ ہجری کی شرح کے نسخۂ مکتوبہ سنہ ۹۸۶ ہجری میں یوں لکھا ہے-

ان کانت التركة متساوية للتصحيح لحصول المطلوب واضح والا فاضرب سهام كل وارث من التصحيح في جميع التركة ثم اقسم المبلغ على التصحيح۔

اس سے معلوم ہوا کہ سراجی کے مختلف طور کے نسخے مروج ہو گئے تھے اُن میں سے ایک وہ بھی تھا جسکے مطابق سید شریف جرجانی نے شرح لکھی ہے۔

اور ابو العلاء محمد بن احمد بہشتی نے جو شرح لکھی ہے اور اُس کا قلمی نسخہ میری نظر سے گذرا ہے اس شرح میں وضاحت تو خوب کی ہے مگر قولہ کر کے متن کا تھوڑا سا لفظ نقل کیا ہے جس سے مصنف کے الفاظ کیا ہیں یہ معلوم نہیں ہو سکتا۔

واذا كان بين التصحيح والتركة موافقة یعنی اگر ترکہ اور تصحیح میں موافقت ہو۔ موافقت سے یہاں عام مراد ہے خواہ توافق ہو یا تداخل فاضرب سهام كل وارث من التصحيح في وفق التركة ثم اقسم المبلغ على وفق التصحيح فالخارج نصيب ذلك الوارث تو ہر وارث کے سہام کو وفق ترکہ میں ضرب دو پھر حاصل ضرب کو وفق تصحیح پر قسمت کرو جو کچھ خارج قسمت ہوگا وہ اُس وارث کا حصہ ہوگا في الوجهين یعنی دونوں وجہوں میں کہ ایک مباینت کی وجہ ہے اور دوسری موافقت کی جیسا کہ ضوء السراج میں ہے وجہ مباینت کا بیان تو اوپر ہو چکا وجہ موافقت کی تفصیل سنیے کہ ایک عورت نے اپنا شوہر اور ماں اور دو سگی بہنیں وارث چھوڑیں اور ترکہ پچاس روپیہ ہیں اور مسئلے کی تصحیح ۸ سے ہے کیونکہ شوہر کے لئے ۳ سہم ہیں اور ماں کے لئے ایک اور سگی بہنوں کے لئے ۴ تو ترکے اور تصحیح میں موافقت بالنصف ہے جب ہم نے شوہر کا حصہ معلوم کرنا چاہا تو اُسکے تینوں سہام کو وفق ترکہ میں کہ ۲۵ ہیں ضرب دیا ۷۵ حاصل ہوئے۔ اسکو وفق تصحیح یعنی ۴ پر قسمت کیا حاصل قسمت ۱۸ روپے اور پون روپیہ ہوا یہی حصہ زوج کا ہوا اور اگر ہم نے اس توافق کی صورت میں ماں کا حصہ معلوم کرنا چاہا تو ماں کے سہم کو کہ تصحیح مذکور سے ایک ہے جب ترکۂ مذکورہ کے وفق میں ضرب دیا حاصل ضرب ۲۵ ہوئے بعد اسکے اس حاصل کو وفق تصحیح پر قسمت کیا خارج قسمت ۶ روپے اور چھ تہائی روپیہ ہوا یہی ماں کا حصہ ہے اور اگر بہن کا حصہ اس توافق کی صورت میں معلوم کرنا چاہا تو صورت اسکی یہ ہے کہ ہر بہن کے سہام تصحیح سے دو ہیں انکو وفق ترکہ میں ضرب دیا نتیجہ ۵۰ حاصل ہوا بعد اسکے اس پچاس کو وفق تصحیح یعنی ۴ پر قسمت کیا خارج قسمت ساڑھے بارہ روپیہ ہونگے کہ یہ ہر بہن کا حصہ ہے اور مداخلت شریک موافقت ہے چنانچہ جبکہ ترکہ ۲۴ روپے فرض کیجئے تو تصحیح اور ترکہ میں تداخل ہے اور اس صورت میں بھی تمکو اختیار ہے چاہے مباینت کی مانند عمل کرو اور چاہے وارث کے حصے کو وفق ترکہ میں ضرب دو پھر حاصل کو وفق تصحیح پر قسمت کرو خارج قسمت حصہ ہوگا ہر وارث کا اور تداخل کی صورت میں اگر تصحیح کم ہو گی جیسے ترکہ ۲۴ ہے اور تصحیح ۸ تو تصحیح کا وفق ہمیشہ ایک ہوگا پس صرف وارث کے سہام کو وفق ترکہ میں ضرب دینا پڑے گا۔ شلاً شوہر کے سہام ۳ ہیں اور وفق ترکہ بھی ۳ ہے تو دونوں کا حاصل ضرب نو ہوا شوہر کا یہی حصہ ہے اور اگر ترکہ کم ہو اور تصحیح زائد مثلاً مثالِ مذکور میں ترکہ چار روپیہ ہوں تو وفق ترکہ ایک ہوگا اس میں ضرب کی حاجت نہیں مرد ان کے سہام کو صرف وفق

تصحیح پر تقسیم کرنا کافی ہوگا مثلاً شوہر کے سہام کو دو پر تقسیم کرینگے تو ڈیڑھ روپیہ نکلیگا یہی اُسکا حصہ ہوگا ۴ سے۔

یہ بھی جان لو کہ اگر تصحیح مسئلہ میں اور متروکے میں مماثلت ہو تو کوئی ضرورت تر ڈی کی نہیں ہے۔ جیسے متروکہ ۱۸۰۰ ہے اور مسئلہ ۸۰۰ سے ہے اور نسبت تماثل کی ہے۔

پسر	پسر	دختر	دختر	دختر	دختر
۴۵۰	۴۵۰	۲۲۵	۲۲۵	۲۲۵	۲۲۵

یہاں تصحیح مسئلہ اور متروکے میں مماثلت ہے پس اصل حصہ ہر وارث کا متروکے میں ضرب دیا گیا حاصل ضرب کو تصحیح پر تقسیم کیا گیا پورے حصے برابر ملگئے۔

هذا المعرفة نصیب کل فرد۔ یہ قاعدہ کہ مذکور ہوا ہر وارث کے حصے کے دریافت کرنے کے لئے تھا۔ اما المعرفة نصیب کل فریق منهم اور قاعدہ وارثوں میں سے ہر فریق کے حصے کے معلوم کرنے کا آگے مذکور ہوتا ہے۔ ابن کمال پاشا نے اپنی شرح میں لکھا ہے کہ مصنف نے ہر وارث کے حصے کے بیان کو ہر ایک فریق کے حصے کے بیان سے پہلے مذکور کیا حالانکہ ترتیب طبعی بالعکس ہے ترتیب طبعی یہ ہے کہ ہر فریق کے حصے کو ہر شخص کے حصے سے مقدم کرتے جیسا کہ فصل سابق میں کیا ہے۔ جواب اسکا یہ ہے کہ مصنف نے یہ خیال کیا کہ مقصود قسمت میں یہ ہے کہ ہر شخص کو حصہ بغیر کمی و بیشی کے دیا جائے۔ اس لئے جو اہم تھا اُسے پہلے لائے۔

فاضرب ما کان لکل فریق من اصل المسئلة فی وفق الترکة ثم اقسم المبلغ علی وفق المسئلة ان کان بین الترکة والمسئلة موافقة "ہر فریق کے حصے کو جو اُسے اصل مسئلہ سے پہنچتا ہے وفق ترکہ میں ضرب دو پھر اس حاصل ضرب کو وفق تصحیح پر بانٹ دو اگر ترکے اور مسئلہ یعنی تصحیح میں موافقت ہو وان کان بینهما مباینة فاضرب فی کل الترکة" اور اگر ترکے اور مسئلہ میں تباین ہو تو ہر فریق کے حصے کو جملہ متروکے میں ضرب دو۔

ثم اقسم الحاصل علی جمیع المسئلة فالخارج نصیب ذلك الفریق فی الوجهین پھر حاصل ضرب کو مسئلے کی تمام تصحیح پر تقسیم کرو۔ جو کچھ خارج قسمت ہوگا وہ حصہ ہر فریق کا ہے توافق اور تباین دونوں کی وجہ میں۔

توافق کی مثال یہ ہے کہ میت شوہر اور دو حقیقی بہنیں اور دو اخیافی بہنیں چھوڑے۔ اصل مسئلہ ۶ کا ہے لیکن اُس کا نصف زیادہ کرنے سے نو تک عول ہوتا ہے اور اس سے شوہر کے لئے تین اور دو حقیقی بہنوں کے لئے چار اور دو اخیافی بہنوں کے لئے دو ہیں پس اگر ترکہ میت کا ۳۰ روپیہ ہے تو ترکہ اور تصحیح میں توافق بالثلث ہوگا جب شوہر کے حصے کو کہ اصل مسئلے سے تین ہیں وفق ترکہ میں کہ دس ہیں ضرب دیا جائے تو تیس حاصل ہونگے پھر جب اس حاصل کو وفق تصحیح پر کہ ۳ ہیں تقسیم کیا جائے تو خارج قسمت دس روپے ہونگے جو شوہر کا حصہ ترکے سے ہے اور دو حقیقی بہنوں کے حصوں کو کہ اصل مسئلے سے چار ہیں جب دس میں ضرب دیا جائے تو چالیس حاصل ہونگے

جب اس حاصل کو تصحیح مذکور کے وفق پر قسمت کیا جائے تو خارج قسمت ۳ روپے اور تہائی روپیہ (۳ ۱/۳) ہوگا جو حصہ دو حقیقی بہنوں کا ہے اور جب دو اخیافی بہنوں کے حصوں کو کہ اصل مسئلے سے دو ہیں دس میں ضرب دیا جائے۔ بیس حاصل ہوتے ہیں جب اس حاصل کو تصحیح مذکور کے وفق پر کہ تین ہیں تقسیم کیا جائے تو ۶ روپے اور دو ثلث روپیہ (۶ ۲/۳) خارج قسمت ہوگا جو دونوں خواہر اخیافی کا حصہ ہے ترکے سے۔

واضح رہے کہ اس صورت میں تصحیح اور ترکے میں موافقت ہے۔ اگر ہر فریق کے حصے کو تمام ترکہ میں ضرب دیا جائے اور حاصل ضرب کو تمام تصحیح پر بانٹا جائے تو حاصل قسمت حصہ ہر فریق کا ہوگا جیسا کہ پہلے مذکور ہوا۔

تباین کی مثال یہ ہے کہ اس مسئلے میں کہ مذکور ہوا ترکہ ۳۲ روپے ہوں تو ترکے اور تصحیح مذکور میں تباین ہوگا اس صورت میں جب شوہر کا حصہ کہ ۳ ہیں تمام ترکہ مذکورہ میں ضرب دیا جائے تو ۹۶ حاصل ہونگے پھر اس حاصل کو جب اُس تصحیح پر کہ نو ہیں تقسیم کیا جائے تو دس روپے اور دو ثلث روپیہ (۱۰ ۲/۳) خارج قسمت ہوگا۔ یہی ترکے سے شوہر کا حصہ ہے۔

اور دو حقیقی بہنوں کا حصہ کہ چار ہیں جب انکو عام ترکے میں ضرب دیا جائے ۱۲۸ ہونگے۔ پھر جب اس حاصل کو تصحیح پر قسمت کیا جائیگا تو ۱۴ روپے اور ۸/۹ روپیہ خارج قسمت ہوگا کہ یہ حصہ دونوں حقیقی بہنوں کا ہے۔ ترکے سے اور جب دو اخیافی بہنوں کا حصہ کہ دو ہیں تمام ترکے میں ضرب دیا جائے ۶۴ حاصل ہونگے۔ پھر جب ۶۴ کو تصحیح پر تقسیم کیا جائیگا تو سات روپے اور نواں حصہ روپے کا خارج قسمت ہوگا اور یہی دو خواہر اخیافی کا ترکے سے حصہ ہے۔

اما فی قضاء الدیون فدین کل غریم بمنزلۃ سہام کل وارث فی العمل و مجموع الدیون بمنزلۃ التصحیح قرضوں کے ادا کرنے کا قاعدہ یہ ہے کہ ہر قرض خواہ کے قرض کو بمنزلے سہام ہر وارث کے اور قرضوں کے مجموعے کو بمنزلے تصحیح کے اختیار کر کے ایسی وجہ پر کہ ہر وارث کے حصے کو معین کرنے میں کیا گیا عمل کریں یعنی اگر ایک شخص مرے اور ترکہ اتنا نہ چھوڑے کہ سب قرض خواہوں کا قرض اُس سے وصول ہو سکے تو ہر قرض خواہ بمنزلے ایک وارث کے قرار دیا جائے اور قرض بمنزلے سہم وارث کے اور مجموعہ سب قرضوں کا بمنزلے تصحیح مسئلہ کے۔ اور وہ عمل کیا جائے جو وارثوں کی تقسیم میں عمل کیا گیا ہے ضرب اور تقسیم سے۔ مثال اسکی یہ ہے۔

۵ قرضوں کا مجموعہ ۱۲ روپیہ۔ نسبت تباین۔ ترکہ ۷ روپیہ — خالد

قرض خواہ زید	قرض خواہ کریم	قرض خواہ عثمان
۳ روپیہ ۹/۱۲	۴/۱۲	۱۱/۱۲

اس صورت میں زید اور کریم اور عثمان کہ خالد کے قرض خواہ ہیں بمنزلے تین وارثوں کے ہیں اور انکی قرض کہ ۳ روپے اور ۴ روپے اور ۵ روپے ہیں بمنزلے سہام ورثہ کے ہیں اور ان قرضوں کا مجموعہ کہ ۱۲ روپیہ ہیں بمنزلے تصحیح کے سمجھا گیا ہے تو ہر ایک کو اسکی جگہ پر لکھکر بدستور عمل کیا کہ قرضوں کے مجموعہ یعنی ۱۲ روپوں اور ترکے یعنی ۷ روپوں میں نسبت لحاظ کی تو تباین پایا اس لئے واسطے دریافت کرنے ہر ایک کے حصے کے ترکے سے ہمنے زید کے قرض کو کہ ۳ روپے ہیں کل ترکے یعنی ۷ میں ضرب دیا ۲۱ حاصل ہوئے پھر اس حاصل کو قرضوں کے مجموعے یعنی ۱۲ پر تقسیم کیا خارج قسمت ۱ ۹/۱۲ یعنی ایک روپیہ اور تین چوتھائیاں روپے کی حاصل ہوئیں پس یہ حصہ زید کا ہوا ترکے سے علی ہذا القیاس کریم اور عثمان کا حصہ دریافت کیا تو کریم کا حصہ ۲ ۴/۱۲ یعنی ۲ روپیہ اور تہائی روپیہ اور عثمان کا ۳ ۱۱/۱۲ یعنی دو روپیہ اور گیارھواں حصہ ایک روپیہ کا متجملہ روپے کے بارہ حصوں کے برآمد ہوا۔

ضوء السراج میں لکھا ہے کہ جب ترکہ ایک سے زیادہ قرض خواہوں کے قرض کی ادائیگی کے لئے کفایت نکرتا ہو ترکے اور قرضوں کے درمیان نسبت تلاش کریں پس اگر ان میں مباینت ہو تو تمام قرض خواہوں کے قرضوں کو یکجا کرکے تمام ترکے میں ضرب دیں پھر حاصل ضرب کو قرضوں کی رقم کی مجموعے پر تقسیم کریں جیسے ایک شخص نے ۷ روپے چھوڑے اور اُسپر قرض کے ۴۸ روپے ہیں اس تفصیل سے زید کے بارہ روپے خالد کے ۱۶ روپے اور بکر کے ۲۰ روپے۔

ظاہر ہے کہ ۷ اور ۴۸ تالیس کے درمیان مباینت ہے انمیں سے زید کے بارہ روپوں کو تمام ترکہ یعنی ۷ میں ضرب دیا تو حاصل ضرب ۸۴ روپے ہوئے انکو قرض کے تمام روپوں یعنی ۴۸ پر تقسیم کیا خارج قسمت ۱ ۳۶/۴۸ روپے ہونگے اسی پر دوسرے قرض خواہوں کے قرض کو قیاس کرلو۔

اسکی ایک اور مثال یہ ہے کہ ایک شخص مرگیا اور ۱۳۰ اشرفیوں کا متروکہ چھوڑا اور اُسپر دس اشرفیاں ایک شخص کی اُدھار ہیں اور پانچ اشرفیاں دوسرے شخص کی ہیں تو دونوں پندرہ کے قرضوں کو بمنزلے تصحیح مسئلہ کے قرار دیا جائیگا۔

اور قرضوں اور ترکے کو دیکھا جائیگا۔ ظاہر ہے کہ تیرہ اور دونوں قرضوں کی مجموعی رقم یعنی پندرہ میں جو بمنزلے تصحیح کے ہے تباین ہے تو ہر قرض خواہ کے قرض کو اس تصحیح کے تمام میں ضرب دیا جائے اور حاصل کو تمام ترکہ کے پر تقسیم کیا جائے۔ سو خارج قسمت حصہ ہر قرض خواہ کا ہوگا۔

پس جبکہ دس اشرفیوں والے قرض کو تیرہ میں ضرب دیا ۱۳۰ حاصل ہوئے پھر جبکہ اسکو ۱۵ پر قسمت کیا تو ۸ ۱۰/۱۵ یعنی آٹھ اشرفیاں اور ایک اشرفی کی دو تہائیاں خارج ہوئیں یہ دس اشرفیوں والے قرض خواہ کا حصہ ہوا اور پانچ اشرفیوں والے قرض خواہ کے قرض کو بھی جبکہ تمام ترکے میں ضرب دیا ۶۵ حاصل ہوئے پھر جب اس مبلغ یعنی حاصل ضرب کو پندرہ پر قسمت کیا چار اشرفیاں اور ایک اشرفی کی تہائی خارج ہوئی یہ حصہ پانچ اشرفیوں والے قرض خواہ کا ہے۔

ضوء السراج میں متن کی یہ عبارت بھی لکھی ہے۔

وان کان بینہما موافقۃ فاضرب دین کل فریق فی وفق الترکۃ ثم الحاصل

علی وفق مجموع الدین فما خرج فهو نصیب ذلك الفریم فی الوجهین۔
اور اگر ترکے اور قرض کے مجموعے میں موافقت ہو تو ہر فریق کے قرض کو ترکے کے وفق میں ضرب دے پھر حاصل ضرب کو تمام دین کے وفق پر تقسیم کرو پھر جو کچھ خارج قسمت ہوگا وہ اس قرض خواہ کا حصہ ہوگا وجہ مباینت و موافقت دونوں میں مثلاً زید نے ترکہ ۱۸ روپے چھوڑا اور اُسپر دین ۴۸ روپے کا ہے جس میں محمود کے ۱۲ روپے ہیں سعید کے ۱۶ حامد کے ۲۰ تو دین اور ترکے میں موافقت بالسدس کی ہے محمود کے دین کے ۱۲ روپوں کو وفق ترکہ یعنی ۳ میں ضرب دیا ۳۶ حاصل ہوے۔ اسکو تمام قرضوں کے وفق پر کہ ۸ ہیں تقسیم کیا ساڑھے چار حاصل ہونگے۔ یہ محمود کا حصہ ترکے سے ہے اسی قیاس پر دوسروں کا حصہ سمجھ لو چنانچہ سعید کے ۱۶ کو وفق ترکہ یعنی ۳ میں ضرب دیا حاصل ۴۸ ہوے جب اسکو ۸ پر تقسیم کیا ۶ حاصل قسمت ہوے یہ حصہ سعید کا ہے ترکے سے۔ اور حامد کے ۲۰ کو وفق ترکہ یعنی ۳ میں ضرب دیا ۶۰ حاصل ہوے اسکو تمام قرضوں کے وفق یعنی ۸ پر قسمت کیا ساڑھے سات خارج قسمت ہوے۔ یہ حصہ حامد کا ہے۔ ترکے سے پس ۴½ و ۶ و ۷½ کا مجموعہ ۱۸ ہوگیا جو زید نے ترکہ چھوڑا ہے۔

دوسری مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے نو اشرفیوں کا متروکہ چھوڑا اور اُسپر دس اشرفیاں ایک شخص کی ہیں اور پانچ اشرفیاں دوسرے شخص کی تو دونوں پندرہ کے قرضوں کو بمنزلے تصحیح مسئلہ کے قرار دیا جائے گا اور ترکے کو دیکھا جائے گا کہ اگر دونوں میں توافق ہے چنانچہ یہاں یہی صورت ہے کہ دونوں میں توافق بالثلث ہے تو دس اشرفی والے قرض کو وفق ترکہ یعنی تین میں ضرب دیا ۳۰ حاصل ہوئے۔ پھر اس حاصل کو تصحیح کے وفق یعنی پانچ پر قسمت کیا خارج قسمت ۶ ہوے۔ سو یہ اُس کا حصہ ہوا نو اشرفیوں میں سے اور جبکہ پانچ اشرفیوں والے قرض کو وفق ترکہ یعنی ۳ میں ضرب دیا پندرہ حاصل ہوے۔ پھر حسب پندرہ کو وفق تصحیح یعنی پانچ پر قسمت کیا تین خارج ہوے یہ پانچ اشرفیوں والے کا حصہ ہے اور اگر اس صورت میں پانچ اشرفیوں کا ترکہ فرض کیجئے تو ترکہ اور تصحیح میں توافق بالخمس ہوگا باوجودیکہ پانچ اور پندرہ متداخلین بھی ہیں تو دس اشرفیوں والے کے قرض کو خمس ترکہ یعنی ایک میں ضرب دینے سے دس حاصل ہونگے اور اس حاصل کو خمس تصحیح پر یعنی تین پر قسمت کرنے سے تین اشرفیاں اور ایک اشرفی کی تہائی خارج ہوگی۔ یہ حصہ ہے دس اشرفیوں والے کا اور پانچ اشرفیوں والے کے قرض کو بھی وفق ترکہ یعنی ایک میں ضرب دینے سے پانچ حاصل ضرب ہونگی جن کو وفق تصحیح یعنی تین پر قسمت کرنے سے ایک اشرفی پوری اور دو تہائیاں ایک کی حاصل ہونگی کہ یہ حصہ ہے پانچ اشرفیوں والے کا اور یہ بھی اختیار ہے کہ تباین اور تداخل اور توافق کی صورت میں تمام ترکے میں ضرب دیں اور یہ بھی اختیار ہے کہ توافق اور تداخل کی دونوں صورتوں میں وفق کا اعتبار کریں۔

لیکن اگر کل ترکے میں ضرب دیں تو کل تصحیح یعنی قرضوں کے مجموعے پر قسمت ہوگی اور وفق کی صورت میں تصحیح کا وفق لینا ہوگا۔

وان کان فی الترکة کسور فابسط الترکة والمسئلة کلتیهما اور اگر ترکے کے مال میں

کسر ہو تو ترکے اور مسئلے دونوں کا بسط کرلو۔ اسی اجعل سہما من جنس الکسر یعنی مال اور مسئلہ دونوں کو کسر کی جنس سے بنالو۔

واضح رہے کہ عدد صحیح کو کسر کی جنس سے کرلینے کو اصطلاح حساب میں تجنیس کہتے ہیں اور اس سے جو حاصل ہوا اُسے مُجنَّس بولتے ہیں اور طریقہ تجنیس کا یہ ہے کہ جس عدد صحیح کا از قسم جنس کرنا منظور ہو اُسی اس کسر کے مخرج میں ضرب دیں۔ پس اگر اُس عدد کی تصحیح کے ساتھ کوئی کسر نہیں تو فقط یہی حاصل ضرب مُجنَّس اُس کا ہے اور اگر کوئی کسر ہے تو اس حاصل ضرب پر عدد کسر کو بڑھالیں۔

مصنف کے کلام کی یہ توضیح ہے کہ اگر ترکہ مرکب ہو تو عدد صحیح جو کسر کے ساتھ ہے اُس کا بسط کرلو جسکا طریقہ یہ ہے کہ عدد صحیح کو مخرج کسر میں ضرب دیں پھر حاصل کے ساتھ عدد کسر کو جوڑلیں اور اُس حاصل کو (جو حاصل ضرب عدد صحیح در مخرج کسر اور کسر کے جوڑنے سے حاصل ہوتا ہے اور مجنس کہلاتا ہے) اسی طرح مخرج کسر میں ضرب دیں۔

ثُمَّ قُدِّمَ فیہ ما یَخُصُّنا کا پھر ضرب اور قسمت کا وہ عمل کرو جسکو مصنف نے اوپر بیان کیا ہے مصنف کی تمام عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اگر ترکے میں عدد صحیح اور کسر دونوں ہو تو عدد صحیح کو اُس کسر کے مخرج میں ضرب دیں پھر حاصل کے ساتھ عدد کسر کو جوڑلیں اسی طرح تصحیح کو بھی مخرج مذکور میں ضرب دیں پھر اس حاصل اخیر یعنی حاصل ضرب تصحیح در مخرج اور حاصل سابق یعنی مجنس میں باہم نسبت لحاظ کرکے بدستور عمل کریں یعنی اگر حاصل اخیر اور حاصل سابق یعنی مجنس میں تباین ہو تو ہر فریق یا ہر ایک شخص کے حاصل کو جو تصحیح سے اُسے ملا ہے کل ترکے یعنی کل مجنس میں اور توافق ہو تو توافق ترکہ یعنی وفق مجنس میں ضرب دیں پھر حاصل کو کل تصحیح یعنی کل حاصل اخیر پر پہلی صورت میں اور وفق تصحیح یعنی وفق حاصل اخیر پر دوسری صورت میں تقسیم کریں۔

مثال اس کی میت نے دو بیٹیاں اور ماں باپ چھوڑے اور ترکہ ۶ ½ - اشرفی ہے

مسئلہ ۶ - حاصل اخیر ۱۲ - نسبت تباین - ترکہ ۶ ½ - اشرفی - مجنس ۱۳

ماں	باپ	۲ دختر
۱ ۱/۱۲ - اشرفی	۱ ۱/۱۲ - اشرفی	۴ ۱۰/۱۲ - اشرفی
		فی دختر
		۲ ۵/۱۲ - اشرفی

اس صورت میں ترکہ یعنی ۶ ½ - اشرفی کسر مرکب ہے یعنی عدد صحیح و کسر دونوں ہیں پس عدد صحیح یعنی ۶ کو مخرج کسر یعنی دو میں ضرب دیا ۱۲ حاصل ہوئے پھر اس حاصل کے ساتھ عدد کسر یعنی ایک کو جوڑ لیا ۱۳ حاصل ہوئے اسی طرح تصحیح یعنی ۶ کو مخرج مذکور یعنی دو میں ضرب دیا ۱۲ حاصل ہوئے - پھر اس حاصل اخیر یعنی ۱۲ - اور حاصل سابق یعنی مجنس میں کہ ۱۳ ہے نسبت کا لحاظ کیا تو تباین پایا لہذا واسطے دریافت کرنے حصے ہر فریق کے ترکے سے سہام دو دختر یعنی ۴ کو کل ترکہ

یعنی کل مخبس میں کہ ۱۲ ہے ضرب دیا ۵۲ حاصل ہوئے۔ پھر اس حاصل کو کل تصحیح یعنی کل حاصل خیر پر کہ ۱۲ ہے تقسیم کیا ۴ ۱/۱۲ یعنی چار اشرفیاں اور تہائی اشرفی کہ خارج قسمت ہے حصہ دو دختر کا ہوا ترکے سے اسی طرح ماں باپ کے سہام یعنی ایک ایک کو مخبس یعنی ۱۳ میں ضرب دیا تیرہ تیرہ حاصل ہوئے۔ پھر ان ہر ایک کو کل حاصل خیر یعنی ۱۲ پر تقسیم کیا ۱ ۱/۱۲ یعنی ایک اشرفی اور بارھواں حصہ ایک اشرفی کا خارج قسمت ہے۔ یہ حصہ ہر ایک کے سے ہر ایک کا ماں باپ میں سے ہوا۔

اور واسطے دریافت کرنے ایک دختر کے حصے کے بھی اسی طرح عمل کیا تو ۲ ۱/۱۲ یعنی دو اشرفیاں اور چھٹا حصہ ایک اشرفی کا اس کا حصہ ترکے سے برآمد ہوا۔

دوسری مثال یہ ہے کہ میت نے دو بیٹیاں جنکے ۴ ہیں اور دو چچے جنکے دو ہیں چھوڑے۔ اور ترکہ ساڑھے چھ اشرفیاں ہو تو مخبس تصحیح کا ۱۲ ہوگا۔ اور مخبس ترکے کا ۱۳۔ اسواسطے کہ کسر ہمارا نصف ہے جب اُسکے مخرج یعنی دو میں ۶ کو ضرب دیا ۱۲ ہوئے اور تصحیح میں ۶ کے ساتھ کوئی کسر نہیں ہے پس یہی بارہ اُسکا مخبس ہے اور عدد ترکہ بھی ۶ ہے اس سے بھی ۱۲ حاصل ہوئے لیکن اسکے ساتھ کسر ہے یعنی ایک نصف اس لئے عدد کسر کو کہ ایک نصف تھا اسپر بڑھا دیا ۱۳ ہوئے۔ پھر بارہ اور ۱۳ کے درمیان نسبت کو لحاظ کیا تو تباین پایا۔

پس دونوں چچوں کے حصے کے دریافت کرنے کے واسطے دو کو تیرہ میں ضرب دینگے اور حاصل یعنی ۲۶ کو ۱۲ پر قسمت کرینگے خارج قسمت ۲ ۱/۶ ہوگا۔ یہ حصہ چچوں کا ہے اور دو بیٹیوں کے حصے کے دریافت کرنے کے واسطے ۴ کو تیرہ میں ضرب دینگے اور حاصل یعنی ۵۲ کو ۱۲ پر تقسیم کرینگے خارج قسمت ۴ ۱/۳ دونوں بیٹیوں کا حصہ ہے اور اسی طرح حصہ ہر فرد کا نکال لیں۔

توافق کی مثال یہ ہے اگر اوپر کی صورت میں ترکہ ۱۰ ۱/۲ یعنی دس اشرفیاں اور ایک اشرفی کے ۱/۳ ثلث ہوں تو مخبس ترکے کا ۳۲ ہوگا اور مخبس تصحیح کا ۱۸۔ اور ان دونوں میں موافقت بالنصف ہے پس دو چچوں کے حصے کے دریافت کرنے کو واسطے دو کو وفق ۳۲ یعنی ۱۶ میں ضرب دینگے۔ پھر حاصل یعنی ۳۲ کو ۱۸ کے وفق یعنی ۹ پر تقسیم کرینگے خارج قسمت ۳ ۴/۹ یعنی تین اشرفیاں اور ایک اشرفی کو نو ٹکڑوں میں سے پانچ ٹکڑے چچوں کا حصہ ہے۔ اور دو بیٹیوں کے حصے کے دریافت کرنے کے لئے ۴ کو ۱۶ میں ضرب دینگے اور حاصل یعنی ۶۴ کو ۹ پر تقسیم کرینگے تو خارج قسمت ۷ ۱/۹ یعنی سات اشرفیاں اور ایک اشرفی کے ۹ حصوں میں سے ایک حصہ بیٹیوں کا نصیب ہے۔

(توافق کی دوسری مثال پر غور کرو)

مسئلہ ۶ حاصل خیر ۱۲۔ توافق بالثلث۔ ترکہ ۷ ۱/۲ اشرفی۔ مخبس ۱۵

ماں	باپ	دو دختر
۱ ۱/۴ اشرفی	۱ ۱/۴ اشرفی	۵ اشرفی
		فی دختر ۲ ۱/۲ اشرفی

ترکہ یعنی ۱/۲ ۷ - اشرفیاں کسر مرکب ہے پس عدد صحیح یعنی ۷ کو مخرج کسر یعنی ۲ میں ضرب دیا ۱۴ حاصل ہوئے پھر اس حاصل کے ساتھ عدد کسر یعنی ایک کو جوڑ دیا ۱۵ حاصل ہوئے اسی طرح تصحیح یعنی ۶ کو مخرج مذکور یعنی دو میں ضرب دیا ۱۲ حاصل ہوئے - پھر اس حاصل اخیر یعنی ۱۲ - اور حاصل سابق یعنی مخبس میں کہ ۱۵ ہے نسبت کا لحاظ کیا تو توافق بالثلث پایا اس لئے ہر فریق کے حصے کے دریافت کرنے کے لئے ترکے سے دونوں بیٹیوں کے سہام یعنی ۴ کو کل ترکہ یعنی کل مخبس میں کہ ۱۵ ہے ضرب دیا ۶۰ حاصل ہوئے - اس حاصل کو کل حاصل اخیر پر کہ ۱۲ ہو تقسیم کیا خارج قسمت ۵ - اشرفیاں آئیں یہ حصہ دو دختر کا ترکے سے ہوا - اس میں سے فی دختر ۱/۲ ۲ - اشرفیاں پڑیں - اسی طرح ماں باپ کے سہام یعنی ۵ کو کل مخبس یعنی ۱۵ ضرب دیا ۳۰ حاصل ہوئے - پھر انکو کل حاصل اخیر یعنی بارہ پر تقسیم کیا تو خارج قسمت ۱/۲ ۲ - اشرفیاں حاصل ہوئیں - یہ حصہ والدین کا ہے - انمیں سے ہر ایک کے حصے میں سوا اشرفی (۱ ۱/۲) آئے گی -

تنبیہ } متن کی یہ عبارت سراجی کے چھاپے کے متداول نسخوں میں ہے - مگر فاضل جرجانی کی شرح میں نہیں جو چھپکر ہندوستان میں جاری ہے -
اور سراجی کے قلمی نسخے میں نہیں ہے - اور شریفیہ کے قلمی نسخے میں متن و شرح کی عبارت یوں مندرج ہے -

وان کان فی التركة كسر فابسط التركة والمسئلة كليهما اے اجعلهما من جنس الكسر ثم قدم ما وضعناه اور ایک قلمی نسخے میں کلیتہما بھی ہے مگر اور شرح کچھ نہیں لکھی - نور السراج میں یہ عبارت ہے - ولو كان في التركة كسور فابسط التركة على جنس الكسور -
مگر قلمی نسخے سے یہ نہ معلوم ہوا کہ یہ الفاظ شارح کے ہیں یا ماتن کے -
ضوء السراج اور شرح شیخ الاسلام اور ابن کمال پاشا کی شرح میں بھی یہ عبارت نہیں ہے -

فصل فی التخارج

تخارج کو مالکیہ اور شافعیہ فرائض میں نہیں لکھتے انکے نزدیک کتاب الصلح سے متعلق ہے -
اصطلاح فرائض میں تخارج اسے کہتے ہیں کہ کوئی وارث اپنے حصے کے بدلے کچھ لے کے تقسیم سے علیحدہ ہو جائے - اور یوں بھی تعریف کرتے ہیں کہ وارث باہم صلح کر لیں - بعضے وارث کا اخراج پر میراث سے بعوض اس مال کے جو اسکے حصے سے کم ہے یا زیادہ یا برابر -
تیسری عبارت میں کہ جب کوئی وارث اپنے سہام کے بدلے جو تصحیح سے ملتے ہیں کوئی چیز ترکے سے لیکر صلح کرلے اور اپنے سہام سے دست بردار ہو جائے تو یہ تخارج ہے - برابر ہے کہ اسکی سہام سے جو تصحیح سے ملتے ہیں وہ چیز یا زر نقد کم ہو یا زیادہ یا برابر - مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی وارث اس طرح وارثوں کے ساتھ مصالحہ کرے کہ مجھے چیز دیدو یا اتنے روپے دیدو تو مجھے اپنے حصے سے

کچھ کام نہیں سمجھے اپنا حصہ اس چیز کے بدلے میں یا اتنے روپوں کے عوض میں چھوڑا تو اس صورت میں وہ چیز خاص یا اُس قدر روپیہ اُس ترکے میں سے لیکر صلح کر لینا تخارج کہلاتا ہے اور یہ شرع میں درست ہے۔ امام محمدؒ نے کتاب الصلح میں ابن عباس سے اسکو ذکر کیا ہے۔ ہدایہ میں لکھا ہے۔ وفیہ اثر عثمان رضی اللہ عنہ فانہ صالح ثامضر الاشجعیۃ امرأۃ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ عن ربع ثمنہا علی ثمانین الف دینار۔

یعنی اسکے جائز ہونے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا اثر ہے کہ اُنھوں نے ثماضر اشجعیہ زوجہ عبدالرحمن بن عوف کی مصالحت اُسکے آٹھویں حصے کی چوتھائی سے اسی ہزار دینار پر جائز رکھی یہ عورت عبدالرحمن سے دو طلاق پاکر رجعت میں تھی۔ پھر جب عبدالرحمن بیمار ہوے تو اُسکو تیسری طلاق دیدی اور اُسکی عدت گذر جانے کے بعد انتقال کیا مگر حضرت عثمان نے اسکو قرار قرار دیکر میراث دلائی جیسا کہ ابن سعد نے طبقات میں روایت کیا ہے۔ اس روایت میں کوئی اختلاف نہیں کسی میں اسی ہزار درم مذکور ہیں۔ اور کسی روایت میں چوتھی عورت کا حصہ ایک لاکھ مذکور ہے۔

تخارج کی شرط یہ ہے کہ کل ترکہ یا بعض ترکہ قرض سے بھرا ہوا نہو اور دوسری شرط یہ ہے کہ جو کچھ اُسکو دیتا گیا وہ اُسکی جنس ترکہ سے زائد ہو۔ اور بعض کے نزدیک یہ بھی شرط ہے کہ صلح کے وقت یہ بات معلوم ہو کہ ترکے میں جو اموال عین ہیں وہ کس جنس کے ہیں تو ایسی صلح جائز ہے خواہ یہ مال جو اُسکو بالفعل دیا ہے کم ہو یا زیادہ اسواسطے کہ اس صلح کو بطور بیع کے صحیح بنانا ممکن ہے۔ پھر یہ حکم اُسوقت ہے کہ ترکہ اراضی و مکان و اسباب ہو یعنی سونا و چاندی نہو تو عوض صلح میں قلیل و کثیر سب جائز ہے اور اگر ترکہ چاندی ہو پس اُسکے عوض میں سونا دیا یا ترکہ سونا ہے اور اُسکے عوض میں چاندی دی تو بھی یہی حکم ہے کہ قلیل و کثیر سب جائز ہے اسواسطے کہ ایک جنس کو اُسکے خلاف جنس کے عوض بیچنا ہو تو انیں برابر ہونا معتبر نہیں لیکن اسی مجلس میں قبضہ ہو جانا شرط ہے اس لئے کہ بیع صرف ہے اور اگر ترکہ سونا اور چاندی اور اسکے سوا مختلط ہو پھر وارثوں نے ایک وارث سے سونے یا چاندی پر صلح کر لی تو ضرور ہے کہ جو کچھ اُنھوں نے صلح کے عوض دیا ہے وہ اس وارث کے اس جنس کے حصے سے زیادہ ہو جتنے کہ اُسکے حصے کے مقابلے میں برابر نقد واقع ہو۔ اور زیادتی بمقابلہ حصہ ترکہ کے ہوتا کہ بیاج سے احتراز ہو یعنی اس وارث کے حصۂ ترکہ میں بھی سونا اور چاندی مع اشیاء کے موجود ہے اور جبکہ اُسکے حصے سے سونے یا چاندی پر صلح کی تو اسکی مقدار اُسکے حصۂ نقد سے زیادہ ہونی چاہیئے تاکہ اس میں بقدر اسکے حصۂ زر و سیم کے اپنی جنس میں برابر ہو۔ اور باقی بمقابلے باقی حصۂ ترکہ کے ہو پس سود نہوگا اور اگر ترکے میں روپیہ اور اشرفی دونوں ہوں اور عوض صلح میں بھی روپیہ اور اشرفی ہو تو ہر طرح صلح جائز ہے خواہ کم ہوں یا زیادہ اس طرح کہ ایک جنس کو اُسکے غیر جنس کی طرف پھیرا جائے روپے بمقابلے اشرفیوں کے اور اشرفیاں بمقابلے روپوں کے رکھی جائیں جیسے بیع میں ہوتا ہے اور ترکے میں لوگو کچھ قرض ہو اور وارثوں نے قرض کو بھی صلح میں اس شرط پر داخل کیا کہ جس وارث سے صلح کی ہے اُسکو شرکت سے نکالیں اور سب

قرض اُنھیں وارثوں کے واسطے ہو جائے تو یہ صلح باطل ہو جائے گی کیونکہ ایسا کرنے میں قرض کا مالک کرنا ایسے شخص کو لازم آتا ہے جسپر قرض نہیں۔ اور وہ صلح کرنے والے کا حصہ ہے حالانکہ جسپر قرض ہے اگر اُسکو قرض کا مالک کرنے کو جائز ہوتا ہے اور دوسرے کو مالک کرنا باطل ہے اور نہایاں جس وارث کو صلح کرکے مکالا ہے اُسنے اپنے حصۂ قرض کا مالک قرضدار کو نہیں کیا بلکہ ان وارثوں کو کر دیا تو یہ باطل ہے تو صلح بھی باطل ہو جائے گی۔ من صالح علی شیء من الترکۃ فاطرح سہامہ من التصحیح ثم اقتسم ما بقی من الترکۃ علی سہام الباقین۔ یعنی جو شخص وارثوں میں سے چیز معین پر ترکے میں سے صلح کرلے تو اُس وارث کے سہام کو تصحیح سے گرا دو اور جسقدر ترکہ بعد دینے صلح کرنے والے کے باقی رہا ہو اُسکو باقی وارثوں پر تقسیم کر دو پس جو حصہ اُس صلح کرنے والے کو دیدیا جائے اُسکو اصل مسئلے سے منہا کرکے باقی کو اصل مسئلہ تصور کر دیکھی حال قرض خواہ کا سمجھنا چاہئے۔ کزوجۃ وام وعم چنانچہ میت کے شوہر اور ماں اور چچا وارث ہے تو مسئلہ شوہر کے موجود ہونے کی وجہ سے چھ سے ہے۔ اور پستقیم ہے وارثوں میں سے شوہر کے سہام ۳ ہیں۔ اور ماں کے دو اور چچا کا ایک سہم ہے۔ فصالح الزوج علی مالہ فی ذمتہ من المہر وخرج من البین فتقسم باقی الترکۃ بین الام والعم اثلاثا بقدر سہمہما مہما وحینئذ یکون سہمان للام وسہم للعم۔

پھر شوہر نے اپنے حصے یعنی نصف میراث کی صلح کرلی اُسکے عوض میں جو اُسکے ذمے زوجہ کا مہر واجب الادا ہے اور وہ وارثوں کے درمیان سے نکل گیا تو شوہر کے تین سہام تصحیح سے گرا دیے جائینگے اور باقی ترکہ سوائے مہر کے ماں اور چچا میں تین حصے کرکے بقدر اُنکے سہام کے تقسیم کر دیا جائیگا۔ اور اس وقت میں دو سہم ماں کے ہوئے اور ایک سہم چچا کا ہوا یعنی جو سہام ہر ایک وارث کے تصحیح سے تخارج کے پہلے تھے وہی ہنوز قائم ہیں شوہر کے خارج ہو جانے سے باقی وارثوں میں کچھ فرق اور تغیر واقع نہیں ہوتا اور یہ جائز نہیں کہ شوہر کو یوں قرار دیجئے کہ گویا موجود ہی نہ تھا تاکہ ماں کا اب فرض اصل مال کی تہائی سے باقی مال کی تہائی کی طرف بدل نہ جائے کیونکہ شوہر کو نابود فرض کرنے سے اُس کا نصف حصہ ۶ سے ساقط ہو کر ۳ سہم باقی رہینگے اُسکی تہائی ایک سہم ہے ورنہ اصل مال میں چھ سہم تھے اُسکی تہائی دو سہم ہیں اور یہ امر مخالف اجماع کے ہے۔

اور اگر یوں فرض کیجئے کہ چچا نے کچھ ترکے پر صلح کرلی تو بھی مسئلہ چھ سے ہوگا پھر جبکہ چچا کا حصہ یعنی ایک سہم گرا دیا تو پانچ سہم باقی رہے جن میں سے تین سہم شوہر کے لئے ہیں اور دو سہم ماں کے لئے اس لئے باقی مال شوہر اور ماں میں پانچ حصے کیا جائے گا تو تین خمس (۳/۵) شوہر کے ہوئے اور دو خمس (۲/۵) ماں کے ہوئے۔ اور اگر یوں فرض کیجئے کہ ماں کے حصے پر صلح واقع ہوئی اور وہ میراث سے خارج ہو گئی تو بھی مسئلہ چھ سے ہوگا۔ پھر جبکہ ماں کے دو سہم ساقط کر دیے جائیں

رہے تو باقی ترکہ چار حصے ہوگا۔ اس میں سے تین شوہر کے اور ایک چچا کا۔

او زوجة واربعة بنين فصالح احد البنين على شئ وخرج من البنين فيقسم باقي التركة على خمسة وعشرين سهما للمرأة اربعة اسهم ولكل ابن سبعة اسهم یا زوجہ اور چار بیٹے وارث رہے تو انمیں سے ایک بیٹے نے اس طرح پر صلح کرلی کہ منجملہ متروکات پدر کے ایک جوڑی کڑوں کی اُسکے لیلی اور اپنے حصے سے درگذر کی تو باقی ترکے کو جو تصحیح اول میں سے اُسکے سہم ساقط کر دینے کے بعد بچا تھا ۲۵ سہاموں پر تقسیم کرکے عورت کو چار سہم اور باقی تینوں بیٹوں میں سے ہر ایک کو سات سات سہم دیے جائینگے۔

تخارج میں یہ شرط لازمی ہے کہ جو چیز یا زر نقد جو وارث لیکر علیحدہ ہوتا ہے وہ مال متروکہ سے ہو اور یہ کچھ ضرور نہیں ہے کہ جس قدر وہ وارث لیتا ہے وہ اُسکے حصے سے کم ہو یا زیادہ ہو کیونکہ یہ صلح ہے۔

باب الرّدّ

باب رد کی بیان میں

فاضل مال کو رَدّ کرنا ذوی الفروض پر علی مرتضےٰ اور اُنکے متبعین چنانچہ حنفیہ وغیرہ کا مسلک ہے اور زید بن ثابت نے کہا ہے کہ فاضل ذوی الفروض پر رد نہوگا بلکہ وہ بیت المال کا حق ہے اور اس قول کو مالک اور شافعی نے لیا ہے۔ اور محققین شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر بیت المال فاسد ہوگیا تو ذوی الفروض پر رَدّ کرنا چاہیئے۔ اور حنفیہ کے بہت سے دلائل ہیں اُن میں سے یہ آیت قرآنی ہے واُلوا الارحام بعضہم اولی ببعض فی کتاب اللہ یعنی بعض اہل قرابت میراث ملنے کے لئے بعض سے زیادہ مستحق ہیں بسبب قرابت کے تو اس آیت سے استحقاق جمیع میراث کا بوجہ صلۂ رحمی کے ثابت ہوا اور آیت مواریث نے مال کو جزء معین کا استحقاق ہر وارث کے واسطے واجب کردیا تو دونوں آیتوں پر عمل کرنا واجب ہوا۔ اسطرح پر کہ ہر وارث کو مواریث کی آیت کے حکم سے حصہ دیا جائے پھر باقی مال اُنھیں وارثوں کو بوجہ صلۂ رحمی کے اس آیت کے حکم سے پھیر دیا جائے۔

الرَّدُّ ضد العول رد عول کی ضد ہے اسواسطے کہ عول سے ذوی الفروض کے سہام گھٹ جاتے ہیں۔ اور اصل مسئلہ بڑھ جاتا ہے۔ اور رَدّ سے سہام بڑھ جاتے ہیں اور اصل مسئلہ گھٹ جاتا ہے یا یوں تقریر کیجئے کہ عول میں سہام فاضل ہوجاتے ہیں مخرج پر اور رد میں مخرج فاضل ہوجاتا ہے سہام پر یا یوں کہئے کہ عول سے مخرج بڑھ جاتا ہے اور رد سے مخرج گھٹ جاتا ہے **ما فضل عن فرض**

ذوی الفروض ولا مستحق له یُرد علی ذوی الفروض بقدر حقوقهم یعنی جبکہ مخرج ذوی الفروض سے بڑھ رہا ہے اور وہاں کوئی مستحق نہیں ہے تو وہ فاضل اصحاب فروض پر بقدر اُنکی سہام کے رد کیا جائیگا۔ مطلب یہ ہے کہ جب وارثوں میں صرف اصحاب الفروض ہوں اور کوئی عصبہ نہو اور اصحاب فروض کے حصے بھی مال سے کم ہوں یعنی اُنکے حصے دینے کے بعد بھی مال بچ رہتا ہو تو یہ مال بھی انھیں اصحاب الفرائض کو حصہ رسد پھیر دیا جائے اور اس سے ہر ایک کو جو کچھ ملیگا وہ اُسکے فرض سے زیادہ ہو جائے گا اور جو کچھ فاضل ہو وہ اصحاب فرائض کو حساب اُنکے سہام کے پھیرا جاتا ہے الا علی الزوجین مگر فاضل مال شوہر اور زوجہ پر رد نہو گا اسواسطے کہ وجہ رد کی قرابت ہے اور موت کی وجہ سے اُنکی قرابت باقی نہیں رہتی۔ ہاں اگر خاوند اور جورو باہم قرابت دار ہوں تو اُنپر قرابت کی وجہ سے رد ہوگا نہ زوجیت کی وجہ سے۔

وهو قول عامة الصحابة رضی الله تعالی عنهم وبه اخذ اصحابنا رحمهم الله یہی قول عام صحابہ کا ہے اور اسی پر علمائے حنفیہ نے عمل کیا ہے۔ نووی نے منہاج میں کہا ہے کہ متاخرین نے اسی پر فتوے دیا ہے۔ اور روضہ میں لکھا ہے کہ یہ زیادہ صحیح ہے۔

وقال زید بن ثابت الفاضل لبیت المال وبه اخذ مالك والشافعی رحمهما الله اور زید بن ثابت نے کہا ہے کہ وہ فاضل مال بیت المال میں رکھدیا جائے۔ اور یہی امام شافعی اور مالک کا مذہب ہے کہ فاضل مال بیت المال کا ہے اور علمائے حنفیہ کہتے ہیں کہ اگرچہ بیت المال منتظم ہو تب بھی رد فاضل ذوی الفروض پر ہونا چاہیئے اور اشباہ میں ہے کہ فاضل مال زوجین پر رد کیا جائے بسبب فاسد ہو جانے بیت المال کے اور اس زمانے میں فتوے اسی پر ہے کہ زوجین پر رد ہوا کرے۔ درصورت نہونے دوسرے مستحقین کے بہرصورت زوجین پر اُسوقت رد کیا جائیگا کہ جبکہ کوئی قسم کا وارث آخر درجے کا کیوں نہو موجود نہو۔ ثم هسائل الباب علی اقسام اربعة پھر معلوم ہو کہ باب رد کے مسئلے چار قسم پر ہیں اور دلیل حصر کی یہ ہے کہ جن لوگوں پر مال فاضل کا رد ہوتا ہے وہ ایک قسم کے ہیں یا چند قسم کے ہیں۔ اور ہر تقدیر پر یا اُنکے ساتھ وہ لوگ ہیں جنپر رد نہیں ہوتا ہے یا وہ لوگ نہیں ہیں۔

واضح رہے کہ سہام من یرد علیہ کی علامت یہ ہے سہ

احدها ان یکون فی المسئلة جنس واحد ممن یرد علیه عند عدم من لا یرد علیه فاجعل المسئلة من رؤوسهم۔ اول قسم یہ ہے کہ مسئلہ میں دوبارہ پانے والوں کی جنس متحد ہو اور دوسری جنس کے لوگ جو دوبارہ پانے والے نہیں ہیں شامل نہوں یعنی رد کے مستحق ایک ہی صنف ہیں اور اُنکے ساتھ زوجہ یا شوہر نہیں ہیں تو اس صورت میں مسئلہ اُس ایک جنس کے رؤس سے کرنا چاہیئے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر اہل رد ایک ہی فریق اور ایک ہی قسم کے حصہ دار ہوں اور اُنکے ساتھ زوجین نہوں تو مسئلہ اُنکے رؤس پر کیا جائے گا

کما لو ترك بنتین او اختین او جدتین فاجعل المسئلة من اثنین

چنانچہ دو بیٹیاں یا دو بہنیں یا دو دادیاں وارث ہوں تو مسئلہ دو سے کرنا چاہئے اور ہر ایک کو دو بیٹیوں یا دو بہنوں یا دو دادیوں میں سے نصف ترکہ دینا چاہئے اس لئے کہ دونوں کا استحقاق برابر ہے اور تمام مال یکساں طور پر اُنکے لئے پس تقسیم عدد رؤس پر ہوگی تاکہ تطویل قطع ہو جائے۔ مطلب یہ ہے کہ جبکہ تمام ترکہ اُنھیں وارثوں کا ہے۔ فرض اور رُدّ کی راہ سے اور ذاتیں اُنکی یکساں برابر ہیں ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں تو ہر وارث کو برابر بانٹ دیا جائے۔ اِس واسطے کہ اگر ہر ایک کو بقدر اُسکے فرض کے دیا جائے پھر دوسری بار باقی مال اُنکو بقدر اُنکی سہام کے دیا جائے تو دوبارہ قسمت کرنی ہوگی تو سب متروکہ ابتدا سے برابر بانٹ دینا مختصر اور آسان تر ہے۔

والثانی اذا اجتمع فی المسئلة جنسان او ثلثة اجناس ممن یرد علیه عند عدم من لا یرد علیه فاجعل المسئلة من سهامهم دوسری قسم یہ ہے کہ اگر دوبارہ پانے والے دو جنس یا تین جنس کے لوگ ہوں اور اُنکے شامل وہ لوگ نہوں جو دوبارہ پانے والے نہیں یعنی اہل رد مختلف قسم کے حصہ دار ہوں اور اُنکے ہمراہ زوجین سے نہوں تو مسئلہ اُنکی جملہ سہام پر جو مسئلے کی مخرج سے لیا گیا ہو کرو۔ اعنی من اثنین اذا کان فی المسئلة سدسان یعنی قسمت دو سے کرنی چاہئے اگر مسئلے میں دو سدس جمع ہوں دو سدس کے جمع ہونے کی صورت یہ ہے کہ جدہ اور دو اخیافی بہنیں وارث ہوں تو مسئلہ ۶ سے ہے اور اس میں اُنکے دو سہم فرضیت کی راہ سے ہیں تو اصل مسئلہ دو سے قرار دیا اور متروکہ دونوں پر نصفا نصف تقسیم کر دیا پس ہر ایک کو نصف مال ملا اور اگر ہر ایک کو ایک ایک سہم دیا جاتا تو تین بار قسمت کرنے کی بے فائدہ حاجت ہوتی او من ثلثة اذا کان فیها ثلث وسدس یا تین سے قسمت کرنی چاہئے اگر ایک ثلث اور ایک سدس ہو ثلث اور سدس کے جمع ہونے کی یہ صورت ہے کہ دو اخیافی بھائی اور ماں وارث ہوں تو اس تقدیر پر بھی مسئلہ چھ سے ہے۔ اور وارثوں کے سب سہام تین ہیں تو اصل مسئلہ تین سے قرار دیا گیا۔ اور بقدر سہام کے تین حصے کرکے بانٹ دیا تو دو اخیافی بھائیوں کو مال کا دو ثلث اور ماں کو ایک ثلث دیا گیا۔

او من اربعة اذا کان فیها نصف وسدس یا چار سے تقسیم کرنی چاہئے اگر نصف اور سدس ہوں اور اسکی صورت یہ ہے کہ ایک بیٹی اور پوتی وارث ہے یا ایک بیٹی اور ماں وارث ہے تو یہاں بھی مسئلہ ۶ سے ہے اور مجموع سہام چار ہیں تین سہم بیٹی کے اور ایک سہم پوتی یا ماں کا ہے تو دو کو مسئلے چار سے قرار دیے اور متروکہ چار حصے کرکے بانٹ دیا اس طرح کہ اُس میں کے تین چوتھائی بیٹی کی اور ایک چوتھائی ماں یا پوتی کا ہے۔ یہ صورتیں دو جنس کے لوگوں کے جمع ہونے کی ہیں۔

او من خمسة اذا کان فیها ثلثان وسدس یا پانچ سے تقسیم کرنی چاہئے اگر دو ثلث اور ایک سدس جمع ہوں مثلاً دو بیٹیاں اور ماں وارث ہے۔

او نصف وسدسان یا کہ نصف اور دو سدس جمع ہوں۔ چنانچہ بیٹی اور پوتی اور ماں وارث ہوں

پانچ لڑکیاں یا دو بہنیں یا دو دادیاں وارث ہوں تو مسئلہ دو سے کرنا چاہئے اور ہر ایک کے دو بیٹیوں یا دو بہنوں یا دو دادیوں میں سے نصف ترکہ دینا چاہئے اس لئے کہ دونوں کا استحقاق برابر ہے اور تمام مال یکساں طور پر انکے لئے پس پس تقسیم عدد رؤس پر ہوگی تاکہ تعدیل قطع ہو جائے۔ مطلب یہ ہے کہ جبکہ تمام ترکہ انہیں وارثوں کا ہے۔ فرض اور تنزیل کی راہ سے اور فاتیں انکی یکساں برابر ہیں ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں تو ہر وارث کو برابر بانٹ دیا جائے۔ اس واسطے کہ اگر ہر ایک کو بقدر اسکے فرض کے دیا جائے پھر دوسری بار باقی مال انکو بقدر اُنکے سہام کے دیا جائے تو دوبارہ قسمت کرنی ہوگی تو سب متروکہ ابتداء سے برابر بانٹ دینا مختصر اور آسان تر ہے۔

والثانی اذا اجتمع فی المسئلة جنسان او ثلثة اجناس ممن یرد علیه عند عدم من لا یرد علیه فاجعل المسئلة من سهامهم دوسری قسم یہ ہے کہ اگر دوبارہ پانے والے دو جنس یا تین جنس کے لوگ ہوں اور اُنکے شامل وہ لوگ نہوں جو دوبارہ پانے والے نہیں یعنی اہل رد مختلف قسم کے حصہ دار ہوں اور اُنکے ہمراہ زوجین سے نہوں تو مسئلہ اُنکے جملہ سہام پر جو مسئلے کے مخرج سے لیا گیا ہو کرو۔ اعنی من اثنین اذا کان فی المسئلة سدس سدس یعنی قسمت دوسے کرنی چاہئے اگر مسئلے میں دو سدس جمع ہوں دو سدس کے جمع ہونے کی صورت یہ ہے کہ جدہ اور دو اخیافی بہنیں وارث ہوں تو مسئلہ ۶ سے ہے اور اس میں اُنکے دو سہم فرضیت کی راہ سے ہیں تو اصل مسئلہ دو سے قرار دیا اور متروکہ دونوں پر نصفا نصف تقسیم کر دیا پس ہر ایک کو نصف مال ملا اور اگر ہر ایک کو ایک ایک سہم دیا جاتا تو تین بار قسمت کرنے کی بے فائدہ حاجت ہوتی او من ثلثة اذا کان فیها ثلث وسدس یا تین سے قسمت کرنی چاہئے اگر ایک ثلث اور ایک سدس ہو ثلث اور سدس کے جمع ہونے کی یہ صورت ہے کہ دو اخیافی بھائی اور ماں وارث ہوں تو اس تقدیر پر بھی مسئلہ چھ سے ہے۔ اور وارثوں کے سب سہام تین ہیں تو اصل مسئلہ تین سے قرار دیا گیا۔ اور بقدر سہام کے تین حصے کرکے بانٹ دیا تو دو اخیافی بھائیوں کو مال کا دو ثلث اور ماں کو ایک ثلث دیا گیا۔

او من اربعة اذا کان فیها نصف وسدس یا چار سے تقسیم کرنی چاہئے اگر نصف اور سدس ہوں اور اسکی صورت یہ ہے کہ ایک بیٹی اور پوتی وارث ہے یا ایک بیٹی اور ماں وارث ہے تو یہاں بھی مسئلہ ۶ سے ہے اور مجموع سہام چار ہیں تین سہم بیٹی کے اور ایک سہم پوتی یا ماں کا ہے تو دو کے مسئلے چار سے قرار دیے اور متروکہ چار حصے کرکے بانٹ دیا اس طرح کہ اُس میں سے تین چوتھائی بیٹی کو اور ایک چوتھائی ماں یا پوتی کا ہے۔ یہ صورتیں دو جنس کے لوگوں کے جمع ہونے کی ہیں۔

او من خمسة اذا کان فیها ثلثان وسدس یا پانچ سے تقسیم کرنی چاہئے اگر دو ثلث اور ایک سدس جمع ہوں مثلاً دو بیٹیاں اور ماں وارث ہے۔

او نصف وسدس اگر نصف اور سدس جمع ہوں چنانچہ بیٹی اور پوتی اور ماں وارث ہوں

او نصف و ثلث یا کہ نصف اور ثلث جمع ہوں چنانچہ ایک سگی بہن اور دو اخیافی بہنیں خواہ ایک سگی بہن
اور ماں وارث ہو تو ان تینوں صورتوں میں بھی مسئلہ ۶ سے ہے اور سہام ماخوذہ پانچ ہیں تو پہلی صورت
میں دو بیٹیوں کے چار سہم ہیں اور ماں کا ایک سہم ہے تو مترو کے کے پانچ حصے کیے اُن میں سے چار حصے
بیٹیوں کے اور ایک حصہ ماں کا۔ اور دوسری صورت میں تین حقیقی وارثوں کی جمع ہوئیں اور مجلہ چھ کے
سہام ماخوذہ بھی پانچ ہیں۔ انمیں سے تین سہم بیٹی کے اور ایک سہم پوتی کا اور ایک سہم ماں کا ہے تو اُنپر مترو کہ
پانچ حصے کرکے بقدر اُنکے سہام کے بانٹ دیا۔ پس بیٹی کے تین حصے اور پوتی کا ایک حصہ اور ماں کا
بھی ایک حصہ ہے اور تیسری صورت میں بھی چھ سے پانچ سہم ماخوذ ہیں حقیقی بہن کے تین سہم اور اخیافی
بہنوں کے دو سہم اور اسی طرح ماں کے حقیقی بہن کے ساتھ دو سہم ہیں تو مسئلہ پانچ سے قرار دیا جائیگا
اور متروکہ تصر مسائلت کے واسطے پانچ حصے کرکے تقسیم ہوگا۔ یعنی دو قسموں کو ایک قسمت قرار دینگے۔

والثالث ان یکون مع الاول من لا یرد علیہ فاعط فرض من لا یرد علیہ من اقل مخارجہ
فان استقام الباقی علی رؤس من یرد علیہا فبہا تیسری قسم یہ ہے کہ مسئلے میں ایک ضابطہ اہل رد
کے ساتھ غیر اہل رد شریک ہو پس فرض غیر اہل رد کا اُسکے اقل مخارج سہام سے دیا جائے اور باقی کو عدد رؤس
اہل رد پر تقسیم کیا جائے جیسا کہ درصورت نہونے غیر اہل رد کے تمام ترکے کو عدد رؤس اہل رد پر تقسیم کرتے ہیں
پس اگر وہ باقی رؤس اہل رد پر مستقیم ہو تو بہتر ہے یعنی ضرب کی احتیاج نہیں ہے۔
مطلب یہ ہے کہ پہلے غیر اہل رد کا فرض اُسکے اقل مخارج سے دیدیں بعد اسکے اُسکو معدوم فرض کرکے
اہل رد کا مسئلہ حسب قواعد مخارج الفروض کریں اُس میں سے جو کچھ اہل رد کو ملے وہی اہل رد کے سہام
ہیں۔ کزوج و ثلث بنات چنانچہ میت کا شوہر اور تین بیٹیاں وارث ہوں تو مسئلہ ۴ سے ہوگا
شوہر کا ایک ہی باقی تین رہے اور یہ تینوں بیٹیوں پر مستقیم ہیں تو ضرب کرنے کی کچھ حاجت نہیں
شوہر کا فرض اولاد کے ساتھ جو تہائی ہے تو اس کا مخرج مخرج ۴ ہے پھر جب شوہر کو ۴ میں سے ایک
دیا تو باقی تین تینوں بیٹیوں پر بلا کسر تقسیم ہوگئے ضرب کی کچھ حاجت نہوئی۔
دوسری طرح اسکی تفصیل یوں ہے کہ شوہر مستحق چوتھائی کا ہے اور دو بیٹیاں مستحق دو تہائی کی اور اصل
مسئلہ ۱۲ سے تھا اور بارہ میں سے تین شوہر کو پہنچتے ہیں۔ اور آٹھ بیٹیوں کو ایک بچ رہتا ہے اس لئے
قاعدۂ رد اس میں جاری کیا پس شوہر کو اول اقل مخرج فرض اُسکے سے کہ ۴ تھے ایک دیا اور تین باقی
بیٹیوں کو دیے چونکہ اہل رد وہی ایک صنف تھی۔ ۳۔ اُنکی عدد رؤس پر تقسیم ہوگئے۔

وان لم یستقم فاضرب وفق رؤس سہم فی مخرج فرض من لا یرد علیہ
یعنی اگر بعد ادائے فرض زوج کے باقی ماندہ مال اُن لوگوں کے رؤس پر مستقیم نہو جنپر رد کیا جانا چاہئے
تو اس صورت میں جنپر مال کا رد ہوگا ان کے عدد رؤس کے وفق کو اُن لوگوں کے مخرج میں جنپر
مال کا رد نہوگا ضرب دیا جائیگا اس لئے کہ جن لوگوں پر مال رد نہیں کیا جاتا ہے اُنکا مخرج اصل مسئلہ
کی طرح رہا۔ پس جسطرح وفق عدد رؤس اُس گروہ کا جسپر سہم ٹوٹتے ہیں اصل مسئلے میں ضرب دیا جاتا ہے
اسی طرح یہاں اُن لوگوں کے مخرج فرض میں جنپر مال کا رد نہیں ہوتا ضرب دیا جاتا ہے پس اس ضرب سے

بین اھل الرد اثلاثا اور استقامت باقی کی نہیں ہوتی مگر فقط اس مسئلے میں ہوتی ہے کہ بیوی کو چوتھائی ملے اور باقی مال کے اہل رد کے درمیان تین حصے ہوں تو اس صورت میں مسئلہ تین سے ہوگا اور باقی بھی تین ہیں تو اب قسمت مسئلے پر مستقیم ہوگئی۔ کزوجۃ وارث بعد جدات وست اخوات لام۔ چنانچہ بیوی اور چار دادیاں اور چھ اخیافی بہنیں وارث ہوں اصل مسئلہ بسبب رد کے چار سے ہے اس لئے کہ کسر مخرج فرض غیر اہل رد کا کہ بیوی ہے۔ چار ہے جب بیوی نے اس میں سے ایک لیا تین باقی رہے اور وہ اس صورت میں مسئلہ اہل رد پر مستقیم ہوتے ہیں کیونکہ وہ مسئلہ بھی تین سے ہے اس لئے کہ اخیافی بہنوں کا حق تہائی ہے اور دادیوں کا حق چھٹا حصہ اور مجموعہ سب کا تین ہے ایک سہم چار دادیوں کے لئے ہے۔ اور دو سہام چار اخیافی بہنوں کے لئے لیکن حصہ دادیوں کا ایک ہی اور وہ اوپر مستقیم نہیں ایک اور چار میں تباین ہے پس دادیوں کے تمام عدد رؤس لئے گئے اور وہ چار ہیں اور چھ بہنوں کا حصہ دو ہے اوپر بھی حصہ مستقیم نہیں اور درمیان دو اور چھ کے توافق بنصف ہے۔ پس آدھے عدد رؤس انکے لئے گئے کہ تین ہوتے ہیں۔ جب چار اور تین میں نسبت تلاش کی تباین پایا تو ایک کو دوسرے میں ضرب دیا ۱۲ حاصل ہوئے۔ بعدہ اس حاصل کو مخرج فرض غیر اہل رد میں یعنی چار میں ضرب دیا ۴۸ حاصل ہوئے کہ مسئلے نے اس سے تصحیح پائی۔ اور اصل مسئلے سے بیوی کے لئے ایک سہم ہے ایک کو جب ۱۲ میں کہ مضروب ہے اصل مسئلے کا ضرب دیا گیا تو وہی ۱۲ حاصل ہوئے کہ یہ حصہ بیوی کا ہے اور چار دادیوں کا ایک سہم ہے۔ جب ایک کو ۱۲ میں ضرب دیا وہی ۱۲ حاصل ہوئے کہ یہ حصہ چار دادیوں کا ہے ہر ایک کو ۳ سہام پہنچے اور چھ اخیافی بہنوں کے دو سہام ہیں جب دو کو ۱۲ میں ضرب دیا ۲۴ حاصل ہوئے یہی حصہ بہنوں کا ہے ہر ایک کو چار ملینگے۔

وان لم یستقم یعنی اگر باقی سہام اہل رد پر پورے تقسیم نہوں۔

فاضرب جمیع مسئلۃ من یرد علیہ فی مخرج فرض من لا یرد علیہ فالمبلغ مخرج فروض الفریقین تو کل سہام اہل رد کو مخرج فرض غیر اہل رد میں ضرب دو جو اس ضرب سے حاصل ہوگا وہ دونوں فریق کے حصوں کا مخرج ہوگا یعنی فریق اہل رد اور فریق اہل رد کے حصے حاصل ضرب سے نکل آئینگے۔

کاربع زوجات وتسع بنات وست جدات چنانچہ چار زوجہ اور نو بیٹیاں اور چھ جدہ وارث ہوں انمیں سے غیر اہل رد یعنی بیویوں کے فرض کا آٹھواں حصہ ہے جس کا مخرج آٹھ ہے جب آٹھ میں سے بیویوں کو انکے حصے کا ایک دیدیا تو سات باقی رہے۔ بعد اسکے غیر اہل رد کو معدوم فرض کرکے اہل رد یعنی بیٹیوں اور چھ جدہ کا مسئلہ علٰحدہ کیا تو ۳ سے ہوا انمیں سے دو ثلث یعنی ۶ نو بیٹیوں کو اور سدس یعنی ایک چھ جدہ کو دیدیا پس کل سہام اہل رد کے پانچ ہوئے اور سات جو باقی تھے وہ ان پانچ پر کہ اہل رد کا مسئلہ ہے پورے تقسیم نہیں ہوتے بلکہ دونوں میں مباینت ہے اس صورت میں تمام مسئلہ اہل رد یعنی پانچ کو آٹھ میں جو مخرج ہے غیر اہل رد کے فرض کا ضرب دینے سے ۴۰ حاصل ہونگے یہی مبلغ یعنی ۴۰ مخرج ہر دونوں

فریق کے فرضوں کا۔

اہل رَدّ کے حصّے کو پانچ اس لئے کہا کہ بیٹیاں دو ثلث کی مستحق ہیں اور عدات سدس کی اور مخرج دو ثلث اور سدس کا اسے تو اسکے دو ثلث چار ہوئے۔ اور ایک سدس ایک ہوا تو ان دونوں فرضوں کا مجموعہ پانچ ہوا۔ جب پانچ کو آٹھ میں ضرب دیا تو ۴۰ ہوئے۔

ثم اضرب سهامهن لا يرد عليه في مسئلة من يرد عليه پھر غیر اہل رَدّ کی فرض کی یعنی بیویوں کے ایک سہم کو مسئلہ اہل رَدّ یعنی پانچ میں ضرب دو تو وہی پانچ حاصل ہونگے سو ہم میں سے یہ پانچ چاروں بیویوں کا حق ہے۔

وسهامهم من يرد عليه فيما بقي من مخرج فرض من لا يرد عليه اور سہام ہر فریق اہل رَدّ کو (اور وہ پانچ ہیں کہ چار سہم بیٹیوں کے ہیں اور ایک سہم دادیوں کا ہے) اُن سات میں جو فرض غیر اہل رَدّ کا مخرج سے باقی رہا ہے ضرب دو تو حاصل ضرب ۳۵ ہونگے۔ ان میں سے بیٹیوں کے ۲۸ سہم ہیں اور دادیوں کے سات سہم تو اب ہر فریق کا حصۂ فرض راست ہو گیا۔

دوسری عبارت میں فرض غیر اہل رَدّ یعنی ایک کو کل سہام اہل رَدّ یعنی پانچ میں ضرب دیا وہی پانچ حاصل ہوئے پس یہ ۵ حصہ غیر اہل رَدّ کا ہوا۔ اور نو بیٹیوں کے ۴ سہام کو باقی اقل مخارج یعنی ۷ میں ضرب دیا ۲۸ حاصل ہوئے۔ پس یہ ۲۸ نو بیٹیوں کا حصہ ہوا۔ اور ۶ جدہ کے سہام یعنی ایک کو باقی مذکور میں ضرب دیا وہی سات حاصل ہوئے۔ پس یہ ۶ جدہ کا حق ہوا۔

وإن كسي على البعض فتصحيح المسائل بالأصول المذكورة اور اگر مسائل رَدّ میں انکسار ہو اور سہام وارثوں پر صحیح نہ بٹ سکیں تو اُن کے قاعدوں کے موافق جو باب تصحیح میں مذکور ہو چکے تصحیح کر لی جائے گی۔ پس اگر ایک فرقے پر انکسار ہو تو رؤس اور سہام میں تباین پائے جانے کی صورت میں کل عدد رؤس کو مخرج مسئلہ ردیہ میں ضرب دینگے اور توافق پائے جانے کی صورت میں وفق رؤس کو اسی طرح ضرب دینگے اور اگر چند فرقوں پر انکسار ہو تو تماثل ہونے کی صورت میں تمام رؤس میں سے ایک کو مخرج مسئلہ میں ضرب دینگے۔ اور تداخل ہونے کی صورت میں اکثر کو اور توافق ہونے کی حالت میں ایک کا وفق دوسرے میں ضرب دے کے حاصل کو مخرج میں اور تباین ہونے کی صورت میں ایک کا کل دوسرے میں ضرب دے کے حاصل کو مخرج میں ضرب دینگے۔ اس سے سب وارثوں کو سہام صحیح منقسم ہو جائینگے۔ بعد اس کے واضح ہو کہ جس صورت میں زوجین نہوں اور ذوی الفروض ایک ہی صنف کے آدمی ہوں تو وہاں انکسار نہ ہوگا۔ اس واسطے کہ مسئلہ اس صورت میں وارثوں کے رؤس سے ہوتا ہے جتنے آدمی ہوں اُتنے پر برابر بٹ جاتا ہے۔ پس انکسار ممکن نہیں اور باقی سب صورتوں میں انکسار ہے۔

چند مثالیں توضیح کے واسطے ذکر کی جاتی ہیں۔

پہلی مثال مصنف نے جو تمثیل چار زوجہ اور نو بیٹیوں اور ۶ جدہ کی بیان کی اس میں ہر فریق کا حصۂ فرض تو مستقیم ہو گیا مگر ہر فریق کے فرد فرد پر مستقیم نہیں ہوتا۔ بلکہ ٹوٹتا ہے

تو ہم اسکی تصحیح صدر کے قواعدے کرینگے چنانچہ پانچ سہام زوجات اور اُنکے عدد رؤس میں تباین ہے اور ۲۸ سہام بنات اور اُنکے عدد رؤس اور سات سہام جدات اور اُنکے عدد رؤس میں بھی تباین ہے پس ۴ و ۹ و ۶ کے درمیان نسبت کا لحاظ کیا تو چار اور چھ میں توافق بالنصف ہے اس لئے ۳ کو ۴ میں ضرب دیا ۱۲ ہوے اس میں اور نو میں توافق بالثلث ہے۔ ۳ کو ۱۲ میں ضرب دیا ۳۶ ہوے یہ ۳۶ جزو سہم ہے۔ اس کو ۴۰ میں جو مضروب ہے مسئلہ اہل رد یعنی پانچ اور مخرج غیر اہل رد یعنی آٹھ کا ضرب دیا ۱۴۴۰ حاصل ہوے۔ اس سے ہر ایک کو صحیح طلبائیگا جسکا بیان یہ ہے کہ بیویوں کا حصہ پانچ تھا۔ جب اسکو جزو سہم یعنی ۳۶ میں ضرب دیا تو ۱۸۰ ہوئے۔ اس میں سے ہر ایک بیوی کو ۴۵ ملینگے۔ اور بیٹیوں کا حصہ ۲۸ ہے اسکو جزو سہم میں ضرب دیا تو ۱۰۰۸ حاصل ہوے۔ اس میں سے ہر ایک ۱۱۲ پہنچینگے۔ اور دادیوں کا حصہ ۷ تھا اسکو جزو سہم میں ضرب دیا تو ۲۵۲ حاصل ہوے۔ ان میں سے ہر ایک دادی ۱۲۶ پائے گی۔ صورت اسکی یہ ہے۔

مسئلہ ۵ باقی ۷ — مسئلہ سہم ۵ — تصحیح اول ۴۰ — تصحیح دوم ۱۴۴۰

۴ دختر	۹ بیٹیاں	۶ جدہ
۱/۵	۴/۲۸	۱/۷
۱۸۰	۱۰۰۸	۲۵۲

دوسری مثال مسئلہ ۴ تصحیح ۲۰

شوہر	۵ دختر
۱/۵	۳/۱۵

اس مثال میں جب غیر اہل رد یعنی شوہر کو اُس کا فرض یعنی ربع اقل مخرج یعنی ۴ سے دیدیا تو ۳ باقی رہے اور یہ ۳ رؤس اہل رد یعنی ۵ پر ٹوٹتے ہیں اور دونوں میں تباین ہے اس لئے بموجب قاعدۂ تصحیح کے کل رؤس اہل رد یعنی ۵ کو اصل مسئلے یعنی ۴ میں ضرب دیا ۲۰ حاصل ہوے انمیں سے بموجب قاعدۂ فصل بعد تصحیح کے ۵ شوہر کو اور ۱۵ دخترون کو دیے۔ اب یہ نہیں ٹوٹتے پورے بٹ جاتے ہیں۔

تیسری مثال مسئلہ ۵ تصحیح ۳ ۱۲۰

۳ زوجہ	۵ دختر
۱/۵	۴/۱۰۵

اس مثال میں جب غیر اہل رد یعنی ۳ زوجہ کو اُن کا فرض یعنی ثمن کہ ایک ہوتا ہے اقل مخرج یعنی ۸ سے دیا تو ۷ باقی رہے۔ اور یہ سات رؤس اہل رد یعنی پانچ بیٹیو نپر ٹوٹتے ہیں۔ اور ایک جگہ

بیویوں کو ملا تھا وہ بھی ٹوٹتا ہے - پس یہاں کسر دو فریق پر واقع ہوئی -
جب درمیان سہام و رؤس ہر ایک کے نسبت لحاظ کی تو دونوں میں تباین ہے - اس لئے کل رؤس تین اور پانچ کو محفوظ رکھا اور یاد داشت کے لئے ہر ایک کو بدستور اوپر لکھدیا - پھر اعداد محفوظہ یعنی تین اور پانچ میں تباین ہونے کی وجہ سے جو جب قاعدۂ تصحیح کی ایک دوسرے میں ضرب دیا ۱۵ حاصل ہوئے - پھر اس حاصل کو اصل مسئلے یعنی ۸ میں ضرب دیا ۱۲۰ حاصل ہوے - اس میں حسب قاعدۂ فصل بعد تصحیح کے ۱۵ تین بیویوں کو اور ۱۰۵ پانچ بیٹیوں کو دیے - اب یہ نہیں ٹوٹتے ہر ایک پر پورے بٹ جاتے ہیں -

چوتھی مثال

مسئلہ ۴ تصحیح ۱۶

شوہر	۴ بیٹیاں
۱	۳
۴	۱۲

اس مثال میں بعد دینے فرض شوہر کے اقل مخرج یعنی ۴ سے جو تین باقی رہے - چاروں بیٹیوں پر منکسر ہیں اور چار اور تین میں تباین ہے اس لئے چار کو کہ عدد رؤس ہے مخرج مسئلہ میں ضرب دیا ۱۶ حاصل ہوے - اس سے مسئلہ صحیح ہو گیا - چار شوہر کو پہنچے اور ۱۲ بیٹیوں کو فی بیٹی تین کے حساب سے یہ مثال ہے اسکی کہ ایک صنف پر انکسار ہے اور عدد رؤس و سہام میں تباین ہے -

پانچویں مثال

مسئلہ ۴ تصحیح ۸

شوہر	۶ بیٹیاں
۱	۳
۲	۶

اس مثال میں جب شوہر کو اقل مخرج اُسکے سے ایک دیا ۳ باقی رہے - ان میں اور بیٹیوں کے عدد رؤس یعنی ۶ میں اگرچہ تداخل ہے لیکن اس وجہ سے کہ رؤس اور سہام کے درمیان تداخل کا ہونا جبکہ سہام کم ہوں توافق قرار پاتا ہے - اس لئے یہاں پر معتبر تین سہام اور چھ رؤس کے درمیان موافقت بالثلث ہے پس چھ کے ثلث یعنی دو کو چار میں جو مسئلے کا مخرج ہے ضرب دیا آٹھ ہوے - یہی دو شوہر کو اور بیٹیوں کو پہنچتے ہیں فی بیٹی ایک کے حساب سے یہ مثال ہے اسکی کہ ایک صنف پر انکسار ہے اور رؤس و سہام میں توافق ہے -

چھٹی مثال

مسئلہ ۸ تصحیح ۱۶

۲ زوجہ	۲ دختر
۱	۷
۲	۱۴

اس مثال میں اقل مخرج فرض زوجہ یعنی ۸ میں سے ایک جو دونوں بیویوں کو پہنچتا ہے اُنپر منکسر ہے اور باقی رہے ہوئے سات بیٹوں کے رؤس پر منکسر ہیں۔ پس دو قسمیں منکسر علیہم کی پائی گئیں اور دونوں کے رؤس میں تماثل ہے اس لئے ان دونوں میں سے ایک کو مخرج مسئلہ یعنی ۸ میں ضرب دیا ۱۶ ہوئے۔ انمیں سے دونوں بیویوں کو دو پہنچتے ہیں کہ ہر ایک بیوی کو ایک ملا اور ۱۴ دونوں بیٹوں کو فی بیٹی ۷ کے حساب سے یہ مثال ہے اسکی کہ دو صنف پر انکسار ہے اور دونوں کی رؤس کے درمیان تماثل ہے۔

ساتویں مثال

مسئلہ ۴ — تصحیح ۴۸

زوجہ	جدہ	۶ - اخیافی بہنیں
۱	۱	۲
۱۲	۱۲	۲۴

اس مثال میں جبکہ اقل مخرج فرض زوجہ یعنی ۴ میں سے زوجہ کو ایک یا تین باقی رہے اور اہل سہم یعنی جدات اور اخوات تین سہام کی مستحق ہیں دو کی اخوات اور ایک کی جدات اور جدات کا ایک چار پر منقسم نہیں بلکہ تباین رکھتا ہے اس لئے عدد رؤس جدات کل معتبر ٹھہرے۔ اور اخیافی بہنوں کے عدد رؤس سے دو توافق بالنصف کی نسبت رکھتے ہیں اس لئے انکے عدد رؤس کا نصف لیا یعنی ۳ پس چار اور تین میں تباین کی نسبت ہوئی۔ اس لئے ۴ کو ۳ میں ضرب دیا ۱۲ ہوئے۔ ۱۲ کو ۴ میں ضرب دیا ۴۸ ہوئے۔ اس سے سب پر صحیح بٹ جاتا ہے۔

باب المقاسمة

مقاسمہ مفاعلہ ہے قسمت سے بھائی بہنوں کے ساتھ دادا کو ملنے نہ ملنے کے باب میں مجتہدین نے اختلاف کیا ہے۔

(۱) ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ اُنکے ساتھ دادا پر تقسیم ہوتی ہے۔

(۲) دوسری جماعت کا قول ہے کہ تقسیم نہیں ہوتی۔

(۳) تیسرا گروہ اس میں متردد ہے۔

یہ باب اسی لئے باندھا گیا ہے کہ ان اختلافات کو بتایا جائے۔ اور دادا پر تقسیم ہونے کے ثبوت کی تقدیر پر جو کچھ احکام مترتب ہوتے ہیں اُنکو دکھایا جائے۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک دادا اور بھائی بہنوں کے درمیان مقاسمہ نہیں ہے۔ پس اس باب کو مقاسمہ کہنا صاحبین کی روایت کے مطابق ہے۔

مقاسمے کی کیفیت میں علماء کا اختلاف ہے حضرت علیؓ اور ابن ابی لیلیٰ اور امامیہ کہتے ہیں کہ دادا بھائیوں سے اس حالت تک مقاسمہ کریگا کہ جب تک اُس کا حصہ سدس سے کم نہو اگر مقاسمے کے

صورت میں اسکو سدس سے کم ملے تو اُسکو سدس دیدیا جائیگا۔ اور حضرت علی سے اما یہ ہے کہ تہائی حصے تک مقاسمہ کرنے کی روایت کی ہے۔ لیکن بخاری روایت جو سدس تک مقاسمہ کہنے کی ہے وہ زیادہ مشہور ہے اس لئے کہ اسکے راوی زید بن علی ہیں وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں اُنکے باپ اپنے دادا سے زید بن ثابت اور ابن مسعود اور شعبی اور ابو یوسف اور محمد اور ناصر اور مالک کہتے ہیں کہ دادا بھائیوں سے تہائی تک مقاسمہ کرتا ہے اور ابن حزم نے سلف کی ایک جماعت سے روایت کی ہے کہ بھائی دادا کو ساقط کرتے ہیں۔ قال ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ و من تابعہ من الصحابۃ ابوبکر صدیق اور اُن صحابہ نے جنھوں نے اُنکی اتباع کی ہے جیسے ابن عباس۔ ابن عمر۔ ابو ہریرہ۔ حذیفہ بن یمان۔ ابو سعید خدری۔ ابن زبیر۔ ابی ابن کعب۔ معاذ بن جبل۔ ابو موسی اشعری۔ عمران بن حصین۔ عبادہ بن صامت اور عائشہ وغیرہ کہا ہو ہنوا الاعیان وبنوا العلات لا یرثون مع الجد بھائی اور بہنیں حقیقی ہوں یا علاتی دادا کی موجودگی میں کچھ حصہ نہیں لیتا بلکہ تمام مال دادا کا حق ہے۔ وھذا قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ وبہ یفتی اور یہی مختار ابو حنیفہ کا ہے۔ اور اسی پر فتوے ہے۔

مقاسمے کے معاملے میں جو ابو حنیفہ کا مختار ہے وہی قتادہ و طاؤس بن زید و شریح و عطا و عروہ بن الزبیر و عمر بن عتبہ ابو الشعثاء کا و شعبی وغیرہ تابعین کا مختار ہے۔

وقال زید بن ثابت رضی اللہ تعالی عنہ یرثون مع الجد وھو قولھما وقول مالک والشافعی رحمہما اللہ تعالی اور زید بن ثابت نے کہا ہے کہ بھائی اور بہنیں حقیقی ہوں یا علاتی دونوں دادا کے ساتھ وارث ہوتے ہیں اور یہی قول صاحبین اور مالک اور شافعی کا ہے۔ اور سرخسی نے مبسوط میں اسی کو مفتی بہ بتایا ہے اور یہی حضرت علی اور ابن مسعود نے فرمایا ہے مگر ان دونوں بزرگوں میں کیفیت تقسیم میں اختلاف ہے۔ اس طرح کہ حضرت علی کہتے ہیں کہ دادا بھائیوں کے ساتھ وہاں تک مقاسمہ کرتا ہے کہ جب تک اس کا حصہ سدس سے نہ گھٹے کیونکہ باپ کا حصہ چھٹے سے کم نہیں ہوتا جب سدس سے گھٹے گا تو اُس کو سدس دیا جائیگا اور جب اُسکے ساتھ دو یا تین یا چار حقیقی بھائی موجود ہونگے تو دادا کے لئے مقاسمہ بہتر ہوگا اور اگر پانچ حقیقی بھائی اُسکے ساتھ ہونگے تو دادا کے لئے مقاسمہ اور چھٹا حصہ دونوں برابر ہیں اور اگر چھ ہونگے تو دادا کے لئے چھٹا بہتر ہے اور حقیقی بھائیوں کے ساتھ حضرت علی کے نزدیک علاتی بھائی مقاسمے میں شمار نہیں ہوتے۔ پس جبکہ دادا حقیقی اور علاتی بھائی کے ساتھ جمع ہوگا تو مال آدھوں آدھ ہوکر آدھا دادا کو اور آدھا حقیقی بھائی کو دیدیا جائے گا اور حضرت علی یہ بھی کہتے ہیں کہ جبکہ دادا کے ساتھ صرف بہنیں ہوں تو وہ اُنکو عصبہ نہیں بناتا بلکہ بہن صاحب فرض ہوتی ہے۔

پس جبکہ دادا کے ساتھ حقیقی اور علاتی بہنیں جمع ہونگی تو حقیقی بہن کو نصف ترکہ ملے گا۔ اور علاتی کو چھٹا حصہ اور باقی مال دادا لیگا۔ حضرت علی کے قول کو ابن ابی لیلی نے اختیار کیا ہے اور ابن مسعود یہ کہتے ہیں کہ دادا بھائیوں کے ساتھ وہاں تک مقاسمہ کرتا ہے کہ اُسکا حصہ ثلث سے کم نہ ہو جائے اور اس

قول میں اُنھوں نے زید سے اتفاق رائے کیا ہے اور اس امر میں کہ حقیقی بھائی کے ساتھ علاتی مقاسمے میں شمار نہیں پاتا ابن مسعود نے حضرت علی کے ساتھ موافقت کی ہے اور اس بارے میں بھی وہ حضرت علی کی طرح ہیں کہ جب دادا کے ساتھ صرف بہن ہو تو وہ صاحب فرض ہے۔

ابن مسعود کی اتباع علقمہ اور اسود اور نخعی نے کی ہے۔ اور زید کی متابعت ابو یوسف اور محمد اور ثوری اور مالک اور شافعی نے کی ہے۔ مصنف نے خاص زید کے قول کو اس وجہ سے ذکر کیا ہے کہ اُنکی پیروی صاحبین نے کی ہے اور حضرت علی اور ابن مسعود کا قول ان دونوں بزرگوں نے نظر انداز کر دیا ہے اور فتوے دینے والوں کی یہ رسم ہے کہ جب کسی مسئلے میں امام ابو حنیفہ ایک جانب ہوں اور اُنکے صاحبین دوسری جانب تو جس قول کو مفتی پسند کرتا ہے اختیار کر لیتا ہے اگرچہ فتوے دوسری جانب ہو پس جبکہ مصنف نے زید بن ثابت کے قول کی تفصیل کی تو اس سے ظاہر ہوا کہ اُن کا یہی مختار ہے۔

بعد اسکے معلوم رہے کہ دادا ایک وجہ سے باپ کی طرح ہے اور دوسری وجہ سے بھائی کی مثل باپ کی طرح ہونے کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) اخیافی بھائی اسکے سامنے محروم ہو جاتے ہیں جس طرح باپ سے یہ لوگ محروم ہو جاتے ہیں۔

(۲) اگر دادا صغیر پوتی پوتے کا نکاح کر دے تو بالغ ہونے کے بعد اُنکو فسخ کا اختیار نہیں رہتا جس طرح باپ کے نکاح کر دینے سے اُنکو بلوغ کے بعد فسخ کا اختیار نہیں ہے۔

(۳) بھائی کو دادا کے سامنے صغیر لڑکے اور لڑکی کے نکاح کا حق حاصل نہیں ہے جیسا کہ ظاہر الروایت میں ہے۔

(۴) دادا پوتے کے قصاص میں مارا نہیں جاتا۔

(۵) دادا اور پوتے میں سے ایک کی بیوی دوسرے پر حرام ہے جسطرح باپ کی بیوی بیٹے پر اور بیٹے کی باپ پر حرام ہوتی ہے۔

(۶) دادا کی گواہی پوتی کے حق میں اور پوتے کی دادا حق کی مقبول نہیں جیسے کہ بیٹے کی گواہی باپ کے حق میں اور باپ کی بیٹے کے حق میں نامقبول ہے۔

(۷) جسطرح باپ بیٹے کی کنیز کے ساتھ صحبت کرلے اور اُس سے بچہ پیدا ہو جائے اور باپ دعویٰ کرے کہ یہ میرے نطفے سے ہے تو اُسکے لئے یہ امر جائز ہے۔ اور کنیز اُسکی اُم ولد بنجاتی ہے یہی دادا کے واسطے جائز ہے کہ وہ پوتے کی کنیز کے ساتھ صحبت کر کے اُس کے بچے کو اپنی طرف منسوب کر سکتا ہے۔

(۸) جس طرح باپ پر بیٹے کی طرف سے زکوٰۃ جائز نہیں یہی حال دادا اور پوتے میں بھی جاری ہے کہ دادا پر پوتے کی زکوٰۃ ناجائز ہے۔

(۹) دادا کو پوتے کے مال اور نفس میں اُسی طرح تصرف کرنے کا حق حاصل ہے جس طرح باپ کو بیٹے کے نفس و مال میں تصرف کا اختیار ہے۔

دادا بھائی کی طرح امور ذیل میں ہے۔

(۱) اگر صغیر بچے کا دادا اور ماں موجود ہوں تو ان دونوں پر نفقہ اُسکا واجب ہے کہ دو حصے دادا کے ذمے ہیں اور ایک حصہ ماں کے جیسا کہ اُسکا نفقہ بھائی اور ماں پر واجب ہوتا ہے۔

(۲) اگر دادا تنگ دست ہو تو پوتے کا نفقہ اُسپہ واجب نہیں ہے جیسا کہ بھائی پر واجب نہیں ہوتا

(۳) صدقہ فطر صغیر کی طرف سے دادا پر واجب نہیں ہے جیسا کہ بھائی پر واجب نہیں ہے۔

(۴) دادا کے مسلمان ہو جانے سے صغیر پوتا مسلمان نہیں سمجھا جاتا جیسا کہ بھائی کے ساتھ۔

(۵) اگر دادا اقرار کرے کہ یہ میرا پوتا ہے اور حال یہ ہے کہ پوتے کا باپ زندہ ہے تو صرف دادا کے اقرار سے نسب ثابت نہو گا جیسا کہ بھائی کے اقرار سے بھائی کی موجودگی میں بھتیجے کا نسب ثابت نہیں ہوتا۔

(۶) دادا پوتے کی وَلا، اپنے مالکوں کی طرف نہیں کھینچ سکتا۔ صورت اسکی یہ ہے کہ دادا اور پوتا دونوں دو آدمیوں کے غلام ہیں پوتے کے مالک نے اپنے غلام کو آزاد کر دیا پھر پوتا مر گیا تو اسکی وَلا، اسکے مالک کو پہنچے گی اور دادا وارث نہو سکے گا کیونکہ وہ غلام ہے۔ پھر دادا کے مالک نے دادا کو آزاد کر دیا بعد اسکے دادا مر گیا تو دادا پوتے کی وَلا، اپنے مالک کی طرف نہیں کھینچ سکتا۔ بلکہ پوتے کی وَلا، پوتے کے مالک کو پہنچتی ہے جیسا کہ حال دو مملوک بھائیوں کا ہے۔

باوجود احکام میں ایسے تعارض موجود ہونے کے مجتہدین نے اختلاف کیا ہے کہ دادا کے ساتھ بھائی موجود ہوں تو وارث ہوتے ہیں۔

وعند زید بن ثابت للجد مع بنی الاعیان والعلات افضل الامرین من المقاسمة ومن ثلث جمیع المال زید بن ثابت کے نزدیک اگر دادا کے ساتھ دونوں قسم کے بھائی اور بہنیں ہوں اور کوئی دوسرا صاحب فرض نہو تو مقاسمہ اور ثلث جمیع ترکہ میں سے جو کچھ بہتر ہے وہ اختیار کرنا چاہیئے۔

وتفسیر المقاسمة ان یجعل فی القسمة کاحد الاخوة مقاسمے کی تفسیر یہ ہے کہ دادا کو تقسیم ترکہ میں مثل ایک کے بھائیوں سے قرار دیا جائے۔ اور دادا کے اور بہنوں کے درمیان ترکے کو یوں بانٹا جائے جیسے مرد کے لئے دو عورتوں کی برابر حصہ ہوتا ہے۔ پھر دادا کو ایک بہن سے دوچند دیا جائیگا اور بھائیوں کے ساتھ برابر دیا جائیگا کیونکہ دادا ایک حیثیت سے باپ کی طرح ہے اور دوسری رجہ سے بھائی کی مثل ہے پس دونوں وجوہ کی رعایت کی گئی۔ یعنی اُسکو باپ کی طرح اخیافی بھائیوں کی محجوب کرنے میں سمجھا گیا۔ اور بھائیوں کی طرح تقسیم میں مانا گیا۔ جب تک کہ اُسکے لئے مقاسمہ بہتر ہو۔ پس اگر مقاسمہ اُسکے لئے بہتر نہو تو ثلث مترکہ اُسکو دینا چاہیئے۔

اسلئے کہ وہ میت کی اولاد کی موجودگی میں ثلث کا حقدار ہے اس لئے بھائیوں کے ساتھ اس سے دوچند کا حقدار ہوگا اور نیز اگر مترکہ ماں اور باپ میں تقسیم پاتا ہے تو ماں کو ایک ثلث اور باپ کو دو ثلث پہنچتے ہیں۔ حالانکہ دونوں پہلے درجے میں ہیں۔ اور دادی کا حصہ چھٹا ہے تو چاہیئے کہ اس کا دوچند یعنی ثلث

سلہ پس جب دادا ایک بھائی کے ساتھ ہو تو بطور مقاسمے کے نصف متروکہ اُس کے لئے تہائی سے بہتر ہے اور اگر دو بھائیوں کے ساتھ ہو تو تہائی اور مقاسمہ ساوی ہے اور اگر تین بھائیوں کے ساتھ ہو تو تہائی اسکو کئی بہتر ہے کیونکہ اگر تہائی کو طور پر اسے حق تہائی پہنچتا ہے اور دادا کے ساتھ دو باتین لگی ہیں اس تو دادا کو کئی مقاسمہ بہتر ہے۔ اور اگر چار ہوں تو مقاسمہ اور تہائی برابر ہے اور اگر چار سے زیادہ ہوں تو تہائی دادا کے لئے بہتر ہے۔

وہ بنو العلات یدخلون فی القسمۃ مع بنی الاعیان اضرارًا للجد اور پدری یعنی سوتیلے بھائی بہنیں سگے بھائی بہنوں کے ساتھ تقسیم میں دادا کے حصے کو کم کرنے کے لئے داخل کئے جاوینگے۔

فاذا اخذ الجد نصیبہ پس جبکہ دادا اپنا حصہ دو بہتر حصوں میں سے لے لے۔

فالباقی لبنی العلات یخرجون من النصیبین خائبین بغیر شیء تو علاتی یعنی پدری بھائی بہنیں دونوں حصوں سے بغیر حصے کے نکالدیے جاوینگے۔

والباقی لبنی الاعیان اور دادا کا حصہ نکل جانے کے بعد باقی متروکہ حقیقی بھائیوں کا ہے اس لئے علاتی بھائی بہنیں دادا کے ساتھ بھائی بہنوں کی عدم موجودگی میں وارث ہوتے ہیں اور انکے ہوتے وارث نہیں ہوتے پس علاتی بھائی بہنوں کی وراثت دادا کے حق میں ہے اور انکا سقوط اور محروم ہونا سگے بھائی بہنوں کے حق میں اعتبار کیا جاتا ضرور ہے۔ پس تقسیم ترکہ میں دادا کے حصے کو کم کرنے کے لئے محسوب ہونگے۔ مگر حقیقی بھائی بہنوں کی موجودگی میں کچھ نہ پاسکینگے۔ جیسا کہ علاتی بھائی ماں کا حصہ کم کرنے کے لئے محسوب تو ہوتا ہے اور خود محروم ہو جاتا ہے۔

پس اگر دادا کے ساتھ ایک حقیقی اور ایک علاتی بھائی ہو تو مقاسمہ اور تہائی مال برابر ہونگے تو تہائی دادا کو ملکر باقی سب حقیقی بھائی کو ملجائیگا۔ اور علاتی بے نصیب رہیگا۔ باوجودیکہ دادا کا حصہ کم کرنیکو حساب میں داخل تھا۔ اور اگر ایسی صورت میں علاتی بھائی کی جگہ ایک علاتی بہن ہو تو دادا کو لئے مقاسمہ بہتر ہوگا اور مسئلہ پانچ سے ہوکر دو حصے دادا کو ملینگے اور تین حقیقی بھائی کو اور علاتی بہن درمیان سے محروم خارج ہو جائے گی۔

الا اذا کانت من بنی الاعیان اخت واحدۃ فانہا اذا اخذت فرضہا نصف الکل بعد نصیب الجد فان بقی فہو فللعلات والا فلا شیء لہم لیکن جب دادا کے ساتھ ایک حقیقی بہن ہو تو دادا کا حصہ ملجانے کے بعد جب وہ اپنا فرض یعنی کل ترکے کا نصف لیچکیگی جو کچھ باقی رہے گا اُسکو علاتی بھائی بہنیں پائینگے اور اگر کچھ باقی نہ رہے گا تو انکو کچھ نہ ملیگا۔

لجد واخت لاب وام واختین لاب فبقی للاختین لاب عشر المال وتصح من عشرین چنانچہ میت دادا اور ایک حقیقی بہن اور دو پدری یعنی سوتیلی بہنیں چھوڑے پس دونوں پدری بہنوں کے لئے دسواں حصہ ترکے کا باقی رہتا ہے اور مسئلہ بیس سے تصحیح پائے گا اور اس صورت میں مقاسمہ دادا کے لئے بہتر ہوتا ہے اس لئے کہ وہ مثل ایک بھائی کے بنا لیا گیا ہے پس گویا مسئلے میں پانچ بہنیں جمع ہوگئی ہیں اور دادا کے لئے پانچ میں سے دو سہم ہونگے یعنی تہائی دادا

دو بہنوں کی برابر ہوگا باقی تین ہینگی لیکن حقیقی بہن کا حصہ کل مال میں سے نصف ہے اور وہ اڈھائی سہم ہوتے ہیں پس کسر لازم آئی اس لئے پانچ کو نصف کے مخرج میں کہ دو ہیں ہمنے ضرب دیا دس حاصل ہوئے۔ دادا کیلئے اس میں سے چار سہم ہیں اور حقیقی بہن کے لئے پانچ سہم ہیں ایک سہم جو باقی رہا وہ سوتیلی بہنوں کا حق ہے۔ اور یہ اُنپر مستقیم نہیں پس اُن کے عدد رؤس کو دس میں ضرب دیا بیس حاصل ہوئے اور مسئلے کی تصحیح اس سے ہوگئی پس بیس میں سے دادا کے لئے آٹھ سہم ہیں اور حقیقی بہن کے لئے دس اور سوتیلی بہنوں کے لئے دو سہم ہونگے۔

ولو کانت فی ھذہ المسئلۃ اخت لاب لم یبق لھا شیٔ اگر اس مسئلے میں بجائے دو سوتیلی بہنوں کے ایک سوتیلی بہن فرض کرلی جائے تو اُس کے لئے کچھ باقی نہ رہیگا۔ اس لئے کہ یہاں دادا کو لئے مقاسمہ تہائی ترکہ سے بہتر ہے پس آدھا ترکہ اُسکے لئے ہوگا اور جو آدھا ترکہ باقی رہیگا حقیقی بہن کا حق ہے ایسی حالت میں سوتیلی بہن کے لئے کچھ باقی نہ رہا۔

وان اختلط بھم ذو سھم فالجد ھنا افضل الامور الثلثۃ بعد فرض ذی سھم اور اگر دادا اور حقیقی بھائی بہنوں اور سوتیلے بھائی بہنوں دونوں قسم یا صرف حقیقی یا صرف سوتیلے بھائی بہنوں کے ساتھ کوئی اور صاحب فرض جمع ہوجائے تو ایسی حالت میں اُس صاحب فرض کا حصہ نکالدینے کے بعد جو کچھ تین چیزوں میں سے افضل ہو وہ اختیار کرنا چاہیئے۔ اور وہ تین چیزیں یہ ہیں۔

(۱) مقاسمہ (۲) صاحب فرض کا فرض نکالدینے کے بعد بقیہ مال کا تہائی۔ (۳) تمام ترکہ کا تہائی۔

اما المقاسمۃ کزوج وجد واخ یہ مثال ہے مقاسمے کے افضل ہونے کی میت نے شوہر اور دادا اور بھائی چھوڑا۔ اصل مسئلہ یہاں بسبب پائے جانے نصف کے دو سے ہے جس میں سے ایک سہم شوہر کا ہے اور جو ایک باقی رہا اُس میں سے آدھوں آدھ کرکے دادا اور بھائی کا ہے لیکن ایک سہم دو پر منکسر ہے کہ پورا پورا نہیں بٹ سکتا۔ اس لئے دو کو کہ دادا اور بھائی کے رؤس کا عدد ہے اصل مسئلے یعنی دو میں ضرب دیا چار حاصل ہوئے اس میں سے شوہر کو دو سہم ملے اور ایک دادا کو اور ایک بھائی کو پس دادا کو بوجہ مقاسمہ کے تمام ترکے میں سے چوتھائی پہنچتا ہے جو چھٹے سے افضل ہے اور تہائی مابقی سے بھی افضل ہے کہ یہ تہائی مابقی بھی تمام ترکے کا چھٹا حصہ ہوتا ہے۔

واما ثالث مابقی کجد وجدۃ واختین یہ مثال ہے صاحب فرض کا حصہ نکالدینے کے بعد مابقی مال میں سے تہائی کے افضل ہونے کی چنانچہ میت نے دادا اور دادی اور دو بھائی اور ایک حقیقی بہن چھوڑی تو یہاں اصل مسئلہ ۶ سے ہے۔ دادی کو چھٹا حصہ پہنچکر پانچ باقی رہتے ہیں جو کہ تہائی دادا کے لئے ہے پانچ سے صحیح طور پر نہیں نکلتا اور قاعدہ ہے کہ اگر قسمت کسر یعنی قسمت غیر صحیح مقسوم سے نکلے تو اُس قسمت کسر کے مخرج کو مقسوم میں ضرب دیتے ہیں اس لئے تہائی کے مخرج کو کہ ۳ ہے ۶ میں کہ مقسوم ہے ضرب دینے سے ۱۸ حاصل ہوتے ہیں اس میں سے دادی کو چھٹا حصہ کہ ۳ سہام ہوئے فرض کی طور سے دینے کے بعد پندرہ باقی رہے اسکی تہائی کہ پانچ سہام ہوئے

دادا کو اور ما بقی دس میں سے ہر ایک کے لئے دو بھائیوں میں سے چار سہم ہوئے اور بہن کے لئے دو ہوئے پس اس مثال میں دادا کے لئے تہائی ترکہ ہے جو مقاسمے اور ترکے کے چھٹے حصے سے افضل ہے اس لئے کہ مسئلہ اس صورت میں مقاسمے کی تقدیر پر بھی چھ سے ہوتا ہے جب اس میں سے دادی کو ہم ایک دینگے باقی پانچ رہینگے اور جو کہ دادا دو بہنوں کی برابر ہے پس دادا اور دو بھائی اور ایک بہن مثل سات بہنوں کے ہونگے کیونکہ دو بہنوں کی برابر دادا ہے اور چار بہنوں کی برابر دو بھائی ہیں یہ چھ ہوئے ساتویں خود بہن موجود ہے اور پانچ کی تقسیم سات پر صحیح طور پر نہیں ہوسکتی اور سات اور پانچ میں تباین کی نسبت ہے۔ پس سات کو کہ عدد رؤس کا مجموعہ ہے اصل مسئلے میں کہ ۶ ہے ضرب دیکر ۴۲ حاصل ہوئے۔ اس سے مسئلے کی تصحیح ہوتی ہے۔ ان ۴۲ میں سے دادی کے لئے ۷ سہم ہیں جو ۴۲ کا چھٹا حصہ ہوا اور ما بقی ۳۵ میں سے ایک دادا اور دو بھائیوں کے لئے دس دس سہم ہیں اور بہن کے لئے پانچ سہم ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ دادا کے لئے پانچ حصے ۱۸ میں سے بہتر ہیں بمقابلے دس حصوں کے ۴۲ میں سے اور تہائی ترکے کے چھٹے ترکے سے بہتر ہونے کی وجہ اس مثال میں یہ ہے کہ دادا کے لئے چھٹا حصہ اعتبار کرنے کی صورت میں بھی مسئلہ چھ سے ہوتا ہے اس صورت میں دادی کو چھٹا اور دادا کو بھی چھٹا پہنچتا ہے اور باقی چار حصے ایک بہن اور دو بھائیوں کے درمیان رہتے ہیں جو نہ تو پانچ بہنوں کے ہیں اور چار پانچ پر مستقیم نہیں اور چار اور پانچ کے درمیان تباین ہے پس عدد رؤس کی مجموعے کو کہ پانچ ہیں اصل مسئلے یعنی چھ میں ضرب دیا ۳۰ حاصل ہوئے۔ ان میں سے دادی اور دادا کے لئے فی کس پانچ پانچ سہم ہیں اور ہر ایک کے لئے دونوں بھائیوں میں سے آٹھ آٹھ سہم ہیں اور بہن کے لئے چار سہم ہیں۔ اس صورت میں بھی ظاہر ہے کہ دادا کے لئے پانچ سہام ۱۸ اسہاموں میں سے بہ نسبت پانچ کے ۳۰ میں سے افضل ہیں۔

واذا سدس جمیع المال لجد وجدة وبنت واخوین یہ مثال ہے اسکی کہ تمام ترکہ میں سے چھٹا حصہ دادا کے لئے افضل ہے مثلاً میت نے دادا اور دادی اور ایک بیٹی اور دو بھائی چھوڑے تو اصل مسئلہ یہاں بوجہ جمع ہونے آدھے اور چھٹے کے ۶ سے ہے بیٹی کے لئے ۶ میں سے آدھا ہے کہ تین ہوتے ہیں اور دادی کے لئے چھٹا ہے کہ ایک ہوتا ہے باقی رہے دو سہام پس اگر دادا کو لئے دو بھائیوں کے ساتھ مقاسمہ اختیار کیا جائے تو ایک سہم میں سے دو تہائی اُسے پہنچتے ہیں اور اگر اسکے لئے ما بقی کا تہائی اختیار کیا جائے تو اس صورت میں بھی ایک سہم میں سے دو تہائی پہنچتے ہیں لیکن اگر اُسکو تمام ترکے میں سے تہائی دیا جائے تو اُسکے لئے پورا ایک سہم ہے جو مقاسمہ اور تہائی ترکہ دونوں سے بہتر ہے لیکن اس مسئلے کی تقسیم کی درستی کے لئے تصحیح کرنی چاہئے اس طور سے کہ ما بقی دو سہموں میں سے جب ایک سہم دادا کو دیا جائے گا دوسرا ایک سہم دو بھائیوں پر مستقیم نہ ہوگا۔ پس دو کو اصل مسئلے یعنی ۶ میں ضرب دیا ۱۲ حاصل ہوئے کہ اس سے مسئلے کی تصحیح ہوتی ہے

واذا کان ثلث ابا فی خیر الجد ولیس للاب فی ثلث صحیح فاضرب مخرج الثلث فی اصل المسئلة اور جس وقت تہائی باقی گا دادا کے لئے افضل ہو لیکن باقی ترکے سے صحیح تہائی

نہ نکل سکتا ہو تو اس صورت میں تہائی کے مخرج کو اصل مسئلے میں ضرب دیا جائے جیسا کہ مقاسمہ اور کل مال کے چھٹے حصے پر ثلث باقی کو افضلیت حاصل ہونے کی بحث میں گذر چکا اور وہ یہ ہے کہ ثلث کے مخرج یعنی تین کو چھ میں ضرب دیا تو حاصل ۱۸ ہوئے۔ اس سے مسئلے کی تصحیح ہو جاتی ہے۔

فان ترکت جدًا وزوجًا وبنتًا وأمًا وأختًا لأب وأم او لأب مثال اسکی یہ ہے کہ ایک عورت نے اپنے وارث دادا اور شوہر اور ایک بیٹی اور ماں اور حقیقی یا سوتیلی بہن چھوڑی پس بہن تو بیٹی کی وجہ سے عصبہ بن جائیگی۔

فانسدس خیر للجد وتعول المسئلة الی ثلثة عشر ولا شئ للاخت اس صورت میں دادا کے لئے تہائی ترکہ افضل ہوگا اور مسئلہ ۱۳ کی طرف عول کریگا اور بہن کو کچھ نہ ملے گا۔ اس تقدیر پر مسئلہ آدھ اور چوتھے اور چھٹے کے جمع ہونے کی وجہ سے بارہ سے ہے اور اس کا عول ۱۳ کی طرف ہوتا ہے اس لئے کہ بیٹی کے لئے ۱۲ کا نصف ہی جو چھ ہوتے ہیں اور شوہر کے لئے بارہ کا چوتھائی ہے کہ تین ہیں اور دادا کے لئے بارہ کا چھٹا کہ دو ہوتے ہیں اور ماں کا بھی اس میں سے چھٹا ہے تو ان کا مجموعہ ۱۳ ہوتا ہے اس لئے ۱۲ نے ۱۳ تک عول کیا۔ جب مسئلے میں عول واقع ہوا تو اب بہن کے لئے کہ عصبہ ہے کچھ نہ رہا اور دادا نے جو چھٹا حصہ پایا ہے وہ فرضیت کی وجہ سے ہے نہ عصوبت کے سبب سے۔ اس مثال میں جو دادا کو چھٹا ترکہ دینا افضل مانا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ ۱۳ سے دو سہام اُسے ملے۔

مقاسمے کا عمل اگر اختیار کرتے تو ۱۲ میں سے چوتھائی یعنی ۳ سہام شوہر کو ملتے اور ۱۲ کا نصف کہ چھ ہوتے ہیں دختر کو پہنچتا اور اس کا چھٹا کہ دو ہوتے ہیں ماں کو ملتا تو دادا اور بہن کے لئے ایک باقی رہتا۔ دادا دو بہنوں کی برابر ہے پس خود ایک بہن اور وہ جمع ہو کر تین بہنوں کی طرح ہوتے اور ایک سہم تین پر مستقیم نہیں ان کے تین عدد رؤس کو ۱۲ میں ضرب دینے سے ۳۶ حاصل ہوتے اس تصحیح سے بیٹی کو ۱۸ شوہر کو نو ماں کو ۶ سہام ملتے ان میں سے دو دادا کو اور ایک بہن کو ملتا اور ظاہر ہے کہ ۳ میں کی ۲ سہام بڑھکر ہیں ۳۶ میں کے دو سہام لے اور اگر ایسا کرتے کہ صاحبان فرض کو دیدیتے تو دادا کو اب بھی بقیہ میں سے تہائی ملتا تو اس کا بھی مفہوم یہی ہے اس لئے کہ صورت مذکورہ میں صاحبان فرض کا فرض ہونا کے بعد ایک باقی رہتا ہے اور اس سے صحیح تہائی نہیں نکل سکتا پس تہائی کے مخرج کو کہ تین ہیں ۱۲ میں ضرب دینگے تو بھی ۳۶ حاصل ہونگے۔

واعلم ان زید بن ثابت رضی الله عنه لا یجعل الاخت لاب وام او لاب صاحبة فرض مع الجد جانتا چاہئے کہ زید بن ثابت حقیقی بہن یا علاتی یعنی سوتیلی بہن کو دادا کے ساتھ صاحب فرض قرار نہیں دیتے بلکہ عصبہ قرار دیتے ہیں کیونکہ دادا اُنکے نزدیک بھائی کی طرح ہے۔

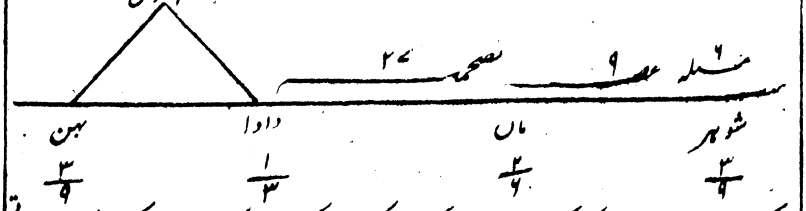
الا فی المسئلة الاکدریة مگر مسئلہ اکدریہ میں وہ حقیقی یا سوتیلی بہن کو صاحب فرض مانتے ہیں پھر دادا کے حصے کو کہ جو کچھ از روئے فرض کے اُسے پہنچتا ہوگا بہن کے حصے کے ساتھ جمع کر کے دادا اور بہن کے درمیان بطور مقاسمے کے بانٹ دیتے ہیں اس لئے کہ مقاسمہ یہاں پر چھٹے حصے اور مابقی کی تہائی

سے بہتر ہے وہی اور وہ مسئلہ اگر یہ ہے سزوج وام وجد واخت لاب وام اولاب ایک عورت متوفیہ نے شوہر اور ماں اور دادا اور ایک حقیقی خواہ سوتیلی بہن چھوڑی۔

فللزوج النصف وللام الثلث والجد السدس وللاخت النصف ثم یقسم الجید نصیبہ الی نصیب الاخت فیقسمان للذکر مثل حظ الانثیین لان المقاسمۃ خیر للجد اصلہا من ستۃ وتعول الی تسعۃ وتصح من سبعۃ وعشرین۔

پس شوہر کے لئے نصف ہے اور ماں کے لئے تہائی اور دادا کے لئے چھٹا اور بہن کے لئے نصف پھر دادا کا حصہ بہن کے حصے کے ساتھ جمع ہوکر دونوں کے مجموعے کو دونوں پر اس طرح تقسیم کیا جائیگا کہ ایک مرد کو دو عورتوں کی برابر پہنچے گا کیونکہ مقاسمہ دادا کے لئے چھٹے حصے اور تہائی حصے سے بہتر ہے اصل مسئلہ چھ سے ہے اور نو تک عول کرتا ہے اور تصحیح اسکی ۲۷ سے ہوتی ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ بوجہ جمع ہونے آدھے اور تہائی اور چھٹے کے اصل مسئلہ ۶ سے ہے جس میں سے شوہر کا نصف یعنی ۳ ہے اور ماں کا تہائی یعنی دو ہے اور جد کا چھٹا اور وہ ایک ہے اور بہن کے لئے کچھ باقی نہ رہا حالانکہ یہاں بہن کے لئے کوئی حاجب نہیں جو اسے محجوب کرتا ہو۔ اس لئے اصل مسئلے یعنی ۶ پر اُس کا آدھا کہ ۳ ہے بڑھایا گیا تو نو ہوئے۔ اس عول میں سے دادا کو ایک اور بہن کو تین ملتے ہیں جنکا مجموعہ ۴ ہے۔ اور یہ مناسب نہیں ہے کہ بہن کا حصہ دادا کے حصے سے بڑھے کیونکہ بہن کے ساتھ دادا عصبہ قرار پاتا ہے تو عصوبت کی وجہ سے بہن سے دادا کو دوچند پہنچتا ہے کیونکہ دادا ابنزلے بھائی کے ہے اور ایک بھائی دو بہنوں کی برابر ہوتا ہے تو یہاں تین بہنیں ہوئیں۔ اس طرح کہ دو بہنوں کی طرح اکیلا دادا ہوا اور ایک بہن خود موجود ہے۔ دادا اور بہن کے سہام جمع ہونے سے ۴ ہو جاتے ہیں۔ اور یہ چار تین رؤس پر مستقیم نہیں۔ چار اور تین میں تباین ہے۔ پس تین کو نو میں کہ اصل مسئلہ عائلہ ہے ضرب دینے سے ۲۷ حاصل ہوتی ہیں انمیں سے شوہر کو ۹ پہنچینگے اور ماں کو ۶ دادا کو ۳ بہن کو ۹۔ اسطرح۔



جبکہ دادا بمنزلے بھائی کے ہے تو دادا کے حصے کو بہن کے حصے کے ساتھ جمع کرنے سے ۱۲ ہوتے ہیں ان بارہ کو مرد پر عورت سے دو چند کے حساب سے تقسیم کرنے سے دادا کو ۸ اور بہن کو ۴ پہنچے۔ یہ تقسیم امام محمد کے قول کے مطابق ہے کیونکہ اُنھوں نے ماں کو کل تہائی دلایا ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک مسئلہ ۸ سے تصحیح پائے گا۔ کیونکہ اُنھوں نے ماں کو باقی کا تہائی دلایا ہے۔ کیونکہ انکے نزدیک دادا باپ کی مثل ہے جبکہ میت کا شوہر اور ماں اور دادا جمع ہوں

اسکی صورت یہ ہے۔

مسئلہ ۶ تصحیح ۱۸

شوہر	ماں	دادا	بہن
۹	۶	۲	۱

اس تمام توضیح وتفصیل کے بعد عرض کرتا ہوں کہ زید رضی اللہ عنہ نے اول اس جگہ بہن کو صاحب فرض بنایا تاکہ میراث سے بالکل محروم نہ ہو جائے آخر کار اُسکو عصبہ قرار دیدیا تاکہ اُسکا حصہ دادا کے حصے سے جو ہمنزلے بھائی کے ہے بڑھ نہ جائے اور اس مثال سے قبل جو مثال گذر چکی اُس میں بیٹی کا ہونا بہن کے ذی فرض ہونے کو مانع ہے۔ اور مسئلہ اکدریہ میں وہ مانع موجود نہیں ہے۔

وسمیت اکدریۃ لانھا واقعۃ امرأۃ من بنی اکدر اس مسئلے کو اکدریہ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ منسوب ہے اکدر بفتح اوّل وسکون کاف تازی وفتح دال کی طرف جو ایک قبیلے کے مورث کا نام ہے اس گروہ کی ایک عورت نے اسی قدر اپنے وارث چھوڑ کر وفات پائی تھی اس لئے مسئلۂ مذکور اُسکی طرف منسوب ہو کر اکدریہ کہلانے لگا۔ شریفیہ کے ایک قلمی نسخے کے جو ہندوستان سے باہر کا لکھا ہوا ہے حاشیے پر یہ ترجمۂ فارسی مرقوم ہے این مسئلہ واقع شدہ زنے را کہ از قبیلہ بنی اکدر بود۔

وقال بعضھم سمیت اکدریۃ لانھا کدرت علی زید بن ثابت مذھبہ بعض کا قول ہے کہ اس مسئلے کو اکدریہ اس لئے بولتے ہیں کہ اس میں زید کا مذہب اُنپر مشتبہ ہو گیا تھا کیونکہ وہ دادا کے ساتھ بہنوں کو سگی ہوں یا سوتیلی صاحب فرض یعنی وارث نہیں مانتے اور نہ مسئلے کا عول کرتے ہیں بلکہ کوئی شے باقی نہ رہے تو بہنوں کو ساقط کر دیتے ہیں۔

باوجود اس کے اُنھوں نے اس مسئلے میں بہن کے لئے فرض بھی قرار دیا۔ یعنی اُس کا حصہ باندھا۔ اور مسئلے کا عول بھی ۶ سے ۹ کی طرف کیا۔

اور پھر بہن کے نصف کو اور دادا کے چھٹے کو ملا کر دونوں پر تنصیب کے طور سے تقسیم کر دیا کہ دادا کو بہن سے دونا دلوایا۔ فوائد ضیغیہ وغیرہ میں یوں ہی تقریر کی ہے اور حنفیہ کے نزدیک دادا کے ساتھ بہن کو کچھ نہیں ملتا کیونکہ دادا اُسکا حاجب واقع ہوتا ہے اور یہ بھی فوائد ضیغیہ میں مذکور ہے کہ بعض کہتے ہیں کہ زید کا مذہب اُنپر اس طرح مکدر ہو گیا کہ اُنھوں نے بہن کے معاملے میں غلط کر دیا اس لئے کہ اول اُسکو نصف مال دلوایا اور پھر بعض مال اُس میں سے واپس کر لیا۔ شیخ الاسلام کی شرح اور نور السراج اور شریفیہ کے تین قلمی نسخوں اور نیز چھاپے کے نسخوں اور صفوۃ السراج اور سراجی کے قلمی نسخے اور گازرونی کی شرح سراجیہ میں یہ عبارت نہیں۔ سراجی کے چھاپے کے نسخوں میں پائی جاتی ہے۔

(۳) تیسری وجہ تسمیہ خلیل مصنف کتاب عین سے یوں منقول ہے کہ ایک شخص قبیلۂ اکدر سے تھا کہ جو فرائض میں زید کے مذہب کو بہت پسند کرتا تھا ایک دن خلیفہ عبد الملک بن مروان نے اُس سے یہی مسئلہ پوچھا

اُس نے جواب میں غلطی کی تو فراغت کے طور پر یہ مسئلہ اکدریہ کہلانے لگا۔ اس وجہ تسمیہ کی ابن ابی شیبہ نے مصنف میں یوں تقریر کی ہے کہ عبدالملک بن مروان نے ایک شخص اکدر نام سے جو فرائض میں تو غل رکھتا تھا اس مسئلے کا سوال کیا وہ جواب صحیح نہ دے سکا اس لئے مسئلہ مذکور اکدریہ کہلانے لگا۔ لیکن واضح رہے کہ اکدر عبدالملک کی مسند نشینی سے قبل مقتول ہو چکا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ ہونے سے قبل اُس نے اکدر سے یہ بات دریافت کی ہوگی۔

(۴) چوتھی وجہ تسمیہ یہ لکھی ہے کہ اس مسئلے میں بہن نے دوسرے صاحبان فرائض کے حصوں کو مکدر کر دیا یعنی بگاڑ دیا ہے۔ کیونکہ اُسکے ذی فرض بنا دینے کی وجہ سے مسئلہ میں عول آ گیا۔ اس لئے ہر ایک کے حصوں میں سوائے بہن کے نقصان آ گیا۔

(۵) پانچویں وجہ تسمیہ یہ لکھی ہے کہ دادا نے بہن کے حصے کو بگاڑ دیا ہے کیونکہ اُس کا حصہ نو سہام تھی جو دادا کی وجہ سے ۳ سہام رہ گئی۔ دوسری عبارت میں دادا نے بہن کی میراث کو مکدر کر دیا اس لئے کہ نصف اُس سے لوٹا لیا گیا۔

(۶) عبدالملک بن عبدالوہاب نے سراجی کو عربی میں نظم کر کے اُسکی شرح عربی میں کی ہے۔ جسکا نام خلاصۃ الفرائض رکھا ہے اور مصر میں چھپی ہے اُس میں اکدریہ کی ایک وجہ تسمیہ یہ لکھی ہے کہ اس مسئلے میں جس شوہر کا ذکر ہے جو میت نے ماں اور دادا اور بہن کے ساتھ چھوڑا تھا اُسکا نام اکدر تھا۔

(۷) بعض کہتے ہیں کہ اکدر ایک مقام کا نام ہے جیسا کہ فوائد الصبغیہ میں مذکور ہے۔

میرے نزدیک یہ وجہ بھی اسی نمبر میں داخل ہے کہ میت جس شہر میں رہتی تھی اُس کا نام اکدر ہے حالانکہ کتاب مذکور میں اسکو علیحدہ لکھا ہے۔

(۸) بعض کہتے ہیں کہ اکدر اُس شخص کا نام ہے جسنے ابن مسعود کے روبرو یہ مسئلہ بیان کیا تھا۔

(۹) یا اُس شخص کا نام اکدر ہے جسنے یہ مسئلہ دریافت کیا تھا۔

(۱۰) بعض کہتے ہیں کہ اکدریہ اس واسطے کہلایا کہ اس مسئلے میں صحابہ کے اقوال میں تکدر یعنی اختلاف پڑ گیا ہے۔

(۱۱) بعض کہتے ہیں کہ یہ مسئلہ اصحاب فرائض پر مکدر ہو گیا کیونکہ زید کا تو مذہب یہ ہے کہ دادا بہن کیساتھ عصبہ ہو جاتا ہے اور جب دادا کو اس مسئلے میں عصبہ بنایا جائے تو دادا کا حصہ سدس یعنی چھٹے سے گھٹ جائے حالانکہ اجماع اسپر ہے کہ دادا کا حصہ چھٹے سے گھٹ سکتا ہی نہیں پس زید کے مذہب نے علماء پر تکدر پیدا کر دیا۔

فائدہ کفایۃ الفرائض کے مصنف ابوالعباس شہاب الدین ابن ہائم کا قول ہے کہ اس کو مکدرہ کہنا چاہئے نہ اکدریہ اور یہ مسئلہ شافعیہ میں مشہور ہے۔

فوائد الصبغیہ میں مرقوم ہے کہ مسئلہ اکدریہ کو **مربعۃ الجماعۃ** بھی کہتے ہیں کیونکہ اُنھوں نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ چار وارثوں پر مشتمل ہے ایک شوہر دوسری ماں تیسری بہن چوتھا دادا۔ اس کا ایک نام **غرّاء** بھی ہے اس کے ظہور کی وجہ سے اس لئے کہ بہن کے لئے دادا کے ساتھ فرض نہیں مگر اس مسئلے میں

ایسا ہے بعض کہتے ہیں کہ اہل عراق میں یہ نام رائج ہے کیونکہ اُن کے نزدیک یہ مسئلہ مشہور ہے۔ اسکا نام غالبہ بھی ہے اس لئے کہ جس میت کا ترکہ تہائی رہا تھا وہ قبیلۂ ہمدان سے تھی اور نام غالبہ تھا۔

وان کان مکان الاخت اخوا اختان فلا عول اگر اس مسئلے میں ایک بہن کی جگہ ایک بھائی یا دو بہنیں ہوں تو عول نہوگا بھائی ہونے کی صورت میں عول نہونے کی وجہ یہ ہے کہ سدس یعنی چھٹا ترکہ دادا کے لئے بہتر ہے اور مسئلہ چھ سے ہے جب شوہر چھ کا نصف یعنی تین لیگا اور ماں چھ کا تہائی یعنی دو لیگی تو بجز ایک سہم کے کہ سدس ہے باقی نہ رہا اور یہ دادا کو ملے گا اور بھائی خالی ہاتھ اور بے نصیب رہ جائیگا جیسا کہ پہلے مسئلے میں بہن کے لئے کچھ نتھا اس لئے کہ علماء کا اسپر اتفاق ہے کہ دادا کا حصہ تہائی سے کم نہو اس لئے اس ایک میں سے بھائی کو کچھ نہیں دیا جائیگا اور دو بہنوں کے ہونے کی صورت میں عول نہونے کی وجہ یہ ہے کہ دو بہنیں ماں کو تہائی سے چھٹے پر لے آئی ہیں پس مسئلہ ۶ سے ہے اس میں سے شوہر کے تین سہام اور ماں کا ایک سہم یعنی چھٹا ہے اور باقی ماندہ ایک سہم دو بہنوں کے لئے رہا جبکہ ایک دو پر مستقیم نہیں تو دو کو اصل مسئلہ یعنی ۶ میں ضرب دینے سے ۱۲ حاصل ہوے۔ اس سے مسئلے کی تصحیح ہوتی ہے برخلاف اکدریہ کے کہ وہاں کچھ باقی نہیں رہتا اور اس صورت میں کہ دو بہنیں ہیں زید بن ثابت کا قاعدہ مستقیم ہے کہ چھٹا حصہ دادا کے لئے مقاسمے کی تو برابر ہے اور باقی مال کی تہائی سے بہتر ہے۔

و لا اکدریۃ اور مسئلہ اکدریہ بنے گا اس لئے کہ علماء کا اسپر اتفاق ہے کہ بھائی عصبہ ہے زید بن ثابت کے لئے ممکن نہ تھا کہ اُسے صاحب فرض بنا دیں اس لئے اُسکو محروم کر دیا۔ بخلاف بہن کے جس کا حال اکدریہ میں گذرا

باب المناسخۃ

باب مناسخہ کے بیان میں جسکو تناسخ بھی کہتے ہیں جیسا تاج اللغات میں ہے

مجمع الانہر میں بیان کیا ہے کہ مناسخہ مفاعلہ کے وزن پر نسخ سے مشتق ہے جسکے لغوی معنے ازالہ اور تغیر اور نقل کے ہیں۔

اصطلاح میں مناسخہ یہ ہے کہ بعض یا کل وارثوں کے سہام اُنکے پچھلوں کی طرف بوجہ استحقاق وراثت کے منتقل ہو جائیں مطلب اس کا یہ ہے کہ ترکہ ہنوز تقسیم نہوا تھا کہ وارث مر گیا تو اُسکے حصے کو اُسکے وارث کی طرف نقل کرنا دوسری عبارت میں بسبب مر جانے کسی وارث کے قبل

تقسیم ترکہ کے اُسکے وارثوں کی طرف اُسکے حصے کے منتقل ہو جانے کو مناسخہ کہتے ہیں۔
اور معنیٔ لغوی و اصطلاحی میں یہ مناسبت ہے کہ اس جگہ بھی اول مورث کا نصیب جو قسمت سے قبل مرجاتا ہے اُسکے وارثوں کی طرف نقل کیا جاتا ہے۔
یا یوں سمجھو کہ ایک وارث کے مال کو اُسکی موت کی وجہ سے زائل کرکے دوسرے کی طرف نقل کرتی ہیں۔
مناسخے کے بیان میں شیخ شہاب الدین احمد بن موسے بن عبد الغفار نے ایک رسالہ موسوم بہ نظم الدر المنثور فی علم المناسخات بالصحیح والکسور لکھا ہے۔
۸۹۱ھ ہجری کا لکھا ہوا نسخہ میری نظر سے گذرا ہے اُس میں مذکور ہے کہ مناسخہ تصحیح مطلق کی ایک قسم ہے کیونکہ یہ تصحیح مخصوص ہے کہ اسکے ذریعہ سے میت کے لیے ترکے کا حال معلوم ہوتا ہے۔ جو میراث کی تقسیم سے قبل مرجائے اور تصحیح مطلق کی حقیقت جسکو مصحح بفتح حا بھی کہتے ہیں یہ ہے کہ وہ مخرج ہے جامع واسطے کسور مستعدہ کے ترکے سے مخرج جو جامع ہو تمام وارثوں کے کسور کو وہ مصحح المناسخہ ہے جسی جامعہ بھی بولتے ہیں مناسخہ جب کسی عدد سے صحیح ہو جاتا ہے تو تصحیح اُسکی اُس سے کم سے محال ہو۔
نظم الدر المنثور میں یہ بھی لکھا ہے کہ عمل مناسخہ اختصار کی ایک قسم ہے اور اس کا نام اختصار جوامع رکھنا مناسب ہے۔ اختصار تین طور پر ہوتا ہے۔

(۱) اختصار مسائل۔
(۲) اختصار سہام جس کا نام اختزال ہے۔
(۳) اختصار جوامع۔

محمد ابو البرکات دلجونی مالکی نے کتاب شباک میں لکھا ہے کہ مناسخات کا اختصار جہاں تک ممکن ہو کبھی ابتدائے عمل میں ہوتا ہے کبھی انتہائے عمل میں یعنی ایسے عدد کی تقسیم کے بعد جس سے مسائل کی تصحیح ہوتی ہو اور حصے اُس سے مقرر ہو جاتے ہوں اول کو اختصار سہام کہتے ہیں دوسرے کو اختصار مسائل۔
ابتدا میں اختصار کی صورت یہ ہے کہ مسئلے میں دو میت ہوں اور دوسری میت کی میراث موافق میراث میت اول کے ہوتی ہو اس لئے دوسری میت کو کالعدم قرار دیتے ہیں برابر ہے کہ ارث اول سے فقط بطور عصوبت کے ہو یا فقط فرض کے طور سے یا عصوبت و فرض دونوں کے طور سے۔

ولو صار بعض الانصباء میراثا قبل القسمة یعنی کسی شخص نے انتقال کیا اور اُس کا ترکہ ہنوز تقسیم نہیں ہوا کہ یکایک اُسکے بعض وارثوں نے انتقال کیا تو میت اول کے ترکے سے اُس کا حق متعلق ہو چکا جسنے اسکے بعد انتقال کیا ہے۔ سب سے پہلا وارث متوفی جس سے سلسلۂ وراثت نکل آتا ہے اُسکو مورث اعلیٰ کہتے ہیں۔
مورث اعلیٰ کا مسئلہ پہلے ہے بعد کو جو وارث مرے اُس کا مسئلہ علی ہذا القیاس یکے بعد دیگرے کیا چاہیے۔ مناسخہ کرنے کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) ایک قسم یہ ہے کہ دوسری میت کے وارث ہوا دوسری میت کے وہی پہلی میت کے وارث ہوں اور تقسیم بھی بوجہ ایک جنس کے متغیر نہوتی ہو اور طریقہ تقسیم درمیان وارثان میت ثانی

وراثت کے

کے اُسکے مر جانے سے نہ بدلے یعنی جو طریقہ تقسیم کا درمیان وارثان میت اول کے تھا وہی طریقہ تقسیم کا درمیان وارثان میت ثانی کے بلا تفاوت ہو تو ایسی صورت میں ایک تقسیم کافی ہوگی۔ مگر تقسیم کرنے کی اس طرح پر کرا دالا متروکہ میت اول کا اُسکے وارثو پر تقسیم کریں پھر دوسری میت کا حصہ جو اُسے متروکہ میت اول سے ملا ہے۔ دوسری میت کے وارثو پر تقسیم کریں حاجت نہیں جیسے عبداللہ نے دو بیٹے رحیم و کریم نام اور دو بیٹیاں مریم و زینب چھوڑیں پھر قبل تقسیم ترکہ کے ایک بیٹا رحیم مر گیا اور اُسنے ایک بھائی کریم اور دو بہنوں مریم و زینب کو اپنا وارث چھوڑا تو اس صورت میں دوسری میت کے وارث سوائے میت ثانی کے وہی ہیں جو میت اول کے وارث تھے اور جو طریقہ تقسیم درمیان وارثان میت اول کے تھا یعنی للذکر مثل حظ الانثیین وہی طریقہ تقسیم درمیان وارثان میت ثانی کے موجود ہے تو اس صورت میں کچھ حاجت نہیں کہ اولاً ترکہ میت اول کا اُسکے وارثو پر تقسیم کریں پھر دوسری میت کا حصہ جو اُسکو ترکہ میت اول سے ملا ہے وارثان میت ثانی پر تقسیم کریں اس تطویل کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ پہلے ہی ترکہ میت اول کا اُسکے وارثو پر سوائے میت ثانی کے تقسیم کردیں اور میت ثانی کا نام بھی اُنھیں کے نام کے ساتھ لکھ کے اُسکے نیچے لفظ کالعدم یا کان لم یکن (گویا کہ تھا ہی نہیں) لکھیں جسطرح۔

عبداللہ مسئلہ ۴

میت

بیٹا	بیٹا	بیٹی	بیٹی
رحیم	کریم	زینب	مریم
کالعدم	۲	۱	۱

اس قسم میں میت ثانی کا جو استثنا کیا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ وارثان میت ثانی کا بعینہ وارثان میت اول ہونا محال ہے کیونکہ میت ثانی منجملہ وارثان میت اول کے ہے۔ پس اگر وارثان میت ثانی بعینہ وارثان میت اول ہوں تو لازم آئے گا کہ میت ثانی خود اپنی وارث ہو جائے۔ اور یہ محال ہے۔

(۲) دوسری قسم یہ ہے کہ دوسری میت کے وارث وہی میت اول کے وارث ہوں لیکن تقسیم جدی ہوتی ہو جیسے عبداللہ متوفی نے ایک بیٹا سعید نام ایک زوجہ کے بطن سے اور ۳ بیٹیاں سعیدہ۔ حمیدہ۔ مجیدہ دوسری زوجہ کے بطن سے چھوڑیں۔ جیسے

عبداللہ مسئلہ ۵

میت

پہلی بیوی سے بیٹا	دوسری بیوی سے بیٹی	دوسری بیوی کی بیٹی	دوسری بیوی سے بیٹی
سعید	سعیدہ	حمیدہ	مجیدہ
۲	۱	۱	۱

پھر ان میں سے ایک لڑکی مرگئی اور وارث ایک علاتی بھائی اور دو حقیقی بہنیں حمیدہ و مجیدہ چھوڑیں اسطرح

سعیدہ مسئلہ ۳

حقیقی بہن	حقیقی بہن	علاتی بھائی
حمیدہ	مجیدہ	سعید
۱	۱	۱

کہ اس صورت میں جو طریقہ تقسیم وارثان میت اول میں تھا یعنی للذکر مثل حظ الانثیین وہ طریقہ درمیان وارثان میت ثانی کے قایم نہیں بلکہ دو حقیقی بہنوں کو دو ثلث ملے اور علاتی بھائی کو باقی تو اس صورت میں ایک تقسیم کافی نہوگی۔

(۳) تیسری قسم یہ ہے کہ دوسری میت کے وارث پہلی میت کے وارثوں سے غیر ہوں اور تقسیم میں تغیر ہو مثلاً مورث اعلیٰ نے دو بیٹے اور دو بیٹیاں چھوڑیں اور پیش از تقسیم ترکہ ایک بیٹا مرگیا اُس بیٹے کے ایک بیوی اور ایک بیٹا وارث ہیں یہاں بھی پہلی تقسیم کافی نہوگی پس دوسری اور تیسری قسم میں چاہئے کہ اولاً مسئلہ میت اول کی تصحیح کریں اور جس میت کے مسئلے کی تصحیح کریں اُس میت کا نام لفظ میت کے سر سے پر لفظ مسئلہ کے نیچے لکھدیں اور اُسکے ہر وارث کے سہام دیدیں پھر مسئلہ میت ثانی کی تصحیح کرکے اُسکے ہر وارث کو سہام دیدیں اگر تصحیح کرنے کی ضرورت ہو ورنہ کچھ حاجت نہیں پھر حصۂ میت ثانی کو جسے مافی الید کہتے ہیں تصحیح ثانی کی دوسری جانب میں اس طرح لکھ کر کہ لفظ مافی الید لکھیں اُسکے ہر حصۂ میت ثانی کو لکھیں اور تصحیح اول میں میت ثانی کے تلے ایک خط توسی اس طرح ـــــ کا کھینچ دیں تاکہ ضرب دینے کے وقت غلطی نہ واقع ہو اور تصحیح ثانی اور مافی الید مذکور میں نسبت لحاظ کریں اور جو نسبت پاویں وہ تصحیح ثانی اور مافی الید کے بیچ میں لکھدیں مگر جس صورت میں کہ مافی الید تصحیح ثانی پر پورا تقسیم ہوجائے اُسکی جگہ استقامت لکھیں اور اب حاجت ضرب کی نہیں۔ اور اگر مسئلے اور مافی الید میں تداخل ہو پس اگر مسئلہ کثیر ہو تو اُس کا حکم موافقت کا سا ہے اور اگر مافی الید کثیر ہو تو صورت استقامت کی ہے اس مسئلے پر وہ صحیح بٹ جائیگا۔

واضح ہو کہ تصحیح کرنے کی ضرورت وہاں ہوتی ہے کہ وارثوں کے سہام میں کسر پڑتی ہو ورنہ تصحیح کی کچھ حاجت نہیں صرف اصل مسئلہ حسب قواعد مخارج الفروض کے کرلیں اور جو عول یا رد کی حاجت ہو تو عول و رد بھی کرلیں۔

تصحیح کے دو معنے ہیں ایک خاص جو باب تصحیح میں مذکور ہوئے یعنی یہ کہ کسر کو صحیح بناڈالنا جب سہام میں کسر پڑتی ہو اور دوسرے عام جو اس خاص کو بھی شامل ہیں۔

اور اصل مسئلہ اور عول اور رد کو بھی پس اس باب میں جہاں کہیں لفظ تصحیح یا تصحیح اول یا تصحیح ثانی آجائے تو اُس سے بھی تصحیح عام مراد سمجھیں۔ اسی طرح فصل قسمت ترکات میں اور نیز

فصل تخارج میں۔
مصنف نے جبکہ اصل باب مناسخہ میں استقامت و موافقت و مباینت کو ذکر کیا تو ایسا مسئلہ ایجاد کیا جو تینوں کی وراثت کو شامل ہو اور اُنکی موت میں ترتیب کا اعتبار کیا اور انمیں سے پہلی موت کو استقامت کی مثال بنایا اور دوسری موت کو موافقت کی نظیر قرار دیا اور تیسری موت کو مباینت کی تمثیل بنایا وہ مثال یہ ہے۔

کزوجٍ و بنتٍ و اُمٍّ ایک عورت جسکا نام قادری بیگم ہے اتنے وارث چھوڑکر مرگئی شوہر جس کا نام عنایت اللہ دختر جسکا نام ممتاز بیگم ماں جسکا نام حسینی بیگم فرض کرو۔

فمات الزوج قبل القسمة عن امرأةٍ و ابوین پھر شوہر یعنی عنایت اللہ قبل از تقسیم متروکہ ایک زوجہ جسکا نام سعادت بیگم ہے اور باپ اور ماں جنکا نام یعقوب علی خاں اور مبارک بیگم ہے چھوڑکر مرگیا۔ یہ زوجہ مورث اعلیٰ یعنی اگلی میت قادری بیگم کی سوت لگتی ہے۔

ثم ماتت البنت عن ابنین و بنت و جدة پھر بیٹی یعنی ممتاز بیگم اپنے دو بیٹے یوسف علی و عبدالعزیز اور ایک بیٹی مریم زمانی بیگم اور ایک جدہ حسینی بیگم کو چھوڑکر مرگئی۔ یہ جدہ میت اول کی ماں ہے۔

ثم ماتت الجدة عن زوجٍ و اخوین پھر وہ جدہ جس کا نام حسینی بیگم ہے شوہر اور دو بھائیوں کو چھوڑکر مرگئی۔ شوہر کا نام اکبر علی ہے اور بھائیوں کا نام عظیم خاں و عبدالحکیم خاں ہے اس مثال میں دوسری میت استقامت کی مثال ہے اور تیسری میت موافقت کی مثال ہے اور چوتھی میت مباینت کی مثال ہے۔ اور مسئلے میں چار بطن جمع ہوئے ہیں۔

فالاصل فیه ان تصحح مسئلة الاول و تعطی سهام کل وارث من التصحیح۔
جب عمل مذکور کا ارادہ کیا جائے تو پہلے میت اول کا مسئلہ صحیح کرو اور تصحیح سے ہر وارث کو اُسکے سہام و بیدو صورت اسکی یہ ہے۔

مسئلہ بطور رَدّ کے ۴ سے
قادری بیگم
تصحیح ۱۶

شوہر	بیٹی	ماں
عنایت اللہ	ممتاز بیگم	حسینی بیگم
۴	۹	۳

اس مسئلے کی تصحیح ۱۲ سے ہوتی ہے کیونکہ نصف اور ربع اور سدس جمع ہیں اس لئے کہ نصف حق بیٹی کا ہے اور چوتھائی شوہر کا اور چھٹا ماں کا اور اس مسئلے میں رَدّ فرض کرنا ہوگا شوہر کے

تین سہم ہیں اور بیٹی کے چھ اور ماں کے دو یہ کل گیارہ ہوے ایک سہم باقی رہا اور کوئی دوسرا اُس کا حق دار نہیں اس لئے ایک کو بیٹی اور ماں پر بقدر اُنکے سہاموں کے رَدّ کیا اب اُس عمل کی حاجت پڑی جو رَدّ فرض میں سابقاً مذکور ہو چکا تو اس مسئلے میں جنیر رَدّ ہوتا ہے اُنکی دو جنسوں کے ساتھ وہ شخص جمع ہے۔ جسپر رَدّ نہیں ہوتا یعنی بیٹی اور ماں کے ساتھ شوہر جمع ہے۔ اور شوہر ایسا وارث ہے جسپر رد نہیں ہوتا۔ اور بیٹی اور ماں پر رد ہوتا ہے۔ اس وجہ سے مسئلے کو اقل مخرج فرض شوہر کی طرف دیکھا اور وہ چار ہیں لہذا صورت شوہر اس میں سے چوتھائی کر ایک ہوتا ہے لیگا تو تین سہام باقی رہینگے۔ لہذا تین سہام چار سہاموں پر کہ مسئلہ بیٹی اور ماں کا رد کے طور پر ہے مستقیم نہیں۔ اور دونوں میں مباینت ہے۔ پس اُن چار سہاموں کو کہ ہمنزلے رؤس کے ہیں اُن چاروں کہ کمتر مخرج فرض غیر اہل رَدّ کا ہے ضرب دینگے سولہ حاصل ہونگے۔ اس سے مسئلہ صحیح ہو جائیگا۔ اس میں سے شوہر کو چار سہام اور بیٹی کو نو سہام اور ماں کو تین سہام ملینگے۔

دوسری عبارت میں یوں سمجھو کہ شوہر کا حصہ چار میں سے ایک تھا جب اسکو مسئلہ اہل رَدّ یعنی ۴ میں ضرب دیا تو چار حاصل ہوے اور اہل رَدّ میں سے ہر شخص کا حصہ مخرج فرض کی باقی میں ضرب دیا گیا تو ماں کا حصہ چار میں سے ایک تھا۔ جب اس کو تین میں کہ مخرج سو باقی ہے ضرب دیا تو تین ہی حاصل ہوے اور بیٹی کا حصہ تین ہے جب اسکو تین میں ضرب دیا تو نو حاصل ہوئے پس اس تصحیح سے شوہر کو چار سہم حاصل ہوے۔ اور ماں کو تین اور بیٹی کو نو جنکا مجموعہ ۱۶ ہے۔

ثم تصحح المسئلة الميت الثاني وتنظر بين ما في يده من التصحيح الاول وبين التصحيح الثاني ثلثة احوال بعد اسکے دوسری میت کے مسئلے کی تصحیح کرو پھر دوسری میت کے حصے میں (جسے مافی الید کہتے ہیں) اور دوسری تصحیح میں غور کرو تو انمیں تین حال نظر آینگے یعنی میت ثانی کو جو میت اول کے ترکے سے ملا ہے وہ اور دوسری تصحیح تین حال سے خالی نہوگی یا دونوں میں مماثلت ہوگی یا موافقت ہوگی یا مباینت ہوگی۔

پس جو نسبت پاویں اُسے تصحیح ثانی اور مافی الید کے بیچ میں لکھدیں۔

فان استقام ما في يده من التصحيح الاول على الثاني پس اگر دوسری میت کا مافی الید دوسری تصحیح پر پورا تقسیم ہو جائے تو دوسری تصحیح اور مافی الید کے بیچ میں لفظ استقامت لکھیں۔

فلا حاجة الى الضرب اور اب حاجت ضرب کی نہیں۔

جیسا کہ صورت تباین وتوافق میں حاجت ہوتی ہے۔

اور یہ اُس صورت میں ہوتا ہے کہ تصحیح اور مافی الید میں تماثل ہو۔

مثلاً

مسئلہ ۴ مماثلت مافی الید ۴

عنایت اللہ

زوجہ	باپ	ماں
سعادت بیگم	یعقوب علی خاں	مبارک بیگم
۱	۲	۱
۳	۴	۲
۸	۸	۸

تصحیح کے باب میں ہم ذکر کر چکے ہیں کہ جب کسی فریق کے سہام اپس میں کسر پڑے منقسم ہو جائیں تو ضرب کی حاجت نہیں ہوتی اور یہاں بھی یہی صورت بنتی ہے اس لئے کہ پہلی میت کی تصحیح یہاں پر اس طرح ہے جیسے وہاں اصل مسئلہ ہوتا ہے اور دوسری میت کی تصحیح یہاں پر اس طرح ہے جس طرح باب تصحیح میں اُس فریق کے رؤس میں جس پر تقسیم ہوتی ہے اور دوسری میت کا مافی الید یہاں اس طرح ہے جیسے وہاں اصل مسئلے سے اُسکے سہام ہوتے ہیں۔

پس جسطرح وہاں جب کسی فریق کے سہام اُس پر بلا کسر پڑے منقسم ہو جاتے تو ضرب کی ضرورت نہیں ہوتی ہے تو یہاں بھی جبکہ دوسری میت کا مافی الید تصحیح مسئلہ پر مستقیم ہے تو یہاں بھی ضرب کی حاجت نہیں ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ بوجہ مستقیم ہونے مافی الید کے دوسری تصحیح پر دونوں مسئلے پہلی میت اور دوسری میت کے پہلی تصحیح سے مستقیم ہوتے ہیں اور ضرب کی حاجت نہیں۔ جب ہم نے دوسری میت یعنی شوہر کے مسئلے کی تصحیح کی تو چار سہموں سے اُسکی تصحیح ہوئی اس واسطے کہ اُسکی زوجہ کا ربع ہے اور اُسکی ماں کا حصہ باقی ماں کا تہائی ہے اور اُسکے باپ کا حصہ دو تہائیاں جب ہمنے شوہر کے مافی الید میں نظر کی تو چار سہام پائے جو اُسکے وارثوں پر بغیر ٹوٹے ہوئے مستقیم ہیں اُن میں سے زوجہ کا ایک سہم ہے اور ماں کا تہائی باقی یعنی ایک سہم اور باپ کا دو تہائی یعنی دو سہم تو اس تصحیح میں ضرب دینے کی حاجت نہ پڑی۔ اور پہلا مسئلہ اور دوسرا تصحیح اول یعنی ۱۶ سے صحیح ہو گئے جن میں سے میت اول کی بیٹی کے ۹ سہم ہیں اور میت اول کی ماں کے تین سہم ہیں۔ اور دوسری میت کی زوجہ کا ایک سہم ہے۔ اور دوسری میت کے باپ کے دو سہم ہیں اور دوسری میت کی ماں کا ایک سہم ہے۔ اور مثالوں پر غور کرو۔

عبدالحلیم مسئلہ ۴

زوجہ	چچا
سلیمہ	کریم
۱	۳

مسئلہ ۳ — استقامت — مافی الید ۳

کریم

بیٹا	بیٹی
رحیم	رحیمہ
۲	۱

المبلغ ۴

الاحیاء

سلیمہ	رحیم	رحیمہ
۱	۲	۱

وان لم یستقم فانظر ان کان بینہما موافقۃ اور اگر میت ثانی کا حصہ اُسکے وارثوں پر مستقیم نہو پس تأمل کرو اگر دوسری میت کے سہام اور اُسکے مسئلے میں توافق ہو اور توافق سے عام مراد ہے خواہ توافق ہو یا تداخل۔

فاضرب وفق الثانی فی الاول تو دوسری تصحیح کے وفق کو کل تصحیح اول میں ضرب دو جیسا کہ تصحیح کے باب میں ذکر ہو چکا ہے کہ جب سہام کسی ایک گروہ کے اوپر ٹوٹتے ہو اور اُنکے سہام ورؤس میں موافقت ہو تو عدد رؤس کے وفق کو اصل مسئلے میں ضرب دیا جائیگا اسی طرح یہاں دوسری تصحیح کے وفق کو (جو یہاں اس طرح ہے جس طرح وہاں رؤس ہوتے ہیں) تصحیح اول میں (جو یہاں اس طرح ہے جس طرح وہاں اصل مسئلہ ہے) ضرب دیں تو حاصل ضرب سے تصحیح دونوں مسئلوں کی ہو جائے گی۔

مثال اسکی مصنف کی تمثیل میں وہ بیٹی ہے جو دو بیٹے اور ایک بیٹی اور ایک نانی چھوڑ کر مر گئی تو یہ مسئلہ ۶ سے ہے نانی کا ایک سہم ہے اور باقی پانچ سہموں میں سے چار سہم دو بیٹیوں کے ہیں اور ایک سہم بیٹی کا جیسے۔

مسئلہ ۶ — ممتاز بیگم — توافق بالثلث — مافی الید ۹

دختر	پسر	پسر	نانی
مریم و مانی بیگم	یوسف علی	عبد العزیز	حسینی
۳	۲	۲	۱
۱۲	۲۴	۲۴	۳

چونکہ ایک بیٹا دو بیٹیوں کے برابر ہوتا ہے تو یہاں پانچ بیٹیاں سمجھی گئیں تو جو پانچ چھ میں سے باقی رہتے تھے دو ان پانچ رؤس کی برابر تھے۔ جب میت کے مافی الید میں جو نو ہیں اور اُسکے مسئلے میں جو چھ ہیں نظر کی گئی تو ان میں موافقت بالثلث پائی گئی۔

اور دوسرے مسئلے کا ثلث دو ہے نو میں سے جب دو کو تمام تصحیح اول میں جو سولہ ہیں ضرب دیا تو ۳۲ حاصل ضرب ہوئے۔ پس جس کے سہام سولہ سے تھے یعنی میت اول (مورث اعلیٰ) کے وارثوں کے سو وہ دو میں ضرب دیگے لیگا اس واسطے کہ دو وفق ہو میت اول کے مسئلے کا اور جسکے سہام چھ سے ہیں یعنی دوسری میت (مورث اعلیٰ کی بیٹی) کے وارث تو وہ تین میں ضرب دے کے لیگا۔

اس لئے کہ تین دوسری میت کے مافی الید یعنی نو کا وفق ہے سو میت اول کی ماں کے سولہ میں سے ۳ سہم تھے جب انکو دو میں ضرب دیا چھ حاصل ہوئے تو یہ ماں کا حصہ ہوا۔ اور اس کی شوہر کے سولہ میں سے نو تھے اسکو دو میں ضرب دیا اٹھ حاصل ہوئے تو یہ شوہر کا حصہ ہوا اور یہ آٹھ کی تقسیم شوہر کے وارثوں پر بھی مستقیم ہے اس میں سے اُسکی اہلیہ کے دو سہم اور اُسکے باپ کے چار سہم اور اُسکی ماں کے دو سہم ہیں اور یہ ماں کے دو سہم باقی کا تہائی ہے کیونکہ آٹھ میں سے اہلیہ کو دیدینے کے بعد ۶ باقی رہے تھے۔ اگر ایسا کیا جائے کہ شوہر کے ہر وارث کو اُس حصے کو جو سولہ سے اُسے پہنچتا ہے اس وفق یعنی دو میں ضرب دیا جائے تو اس صورت میں بھی حال مختلف نہ ہوگا جو ہے وہی رہے گا جس کی تفصیل یہ ہے کہ مورث اعلیٰ کے ترکے سے شوہر کو ۱۶ سہام میں سے نو ملے تھے ان چار میں سے اُسکی بیوی کا چوتھائی یعنی ایک ہے اور باقی ۳ میں سے ماں کا تہائی یعنی ایک ہے اور دو باپ کے پس بیوی کے ایک کو وفق یعنی دو میں ضرب دیا دو ہی حاصل ہوئے یہ بیوی کا حصہ ہے۔ اور باپ کے دو کو دو میں ضرب دیا تو چار حاصل ہوئے یہ باپ کا حصہ ہے اور ماں کے ایک کو دو میں ضرب دیا دو حاصل ہوئے یہ ماں کا نصیب ہے دیکھو یہاں بھی تقسیم میں حصے وہی رہے اور دوسری میت یعنی ممتاز بیگم بنت مورث اعلیٰ کے مسئلے یعنی ۶ سے نانی کا ایک سہم تھا اُسکو تین میں ضرب دیا تین ہی حاصل ہوئے۔

اور اس اعتبار سے کہ یہ عورت مورث اعلیٰ کی ماں ہے اسکے حق کے ۳۲ سے ۶ تھے تو اب اسکے ہاتھ میں نو ہونگے۔

اور دوسری میت کی اولاد کے پانچ سہم تھے اُنکو تین میں ضرب دیا ۱۵ حاصل ہوئے انمیں سے ہر بیٹے کا حصہ چھ ہوا اور بیٹی کا تین اور یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ دونوں بیٹوں میں سے ہر ایک کے دو سہم تھے جب دو کو تین میں ضرب دیا تو ۶ حاصل ہوئے یہ ہر بیٹے کا حصہ ہے اور بیٹی کا ۳ ایک تھا اسکو ۳ میں ضرب دیا تین حاصل ہوئے یہ اُسکا حصہ ہے۔ اب بھی مجموعہ ۱۵ ہوتا ہے تو ۳۲ سے تصحیح ہوگئی۔

یہ مثال توافق خالص کی ہے۔

دیگر — مسئلہ ۲۴ — تصحیح ۷۲

جلال الدین

زوجہ	باپ	بیٹا
احمدی	عبدالرحیم	عبدالکریم
۳/۹	۴	۱۷/۵۱

مسئلہ ۶ — عبدالرحیم — توافق بالنصف — مافی الید ۴

بیٹا	بیٹا	بیٹی	بیٹی
حیدر	صفدر	کلثوم	اصغری
۲/۴	۲/۴	۱/۲	۱/۲

المبلغ ۷۲

الاحیاء

احمدی	عبدالکریم	حیدر	صفدر	کلثوم	اصغری
۹	۵۱	۴	۴	۲	۲

دیگر — مسئلہ ۸ — تصحیح اول ۲۴ — تصحیح دوم ۷۲

محسن

زوجہ	پسر	پسر	پسر	دختر
امراؤ بیگم	احمد یار	محمود	کریم اللہ	نور جہاں
۱/۳/۹	۲/۶/۱۸	۲/۶/۱۸	۲	۱/۳/۹

مسئلہ ۳ — کریم اللہ — بہاینت — مافی الید ۲

بھائی	بہن
محمود	نور جہاں
۲/۳	۱/۲/۹

مسئلہ ۶ — محمود — توافق بالنصف — مافی الید ۱۰

دختر	دختر	دختر	دختر	ہمشیرہ
اشرف	اکبری	اختر بیگم	رحمت النساء	نور جہاں
۱/۵	۱/۵	۱/۵	۱/۵	۲/۱۰

المبلغ ۷۲

الاحیاء

امراؤ بیگم	احمد یار	نور جہاں	اشرف بیگم	اکبری	اختر بیگم	رحمت النساء
۹	۱۸	۲۵	۵	۵	۵	۵

تفصیل اسکی یہ ہے کہ محسن میت اعلیٰ ہے اُسنے ایک زوجہ امراؤ بیگم اور ایک بیٹا احمد یار امراؤ بیگم کے بطن سے اور محمود اور کریم اللہ دو بیٹے اور نور جہاں ایک بیٹی اور زوجہ کے بطن سے جس کا نام جلیس بیگم ہے چھوڑے۔

پس مسئلہ اسکا آٹھ سے ہوا ایک امراؤ بیگم کو ملا اور سات سہام اولاد پر للذکر مثل حظ الانثیین کے حساب سے تقسیم ہوگئے بعد اس کے محسن کا بیٹا کریم اللہ قبل تقسیم ترکہ کے مرگیا اور اُسنے ایک حقیقی بھائی محمود اور ایک حقیقی بہن نور جہاں کو وارث چھوڑا اگرچہ اُس کا سوتیلا بھائی احمد یار بھی موجود ہے۔ لیکن بسبب حقیقی بھائی کے محروم ہے سو مسئلہ اس کا تین سے ہوا ایک نور جہاں کو پہنچا اور دو محمود کو پہنچے اور اس کی ہاتھ میں میت اعلیٰ سے دو سہام تھے تین اور دو میں مباینت ہے۔ پس تین کو مسئلہ اول یعنی ۸ میں ضرب دیا ۲۴ حاصل ہوئے اور اسی طرح امراؤ بیگم احمد یار محمود اور نور جہاں کے سہام کو تین میں ضرب دیا امراؤ اور نور جہاں کے ایک ایک کی تین تین ہوگئے۔ اور احمد یار اور محمود کے دو دو کے چھ چھ بن گئے۔

اور میت دوم کے وارثوں کے سہام میں جب دو کو ضرب دیا تو نور جہاں کے دو ہونگے۔ اور محمود کے چار۔

بعد اس کے محمود مرا اور اُس نے چار بیٹیاں جن کے نام اشرف اکبری اختر بیگم اور رحمت النساء ہیں۔ اور ایک حقیقی بہن یعنی نور جہاں چھوڑیں یہی اسکے وارث ہیں اور احمد یار علاتی بھائی ہونے کی وجہ سے محمود کی حقیقی بہن نور جہاں سے جو بیٹیوں کے ساتھ عصبہ ہوگئی ہے محروم ہے۔

اس لئے وارثوں میں شمار نہوا۔ مسئلہ اسکا چھ سے ہوتا ہے ایک ایک چاروں بیٹیوں کو اور دو سگی بہن کو پہنچے ہیں اور محمود کے پاس تقسیم سابق سے دس ہیں ۶ بطن اول سے اُسنے پائے تھے اور ۴ بطن دوم سے اور دس میں اور چھ میں توافق بالنصف ہے۔ پس چھ کے وفق یعنی تین کو پہلے

مسئلے اور جمیع سہام وارثان ماقبل میت ہذا میں ضرب دیا۔ پس پہلا مسئلہ کہ ۴ تھا ۲۴ ہوگیا اور اس صورت میں امراؤ بیگم کے ۳ سہام کے ۹ ہوگئے اور احمد یار کے چھ کے اٹھارہ ہوگئے۔ اور بطن ثانی میں نور جہاں کے ۲ کے ۶ ہوگئے اور عیسیٰ میت کے وارثوں کے سہام میں وفق مافی الید یعنی ۵ کو ضرب دیا پس اشرف۔ اکبری۔ اختر اور رحمت النساء چاروں بیٹیوں کے ایک ایک کے پانچ ہوگئے۔ اور نور جہاں کے دو کے دس ہوگئے اور تقسیم تمام ہوچکی۔

(اس توافق کی مثال جو تداخل کے ضمن میں پایا جاتا ہے)

مسئلہ ۴ — تصحیح ۸ — احسان علی

زوجہ	چچا
زاہدہ	واحد علی
۱	۳

مسئلہ ۶ — واحد علی — توافق بالثلث — مافی الید ۳

بیٹا	بیٹا	بیٹی	بیٹی
رحیم	کریم	سکینہ	زہرا
۲	۲	۱	۱

المبلغ ۸

زاہدہ	رحیم	کریم	سکینہ	زہرا
۲	۲	۲	۱	۱

صورت اسکی یہ ہے کہ احسان علی ایک زوجہ زاہدہ اور ایک چچا واحد علی چھوڑ کر مرگیا۔ پھر واحد علی دو بیٹے رحیم و کریم اور دو بیٹیاں سکینہ و زہرا چھوڑ کر مرگیا پس اس صورت میں بحکم قاعدۂ گذشتہ کہ میت اول یعنی احسان علی و میت دوم واحد علی کی تصحیح کرکے انکے ہر وارث کو سہام دیکر مافی الید میت ثانی یعنی ۳ کو تصحیح ثانی یعنی ۶ کی دوسری جانب میں لکھ کر تصحیح ثانی اور مافی الید مذکور میں نسبت کا لحاظ کیا تو توافق بالثلث پایا اس لئے توافق بالثلث دونوں کے بیچ میں لکھ کر وفق تصحیح ثانی یعنی دو کو تصحیح اول یعنی ۴ میں ضرب دیا ۸ حاصل ہوے اس حاصل کو کہ اُسے مبلغ کہتے ہیں تصحیح اول یعنی ۴ کے اوپر یا دوسری جانب میں لکھدیا پھر موجب قاعدے کے سہم وارث میت اول یعنی زاہدہ کو کہ ایک ہے وفق تصحیح ثانی یعنی دو میں ضرب دیا دو حاصل ہوے اس دو کو اُسی سہم کے نیچے لکھدیا۔ اور چونکہ سہام ہر وارث میت ثانی

یعنی رحیم۔ کریم۔ یکینہ۔ اور زہرا کے کہ ۲-۲-۱-۱- ہیں انکو وفق مانی الید یعنی ایک میں ضرب دیکر اُتنے ہی ہوتے ہیں اس لئے انکو دوبارہ لکھنے کی حاجت نہیں۔ پھر حسب قاعدہ مذاحیاء کھینچ کر اُسکو اوپر مبلغ مذکور یعنی ۸ کو اور اُسکے نیچے زندہ وارثوں کے نام اور ہر ایک کے سہام لکھدے۔

دیگر { مسئلہ ۴ — فدا علی

زوجہ	بھائی
زینب	حامد
۲	(۳)

حامد مسئلہ ۲ — توافق بالثلث — فی ۳ ۲

ماں	ماموں	چچا
حلیمہ	عبدالمجید	عبدالرحمن
۱	۱	(۴)

عبدالرحمن مسئلہ ۲ — توافق بالنصف — فی ۴ ۲

بیٹا	بیٹا
محمد سعید	عبداللہ
۲	۲

الاحصاء

زینب	حلیمہ	عبدالمجید	محمد سعید	عبداللہ
۲	۱	۱	۲	۲

حامد کے مانی الید یعنی ۳ سے مسئلہ اُس کا (یعنی ۶) کثیر ہے اس لئے حکم موافقت جاری کیا۔ اور ۶ کے وفق یعنی ۲ کو مسئلہ میت اعلیٰ اور اُسکے وارثوں کے سہام میں ضرب دیا۔ پس مسئلہ میت اعلیٰ کا ۸ ہوگیا اور زینب کے ۲ سہام اور وارثان حامد کے سہام کو جن کے وفق یعنی ایک میں ضرب دیا پس جو تھے وہی رہے۔ اور مانی الید عبدالرحمن کا ۴۔ اُسکے مسئلے یعنی دو سے کثیر ہے۔ اس لئے اُسکے وارثوں پر صحیح بٹ گیا۔

وان کانت بینہما مباینۃ اور اگر دونوں میں تباین ہو یعنی مانی الید تصحیح ثانی پر پورا تقسیم نہ ہو

فاضرب کل التصحیح الثانی فی کل التصحیح الاول یعنی تمام ترکے کو تصحیح اول میں ضرب دو۔ جیسا کہ تصحیح کے باب میں بتا دیا گیا ہے کہ جبکہ وارثوں کے سہام رؤس میں مباینت ہو تو کل عدد رؤس انکا جیسہ سہام ٹوٹتے ہوں اصل مسئلے میں ضرب دیا جاتا ہے اسی طرح یہاں حال ہے کہ جبکہ مافی الید اور اُسکی مسئلے کی تصحیح کے درمیان میں مباینت ہو تو کل تصحیح دوم کو کل تصحیح اول میں ضرب دیا جاتا ہے پس جو حاصل ہوتا ہے اُسے مبلغ کہتے ہیں۔ مصنف کی تمثیل میں جدہ کا مسئلہ اسی قبیل سے ہے۔

فالمبلغ واضح رہے کہ مبلغ سے مراد دو چیزیں ہیں۔

(۱) تباین و توافق کی صورت میں حاصل ضرب کل تصحیح ثانی یا وفق تصحیح ثانی کا کل تصحیح اول میں مطلب یہ ہے کہ مبلغ حاصل ضرب ہے جو کل تصحیح ثانی کو تباین کی صورت میں اور وفق تصحیح ثانی کو توافق کی صورت میں کل میں ضرب دینے سے حاصل ہوا ہو۔

(۲) استقامت کی صورت میں تصحیح اول مراد ہے۔

فمخرج المسئلتین پس مبلغ مذکور مخرج ہوگا دونوں مسئلوں کا یعنی موافقت کی تقدیر پر دوسری تصحیح کو وفق کی ضرب ہے اور مباینت کی تقدیر پر کل تصحیح ثانی کی ضرب ہے تصحیح اول میں غرضکہ موافقت اور مباینت کی تقدیر پر دونوں مسئلوں کا مخرج حاصل ہوگا جیسے۔

مسئلہ ۴

جدہ حسینی بیگم	تباین	مافی الید ۹

شوہر	بھائی	بھائی
اکبر علی	عظیم خاں	عبدالحکیم خاں
۲	۱	۱
۱۸	۹	۹

مصنف نے جو اپنی مثال میں کہا ہے ثم ماتت الجدۃ عن زوجین و اخوین تو اس میں یہی مسئلہ جدہ مباینت کی مثال ہے کہ شوہر اور ۲ بھائیوں کو چھوڑ کر مرگئی اور اُسکے ہاتھ میں نو سہام ہیں کہ ۶ سہم اُسنے اپنی بیٹی قادری بیگم سے جو میت اول یعنی مورث اعلیٰ ہے پائے ہیں اور تین سہم اپنی نواسی ممتاز بیگم سے جو تیسری میت ہے پائے ہیں اور مسئلہ جدہ کی تصحیح چار سے ہے اسواسطے کہ اُسکے شوہر کا حصہ نصف ہے تو اصل مسئلہ دو سے ہوا۔ اس کا نصف شوہر کو دیا یعنی دو میں سے ایک شوہر کو دیا تو ایک باقی رہا اس ایک کی دو بھائیوں پر تقسیم نہیں ہوسکتی مباینت کی وجہ سے تو دونوں کے عدد رؤس کو اصل مسئلے یعنی دو میں ضرب دیا چار حاصل ہوئے اس میں سے شوہر کے دو سہم ہیں۔ اور ہر بھائی کا ایک سہم ہے۔ اور نانی کے ہاتھ میں نو سہم ہیں اور نو میں اور چار میں مباینت ہے تو دوسری تصحیح یعنی ۴ کو تصحیح اول یعنی ۲ ۳ میں ضرب دیا ۱۲ ۸ حاصل ہوئے۔ اور یہی مبلغ اور دونوں مسئلوں کا مخرج ہے۔

مصنف نے جبکہ اصل باب استقامت موافقت و مباینت کو منصب میت ثانی اور اُسکی تصحیح میں ذکر کیا تو اُس کے لئے ایسا مسئلہ بنایا جو چار بطون رکھتا ہے تاکہ دوسری بطن کو استقامت کی مثال بنائے۔
اور تیسرے بطن کو موافقت کی مثال قرار دے۔ اور چوتھے بطن کو مبائنت کی مثال قرار دے۔
پس اگر کہا جائے کہ مصنف نے استقامت اور موافقت اور مباینت کو دوسری میت کے منصب اور اُسکی تصحیح کے درمیان میں ذکر کیا اور موافقت کی نظیر کو تیسری میت کے منصب اور اُس کی تصحیح کے درمیان میں ذکر کیا اور مباینت کی نظیر کو چوتھی میت کے منصب اور اُسکی تصحیح کے درمیان میں ذکر کیا اور مبائنت کی نظیر کو چوتھی میت کے منصب اور اُسکی تصحیح کے درمیان میں وارد کیا۔ حالانکہ مناسب یہ تھا کہ تین مسئلے ذکر کرتے جس میں سے ہر مسئلے میں دو بطن ہوتے تاکہ پہلا مسئلہ استقامت کی نظیر ہوتا اور دوسرا مسئلہ موافقت کی نظیر ہوتا اور تیسرا مسئلہ مبائنت کی نظیر ہوتا اور نظیریں باب کے مطابق ہو جائیں۔ اس کا یہ جواب ہے کہ نظیر اصل باب کے مطابق ہے اس لئے کہ جب میت اولیٰ و ثانی کی دونوں تصحیحیں پہلی تصحیح بن گئیں تو دونوں میتیں ایک میت ہوگئیں۔ پھر تیسری میت دوسری میت بن جائے گی۔
پھر جب پہلی اور دوسری اور تیسری میت کی تینوں تصحیحیں ایک تصحیح ہیں تو تینوں میتیں ایک میت بنگئیں اور چوتھی میت دوسری میت ہو جائے گی تو اس تقدیر پر نظیر اصل باب کے مطابق ہو جاتی ہے۔ اور یہ باعتبار فصاحت کے ابلغ ہے اس امر سے کہ ہر ایک کے لئے استقامت اور موافقت اور مبائنت کی علیحدہ علیحدہ نظیر لائے اگر کہا جائے کہ مصنف کو یہ مناسب تھا کہ اصل باب کو نظیر پر مقدم کرتے تو جواب اس کا یہ ہے کہ مصنف کا مقصود اُن نظیروں کے بیان کرنے سے یہ ہے کہ بعض حصوں کو تقسیم سے قبل میراث بنائیں۔ اس لئے نظیر کو مقدم کیا۔
پھر تخریج حکم کو بتایا۔

فسهام ورثة الميت الاول تضرب فى المضروب اعنى فى التصحيح الثانى او فى وفقه

پھر میت اول کے سہام کو مضروب یعنی دوسری تصحیح میں ضرب دو یا تصحیح ثانی کے وفق میں ضرب دو۔
مصنف کا یہ کلام شرط محذوف کی جزا ہے۔ مراد اُنکی یہ ہے کہ حصول مخرج کے بعد جب تمکو وارثوں میں سے ہر کسی کا حصہ معلوم کرنا ہو تو دیکھو کہ اگر میت ثانی کے مافی الید اور میت ثانی کے مسئلے کی تصحیح میں مبائنت ہے تو ایسی حالت میں میت اول کے وارثوں کے سہام کو جو تصحیح مسئلہ سے اُنھیں پہنچے ہوں کل تصحیح ثانی میں ضرب دو۔
اور اگر اُن دونوں میں موافقت ہو تو بجائے تصحیح ثانی کے اُسکے وفق میں ضرب دو جیسا کہ فصل بعد التصحیح میں یہ بتایا گیا ہے کہ جبکہ اس بات کا دریافت کرنا منظور ہو کہ ہر فریق کو تصحیح سے کتنا پہنچتا ہے تو جتنا ہر فریق کو اصل مسئلے سے ملا ہے اُسکو مضروب میں یعنی اُس عدد میں ضرب دیں جسکو اصل مسئلے میں ضرب دیا۔ اور یہ مضروب یا کل عدد رؤس اُس

فریق کا ہوتا ہے جسپر سہام ٹوٹتے ہیں جبکہ سہام در رُوس میں مباینت ہوتی ہے اور یا عدد رؤس کا وفق ہوتا ہے جبکہ دونوں میں موافقت ہوتی ہے۔
یہی حال اس جگہ بھی ہے کیونکہ یہاں دوسری تصحیح کا وہ مرتبہ ہے جو وہاں مضروب کا ہوتا ہے۔

وسہام ورثۃ المیت الثانی تضرب فی کل ما فی ید ۲ اور دوسری میت کے وارثوں کے سہام کو جو تصحیح مسئلہ سے اُنھیں ملے ہیں دوسری میت کے تمام مافی الید میں ضرب دو جبکہ دونوں میں مباینت ہو۔

او فی وفقہ یا دوسری میت کے وارثوں کے سہام کو اُسکے مافی الید کے وفق میں ضرب دو جبکہ دونوں میں موافقت ہو کیونکہ جبکہ دوسری میت کے وارثوں کا حق اُسکے مافی الید میں ہے تو اسی میں ضرب دیا جائیگا اور وہی مضروب فیہ ہوگا۔ اور ضرب مذکورسے ہر وارث کا حصہ حاصل ہوگا۔ دوسری عبارت میں ہر ایک کا حصہ حاصل ضرب سے معلوم ہو جائے گا۔ چنانچہ جس کا حصہ ۳۲ میں تھا وہ حصہ چار میں کہ جدہ کا مسئلہ ہو ضرب دیا جائیگا۔ اور جس کا حصہ چار میں ہو وہ جدہ کے مافی الید یعنی نو میں ضرب دیا جائیگا۔ سو دوسری میت کہ مورث اعلیٰ کا شوہر ہے اُسکی دوسری وجہ کا حصہ ۳۲ سے تھا اسکو چار میں ضرب دیا آٹھ حاصل ہوئے۔ اب اُس کا یہ حصہ ہوا اور دوسری میت کی ماں کا حصہ بھی ۳۲ میں سے دو تھا اسکو بھی چار میں ضرب دیا آٹھ ہوئے۔ یہ اُسکی ماں کا حصہ ٹھہرا۔ اور دوسری میت کی باپ کے ۳۲ سے ۴ سہام تھے جب انکو چار میں ضرب دیا ۱۶ حاصل ہوئے۔ یہ باپ کا حصہ ہوا۔
اور تیسری میت یعنی مورث اعلیٰ کی بیٹی کے دونوں فرزندوں میں سے ہر ایک کا حصہ ۳۲ سے ۶ تھا اسکو جدہ کے مسئلے یعنی ۴ میں ضرب دیا ۲۴ حاصل ہوئے۔ یہ حصہ ٹھہرا ہر ایک فرزند کا اور تیسری میت کی بیٹی کا حصہ ۳۲ میں سے تین تھا اسکو ۴ میں ضرب دیا بارہ حاصل ہوئے۔ یہ اُس کا حصہ ہوا۔
اور چوتھی میت یعنی جدہ مذکورہ کے شوہر کے جدہ کے مسئلے سے دو سہم تھے جب انکو جدہ کے مافی الید یعنی نو میں ضرب دیا تو اٹھارہ حاصل ہوئے۔ یہ اُس کا حصہ ہوا۔ اور جدہ کے ہر ایک بھائی کا حصہ اُسکے مسئلے سے ایک ایک سہم تھا۔ جب ایک کو جدہ کے مافی الید یعنی نو میں ضرب دیا تو نو ہی حاصل ہوئے۔ پس ہر بھائی کا حصہ نو نو سہم ہوا۔

دیگر { مسئلہ ۴ — امیر خاں

زوجہ
جدہ
۴

چچا
اسماعیل خاں
۳

مسئلہ ۲

اسماعیل خاں	تباین	مافی الید ۳
بیٹا		بیٹا
عزیز اللہ		کریم اللہ
۱/۳		۱/۳

المبلغ ۸

الاحـــ

عابدہ	عزیز اللہ	کریم اللہ
۲	۳	۳

صورت اسکی یہ ہے کہ امیر خاں ایک زوجہ عابدہ اور ایک چچا اسماعیل خاں چھوڑ کر مرگیا پھر اسماعیل خاں دو بیٹے عزیز اللہ و کریم اللہ چھوڑ کر مرگیا۔

پس اس صورت میں بحکم قاعدۂ مسئلہ میت اول یعنی امیر خاں۔ و میت ثانی یعنی اسماعیل خاں کی تصحیح کرکے اُنکے ہر وارث کو سہام دیکر مافی الید میت ثانی یعنی ۳ کو تصحیح ثانی یعنی دو کی دوسری جانب میں لکھکر تصحیح ثانی اور مافی الید مذکور میں نسبت کا لحاظ کیا تو تباین پایا۔ اس لئے لفظ تباین دونوں کے درمیان میں لکھ کر کل تصحیح ثانی یعنی دو کو کل تصحیح اول یعنی ۴ میں ضرب دیا ۸ حاصل ہوے۔ اس حاصل کو کہ اسے مبلغ کہتے ہیں۔

تصحیح اول یعنی ۴ کے اوپر لکھدیا پھر حسب قاعدۂ سہم وارث میت اول یعنی عابدہ کو کہ ایک ہے کل تصحیح ثانی یعنی دو میں ضرب دیا دو ہی حاصل ہوے۔

ان دو کو اُسکے سہم کے تلے لکھ دیا۔ اور میت ثانی کے ہر ایک وارث یعنی عزیز اللہ و کریم اللہ کے سہم کو کہ ایک ایک ہے کل مافی الید یعنی ۳ میں ضرب دیا ہر ضرب سے تین تین حاصل ہوے۔ سو ہر ایک کے سہام کے نیچے لکھدیے۔

پھر حسب قاعدہ مذکور کھینچکر اُسکے اوپر مبلغ مذکور یعنی ۸ کو اور اُسکے نیچے زندہ وارثوں کے نام اور ہر ایک کے سہام کو لکھدیا۔

ہمنے مثالوں کو اس صورت سے بیان کیا ہے کہ ان میں دو دو میت کا منا سخہ ہے اور اور مصنف نے جو مثال دی ہے کہ ایک عورت نے شوہر اور بیٹی اور ماں کو چھوڑا پھر اسی طرح قبل تقسیم ترکہ میت اول کی بیٹی مرگئی۔ اور ایک ثانی اور دو بیٹے

اور ایک بیٹی کو چھوڑا۔

پھر اسی طرح میت اول کی ماں مرگئی اور شوہر اور دو بھائیوں کو چھوڑا تو اس میں دو میت سے زیادہ کا مناسخہ ہے۔ ایسی صورت میں مبلغ کو بجائے تصحیح اول کے اور تصحیح ثالث کو بجائے تصحیح ثانی کے ماننگر بدستور عمل کریں اسی طرح چوتھی اور پانچویں میت میں عمل کریں جیسا کہ مصنف کہتے ہیں۔

وان مات ثالث اورابع اوخامس فاجعل المبلغ مقام الاولی والثالثة مقام الثانیة فی العمل ثم فی الرابعة والخامسة الی غیر النهایة اور اگر وارثوں میں تیسرا یا چوتھا یا پانچواں شخص تقسیم ترکہ سے پہلے مرگیا تو اُس مبلغ کو کہ میت اول و دوم کے مسئلے کا مخرج ہے اور دونوں وارثوں پر مستقیم ہے عمل میں مسئلہ اول کی جگہ اعتبار کرو اور تیسرے مسئلے کو جو تیسری میت سے تعلق رکھتا ہے دوسرے مسئلے کی جگہ جانو گویا پہلی اور دوسری میت ایک میت ہوگئی تو تیسری میت دوسری میت ٹھہریگی اسی طرح چوتھی اور پانچویں اور اس سے زیادہ میں بھی عمل کرنا چاہیے۔

چنانچہ جبکہ پہلی اور دوسری اور تیسری میت کی تصحیح ایک تصحیح بن گئی تو یہ سب ایک میت بن گئیں تو اب چوتھی میت دوسری میت بن جائیگی۔

اسی طرح جب چار میتوں کی تصحیح ایک ٹھہر جائیگی تو یہ سب بمنزلۂ میت واحد کے ہو جائینگی۔ اور پانچویں میت دوسری میت ہو جائیگی۔

دوسری عبارت میں یوں سمجھو کہ جس مبلغ سے پہلا اور دوسرا مسئلہ صحیح ہو جاتا ہے اُسکو پہلے مسئلے کی تصحیح کا قایم مقام بتاتے ہیں۔ اور تیسری میت کی تصحیح کو دوسری میت کی جگہ کام میں لاتے ہیں۔

اسی طرح چوتھی اور پانچویں اور اس سے زیادہ کے ساتھ جہاں تک بطون ختم ہوں عمل کرتے ہیں اور وجہ اسکی یہ ہے کہ جب پہلے اور دوسرے مسئلوں کا مخرج ایک بنگیا تو دونوں پہلے کی جگہ ہوگئے۔ کیونکہ تیسرا دوسرا بنے گا۔ اور جبکہ تیسرے کے ساتھ وہ عمل واقع ہوتا تو مخرج سب کا ایک ہوگیا۔ اور پہلا اور دوسرا اور تیسرا پہلے کا قایم مقام بن گئے۔ اب چوتھا مسئلہ دوسرا بنے گا۔ جہاں تک بطون ختم ہوں۔

واضح رہے کہ تعدد مناسخات کا میراث کے مرتبۂ واحدہ میں ہو یا مراتب متعددہ میں ہو عمل میں کچھ فرق نہیں ہے۔

فائدہ طریق مناسخے کے لکھنے کا یہ ہے کہ پہلے میت اول اور اُس کے وارثوں کو لکھکر اصل مسئلے کو جدا اور تصحیح کو اُسکے اوپر لکھتے ہیں جبکی تو صحیح یہ ہے کہ لفظ مسئلے کے تلے میت کی مدکھینچ کے اُسکے اوپر عدد لکھتے ہیں بیچ میں یا کنارے پر میت کا نام لکھتے ہیں۔ اور تلے اُسکے وارثوں کو لکھ کے نیچے ہر ایک کا نام لکھتے ہیں۔ اور ذوی الفروض کو

ہو جاتو دوسرے کے ساتھ

مقدم لکھتے ہیں اور بعد اسکے عصبات کو اسواسطے کہ پہلے ذوی الفروض کو دیکر جو بچے وہ عصبات کو پہنچتا ہے اور ذوی الفروض میں زوجین کو مقدم لکھتے ہیں اسواسطے کہ صورت رد میں انھیں پہلے دیکر باقی میں رد ہوتا ہے پھر دوسرے بطن کے لئے نفس مسئلہ کے تلے میت کی مد لکھکے اُسپر عدد لکھتے ہیں اور تلے ہر وارث کے نام اور عدد سہام کو تحریر کرتے ہیں اور قریب منتہائے مد کے فی یدہ یا مافی الید لکھکر بعد اسکے جسقدر عدد میت کے ہاتھ میں ہوں وہ لکھدیتے ہیں اور اگر مافی الید اور مسئلے میں تباین ہو تو لفظ تباین اور اگر توافق ہو تو لفظ بالنصف یا بالربع یا بالثلث وغیرہ درمیان لفظ مسئلہ اور نام میت کے درج کرتے ہیں اور میت کا نام مسئلے کے تلے بھی لکھتے ہیں۔ اور جب ضرب سے تغیر ہوتا ہے تو ایک لکیر عدد مسئلہ کے اوپر اور عدد سہام وارث کے تلے کھینچ کے عدد حاصل کو لکھدیتے ہیں اور جس عدد سے تصحیح ہوتی ہے۔ کبھی اسکو عدد مسئلہ کے اوپر اس علامت کے ساتھ بھی لکھتے ہیں اور جو شخص اُن وارثوں میں مرے اُسکے تلے ایک لکیر قوس کی طرح کردیتے ہیں اور پھر اُسکے سہام کی ضرب نہیں ہوتی۔

اور بعد تمام ہونے بطون کے مدالاجیار کی کھینچ کے اسکے تلے نام اُن اشخاص کے جنکے مرنے کا ذکر ہوا ہو لکھ کر جو کچھ ہر ایک کو تمام بطون سے ملا ہو جمع کرکے نیچے اُس کے نام کے لکھدیتے ہیں۔ بعد اسکے تمام ارقام زیر الاجیار کو جمع کرکے المبلغ کا لفظ مالاجیار کے اوپر لکھ کے اُسکے تلے یا اوپر تحریر کرتے ہیں اگر عدد زیر یا بالا سے مبلغ اور مسئلہ میت اعلی مطابق ہوں تو فرائض صحیح ہے نہیں تو غلط ہے۔ غور کرکے غلطی نکال ڈالیں۔

مصنف کی مثال کے باقاعدہ بند مناسخہ کی یہ صورت ہے۔

	۱۲۸
	۳۲
	۱۶
مسئلہ ۴	قادری بیگم

مسئلہ ۴ رد یہ

شوہر	دختر	ماں
عنایت اللہ	ممتاز بیگم	حسینی بیگم
۱	۹	۴
مسئلہ ۴ عنایت اللہ	مماثلت	مافی الید ۴

زوجہ	باپ	مادر
سعادت بیگم	یعقوب علی خاں	مبارک بیگم
۱	۲	۱
۸	۱۶	۸

مسئلہ ۶ ممتاز بیگم — توافق بالثلث — مافی الید ۹

دختر	پسر	پسر	نانی
مریم زمانی بیگم	یوسف علی	عبدالعزیز	حسینی بیگم
۱/۳	۲/۶	۲/۶	۱/۶
۱۲	۲۴	۲۴	

مسئلہ ۴ حسینی بیگم — تباین — مافی الید ۹

شوہر	بھائی	بھائی
اکبر علی	عظیم خاں	عبدالحکیم خاں
۲/۱۸	۱/۹	۱/۹

۱۲۸

المبلغ

الاصل

سعادت بیگم - یعقوب علیخاں - مبارک بیگم - مریم زمانی بیگم - یوسف علی - عبدالعزیز - اکبر علی - عظیم خاں - عبدالحکیم خاں

۸ ۱۶ ۸ ۱۲ ۲۴ ۲۴ ۱۸ ۹ ۹

بعد تقدیم ماتقدم علی الاورث و رفع موانع ترکۂ قادری بیگم اکیسو اٹھائیس سہام پر منقسم ہو کر اُن میں سے آٹھ سہام مساۃ سعادت بیگم کو پہنچے - اور ۱۶ سہام یعقوب علی خاں کو پہنچے - اور آٹھ سہام مساۃ مبارک بیگم کو اور بارہ سہام مریم زمانی بیگم کو اور چوبیس چوبیس سہام یوسف علی و عبدالعزیز کو - اور اٹھارہ سہام اکبر علی کو - اور نو نو سہام عظیم خاں و عبدالحکیم خاں کو -

فائدہ ۲ مناسخہ دو طور پر ہوتا ہے -
ایک کامل - دوسرا ناقص -

مناسخہ کامل تو یہی ہے جسکی تفصیل اوپر گزری کہ جب دوسرا مرے تو اپنے ایسے وارث چھوڑے جو میت اول کی وراثت میں اُسکے ساتھ تھے یعنی اُسنے غیر ہوں یا دوسری میت کے وارث بھی وہی ہوں جو میت اول کے وارث ہیں - لیکن اُنکی وراثت کی جہت دونوں میتوں سے مختلف ہو -

مناسخہ ناقص

یہ ہے کہ ان دونوں باتوں کے خلاف ہو اسطرح کہ یا تو دوسری میت کے تمام وارث وہی ہوں جو میت اول کے تھے اور دوسری میت نے میت اول کے وارثوں کے سوا کوئی اور شخص وارث نہیں چھوڑا ہے یا سب کی جہت وراثت دونوں میتوں سے متحد ہو تو اس صورت میں جو شخص بھی تقسیم سے قبل وفات پائے گا وہ لغو اور کالعدم قرار دیا جائے گا۔ اور صرف میت اخیر کا فریضہ صحیح کیا جائیگا۔ گویا کہ سوائے اس کے کوئی اور فراہی نہیں ہے۔ اور نہ کوئی دوسرا شخص سوا اس کے وارثوں کے وارث تھا۔

مثال اسکی یہ ہے کہ ایک شخص نے وفات پائی اور اپنے وارث پانچ بیٹے اور پانچ بیٹیاں چھوڑیں۔ پھر ان میں سے ایک شخص مرگیا اور اسنے وہی وارث چھوڑے جو میت اول کے ترکے میں اس کے شریک حال تھے۔ انکو سوائے کوئی اور شخص وارث نہ چھوڑا۔ تو ان نو آدمیوں پر اس طرح مال کی تقسیم ہوگی کہ عورت سے دو نا مرد کو دیا جائے گا۔ اور ایسی حالت میں میت اول کے فریضے کی تصحیح کی ضرورت نہ پڑے گی اسی طرح جو کوئی اور بھی انمیں سے آگے پیچھے مرجائے گا اور انکو سوا کسی غیر شخص کو وارث نہ چھوڑے گا تو مال کی تقسیم صرف رؤس پر ہوگی۔ پہلی یا دوسری یا تیسری وغیرہ میت کے مسئلوں کی تصحیح کی ضرورت نہ پڑے گی۔

تنبیہ اگر مناسخے کے وارثوں میں کوئی خنثاے مشکل ہو یا حاملہ ہو یا مفقود ہو تو اول اُسکے مسائل کی تصحیح بموجب اُن قواعد کے کرکے اسکے بعد مناسخے میں شریک کیا جائے ورنہ بڑی دقت ہوگی۔

باب ذوی الارحام

یہ باب ذوی الارحام کے مسائل میں ہے

مغرب میں ہے کہ رحم اصل میں بچے کے بننے کی جگہ اور اُس کا ظرف ہے۔ پیدائشی وجہ سے جو قرابت اور رشتہ داری ہو اُس کا نام رحم ہوگا اس واسطے کہ رحم قرابت کا سبب ہے۔

اور بعض علمانے کہا ہے کہ لغت میں ذو رحم مطلقاً صاحب قرابت سے مراد ہے خواہ وہ قرابت ولادت کی وجہ سے ہو یا نہ ہو۔
بہر صورت ذوی الارحام کی میراث کا استحقاق رحم کی وجہ سے ہے اور ان میں عورت و مرد دونوں داخل ہیں۔
جو اکابر توریث ذوی الارحام کے قائل ہیں وہ تین قسم پر ہیں۔
(۱) ایک قسم وہ ہے جنھیں اہل قرابت کہتے ہیں اور ان میں ابو حنیفہ اور یوسف و محمد و زفر و عیسیٰ بن ابان داخل ہیں۔ انکو **اہل قرابت** اس لئے کہتے ہیں کہ یہ لوگ اقرب فالاقرب کو مقدم جانتے ہیں۔
(۲) دوسری قسم کے علما **اہل تنزیل** کہلاتے ہیں۔ اور انمیں نام ونمود کے آدمی علقمہ اور مسروق اور نعیم بن حماد اور ابو نعیم اور ابو عبید القاسم بن سلامہ وشریک وحسن بن زیاد ہیں ان کا یہ لقب اس لئے مقرر ہوا ہے کہ یہ حضرات ہر کو ہر کی جگہ نازل کرتے ہیں۔ یعنی جسکو دوسری شخص سے نسبت ہوا سے اس دوسرے کا قایم مقام مانتے ہیں تفصیل اسکی یہ ہے کہ جبکہ میت نے ایک نواسی اور ایک بھتیجی چھوڑی تو اہل قرابت کی رائے کے مطابق مال نواسی کے لئے ہے کیونکہ وہ میت سے اقرب ہے اور اہل تنزیل کے قول کے مطابق مال دونوں میں آدھوں آدھ کرکے بٹے گا اور یہ اس طور سے ہے کہ گویا میت نے بیٹی اور بہن چھوڑی۔
پس بیٹی اور بہن جو مدلی بہ ہیں اول کی جگہ نواسی کو اور دوسری کی جگہ بھتیجی کو قرار دیا۔
(۳) تیسری قسم کو **اہل رحم** کہتے ہیں انمیں سے سراقہ بن میسرہ نوح بن ذراح ہیں ان لوگوں کو اہل رحم کہنے کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ انھوں نے اقرب اور ابعد کے درمیان استحقاق میں مساوات کا برتاؤ کیا ہے۔ اور استحقاق کو اصل رحم کی بنیاد پر ثابت کیا ہے۔
پھر ان میں سے ہر ایک فریق کو یہ زعم ہے کہ میرا ہی راستہ صحابہ کے مطابق ہے۔ صحابہ سے اس معاملے میں تین مسئلے منقول ہیں۔
(**الف**) ایک وہ کہ ابراہیم نخعی نے محمد بن عبداللہ سے نقل کیا ہے کہ ایک شخص مرا اور اسنے پھپی اور خالہ وارث چھوڑیں تو ان دارثوں نے مال کے تین حصے کرکے اسطرح تقسیم کردیا کہ دو تہائی پھپی کو دیدے اور ایک تہائی خالہ کو دیا تو اس روایت کے مطابق اہل تنزیل نے سمجھ لیا کہ ہمارے مذہب کے مطابق ہے۔ کیونکہ پھپی باپ سے نسبت رکھتی ہے تو اسکو باپ کی جگہ قرار دیا گیا۔ اور خالہ ماں سے نسبت رکھتی ہے تو اسکو ماں کا قائم مقام مان لیا۔ اور اہل قرابت نے خیال کیا کہ یہ بات ہمارے مذہب کے مطابق ہے بوجہ قرب کے اس لئے کہ پھپی کی قرابت باپ کے ذریعے سے ہے۔ اور باپ کی قرابت فرضیت اور عصوبت کا استحقاق رکھتی ہے۔
اور خالہ کی قرابت ماں کی وجہ سے ہے اور ماں کی قرابت کے لئے صرف فرضیت کا استحقاق

ہے نہ عصوبت کا اس لئے باپ کی قرابت والی کو مان کی قرابت والی سے دونا دلایا۔
(ب) شعبی نے ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ نواسی اور بھانجی وارث رہیں تو مال کو آدھوں آدھ کرکے دونوں کو برابر برابر بانٹ دیا جائے اس سے ثابت ہے کہ اُنکا مذہب اہل تنزیل کے مطابق ہے۔
(ج) شعبی نے حضرت علی سے روایت کی ہے کہ نواسی اور بھانجی سے اس سے ثابت ہے کہ اُنکا مذہب اہل قرابت کے موافق ہے۔
وجہ قول اہل تنزیل کی یہ ہے کہ سبب استحقاق کو راے سے ثابت کرنا ممکن نہیں اور یہاں کوئی نص قرآن وسنت واجماع سے ایسی موجود نہیں ہے کہ جس سے سبب استحقاق کا اُن کے لئے معلوم ہو۔
پس مدلی کو مدلی بہ کا قایم مقام بنانے کے سوا کوئی اور طریق استحقاق کا نہیں ملتا جس کہ استحقاق کا ثبوت ایسے سبب کی ساتھ ہاتھ آئے جو مدلی بہ کے لئے ثابت ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ جو کوئی وارثوں میں سے عصبہ یا صاحب فرض کی اولاد سے ہوتا ہے تو اُسکو ایسے شخص پہ ترجیح دی جاتی ہے جو نہ عصبہ ہو نہ صاحب فرض اور یہ صورت اسی لئے ہے کہ مدلی بہ کا اعتبار ہے اور اہل الرحم کہتے ہیں کہ ذوی الرحم کو استحقاق وصف عام کی وجہ سے حاصل ہے جو اللہ تعالےٰ کے اس قول سے ثابت ہے واُولوالارحام بعضھم اولی ببعض۔ اور اس وصف میں یعنی رحم کے باب میں اقرب وابعد سب برابر ہیں اور اہل قرابت کے قول کی وجہ یہ ہے کہ ذوی الاحام کا استحقاق معنیٰ عصوبت کی وجہ سے ہے اسی لئے الاقرب فالاقرب کے اعتبار سے تقدیم ہوتی ہے۔ اور تمام مال کا مستحق اکیلا شخص ہو جاتا ہے۔ پھر حقیقت عصوبت میں کبھی قرب کی زیادتی درجے کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ اور کبھی قوت سبب کی وجہ سے۔
اسی لئے عصوبت میں بیٹا ہونے کو باپ ہونے پر مقدم کیا گیا ہے۔
اسی طرح معنی عصوبت میں تقدیم ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ اس میں بھی قرب کبھی درجہ کے ساتھ ثابت ہوتا ہے اور کبھی سبب کی وجہ سے۔
چنانچہ بیٹی کا لڑکا سبب کی وجہ سے بہن کے لڑکے سے اقوی ہے اس لئے اُسپر مقدم ہوگا۔
پھر اہل تنزیل کا قول ایک خطائے فاحش کے کنارے پہنچاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ مُدلی محروم ہو جاتا ہے جبکہ مُدلی بہ غلام یا کافر ہوئے۔
کیونکہ انسان کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ غیر میں کسی بات کے ہونے کی وجہ سے میراث سے محروم نہو۔ اور جبکہ مُدلی بہ کی غلامی اُسکے حرمان کا موجب ہوگی تو مدلی بہ کی موت بھی اُس کے حرمان کا سبب ہوسکتی ہے۔

اور جبکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ حجب و حرمان میں مدلی بہ کا اعتبار نہیں ہے تو اسیطرح زیادتی و نقصان میں بھی اعتبار نہو گا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ استحقاق مدلی کا خود اُسکے ایسے وصف کی وجہ سے ہو گا جو اُس میں پایا جاتا ہے اور وہ قرابت ہے لیکن اقرب کو تقدیم معنیٔ عصوبت کے اعتبار سے ہوتی ہے جیسا کہ رب العزت نے فرمایا ہے۔

للرجال نصیب مما ترک الوالدان والاقربون یعنی ماں باپ اور رشتہ داروں کی ترکے میں مردوں کا حصہ ہے۔

پھر اسمیں خلاف نہیں ہے کہ اصحاب فرائض کو دوبارہ دینا توریث ذوی الارحام سے مقدم ہے مگر ایک روایت عمر بن عبد العزیز سے یہ کرتے ہیں کہ وہ ذوی الارحام کو اصحاب فرائض کے دوبارہ دینے یعنی رَدّ پر مقدم کرتا تھا وجہ اسکی یہ ہے کہ جبکہ اصحاب فرائض کے حق میں وصف خاص کا اعتبار ہوا تو وصف عام کا اعتبار اُسکے مقابلے میں ساقط ہو گا اور ذوی الارحام ایسے ہی ہیں کہ وہ وصف عام کے ساتھ استحقاق رکھتے ہیں۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ وصف عام میں دونوں فریق برابر ہیں۔ اور اصحاب فرائض کو جو ترجیح حاصل ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ اُنکے لئے قوت کا سبب موجود ہے۔

پس وہ اپنی قوت کے سبب سے ذوی الارحام پر مقدم ہونگے۔

ذو الرحم هو كل قريب ليس بذي سهم ولا عصبة ذو رحم اُس قریب کو کہتے ہیں کہ نہ ذی فرض ہو اور نہ عصبہ ہو تو وہ وارثوں کی تیسری قسم ٹھہرا۔

ذوی الارحام کی توریث میں بڑے بڑے جھگڑے ہوئے لیکن مفتے بہ قول یہ ہے کہ جب ذوی الفروض نسبیہ اور کوئی قسم کے عصبات نہوں تو ذوی الارحام وارث ہیں ذوی الفروض سببیہ کے رہنے سے ذوی الارحام محروم نہیں ہونگے۔ بلکہ بعد جانی حصۂ ذوی الفروض سببیہ کے جو باقی رہے گا وہ ذوی الارحام میں تقسیم کیا جائیگا۔

وكانت عامة الصحابة رضي الله تعالى عنهم يورثون ذوي الارحام یعنی اکثر صحابۂ کرام جیسے حضرت عمر فاروق اور علی مرتضےٰ اور ابن مسعود اور ابو عبیدہ بن الجراح اور معاذ اور ابو درداء اور ابن عباس بروایت مشہورہ توریث ذوی الارحام کے قائل ہیں۔

وبه قال اصحابنا رحمهم الله اور یہی قول امام اعظم اور اُنکے تابعین یعنی ابو یوسف و محمد و زفر اور عیسی بن ابان و نیز اہل تنزیل کا ہے۔

صاحب بحر نے بیان کیا ہے کہ شعبی اور مسروق اور محمد بن حنفیہ اور نخعی اور ثوری اور حسن بن صالح اور ابو نعیم اور یحیےٰ بن آدم اور قاسم بن سلامۃ اور اہل بیت اور امام ابو حنیفہ اور اسی قول اور حسن بن زیاد اسی طرف گئے ہیں کہ جب ذوی الارحام کے ساتھ عصبات و ذوی الفروض سلام

نہو تو وہ وارث ہوتے ہیں اور تابعین میں سے شریح اور ابن سیرین اور عطا اور مجاہد بھی انکو وارث ملتے ہیں اور اسی طرف گئے ہیں عراق اور بصرہ اور کوفہ وغیرہ کے فقہا۔

قائلین وراثت اس آیت سے استدلال کرتے ہیں: اولوالارحام بعضہم اولی ببعض فی کتاب اللہ یعنی اسکے یہ ہیں کہ اُنمیں سے بعض اولے ہیں بعض سے اور گو یہ استحقاق کا ثبوت وصف عام کے ساتھ ہے مگر ایسے استحقاق میں جو وصف عام کے ساتھ ہو اور ایسے استحقاق میں جو وصف خاص کے ساتھ ہو منافات نہیں ہے۔

پس جس شخص کے حق میں استحقاق وصف خاص کے ساتھ موجود نہو اُسکے لئے استحقاق وصف عام کے ساتھ ہوتا ہے۔

پس یہ کتاب اللہ پر زیادتی نہوگی۔ اور توریث کے قائلین نے احادیث ذیل سے بھی دلیل پکڑی ہے کہ احمد اور ابن ماجہ وغیرہ نے ابو امامہ بن سہل سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ ورسولہ مولے من لا مولے لہ والخال وارث من لا وارث لہ یعنی اللہ اور اُس کا رسول ایسے شخص کے مولے ہیں جسکا کوئی مولے نہوگا اور ماموں وارث ہے اُس شخص کا جس کا کوئی وارث نہو۔ اور نیز بی بی عائشہ کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جسکو ابو داؤد اور ترمذی اور ابن ماجہ اور احمد نے روایت کیا ہے۔

ان مولے النبی صلے اللہ علیہ وسلم خرّ من عذق نخلۃ فمات فاُتی بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ہل لہا من نسیب او رحم قالو لا قال اعطوا میراثہ بعض اہل قریتہ یعنی نبی صلی اللہ علیہ کا ایک آزاد کردہ غلام کھجور کے پیڑ سے گر کر مر گیا۔

پس وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کا کوئی ہم نسب یا ذورحم ہے لوگوں نے عرض کیا نہیں تو ارشاد کیا کہ اسکی میراث اسکے گانوں کے بعض لوگوں کو دیدو۔ اور نیز اللہ تعالیٰ کے اس قول سے۔

للرجال نصیب مما ترک الوالدان والاقربون وللنساء نصیب مما ترک الوالدان والاقربون یعنی مردوں کے لئے اُس چیز سے حصہ ہے جو چھوڑیں اُنکے ماں باپ اور اُنکے قریبی رشتہ دار اور عورتوں کے لئے حصہ ہے اُس مال میں سے جو ماں باپ اور قریبی رشتہ دار اُنکے چھوڑیں۔ اور یہ آیتیں عام ہیں اور لفظ رجال اور نساء اور اقربون ذوی الارحام کو شامل ہے۔ اور جو شخص تخصیص کا دعویٰ کرے اُسکے ذمے دلیل کا بیان کرنا ہے۔ وقال زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ لا میراث لذوی الارحام ویوضع المال فی بیت المال یعنی زید بن ثابت میراث ذوی الارحام کے قائل نہیں اُنکے نزدیک جب اصحاب فرائض وعصبات نہو تو مترو کہ بیت المال میں رکھا جائے۔ اور بروایت شاذہ ابن عباس بھی انکو وارث نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور عثمان سے بھی یہی مروی ہے لیکن یہ بات درجہ صداقت سے گری ہوئی ہے دلیل اسپر یہ ہے کہ خلیفہ بغداد معتضد عباسی نے قاضی ابو حازم سے یہ مسئلہ دریافت کیا تو انھوں نے کہا کہ تمام اصحاب رسول کا توریث ذوی الارحام پر اجماع ہے سوائے زید بن ثابت کے اُسوقت معتضد نے کہا کہ حضرت ابوبکر و عمر و عثمان سے بھی تو یہی روایت چلی آتی ہے

قاضی نے جواب دیا کہ حاشا و کلاّ ایسا نہیں ہے جسنے ایسا کہا ہے اُسنے اُنپر افترا کیا ہے۔
اُسوقت معتقدنے حکم دیا کہ بیت المال میں جسقدر مال ایسے متوفیوں کا جمع ہے جنکے سوائے ذوی الارحام کے کوئی وارث نہ تھا وہ تمام مال ذوی الارحام کو دیدیا جائے۔ اور ابوحازم کی تصدیق کی۔ بلکہ حضرت ابوبکر سے یہ مروی ہے کہ وہ اس بات پر تاسف کرتے تھے کہ میں جناب پیغمبر خدا سے ذوی ارحام کی میراث کا حال نہ پوچھا۔ پھر اپنی رائے سے وہ ذوی الارحام کو دلانے لگے۔

وبہ قال مالك والشافعی رحمہما اللہ اور یہی مالک اور شافعی نے کہا ہے کہ ذوی الارحام وارث نہیں ہوتے اور یہی سفیان ثوری کا حال ہے اور تابعین میں سے جو اُنکی توریث کے منکر ہیں اُنکے نام یہ ہیں۔

سعید بن مسیب وسعید بن جبیر کہ یہ بھی ذوی الفروض اور عصبہ کے نہونے کی وقت بیت المال کو وارث بناتے ہیں اور زہری اور مکحول اور قاسم بن ابراہیم اور یحییٰ سے بھی یہی نقل کرتے ہیں۔ اور حجاز کے فقہاء کا بھی یہی مذہب ہے کہ ذوی الارحام وارث نہیں ہوتے۔ ذوی الارحام کی توریث سے انکار کرنے والوں نے آیات مواریث سے استدلال کیا ہے کہ خدائے پاک نے اصحاب الفروض وعصبات کا ذکر کیا ہے اور ذوی الارحام کا کچھ بھی ذکر نہیں کیا۔

اور ادلۂ ما فی الباب یہ ہے کہ ذوی الارحام کی توریث کتاب اللہ پر زیادتی ہوگی۔ اور یہ خبر واحد اور قیاس سے ثابت نہیں ہے اور پھپھی اور خالہ کی میراث کے متعلق حضرت رسول اللہ سے دریافت کیا گیا تو آپنے فرمایا کہ جبریل میرے پاس آئے تھے اور خبر دیتے تھے کہ ان دونوں کے لئے میراث نہیں ہے اسکے بعد رسول اللہ قبا کی طرف گئے تاکہ رب العزت سے استحقاق ذوی الارحام کے بارے میں استخارہ کریں تو وحی نازل ہوئی کہ اُنکے لئے کوئی میراث نہیں ہے۔

اور مانعین نے قائلین کا جواب اس طرح دیا ہے کہ کتاب کے عمومات کئی اُمور کے متحمل ہوتے ہیں اور بعض منسوخ ہوتے ہیں اور حدیثوں میں کلام ہے۔

اور اس کا جواب مثبتین کی طرف سے یہ ہے کہ دعوٰے احتمال کا اگر عموم کی وجہ سے ہے تو یہ دلیل میں کچھ نقصان نہیں ہے ورنہ ہر دلیل عام سے استدلال پکڑنا باطل ہوگا اور یہ صحیح نہیں اگر احتمال کسی دوسرے امر کے سبب سے ہے تو اسکو بیان کرنا چاہیئے۔

اور حدیثوں میں جو کلام کیا گیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ بہت سے اماموں نے ان حدیثوں کو صحیح اور بعض نے حسن کہا ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ اگر انکے افراد سے دلیل نہ پکڑی جائے تو ان کا مجموعہ دلیل پکڑنے کے قابل ضرور ہی ہے اور ذوی الارحام کے وارث بنانے کی تائید کرتی ہے۔

حدیث ابن ملاعنہ کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوی الارحام کو اُس کے ورثے کا وارث بنایا اور ولد ملاعنہ کی حدیث کا ابوداؤد نے مکحول سے ان الفاظ کے ساتھ اخراج کیا ہے میراث ابن الملاعنہ لامہ ثم لورثہا من بعد ہا یعنی ملاعنہ کے بیٹے کی میراث اُسکی ماں کے لئے ہے

پھر اُس کے بعد اُس کے وارثوں کے لئے ملاعنہ وہ عورت ہے جس سے اُس کے شوہر نے لعان کیا ہے اور اُسکے بیٹے سے انکار کیا ہے۔ اور حدیث ابوداؤد کی جو کہ ابوموسیٰ اشعری سے روایت کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قوم بھانجا انھیں میں سے ہے۔ یہ بھی اسی کی تائید کرتی ہے اور تاویل اُس حدیث کی جس میں کہ پھپی اور خالہ کی میراث کی نفی آئی ہے یہ ہے کہ جبکہ صاحب فرض یا عصبہ موجود ہو تو انکو کچھ نہ ملے گا۔

وذو الارحام اصناف اربعة اور ذوی الارحام کی چار جماعتیں ہیں۔
پس قسم اول میں میت کے جز یعنی میت کی بیٹی اور پوتی کی اولاد یعنی میت کی فروع ہیں۔
پھر دوسری قسم میں میت کی اصل یعنی جدات فاسدہ اور اجداد فاسد ہیں۔
پھر تیسری قسم میں بھتیجیاں اور بہن کی اولاد یعنی میت کے والدین کی فروع ہیں۔
پھر چوتھی قسم میں جدین کی فروع جیسے پھپی۔ ماموں۔ خالہ اور باپ کا اخیافی بھائی ہیں اور یہ لوگ نہ عصبہ ہیں نہ ذی فرض ہیں اور انکے لئے کچھ حصہ مقرر نہیں ہے بلکہ جس طرح عصبات کو تنہا ہونے کی حالت میں کل مال ملتا ہے۔ اور ذوی الفروض کے ساتھ ناتی۔ ایسے ہی ذوی الارحام کو تنہا ہونے کی حالت میں کل مال ملتا ہے اور زوجین کے ساتھ باقی اور قسم اول کے ہوتے دوسری قسم کو نہیں پہنچتا اور دوسری قسم کے ہوتے تیسری کو نہیں پہنچتا ہے۔ وعلی ہذا القیاس ایک قسم میں قریب کے ہوتے بعید کو نہیں پہنچتا۔
مثلاً نانا کے ہوتے ہوئے پرنانا محروم ہے۔ اسی طرح ہر درجے میں ایک کو دوسرے پر باعتبار قوت قرابت اور وصف اصل کے ترجیح ہے۔
ان چاروں اصناف کو زیادہ کھولا جائے تو سات اصناف میں منحصر ہوں اس طرح
(۱) پوتیوں کی اولاد اور بیٹیوں کی اولاد۔
(۲) بھائیوں کی بیٹیاں اور بہنوں کی اولاد۔
(۳) اجداد فاسد وجدات فاسدہ۔
(۴) مادری چچا اور حقیقی اور علاتی اور اخیافی پھپی اور ماموں اور خالہ۔
(۵) چوتھے نمبر والوں کی اولاد۔
(۶) باپ کے اخیافی چچے اور باپ کی پھپیاں اور باپ کے ماموں اور باپ کی خالائیں
(۷) چھٹے نمبر والوں کی اولاد۔
اصناف ذوی الارحام کی تفصیل مصنف یوں کرتے ہیں۔

الصنف الاول ینتمی الیٰ المیت وھم اولاد البنات واولاد بنات الابن پہلی جماعت میں وہ وارث ہیں جو میت کی طرف نسبت رکھتے ہوں۔ اس میں دو فریق ہیں۔ فریق اول بیٹیوں کی اولاد۔ فریق دوم پوتیوں کی اولاد اور یہ کہتے ہیں

نیچے درجے کے ہوں۔ اور اولاد البنات میں خواہ مرد ہوں کہ نواسے ہیں یا عورتیں کہ نواسیاں ہیں۔

والصنف الثانی ینتمی الیہم المیت دوسری جماعت میں وہ لوگ ہیں کہ میت اُن کی طرف نسبت رکھتی ہو۔

وہم الاجداد الساقطون اجداد جد کی جمع ہے اور ساقطون ساقطہ کی جمع ہے۔ اور جد ساقط اُس جد کو کہتے ہیں جو میت سے کسی ماں کے ذریعے سے علاقہ رکھتا ہو جیسے نانا اور نانا کا باپ اور نانا کے باپ کا باپ اور نانا کی ماں کا باپ کیونکہ نانا کی ماں جدۂ فاسدہ ہے۔ اس واسطے کہ دو ماؤں میں یعنی میت کی ماں اور نانا کی ماں میں نانا واسطہ ہے اور باپ کی ماں کا باپ یعنی دادی کا باپ بھی جد ساقط ہے

والجدات الساقطات جدات جدہ کی جمع ہے۔ اور ساقطات ساقطہ کی جمع ہے اور جدۂ ساقطہ وہ ہے جس کا رشتہ کسی سے بیان کرنے میں عورت آئے۔ دوسری عبارت میں اُس جدہ کو کہتے ہیں جو میت سے بواسطۂ جد فاسد کے علاقہ رکھتی ہو۔ تیسری عبارت میں جدۂ ساقطہ وہ ہے جو کسی ماں کے باپ کے ذریعے سے میت سے علاقہ رکھے۔ اور یہ مقابل ہے جدۂ صحیحہ کے اور وہ یہ ہے جسکی نسبت میں میت کی طرف جد فاسد داخل نہو۔

پس جس جدہ کی نسبت فاسد سے خالی ہوگی وہ صحیحہ ہوگی اور جس جدہ کی نسبت میں جد فاسد داخل ہوگا تو وہ ضرور ساقط ہوگی۔ پس صحیحہ وارث ہے مثل جد صحیح کے اور ساقطہ غیر وارث ہوگی مثل جد فاسد کے۔ بلکہ وہ ذوی الارحام سے ہے ان کو ساقطات اسلئے کہا گیا کہ یہ جدات اصحاب فرائض اور عصبات کے سامنے ساقط اور محروم و محجوب ہوتی ہیں۔

دوسری عبارت میں انکو ساقطات اس لئے کہتے ہیں کہ یہ میراث ملنے سے ساقط ہوگئی ہیں اور فاسدہ انکو صحیحہ کے مقابلے کے لئے بولتے ہیں۔ جیسے نانا کی ماں اور نانا کے باپ کی ماں اور نانا کی ماں کی ماں کہ یہ سب جد فاسد کے ذریعے سے علاقہ رکھتی ہیں۔

فوائد صبغیہ میں لکھا ہے کہ جدۂ وارثہ کو صحیحہ اور غیر وارثہ کو فاسدہ و ساقطہ کہنے کی اصطلاح کتب حنفیہ کے مطابق ہے۔ اور شافعیہ جدات وارثات کے بیان میں دو طرح کی عبارت لکھتے ہیں۔ جو نووی نے روضہ میں ذکر کی ہے ایک عبارت یہ ہے کہ جو جدہ محض عورات کے ذریعے سے نسبت رکھے۔ جیسے ماں کی ماں اور ماں کی ماں کی ماں (نانی اور پرنانی) یا جو صرف مردوں کے ذریعے سے نسبت رکھے جیسے باپ کی ماں اور دادا کی ماں (دادی پردادی) یا محض عورتوں کے ذریعے محض مردوں کی طرف نسبت رکھے جیسے باپ کی ماں کی ماں۔

دوسری عبارت یہ ہے کہ جو جدہ محض وارثوں کے ذریعے سے نسبت نہ کرے تو یہی غیر وارث ہے اور باقی تمام وارث ہیں۔
ابو ثور نے کہا ہے کہ وہ جدہ وارث نہیں ہوتی جو غیر وارث کے ذریعے سے نسبت رکھتی ہے اور نہ وہ وارث ہوتی ہے جسکی نسبت کے آخر میں ابوین یا زیادہ واقع ہوں مگر حنفیہ اور شافعیہ کی تقریر کا محصل ایک ہے۔
اور فقہا نے جدۂ ساقطہ و فاسدہ کی جو یوں تعریف کی ہے کہ فاسدہ وہ ہے جسکی نسبت میں میت کی طرف دو عورتوں کے درمیان میں مرد داخل ہوتا ہے اس میں کلام ہے جسکو صاحب البیان شرح حاوی نے یوں لکھا ہے کہ جدہ کی نسبت میں میت کی طرف دو عورتوں کے درمیان میں مرد کا واقع ہونا اُس کی توریث کے لئے دوسری جہت سے مانع نہیں ہے۔
مثلاً کسی میت نے ایسی جدہ چھوڑی جو اُسکی پر نانی کی ماں ہے۔ اور اُسکی والد کے باپ کی ماں بھی ہے تو یہ جدہ پہلی جہت سے وارث ہے۔
اور دوسری جہت سے وارث نہیں ہے۔
اسکا جواب یوں ہو سکتا ہے کہ جو جہت ایسی جدہ کی ارث سے مانع ہے وہ گویا کالعدم ہے۔ پس اُسی جہت کا اعتبار ہوگا جو توریث کی موجب ہے۔

والصنف الثالث ینتمی الی ابوی المیت وهم اولاد الاخوات وبنات الاخوة وبنو الاخوة واولاد تیسری جماعت میں اشخاص داخل ہیں کہ والدین میت کی طرف منسوب ہوتے ہیں اس میں پانچ فریق ہیں۔
(۱) حقیقی بہن کی اولاد۔
(۲) علاتی یعنی سوتیلی بہن کی اولاد۔
(۳) سگے بھائیوں کی صرف بیٹیاں۔
(۴) سوتیلے بھائیوں کی صرف بیٹیاں۔
(۵) اخیافی یعنی مادری بھائی اور بہنوں کی اولاد خواہ مرد ہو یا عورت۔ اور یہ تمام فریق کتنے ہی نیچے درجے کے ہوں سب اس تیسری قسم میں داخل ہیں اور سگے یا سوتیلے بھائیوں کی بیٹیوں کی اسواسطے تخصیص کی کہ بھتیجیاں ذوی الارحام میں داخل ہیں۔ اور بھتیجے عصبات میں سے ہیں۔ اور اخیافی بھائی اور بہنوں کی دونوں قسم کی اولاد ذوی الارحام سے ہے۔

والصنف الرابع ینتمی الی جدی المیت اور چوتھی جماعت ذوی الارحام میں وہ وارث ہیں جو میت کے جد پدری اور مادری یعنی دادا اور نانا کی

طرف نسبت رکھتے ہیں۔

اَوْجَدّ تیہ یا دادی اور نانی کی طرف منتسب ہوں۔ جدین سے باپ کا باپ یعنی دادا اور ماں کا باپ یعنی نانا مراد ہے۔ اور جدتین سے باپ کی ماں یعنی دادی اور ماں کی ماں یعنی نانی مراد ہے۔ اور جد عام ہے اس سے کہ صحیح ہو یا فاسد اسی طرح جدہ عام ہے اس سے کہ صحیحہ ہو یا فاسدہ۔

وھم العمات عمارت جمع عمہ کی ہے جسکے معنے پھپی کے ہیں۔ اور پھپیوں سے مراد مطلقاً ہے سگی ہوں یا سوتیلی یا مادری۔ تو اگر باپ کی سگی یا سوتیلی بہنیں ہیں وہ میت کے دادا کی طرف منسوب ہیں جانب پدری سے اور اگر میت کے باپ کی اخیافی یعنی مادری بہنیں ہیں تو وہ منسوب ہیں اُس کی جدۂ پدری کی طرف

والاعمام اعمام عم کی جمع ہے جسکے معنے چچا کے ہیں۔ اور اعمام لام سے مراد میت کے باپ کے مادری بھائی ہیں۔ اعمام میں مادری کی قید اسواسطے لگائی کہ سگا چچا اور سوتیلا چچا عصبات میں داخل ہیں نہ ذوی الارحام میں۔

والاخوال اخوال خال کی جمع ہے ماموں کے معنے میں ماموں خواہ عینی ہوں یا علاتی یا اخیافی۔

والخالات خالات خالہ کی جمع ہے اور یہ خواہ عینی ہوں یا علاتی یا اخیافی بہرصورت اخوال اور خالات ماں کے رشتہ دار ہیں۔ اخوال تو ماں کے بھائی ہیں اور خالات اُسکی بہنیں ہیں۔

پس اگر یہ لوگ ماں کے سگے یا سوتیلے بھائی بہن ہیں تو میت کے نانا کی طرف منسوب ہیں۔ اور اگر ماں کے اخیافی بھائی بہن ہیں تو میت کی نانی کی طرف منسوب ہیں۔

فھؤلاء پس جو لوگ ان چاروں قسموں میں داخل ہیں۔

وکل من ینتمی بھم اور جو شخص ان سے انتساب رکھتا ہے چنانچہ اس چوتھی صنف کی اولاد یعنی اولاد عمات و اولاد اعمام اخیافی اور بنات اعمام خواہ عینی ہوں یا علاتی یا اخیافی۔ اور اولاد بنات اعمام اور اولاد اخوال اور اولاد خالات خواہ مرد ہوں یا عورتیں۔

من ذوی الارحام سب ذوی الارحام سے ہیں۔

اس تقسیمیہ سے مصنف نے اشارہ کیا ہے اس بات کی طرف کہ ذوی الارحام اُن چار ہی میں منحصر نہیں ہیں اور ان میں سے بعض کے بعض پر مقدم ہونے کی بابت امام ابوحنیفہ کے مختلف روایتیں منقول ہیں۔

(۱) ایک روایت یہ ہے۔ روی ابو سلیمان یہ امام محمد کے شاگرد ہیں۔ اور موسیٰ بن سلیمان جرجانی نام ہے۔ مامون خلیفۂ عباسی والی بغداد کے معاصر تھے

عن محمد بن الحسن عن ابی حنیفۃ ان اقرب الاصناف الصنف الثانی وان علوا ابو سلیمان نے محمد بن حسن سے اور انھوں نے امام ابو حنیفہ سے روایت کی ہے کہ ان چاروں قسموں میں سب سے زیادہ میت سے نزدیکی رکھنے والی دوسری قسم ہے اگرچہ وہ لوگ کتنے ہی اونچے درجے کے ہوں اور وہ جدات فاسدات اور اجداد فاسدین ہیں یعنی وہ اصول کہ جو ذوی الفروض اور عصبات نہیں ہیں۔

ثم الاول وان سفلوا بعد اس کے پہلی قسم والے میت سے زیادہ قرب رکھنے والے ہیں گو کتنے ہی نیچے درجے کے ہوں اور وہ بیٹیوں اور پوتیوں کی اولاد ہے یعنی فروع جو ذوی الفروض اور عصبات سے نہیں ہیں جیسے اپنے نواسے نواسیاں اور بیٹے کے نواسے۔ نواسیاں۔ فتاوے المیراث موسوم بہ نظم الفرائض میں لکھا ہے کہ انصاف کا اقتضا بھی یہی ہے کہ پہلی صنف دوسری صنف کے بعد ہو اس لئے کہ جد اب الام (نانا) بیٹیوں کی اولاد سے اقوی و اعلی ہے۔ اس لئے کہ جو عورت اسکی درجہ میں ہے یعنی ام الام (نانی) وہ صاحب فریضہ ہے اور جو عورت نواسی کے درجہ میں ہے یعنی بنت البنت (نواسی) وہ صاحبان فروض میں سے نہیں ہے۔ اور نیز جد اب الام (نانا) اپنے دختر زادے کو مار ڈالے تو اسکے قصاص میں مارا نہیں جائیگا۔ اور اگر دختر زادہ اسے قتل کر ڈالے تو اپنے نانا کے قصاص میں مارا جاتا ہے۔

ثم الثالث وان نزلوا پھر تیسری قسم میت سے زیادہ قریب ہے اگرچہ اسفل درجے کے ہوں۔ یعنی میت کے والدین کی وہ فروع جو عصبہ یا ذوی الفرض نہوں اور وہ بہنوں کی اولاد ہے خواہ مرد یعنی بھانجے ہوں یا عورتیں یعنی بھانجیاں اور بہنیں حقیقی ہوں یا علاتی یا اخیافی۔ اور بھائیوں کی بیٹیاں اور بھائی خواہ حقیقی ہوں یا علاتی یا اخیافی۔ اور اخیافی بھائیوں کے بیٹے۔

ثم الرابع وان بعدوا پھر چوتھی قسم میت سے قرب رکھنے والی ہے اگرچہ اسکی اشخاص کتنے ہی اونچے درجے کے ہوں۔ اور وہ جدین کی فروع ہیں جو ذوی الفروض اور عصبات نہیں۔

(۲) دوسری روایت یہ ہے روی ابو یوسف والحسن بن زیاد عن ابی حنیفۃ حسن ابن زیاد امام ابو حنیفہ کے شاگرد ہیں کوفے کے قاضی تھے۔ سنہ ۲۰۴ھ ہجری میں انتقال کیا۔ (ابن سماعۃ) ان کا نام محمد بن سماعہ بن عبید بن ہلال ہے۔ صاحبین کے نامی شاگردوں سے ہیں۔ مامون کے عہد میں قاضی تھے سنہ ۲۳۳ھ ہجری میں وفات پائی

عن محمد بن الحسن عن ابی حنیفۃ رحمہم اللہ تعالی ان اقرب الاصناف الصنف الاول

یعنی ابو یوسف اور حسن بن زیاد نے امام ابو حنیفہ سے اور ابن سماعہ نے محمد بن حسن سے اور انھوں نے ابو حنیفہ سے روایت کی ہے کہ ترتیب ذوی الارحام میں مقدم جماعت اول ہے اگرچہ وہ بہت اسفل ہوں یعنی مثلاً بیٹی کی اولاد یا نواسی کی اولاد اور اسی طرح پوتی کے لڑکے لڑکیاں جب ان میں سے کوئی موجود ہو اگرچہ بہت پیچھے ہو وہی وارث ہوگا۔ چنانچہ فتاوے المیراث میں مذکور ہے کہ جداب الام (نانا) سے اولاد البنات (نواسا نواسی) مقدم ہے امام ابو حنیفہ کا یہی مسلک یعنی مختار ابو یوسف و محمد کا ہے۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ ذوی الارحام کی میراث کا استحقاق رحم کی وجہ سے ہے جس میں عصوبت کے معنی پائے جاتے ہیں اسی لئے جو سب سے زیادہ نزدیک ہوتا ہے وہ مقدم ہے۔ پھر وہ مقدم ہے جو اس سے بعد ہو۔ اور زیادہ قرب کفیٰ الاتمام مال کا مستحق ہوتا ہے اور فی الحقیقت جو عصوبت نبوت کی وجہ سے ہوتی ہے وہ ابوت پر مقدم ہے اور پوتا اولیٰ ہے دادا سے تو اسی طرح عصوبت معنوی میں دختروں کی اولاد نانا پر مقدم ہوگی۔

ثم الثانی پھر دوسری قسم یعنی جب میت کی فرع موجود نہو تو میت کی اصل کو میراث ملتی ہے۔

ثم الثالث بعدہ تیسری قسم یعنی جب میت کی اصل بھی نہو تو فرع پدر یا مادر کو میراث ملتی ہے۔

ثم الرابع بعد ازاں چوتھی قسم یعنی جبکہ فرع پدر و مادر بھی نہو تو چوتھی صنف یعنی میت کے جد صحیح اور جدۂ صحیحہ و فاسدہ کی فروع کو میراث ملتی ہے۔

لکن ترتیب العصبات یعنی مثل ترتیب عصبات کے ذوی الارحام میں بھی ترتیب ملحوظ ہے کہ مقدم سب سے فروع میت ہیں یعنی بیٹی اور پوتی کی اولاد بعد اسکے اصول یعنی جدۂ فاسدہ اور اجداد فاسد۔ بعد اسکے فروع ابوین یعنی بھتیجیاں اور بہن کی اولاد اور بعد اس کے فروع جدین جیسے عمہ یعنی پھپی۔ ماموں۔ خالہ اور عم لام یعنی باپ کا اخیافی بھائی اس لئے قسم اول کے ہوتے دوسری قسم کو نہیں پہنچتا اور دوسری کے ہوتے تیسری کو نہیں پہنچتا۔ وعلی ہذا القیاس اور جس طرح عصبات میں اقرب ابعد کا حاجب ہوتا ہے اسی طرح ذوی الارحام کی ایک قسم میں قریب کی ہوتے بعید کو نہیں پہنچتا مثلاً نانا کے ہوتے ہوئے پرنانا محروم ہے۔ وھوالمأخوذ بہ اور اسی پر فتویٰ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ترتیب میراث میں ذوی الارحام کا منوطے اس امر پر ہے کہ مقدم پہلی جماعت ہے پھر دوسری جماعت پھر تیسری جماعت پھر چوتھی جماعت جس صورت میں کہ پہلی جماعت موجود ہو تو دوسری جماعت محروم ہے علیٰ ہذا دوسری سے تیسری اور تیسری سے چوتھی محروم ہو جاتی ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اولاً پہلی صنف یعنی فروع میت کو میراث ملتی ہے جب وہ نہوں تو دوسری صنف یعنی اصول میت کو اور جب وہ بھی نہوں تو تیسری صنف یعنی میت کے ماں باپ کی فروع کو اور جب وہ بھی نہوں تو چوتھی صنف یعنی جد یا جدۂ میت کی فروع کو ابو یوسف اور حسن بن زیاد نے امام اعظم سے اسی طرح روایت کی ہے۔ اور ابو سلیمان نے محمد بن حسن سے اور انھوں نے امام اعظم سے روایت کی ہے کہ دوسری صنف مقدم ہے

پہلی صنف پر اور فتوے پہلی روایت پر ہے۔
فرائض اشرفی میں لکھا ہے کہ سب سے اولے میراث کے لئے بیٹوں کی اولاد ہے مرد ہوں یا عورتیں پھر جدات فاسدات واجداد فاسدین پھر حقیقی بھتیجیاں اور حقیقی بہنوں کی اولاد پھر علاتی بھائیوں کی بیٹیاں اور علاتی بہنوں کی اولاد پھر اخیافی بھائیوں کی بیٹیاں اور اخیافی بہنوں کی اولاد یہ ترتیب امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے لیکن امام ابو یوسف و محمد کے نزدیک بہنوں کی اولاد اجداد فاسدین وجدات فاسدات پر مقدم ہے پھر اخیافی پھپی اور ماموں اور خالہ اور چچا۔ پھر انکی اولاد پھر ماں اور باپ کی پھپی اور ماموں اور خالہ پھر انکی اولاد۔

وعن هما الصنف الثالث مقدم على الجد والاب الام اور امام ابو یوسف و محمد کے نزدیک ذوی الارحام میں سے تیسری جماعت کہ بہنوں کی اولاد یعنی بھانجے اور بھانجیاں اور بھائیوں کی بیٹیاں یعنی بھتیجیاں اور اخیافی بھائیوں کی کل اولاد اب الام (نانا) پر جو کہ اجداد سے ہر مقدم ہیں اور ابوحنیفہ سے مشہور روایت یہ ہے کہ نانا بھانجوں اور بھانجیوں اور بھتیجیوں پر مقدم ہے اور اسی روایت پر فتوے ہے اور یہ اس لئے ہے کہ ذوی الارحام میں امام کا مذہب عصبات کے قیاس پر ہے اسواسطے کہ عصبات میں میت کا دادا مقدم ہے میت کے بھائیوں پر اور انکے نزدیک عصوبت دو طور کی ہے ایک حقیقی ایک معنوی عصوبت حقیقی تو وہی ہے جسکا اوپر ذکر ہوا اور عصوبت معنوی سے مراد ذوی الارحام کی توریث ہے۔
پس جسطرح عصوبت حقیقی میں جد صحیح مقدم ہے بھائیوں پر تو اسی طرح عصوبت معنوی میں جد فاسد بھائیوں کی بیٹیوں اور بہنوں کے بیٹوں اور بیٹیوں پر مقدم ہوگا۔
شمس الائمہ سرخسی نے مبسوط میں لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک بھائیوں کی بیٹیوں اور بہنوں کی تمام اولاد پر نانا مقدم ہے۔ لیکن صاحبین بھائی کی بیٹیوں اور بہنوں کی اولاد کو نانا پر تقدیم دیتے ہیں۔ اور یہ اس لئے ہے کہ ابوحنیفہ کے نزدیک یہ قاعدہ مقرر ہے کہ حقیقت عصوبت میں جد مقدم ہے بھائیوں پر تو اسی طرح معنی عصوبت میں بھائیوں کی بیٹیوں اور بہنوں کی تمام اولاد پر مقدم ہوگا اور ابو یوسف و محمد نے حقیقت عصوبت میں جد اور بھائیوں میں مساوات مانی ہے اور یہاں پر کہ معنی عصوبت کا مقام ہے بھائیوں کی بیٹیوں اور بہنوں کی کل اولاد کو انھوں نے جد سے مقدم مان لیا ہے اس لئے کہ یہاں پر ہر ایک ان میں سے باپ کی طرف نسبت رکھتا ہے۔ اور جد نانا ہے جو ماں کی طرف منسوب ہے۔
پس حقیقت نسبت میں تو مرد کی طرف نسبت معتبر ہے نہ عورت کی طرف اور معنی عصوبت میں باپ کی طرف نسبت ہونا موجب تقدیم ہوگا ماں کی طرف منسوب ہونے سے۔
صاحبین کے قول کی توجیہ و توضیح یوں سمجھو کہ ذوی الارحام بطور عصوبت کے وارث

ہوتے ہیں۔
پس عصوبت کا اعتبار واجب ہوا اور ظاہر ہے کہ عصبات میں میت کا جد صحیح یعنی دادا اپنی بیٹی کی اولاد پر کہ وہ میت کی بھائی اور بہن ہوتے ہیں مقدم نہیں ہوتا تو اسی طرح جد فاسد (نانا) بھی جو جد صحیح کے درجے میں ہے میت کی بہنوں کی اولاد اور اسکی بھائیوں کی بیٹیوں پر مقدم نہوگا۔ ہاں اگر جد صحیح کے لئے مقاسمہ بہتر ہو تو وہ بیٹے کی اولاد کے ساتھ مقاسم ہو جاتا ہے اور بطور مقاسمے کے تہائی مال لیتا اور فرق کی وجہ یہ ہے کہ جد صحیح اور بھائی عصوبت میں برابر ہیں۔ اسلئے کہ ان میں سے ہر ایک مرد ہے جو میت کی طرف عصبۂ مرد کے ذریعے سے نسبت رکھتا ہے اور اس مقام پر ان میں مساوات نہیں ہے۔ اس لئے کہ بہنوں کی اولاد اور اخیافی بھائیوں کی اولاد صاحبان فرائض کی اولاد ہیں اور حقیقی و علاتی بھائیوں کی بیٹیاں عصبات کی اولاد ہیں۔ اور جد فاسد یعنی نانا ذی رحم کا بیٹا ہے۔
لیکن صاحبین کے مذہب پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ ان دونوں بزرگوں کا مذہب بھائی بہنوں اور جد پدری یعنی دادا کے درمیان مقاسمے میں یہ ہے کہ جب تک دادا کے لئے تقسیم بہتر ہو تو مقاسمہ اُس کا حق ہے اور اس قیاس پر یہ چاہئے تھا کہ یہاں نانا پر تیسری قسم مقدم ہوتی کیونکہ یہ دونوں بزرگ بھائی بہنوں کے ساتھ دادا کو محروم نہیں مانتے تو یہاں تیسری قسم کی تقدیم سے جد فاسد کا جو بمنزلے جد صحیح کے ہے محروم ہونا لازم آتا ہے۔
اور امام ابو حنیفہؒ نے ذوی الارحام میں وہی طریق اختیار کیا ہے جو عصبات میں اختیار کیا تھا کہ وہاں انھوں نے نانا کو جو دادا کے درجے میں ہے میت کی اولاد یعنی اسکی بیٹی پوتی کی فروع پر مقدم رکھا ہے۔
پس نواسہ نواسی یا پوتی کا بیٹا بیٹی نانا کی موجودگی میں وارث نہیں ہوتے۔ لان عندھما اس لئے کہ امام ابو یوسفؒ و محمدؒ کے نزدیک جنکا مذہب یہ ہے کہ تیسری صنف اولیٰ و مقدم ہے دوسری صنف یعنی اجداد ساقطین وجدات ساقطات سے کل واحد منھم اولی من فروع جدہ تیسری جماعت کا ہر فرد اپنی فرع یعنی اولاد سے اولیٰ ہے چنانچہ حقیقی بہن کا بیٹا حقیقی بہن کے پوتے سے اولے ہے وفروع غیرہ اور دوسری صنف کی فرع یعنی اجداد ساقطین وجدات ساقطات کے بیٹے بیٹیاں۔
وفروع سفلی کو کہتے ہیں جو نیچے درجے کے ہوں مثلاً بیٹوں اور بیٹیوں کی اولاد اولیٰ من اصلہ اپنی اصل یعنی دوسری جماعت سے اولے ہے اس لئے کہ میت کی ماں کی ماں (پرنانی) اپنی باپ یعنی جد فاسد کی فرع ہے لیکن یہ فرع اپنی اصل سے اولیٰ ہے اس لئے کہ میت کی پرنانی ذوی الفروض سے ہے اور پرنانی کا باپ ذوی الارحام سے ہے اور ذی فرض ذی رحم سے فوقیت رکھتا ہے۔ وعلیٰ ہذا القیاس جب یہ حال معلوم ہو گیا تو اس کے سمجھ لینے کے بعد یہ بات بخوبی ذہن نشین ہو جاتی ہے کہ تیسری جماعت دوسری جماعت سے اولیٰ ہے اور یہی صاحبین کا مذہب ہے۔
مصنف کا یہ قول ایک قلمی نسخے میں موجود ہے اور چھاپے کے نسخوں میں تو بے الصوم پایا

جاتا ہے۔ سراجی کی شرح موسوم بہ ضوء السراج میں ہے۔ وکان شیخنا الامام نجم الدین یقول لیس ہذا من لفظ الشیخ وانما کتبہ علی الحاشیۃ بعض المتعلمین من معلومات فی السبق فظن من النسخ من نسختہ انہ من المتن فکتبہ فی المتن وبوکد ہذا انہ لیس فی النسخۃ العتیقۃ فلو کان من لفظ الشیخ لکان مکتوبا فی النسخۃ العتیقۃ الان شیخنا کان یتکلف لتصحیحہ ولکن لم یتضح لی وبقی فیہ الظلمۃ۔ یعنی ہمارے اُستاد شیخ نجم الدین فرماتے تھے کہ یہ عبارت مصنف کی نہیں بلکہ کسی طالب علم نے درس کے وقت سراجی کے حاشیے پر اپنی طرف سے لکھدی ہوگی جس شخص نے پھر اس نسخے سے نقل کیا تو اوس نے مصنف کا قول خیال کرکے متن میں لکھدیا اور دلیل اسپر کہ یہ عبارت مصنف کی طرف سے نہیں ہے یہ ہے کہ پُرانے نسخے میں اس کا وجود نہیں۔ اوستا نجم الدین اسکی تصحیح کے لئے اپنی طرف سے تکلف کرتے تھے لیکن مجھے اس کے معنی محصل ذہن نشین نہیں ہوئے اسکے مفہوم پر پردہ پڑا رہا۔

فصل فی الصنف الاول

فصل پہلی جماعت کی بیان میں

انکی دو قسمیں ہیں (۱) بیٹیوں کی اولاد جہاں تک نیچے ہوں مرد ہوں یا عورتیں (۲) پوتیوں کی اولاد جہاں تک نیچے ہوں مرد ہوں یا عورتیں۔ ان کے چھ احوال ہیں (۱) سب درجے میں برابر ہوں بلکہ بعض نزدیک والے ہوں اور بعض دور والے۔ پس نزدیک والا دور والے پر مقدم ہوتا ہے (۲) قرب میں سب برابر ہوں لیکن بعض وارث کی اولاد ہوں اور بعض ذوی الارحام کی اور اُن کے اصول کے کسی بطن میں ذکورت وانوثت کا اختلاف نہو اس صورت میں وارث کی اولاد کو ملتا ہے (۳) سب مساوی درجے کے ہوں اور سب وارث کی اولاد ہوں اور اصول کے کسی بطن میں مرد وعورت کا اختلاف نہو یا کل غیر وارث کی اولاد ہوں اور اصول کے کسی بطن میں مرد وعورت کا اختلاف نہو۔ پس اگر فروع میں تمام لڑکے یا لڑکیاں ہوں تو ہر ایک کو برابر برابر ملے گا اور اگر مختلط ہونگے تو لڑکے کو لڑکی سے دوچند ملے گا (۴) سب درجے میں برابر ہوں لیکن اون میں کوئی وارث کی اولاد نہو اور باوجود اسکے اونکے اصول کے کسی بطن میں مرد وعورت کا اختلاف ہو اس کی تفصیل متن میں آتی ہے (۵) اصول کے کسی بطن میں مرد وعورت کا اختلاف ہو اور اس صورت میں کسی اصل کے عدد فروع بھی متحد ہوں تو اس حالت میں عدد فروع کا اصول میں اعتبار ہوتا ہے اور اس کے ساتھ میں اصول کا وصف ذکورت وانوثت میں باقی رہتا ہے (۶) اصول کے کسی بطن میں اختلاف مذکور ہو اور اسی صورت میں کسی اصل کے جہات فروع بھی متحد ہوں یعنی کسی اصل کی فروع کو کئی قسم کی قرابت حاصل ہو اس حالت میں اصول میں جہات اور عدد فروع کا اعتبار ہوتا ہے اولے ھم بالمیراث اقربھم الی المیت یہ پہلی حالت ہے کہ جب اقرب والبعد جمع ہونگے تو نزدیک والا دور والے پر مقدم ہوگا نزدیک والے کو تمام ترکہ ملے گا اور دور والا محروم

ہو جائے گا۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ استحقاق ان کا معنی عصوبت کے اعتبار سے ہے اسی لئے اقرب فالاقرب درجہ وار مقدم ہوتا ہے اور اکیلا شخص تمام مال کا مستحق ہوتا ہے اور عصوبت حقیقیہ میں قرب کی زیادتی کبھی قرب درجہ کی وجہ سے ہوتی ہے کبھی قوت سبب کی وجہ سے جیسا کہ بنوت کو ابوت پر تقدیم ہے اسی طرح عصوبت معنوی میں تقدیم قرب درجہ اور قوت سبب دونوں کی وجہ سے ثابت ہوتی ہے کبنت البنت فانہا اولی من بنت بنت الابن چنانچہ میت کی اپنی نواسی اولے ہے بیٹے کی نواسی سے کیونکہ نواسی ایک واسطے سے قرابت رکھتی ہے اور پوتی کی بیٹی دو واسطے پس اپنی نواسی کے ہوتے بیٹے کی نواسی کو نہیں پہنچتا اور یہ محروم ہے صورت اس کی یہ ہے۔

مسئلہ

میت	
بیٹی	بیٹا
بیٹی	بیٹی
۱	بیٹی
	م

یہ قول اہل قرابت کا ہے اور اہل تنزیل کے تنزیک دونوں کو مال دیا جائے گا اور اب تقسیم دو طرح ہو گی ایک تو حضرت علی کے قول کے قیاس پر جو پوتی پر رد کو صلبی بیٹی کے ساتھ تجویز کرتے ہیں پس ۴ حصے کر کے اس میں سے تین حصے (۳/۴) بنت البنت کو ملینگے اور چوتھائی (۱/۴) بنت بنت الابن کو دوسرے ابن مسعود کے قول کے قیاس پر مال کے چھ حصے کر کے اس میں سے پانچ ٹکڑے (۵/۶) بنت البنت کو دیے جائینگے اور چھٹا حصہ (۱/۶) بنت بنت الابن کو ملیگا کیونکہ انکے تنزیک پوتی پر رد صلبی بیٹی کے ساتھ درست نہیں ہے وَاِنِ اسْتَوَوْا فِی الدَّرَجَۃِ اور جبکہ ذوی الارحام درجے میں برابر ہوں اس طرح کہ ہر ایک کو میت سے دو درجے یا تین درجے میں قرابت ہو یہ دوسری حالت ہے قولد الوارث اولے من ولد ذوی الارحام تو وارث کی اولاد مقدم ہو گی ذوی الارحام کی اولاد پر یعنی جس ذی رحم کی اصل وارث ہے اوس کے ساتھ غیر وارث کے علاقہ دار کو کچھ نہ ملے گا اگرچہ لفظ وارث ذوی فرض و عصبہ دونوں کو شامل ہے مگر مصنف اول میں ولد وارث سے مراد خصوصاً فرض کی اولاد ہے اور صنف ثالث میں عصبہ کی اولاد مراد ہے اور صنف ثانی و رابع میں یہ نہیں ہوتا ہاں ان کی اولاد میں اتحاد قرابت کے وقت تقدیم اقرب کی ہوتی ہے پھر قوی ترکہ بعد ولد عصبہ کی کبنت بنت الابن فانہا اولی من ابن بنت البنت چنانچہ پوتی کی بیٹی نواسی کے بیٹے سے مقدم ہے۔ پس بنت بنت الابن (پوتی کی بیٹی) کے ساتھ ابن بنت البنت (نواسی کا بیٹا) محروم ہے حالانکہ دونوں ایک درجے میں ہیں اسواسطے کہ اصل اول کی بنت الابن (پوتی) یعنی ذی فرض ہے اور اصل دوسرے کی بنت البنت (نواسی) یعنی ذی رحم ہے صورت اسکی یہ ہے۔

مسئلہ

بیٹا	بیٹی
بیٹی	بیٹی
بیٹی	بیٹا
۱	م

ی اِن اللّٰتوٰت درجاتھما اور اگر ذوی الارحام کے درجات قرب اور بعد میں مساوی ہوں یہ تیسری حالت ہے کہ پھر جس میں دو صورتیں ہیں اس طرح دلکن لیکن فیھما ولد او ابن ابن اور کوئی اون میں وارث کی اولاد نہو یعنی سب کے سب غیر وارث کی اولاد ہوں مثلاً نواسے کی بیٹی اور نواسی کا بیٹا او کان کلھم بنین بنو امن ف یا تمام وارث کی اولاد ہوں مثلاً نواسا اور نواسی فعند ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ والحسن بن زیاد یعتبر ابدان الفروع لو بقوا الی حین وحسن بن زیاد کے ابدان فروع متساویہ کا اعتبار ہوگا نہ اصول کا کیونکہ سب ایک درجے میں ہیں ویقسم المال علیھم اور اون پر مال باعتبار ابدان فروع کے ذکورت اور انوثت کے لحاظ سے تقسیم کیا جائے گا سواء اتفقت صفۃ الاصول فی الذکورۃ والانوثۃ یعنی اصول کی کہ اونکی صفت اصول میں ذکورت وانوثت کا اتفاق ہو صفت اصل سے وہ مراد ہے جو دوسرے بطن کی اصل ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جنکی اولاد ہیں وہ مرد ہوں یا عورتیں ہوں پس اگر فروع میں صرف مرد ہونگے یا صرف عورتیں ہونگی تو ہر ایک کا حصہ برابر ہوگا مثلاً۔

مسئلہ

بیٹا	بیٹا
بیٹی	بیٹی
بیٹا	بیٹا
۱	۱

اس مثال میں دو پوتوں کے جو ذوی فرض ہیں بیٹے ہیں اور دونوں مرد ہیں اور اونکے اصول کے کسی بطن میں اختلاف مرد وعورت کا نہیں ہے بلکہ پہلے بطن میں سب مرد ہیں اور دوسرے بطن میں سب عورتیں اس لئے دونوں کو برابر دیا گیا۔

مسئلہ

بیٹا	بیٹا
بیٹی	بیٹی
بیٹی	بیٹی

اس مثال میں بھی دونوں ذوی فرض کی اولاد ہیں اور دونوں عورتیں ہیں اور اونکے اصول کی کسی بطن میں مثل مثال اول کے اختلاف عورت و مرد کے اعتبار سے نہیں ہے اس لئے دونوں کو برابر دیا مثال اس کی کہ سب ذوی الارحام کی اولاد ہوں۔

مسئلہ ۲

بیٹی	بیٹی
بیٹی	بیٹی
بیٹی	بیٹی
۱	۱

مسئلہ ۲

بیٹی	بیٹی
بیٹی	بیٹی
بیٹی	بیٹا
۱	۱

اور اگر بعض مرد ہوں اور بعض عورتیں تو عورت سے دوچند مرد کو ملے گا اور ترکہ موجودین پر باعتبار ابدان کے تقسیم کریئے جیسے۔

مسئلہ ۳

بیٹا	بیٹا
بیٹی	بیٹی
بیٹا	بیٹی
۲	۱

اس مثال میں دونوں ذوی فرض کی اولاد ہیں اور مرد و عورت ہونے کی وجہ سے مختلف ہیں اسلئے للذکر مثل حظ الانثیین دیا تو دو لڑکے کو اور ایک لڑکی کو ملا۔

اور اس کی مثال کہ دونوں ذوی الارحام کی اولاد ہوں اور مرد و عورت ہونے میں بھی مختلف ہوں یہ ہے۔

مسئلہ ۳

بیٹی	بیٹی
بیٹی	بیٹی
بیٹا	بیٹی
۲	۱

اُ وُ اختلفت یا اصول میں عورت و مرد کے اعتبار سے اختلاف ہو اس طرح کہ بعض کا ورثہ مرد ہو اور بعض کی ورثہ عورت تو اس صورت میں بھی ابدان فروع کے اعتبار سے ترکہ تقسیم ہوگا نہ ابدان اصول مختلفہ کے اعتبار سے امام ابو یوسف کے مذہب کا حاصل یہ ہے کہ اصل کا باکل اعتبار

نہیں ہے بلکہ فروع کا اعتبار ہے یعنی مرد کے لئے دو سہم ہیں اور عورت کے لئے ایک سہم ہے گو اصل میں ادن کی صفت ذکورت وانوثت میں اتفاق ہو یا اختلاف پس اگر فروع میں صرف مرد ہوں یا صرف عورتیں تو تقسیم مساوی طور سے اون پر ہو جائے گی اور اگر اونمیں اختلاط ہو گا کہ عورت اور مرد دونوں ہونگے تو مرد کو عورت سے دونا دیا جائے گا جیسے دونوں غیر وارث کی اولاد ایک درجے میں ہیں اور ایک کی اصل مرد ہو جیسے نواسے کی بیٹی اور دوسرے کی اصل عورت ہو جیسے نواسی کا بیٹا تو ایسی صورت میں بھی اونکے نزدیک ابدان فروع کے اعتبار سے تقسیم ہوتی ہے نہ اصول کے اعتبار سے پس مثال مذکور میں بھی مسئلہ تین سے ہو گا نواسی کے بیٹے کو دو حصے ملینگے اور نواسے کی بیٹی کو ایک حصہ پہنچے گا اگر اصول کا اعتبار ہوتا تو مسئلہ بالعکس ہوتا یعنی نواسے کی بیٹی کو دو ملتے اور نواسی کے بیٹے کو ایک ابو یوسف کے مذہب پر دلیل یہ ہے کہ اگر مدلے یعنی مورث کہ اصل ہے کسی مانع کے سبب سے محروم ہو جائے تو اوس کا حرمان مدلی یعنی وارث کے حق میں کہ فرع ہے مضر اثر نہیں ڈالتا بلکہ باوجود اصل کے محروم ہو جانے کے مدلی وارث ہو جاتا ہے تو یہی حساب ہے اوس حالت میں بھی کہ اصول ذکورث وانوثت میں مختلف ہوں اور فروع متحد ہوں تو تقسیم میں اصول کے ابدان کا لحاظ بے قاعدہ ہے اس لئے کہ فروع کا استحقاق اونکے وصف ذاتی کے اعتبار سے ہے نہ غیر کے وصف کی وجہ سے وقال رحمہ اللہ تعالیٰ یعتبر ابدان الفروع ان اتفقت صفۃ الاصول اور محمد بھی ابدان فروع کا اعتبار کرتے ہیں اگر اصول کی صفت متفق ہو یعنی اصول میں ذکورت وانوثت کا اختلاف نہو یا تو سب مورث مرد ہوں یا سب مورث عورتیں موافقا لہما یعنی محمد بھی اصول میں اختلاف نہونے کی صورت میں مثل ابو یوسف اور حسن کے ابدان فروع کا اعتبار کرتے ہیں اور باعتبار ابدان فروع کے اونکے رؤس پر تقسیم کرتے ہیں اور اس امر میں اول دونوں اکابر کے ساتھ موافق ہیں جیسے امثلہ بالا میں کہ میت نے اپنے بعد وارث چھوڑی کا بیٹا اور پوتی کی بیٹی چھوڑی یا نواسی کا بیٹا اور نواسی کی بیٹی چھوڑی تو دونوں جگہ محمد بھی باعتبار ابدان کے تقسیم کرینگے اور مرد کو دو حصے اور عورت کو ایک حصہ دینگے ویعتبر الاصول ان اختلفت صفاتھم ویعطی الفروع میراث الاصول اور جس جگہ پر اصول میں ذکورت اور انوثت کا اختلاف واقع ہوا ہے۔ محمد یہاں پر اصول کا اعتبار کرتے ہیں اور مسئلے کی تصحیح کرکے اصول پر موافق اونکے ابدان کے تقسیم کرکے حصہ اونکی اونکی اولاد کو دیتے ہیں مخالفا لہما یعنی محمد اس جگہ ابو یوسف اور حسن بن زیاد سے مخالف ہیں کیونکہ اگرچہ اصول میں مذکورت اور انوثت کا اختلاف ہو تب بھی ابو یوسف وحسن باعتبار ابدان فروع کے تقسیم کرتے ہیں۔

اور بقول محمد کے ایسی حالت میں باعتبار اصل کے قسمت ہو گی یعنی جسکی اصل مرد ہے اوسکو دو سہم اور جس کی اصل عورت ہے اوسکو ایک سہم دیا جائے گا گو فروع میں مرد ہوں یا عورتیں برخلاف ابو یوسف وحسن کے کہ اونکے نزدیک اصل کا بالکل اعتبار نہیں مدار تقسیم فروع کے اعتبار پر ہے یعنی مرد کے لئے دو سہم اور عورت کے لئے ایک سہم ہے گو اصل میں اونکی صفت ذکورت و انوثت میں اختلاف ہو

یا اتفاق کما اذا ترک ابن بنت وبنت بنت جمیعا سے نواسا اور نواسی چھوڑی یہ مثال اصول میں ذکورت اور انوثت کے اتفاق کی ہے تو یہ دونوں لڑکا اور لڑکی وارث اور مساوی الدرجہ ہیں اور دونوں کے اصول عورت ہونے میں موافقت رکھتے ہیں وعند ھما یقسم المال بین ھما للذکر مثل حظ الانثیین باعتبار الابدان مثال مذکور میں ابو یوسف اور حسن کے نزدیک باعتبار ابدان فروع کے مال تقسیم ہوکر ذکر کے دو حصے اور مونث کا ایک حصہ ہے۔ پس فروع کے اعتبار سے ترکہ کے تین حصے ہوئے تو دو حصے نواسے کو دیئے جائینگے اور ایک حصہ نواسی کو وعند محمد رحمہ اللہ کذلک لان صفۃ الاصول متفقۃ اور محمد کے نزدیک بھی اصول میں بوجہ عورت کے موافقت ہونے کے یہی تقسیم ہوگی ولو ترک بنت ابن بنت وابن بنت بنت اور اگر میت نے نواسے کی بیٹی اور نواسی کا بیٹا چھوڑا یہ مثال اصول مذکورت اور انوثت کے اختلاف کی ہے کہ ایک کی اصل مرد یعنی ابن البنت (نواسا) اور دوسرے کی اصل عورت یعنی بنت البنت (نواسی) ہے عند ھما المال اثلاثا باعتبار الابدان ثلثاہ للذکر کما لا یخفی تو ایسی حالت میں ابو یوسف اور حسن کے نزدیک ان دونوں میں مال کی تقسیم باعتبار ابدان کے ہوگی اور مسئلہ ۳ سے ہوگا بنت ابن البنت کو ایک حصہ اور ابن بنت البنت کو دو حصے پہنچینگے وعند محمد رحمہ اللہ المال بین الاصول اعنی فی البطن الثانی اثلاثا ثلثاہ لبنت ابن البنت نصیب ابی ھا وثلثہ لابن بنت البنت نصیب امہ اور محمد کے نزدیک میت کا ترکہ اصول یعنی دوسرے بطن میں کہ جس میں پہلے باعتبار مرد اور عورت کے اختلاف واقع ہوا ہے بانٹنا چاہیئے پھر اوسی اصل کی قسمت فروع یعنی اونکی اولاد پر تقسیم کردینی چاہیئے اور وہ دوسرا بطن نواسا اور نواسی ہے کہ ایک مرد ہے اور دوسری عورت اس بطن میں باعتبار للذکر مثل الانثیین کے نصیب نواسے کا دو ثلث ہے اور نصیب نواسی کا ایک ثلث پھر اس دوسرے بطن کی نواسے کی بیٹی کو جس کے باپ کا وہ حصہ تھا دینا چاہیئے اور اوس ایک تہائی کو نواسی کی بیٹی کو ملنا چاہیئے کہ جس کی ماں کا وہ حصہ تھا پس اصل کا حصہ اوس کی فروع کو پہنچ گیا اور لڑکی کا حصہ لڑکے سے زیادہ ہوگیا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ایک مرتبہ اصول یعنی بطن ثانی میں ابن البنت اور بنت البنت میں جو تقسیم کی تو ابن البنت کو دو حصے پہنچے اور بنت البنت کو ایک، وہی اونکی اولاد کو دیدیا برخلاف ابو یوسف اور حسن کے کہ جو کہ وہ باعتبار ابدان فروع کے تقسیم کرتے ہیں نہ باعتبار ابدان اصول کے تو انکے نزدیک مثال مذکور میں بطن ثانی کی اولاد میں محمد کی تقسیم کے برعکس پہنچے گا بنت ابن البنت کو ایک حصہ ملے گا اور ابن بنت البنت کو دو حصے پہنچینگے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جب فروع اور اصول کی صفت میں اختلاف ہو چنانچہ نواسے کی بیٹی اور نواسی کا بیٹا وارث ہوں تو اس میں محمد نے اصول کا اعتبار کیا ہے اور مال کو اوس اول بطن پر قسمت کیا ہے جس میں ذکورت اور انوثت کا اختلاف ہوا اور وہ اختلاف اس مقام کی مثال میں بطن ثانی میں پڑا ہے یعنی نواسے اور نواسی میں تو محمد نے اصول صفت کا اس مفروض مسئلے میں اعتبار کیا ہے اور اون پر مال کو

تین حصے کرکے بانٹا ہے اور پھر ایک فرع کو اوس کی اصل کا حصہ دیا ہے تو اس تقدیر پر مال کی دو تہائیاں نواسے کی بیٹی کی ہونگی جو اوسکے باپ کا حصہ ہے اور ایک تہائی نواسی کا بیٹا پائے گا اسواسطے کہ تہائی اوس کی ماں کا حصہ ہے برخلاف ابو یوسف کے کہ اونھوں نے یہاں بھی ابدان فروع کا اعتبار کیا ہے اور اختلاف اصول کا کچھ اعتبار نہیں کیا۔ پس ابو یوسف کے نزدیک اس حال میں مال کی تین تہائیاں ہوکر دو تہائیاں نواسی کا بیٹا پائے گا اور ایک تہائی نواسے کی بیٹی پائے گی برعکس قول محمد کے۔ جو کہ محمد کے قول کے مطابق بہت سے بطن ہونے اور فروع کی اصلوں میں اختلاف واقع ہونے کی صورت میں تفصیل کی ضرورت ہے۔

اس لئے ہم کہتے ہیں کہ جبکہ بہت بطن جمع ہو جائیں تو جس طرح کہ اصلوں کا حال دوسرے بطن میں معتبر ہے اسی طرح بہت سے بطنوں کی اصلوں کا مال کہ ذکورت اور انوثت میں مختلف ہوں معتبر ہے جیسا کہ مصنف کہتے ہیں وکذلک عند محمد اذا کان فی اولاد البنات بطون مختلفۃ یقسم المال علی اول بطن اختلف فی الاصول یعنی اسی طرح امام محمد کے نزدیک اوس وقت ہے جبکہ بیٹیوں کی اولاد میں بطون مختلف متساوی الدرجہ واقع ہوں کہ ترکے کو اول بطن پر جس میں اختلاف اصل میں ذکورت اور انوثت کی وجہ سے ہے تقسیم کرنا چاہئے اس طرح کہ مرد کو دو حصے اور عورت کو ایک حصہ دیا جائے ثم بعد القسمۃ یجعل الذکور طائفۃ والاناث طائفۃ بعد القسمۃ مردونکو ایک علیحدہ گروہ قرار دینا چاہئے اور عورتوں کو ایک علیحدہ گروہ بنانا چاہئے پہلی تقسیم کے بعد یعنی جب مال پہلی بار مردوں اور عورتوں پر تقسیم کردیا تو اس کے بعد مردوں اور عورتوں کو علیحدہ علیحدہ گروہ قرار دیا جائے فما اصاب الذکور یجمع پس جو کچھ مردوں کو ترکے میں سے مال ملا ہے اوسکو جمع کیا جائے اگر اون مردوں اور اونکی فروع میں جو اصلیں ہیں وہ ذکورت اور انوثت میں مختلف ہوں یعنی جو اشخاص بھی ہوں وہ یا صرف مرد ہوں یا عورتیں ہوں وبقسم علی الخلاف الذی وقع فی اولاد ھم یعنی اوس مال کو اون مردوں کی اولاد پر تقسیم کردیا جائے اور اگر اون مردوں اور اونکی اولاد کے درمیان اصول میں صنف کا اختلاف ہو تو پہلی اصل میں جس میں اختلاف واقع ہے مال کی تقسیم کی جائے اس کے بعد مردوں کو ایک علیحدہ گروہ اور عورتوں کو ایک علیحدہ گروہ قرار دیکر اگلی قرار داد کے مطابق تقسیم کرنا چاہئے وکذلک ما اصاب الاناث ای طرح جو عورتوں کے گروہ کو پہنچا ہے اوسکو جمع کرکے دیکھیں کہ اونکے اور اونکی فروع کے درمیان اصول کا اختلاف نہیں ہے یا ہے اگر نہ ہو تو اونکی فروع پر تقسیم کردینا چاہئے اور اختلاف ہونے کی صورت میں سب سے اونچی اصل پر جس میں ذکورت اور انوثت کا اختلاف واقع ہے تقسیم کردیا جائے وھذا الحد لکل ان ینتھی اسی طور پر منتہائے فروع تک عمل کرنا چاہئے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر بہت سے بطون ہوں اور اصول کی صنف بھی مختلف ہو تو حسب قول محمد کے ابتداءً اوسکو بطن سے جس میں اختلاف صنف ذکورت وانوثت کے اعتبار سے واقع ہوتا ہے اس طرح تقسیم شروع کریں کہ مرد کو دو حصے اور عورت کو ایک حصہ دیں۔ بعدہ مردوں کا ایک گروہ علیحدہ

اور عورتوں کا علیحدہ ایک گروہ قرار دیں۔ پس سہام مردوں کی گروہ کے اونکی اولاد کو اور سہام عورتوں کی گروہ کے اون کی اولاد کو دین اگر دوسرے بطون کے درمیان پھر اختلاف واقع ہو تو پھر مردوں اور عورتوں کے گروہ علیحدہ علیحدہ کر کے ہر ایک کی اولاد کو اونکے حصے دیدیئے جاویں۔ جس بطن کے درمیان اختلاف واقع نہو تو اصل کے سہام اونکی اولاد کو دینے چاہئیں اور انتہا تک اسی طور پر قسمت کی جائے بحوالہ الصوراۃ چنانچہ اس مثال سے روشن ہے۔

یہ تمثیل چھ بطن کی ہے

پہلا بطن	دختر دختر دختر دختر دختر دختر پسر پسر پسر پسر	۶/۲۴ ۹/۳۶
دوسرا بطن	دختر دختر دختر دختر دختر دختر دختر دختر دختر دختر دختر دختر	
تیسرا بطن	دختر دختر دختر دختر دختر دختر پسر پسر پسر پسر دختر دختر پسر	۳/۱۲ ۲/۱۲ ۱۸ ۱۸
چوتھا بطن	دختر دختر دختر پسر پسر پسر پسر دختر دختر پسر دختر دختر دختر	۶ ۱۲ ۹ ۹ ۹
پانچوان بطن	دختر دختر پسر دختر دختر پسر دختر دختر دختر دختر پسر دختر	۳ ۳ ۶ ۶ ۶ ۱/۴ ۲/۸
چھٹا بطن	دختر پسر دختر پسر دختر دختر پسر دختر دختر دختر دختر دختر بتول رحیم صغرے کریم سکینہ رضیہ سلیم سعیدہ حمیدہ فاطمہ زینب حلیمہ	۱ ۲ ۴ ۳ ۲ ۶ ۶ ۳ ۹ ۱/۴ ۲/۸ ۳/۱۲

تنبیہ اگر مصنف پہلے بطن کی جگہ دوسرے بطن کو اور دوسرے کی جگہ پہلے کو لکھتے تو یہ زیادہ ظاہر ہوتا۔

حل

امام محمد جب فرع کے احوال میں اختلاف پاتے ہیں تو اوس اختلاف کی صفت کو ابتدا سے ہی مان کر تقسیم کرتے ہیں چنانچہ اونکے قول کی دشوار تخریج یہ ہے کہ اس مسئلے میں ۱۲ شخص ذوی الارحام ہیں اُن میں سے نو عورتیں ہیں۔ بتول۔ صغریٰ۔ سکینہ۔ رضیہ۔ سعیدہ۔ حمیدہ۔ فاطمہ۔ زینب۔ حلیمہ اور تین مرد۔ رحیم۔ کریم۔ سلیم۔ اور سب چھٹے بطن میں ہیں اور کوئی اون میں ولد وارث نہیں ہے اور اون کے اصول کے کئی بطنوں میں ذکورت و انوثت کا اختلاف ہے اس لئے اولاً پہلے بطن پر کہ وہی اس مسئلے میں اعلےٰ خلاف ہے للذکر مثل حظ الانثیین تقسیم کی اور چونکہ اس بطن میں بھی نو عورتیں ہیں اور تین مرد ہیں اور تین مرد بمنزلے ۶ عورتوں کے ہوتے ہیں سو سب ملکر بمنزلے ۱۵ عورتوں کے ہوئے۔ ان میں سے نو عورتوں کو ۹ سہام پہنچے اور ۶ سہام تین مردوں کو پھر عورتوں اور مردوں کے ہر ایک گروہ کو اونکے نیچے خط عرضی کھینچ کے الگ الگ کرکے ہر ایک گروہ کے سہام کو یعنی ۹ کو کہ عورتوں کے گروہ کے سہام ہیں اور ۶ کو کہ مردونکے گروہ کے سہام ہیں جمع کرکے خط مذکور کے نیچے لکھ دیا۔ پھر مردوں کے نیچے کے بطنوں میں لحاظ کیا کہ ان میں اعلےٰ خلاف کون ہے تو تیسرے بطن کہ دو دختر اور ایک پسر پر مشتمل ہے اعلےٰ خلاف پایا اس لئے کہ دوسرے بطن میں اختلاف نہیں ہے اور تیسرے بطن پر بھی مردونکے سہام یعنی ۶ کو بطریق مذکور للذکر مثل حظ الانثیین تقسیم کیا اوس میں سے ۳ دو دختر کو اور ۳ ایک پسر کو پہنچے پھر باقی عمل بدستور کیا یعنی مردوں اور عورتوں کے ہر ایک گروہ کو اونکے نیچے ایک خط عرضی کھینچ کر الگ الگ کرکے ہر ایک گروہ کے سہام کو کہ تین تین ہیں خط مذکور کے نیچے رکھ دیا پھر چونکہ اب سلسلۂ پسر کے بطن میں اختلاف نہیں ہے سب عورات ہونے میں متفق ہیں اس لئے اوس کے سہام یعنی ۳ اوسکی فرع موجود یعنی حلیمہ کو جو پہلے بطن میں ہے دیدئے پھر عورتونکے گروہ یعنی دو دختر کے نیچے کے بطنوں میں لحاظ کیا کہ اب اونمیں اعلےٰ خلاف کون ہے تو پانچوین بطن کو کہ ایک دختر اور ایک پسر پر مشتمل ہے اعلےٰ خلاف پایا اس لئے کہ چوتھے بطن میں اختلاف نہیں ہے پس پانچوین بطن پر بھی عورتونکے سہام یعنی ۳ کو بطریق مذکور تقسیم کرکے ایک سہم دختر کو اور دو سہم پسر کو دیکر باقی عمل بدستور کیا پھر چونکہ اب دونوں کے سلسلے میں اختلاف باقی نرہا پسر کے سہام اوسکی فرع موجود یعنی زینب کو اور دختر کے سہام اوسکی فرع موجود یعنی فاطمہ کو دیدئے۔

پھر پہلے بطن کے گروہ عورات کے نیچے کے بطنوں میں لحاظ کیا کہ اب اونمیں اعلےٰ خلاف کون ہے تو تیسرے بطن کو اعلےٰ خلاف پایا اسلئے کہ دوسرے بطن میں اختلاف نہیں ہے۔ پس تیسرے بطن پر بھی عورتونکے سہام یعنی ۹ کو بطریق مذکور تقسیم کیا اور چونکہ اس بطن میں ۶ دختر اور ۳ پسر ہیں اور ۳ پسر بمنزلے ۶ دختر کے ہوتے ہیں پس سب ملکر بمنزلے ۱۲ دختر کے ہوئے اس لئے عورتونکے سہام یعنی ۹ ان بارہ پر پورے تقسیم نہیں ہو سکتے اور چونکہ دونوں میں توافق بالنصف ہے اس لئے بموجب قاعدۂ تصحیح کے ثلث رؤس یعنی ۴ کو اصل مسئلے یعنی ۱۵ میں ضرب دیا ۶۰ حاصل ہوئے۔ ان میں سے حسب قاعدہ ۴ پہلے بطن کے مردوں کے گروہ کو دیئے جو اونکی فرع

موجودیں کو اس طرح پر کہ ۱۲ حلیمہ کو اور ۸ زینب کو اور ۴ فاطمہ کو پہنچے اور ۶ ۳ پہلے بطن کے عورتوں کے گروہ کو دئے جس میں سے ۱۸ تیسرے بطن کے مردوں کے گروہ کو پہنچے اور ۱۸ اوسس کے عورتوں کے گروہ کو۔

پھر تیسرے بطن کے مردوں اور عورتوں کے ہر ایک گروہ کو اونکے نیچے ایک ایک خط عرضی کھینچ کے الگ الگ کرکے ہر ایک گروہ کے سہام کو کہ اٹھارہ اٹھارہ ہیں خط مذکور کے نیچے رکھدیا۔ پھر مردوں کے نیچے کے بطنوں میں لحاظ کیا کہ اب انمیں اعلے خلاف کون ہے تو چوتھے بطن کو کہ دو دختر اور ایک پسر پر مشتمل ہے اعلے خلاف پایا۔ پس اسپر بھی مردوں کے سہام یعنی ۱۸ بطریق مذکور تقسیم کرکے اوس میں سے ۹ دو دختر کو اور ۹ ایک پسر کو دیکر باقی عمل بدستور کیا اور اب چونکہ سلسلۂ پسر میں کہیں اختلاف نہیں ہے سب عورت ہونے میں متفق ہیں اس لئے اوسکے سہام یعنی ۹ کو اوس کی فرع موجود یعنی حمیدہ کو دیدیا اور چونکہ عورتونکے گروہ کے چھٹے بطن میں بھی اختلاف ہے اور ایک پسر اور دو دختر پر مشتمل ہے اس لئے اون پر بھی عورتونکے سہام یعنی ۹ کو بطریق مذکور منقسم کرکے ۶ پسر یعنی سلیم کو اور ۳ دختر یعنی سعیدہ کو دیدئے۔ پھر تیسرے بطن کے عورتونکے گروہ کے نیچے کے بطنوں پر لحاظ کیا کہ اب انمیں اعلے خلاف کون ہے تو چوتھے بطن میں کہ ۳ پسر اور ۳ دختر پر مشتمل ہے اعلے خلاف پایا پس اسپر بھی عورتوں کے سہام یعنی ۱۸ کو بطریق مذکور تقسیم کرکے ۱۲ تو تین پسر کو اور ۶ تین دختر کو دیکر باقی عمل بدستور کیا پھر مردونکے گروہ کے نیچے کے بطنوں پر لحاظ کیا کہ اب ان میں اعلے خلاف کون ہے تو پانچویں بطن کو کہ دو دختر اور ایک پسر پر مشتمل ہے اعلے خلاف پایا پس اوسپر بھی مردونکے سہام یعنی بارہ کو بطریق مذکور تقسیم کرکے ۹ دو دختر کو اور ۶ پسر کو دیکر باقی عمل بدستور کیا پھر چونکہ اب سلسلۂ پسر میں کہیں اختلاف نہیں ہے اسلئے اوسکے سہام یعنی ۶ کو اوسکی فرع موجود یعنی رضیہ کو دیدیا اور چونکہ عورتونکے گروہ کے چھٹے بطن میں بھی اختلاف ہے کہ ایک پسر اور ایک دختر پر مشتمل ہے اس لئے اوسپر بھی عورتونکے سہام یعنی ۶ کو بطریق مذکور تقسیم کرکے ۴ سہام پسر یعنی کریم کو اور دو سہام دختر یعنی سکینہ کو دیدئے۔

پھر چوتھے گروہ کے عورتوں کے نیچے کے بطنوں پر لحاظ کیا کہ اب ان میں اعلے خلاف کیا ہے تو پانچوین بطن کو کہ دو دختر اور ایک پسر پر مشتمل ہے اعلے خلاف پایا۔ پس اوسپر بھی عورتوں کے سہام یعنی ۶ کو بطریق مذکور تقسیم کرکے ۳ دو دختر کو اور ۳ پسر کو دیکر باقی عمل بدستور کیا پھر چونکہ اب سلسلۂ پسر میں کہیں اختلاف نہیں ہے اس لئے اوسکے سہام یعنی ۳ کو اوس کی فرع موجود یعنی صغرائے کو دیدیا اور چونکہ عورتونکے گروہ کے چھٹے بطن میں بھی اختلاف ہے اور ایک دختر اور ایک پسر پر مشتمل ہے اس لئے اوسپر بھی عورتونکے سہام یعنی ۳ کو بطریق مذکور تقسیم کرکے ایک سہم دختر یعنی بتول کو اور دو سہام پسر یعنی رحیم کو دیئے۔

یہ بیان تھا طریق قسمت کا امام محمد کے قول پر کہ انکے نزدیک مسئلے کی تصحیح ۶۰ سے ہوتی ہے۔

اور امام ابو یوسف کے نزدیک اس مسئلے میں فروع موجودین پر للذکر مثل حظ الانثیین تقسیم ہو گی اور ۱۵ سے مسئلہ ہو کے ہر ایک دختر کو ایک ایک اور ہر ایک پسر کو دو دو دیئے جائیں گے ولکن ذلک عند محمد رحمہ اللہ تعالیٰ یاخذ الصفۃ من الاصل حال القسمۃ علیہ اسی طرح امام محمد مال کی تقسیم کے وقت اصل سے ذکورت اور انوثت کی صفت لیتے ہیں یعنی جب مال اصل پر بانٹا جاتا ہے تو اس وقت اصل میں مرد یا عورت ہونے کی صفت کا اعتبار کرتے ہیں دالعدد من الفروع اور امام محمد کا دوسری بات یہ کرتے ہیں کہ فروع کے عدد کا اصول میں لحاظ کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ فروع میں کئی شخص ہوں اور اصل میں صرف ایک مرد ہو یا عورت ہو تو محمد اصل کے ایک مرد یا عورت کو بموجب فرع کی تعداد کے کئی مرد یا عورت مانتے ہیں جیسا کہ مال کی قسمت کا اول بطن پر کہ اصول میں مختلف ہے اعتبار کرتے ہیں کما اذا ترک ابنۃ بنت بنت وبنت ابن بنت بنت وبنتے بنت ابن بنت جیسے میت نے دو پسر نواسی کی بیٹی کے اور ایک بیٹی نواسی کے بیٹے کی اور دو بیٹیاں نواسی کی بیٹی کی وارث چھوڑیں بلغتہ الصورۃ اس صورت پر۔

صہ

۱	بنت	بنت	بنت
۲	بنت	بنت	ابن
۳	بنت	ابن	بنت
۴	ابنے	بنت	بنتے
	یعنی دو پسر		یعنی دو دختر

عند ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ یقسم المال بین الفروع انسباعا ای باعتبار الرؤس یعنی بقول ابو یوسف فروع کے اعتبار پر مسئلہ سے کر کے مال کی تقسیم ہو گی اس لئے کہ دو بیٹے چار بیٹیوں کی طرح قرار دیئے گئے ہیں اور ۳ دختر پہلے سے موجود ہیں اس لئے مجموعہ سات دخترون کا فرض کر کے ترکے کو سات سے قسمت کر کے دو بیٹوں کو ۴ سہم فی پسر دو سہم کے حساب سے ملتے ہیں اور تین بیٹیوں کو ۳ سہم فی دختر ایک سہم کے حساب سے ملتے ہیں۔ مثلاً۔

مسئلہ ۷

صہ

دو بیٹے نواسی کی بیٹی کے	ایک بیٹی نواسی کے بیٹے کی	دو بیٹیاں نواسی کی بیٹی کی
۴	۱	۲

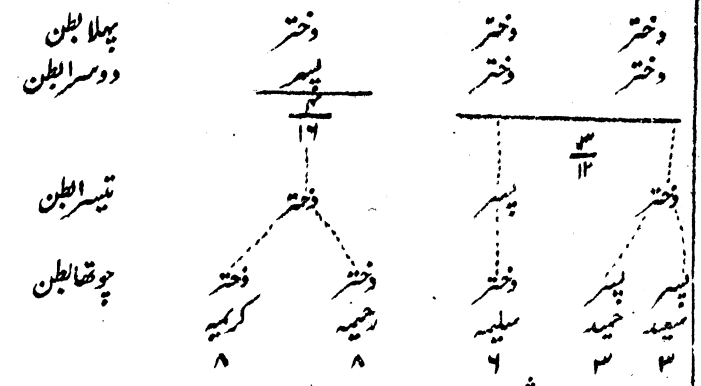
وعند محمد رحمہ اللہ تعالیٰ یقسم المال علی الخلاف اعنی فی البطن الثانی انسباعا ایضا باعتبار عدد الفروع فی الاصول اور محمد کے نزدیک مال کی تقسیم اوپر کے بطن میں جس میں اصلاً خلاف واقع ہے اور وہ دوسرا بطن ہے سات حصے کر کے ہو گی باعتبار عدد فروع کے اصول میں یعنی محمد مال کو دوسرے بطن پر جس میں اولاً اختلاف واقع

ہوا ہے تعدد فروع کا لحاظ کر کے تقسیم کرتے ہیں حالانکہ امام محمد کا یہ قول تھا کہ اختلاف صفات کے موقع پر ابدان اصول کا اعتبار ہو کر پھر جو کچھ مرد و عورت کے گروہ کو پہنچتا ہے وہ اونکی فروع کی طرف نقل کر دیا جاتا ہے۔

پس اگر انمیں مرد و عورت کا اختلاف نہیں ہوتا تو برابر سب کو دیدیا جاتا ہے اور اختلاف کی صورت میں مرد کو عورت سے دونا دیا جاتا ہے۔ پس محمد کے اس قول کے مطابق قیاس یہ چاہتا ہے کہ دوسرے بطن میں مرد کو عورت سے دوچند بلکہ ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ گروہ بنا کر حصہ اون کی فروع کی طرف منتقل ہو جانا چاہیئے لیکن اونھوں نے یہاں ایسا نہیں کیا بلکہ یہاں اونھوں نے اصول میں تعداد فروع کا تقسیم کے وقت لحاظ کیا نتیجہ اس کا یہ ہوگا کہ بطن ثانی میں تعداد کا مجموعہ سات ہو جائے گا اس طرح کہ ایک بیٹا جو بہنوں لے دو بیٹوں کے ہے اوس کی جگہ چار بیٹیاں سمجھ لی جاوینگی اور خود ایک بیٹی بہنوں لے دو بیٹیوں کے ہے اس طرح چھ بیٹیاں ہونگی اور صرف ایک بیٹی اور بھی ہے تو تمام بیٹوں کا مجموعہ سات مانا گیا جسکا مال یہ ہوگا کہ مال کے سات حصے ہو کر اس میں سے ۴ حصے بیٹے کو پہنچینگے اور اوس بیٹی کو جس کی فرع میں تعدد ہو نے سے دو بیٹیاں بنی ہیں اون سات میں سے دو ملینگے اور جو بیٹی صرف ایک باقی ہے سا تو ان باقی اوس کا حصہ ہے بعدہ مردوں کا گروہ علیحدہ بنایا جائے گا اور عورتوں کا علیحدہ اور ان گروہوں سے ہر ایک کا حصہ اوسکی فروع کو پہنچایا جائے گا اس طرح سے اس بعد الصباغ لبنتے بنت ابن البنت نصیب جدھا نوانے کی بیٹی کی دونوں بیٹوں کو مال کے سات حصوں میں سے چار حصے دئے جائینگے جو اونکے دادا کا نصیب ہے اور یہ دادا وہ مرد ہے جو دوسرے بطن میں بہنوں لے دو لڑکوں کے مانا جا چکا ہے وثلثۃ اسباع نصیب البنتین اور مال کے سات حصوں میں سے ۳ حصے دیدینے کے بعد جو تین حصے باقی رہے اور وہ اُن دونوں بیٹوں کا حق ہے جو ایک بیٹی کی جگہ دو تصور کر لی گئی ہیں یقسم علی ولد یھما اثنی فی البطن الثالث انصافا اون دونوں مفروضہ بیٹوں کی اولاد یر جو تیسرے بطن میں موجود ہیں اور وہ ایک بیٹی اور ایک بیٹا ہے انصافا نصف بٹ جائے گا اس طرح نصفہ لبنت ابن بنت البنت نصیب ابی ھا سات میں کے بقیہ تین حصوں میں سے آدھا یعنی ڈیڑھ حصہ نواسی کے بیٹے کی بیٹی کو دیدیا جائے گا جو اوسکے باپ کا حق ہے والنصف الاخر لابنتے بنت بنت البنت نصیب اصھا اور تین میں کا دوسرا آدھا یعنی سات حصوں میں سے ڈیڑھ حصہ نواسی کی بیٹی کے دونوں بیٹوں کو دے دیا جائے گا جو اون کی ماں کا حق ہے وتصح المسئلۃ من ثمانیۃ وعشرین اور مسئلے کی تصحیح ۲۸ سے ہو جائے گی۔

اب ہم مصنف کی مثال کو متعارف طریق پر درج کر کے اوس کا حل امام محمد کی رائے کے مطابق کرتے ہیں۔

مسئلہ ۷ سے تصحیح ۲۸ سے



اس مسئلے میں ۵ شخص ذوی الارحام ہیں اون میں سے دو پسر ہیں یعنی سعید و حمید اور تین دختر یعنی سلیمہ۔ رحیمہ۔ اور کریمہ اور سب چوتھے بطن میں ہیں اور ذوی الارحام ہیں اور اُن کے اصول کے کئی بطنوں میں اختلاف ذکورت و انوثت کا ہے اس لئے اولا دوسرے بطن پر کروہی اس مسئلے کا اسلے خلاف ہے للذ کر مثل حظ الانثیین تقسیم کیا اور چونکہ اس بطن میں دو عورتیں ہیں جن میں سے ایک کے عدد فروع ۲ ہیں اس لئے اوس کو دو فرض کیا پس سب بہنیں ۳ عورتوں کے ہوئیں اور نیز اس بطن میں ایک مرد ہے جسکے عدد فروع دو ہیں اس لئے اوسکو دو فرض کیا اور دو مرد بہنیں لے ۴ عورتوں کے ہوتے ہیں۔ اس لئے ۴ یہ اور ۳ پہلے ملکر بہنیں لے ۷ عورتوں کے ہوئیں۔ اس لئے مسئلہ ۷ سے ہوا ان میں سے ۳ عورتوں کو پہنچے اور ۴ مردوں کو۔ پھر مردوں اور عورتوں کے ہر ایک گروہ کو اونکے تلے ایک ایک خط عرضی کھینچ کے الگ الگ کرکے ہر ایک گروہ کے سہام کو یعنی ۳ کو کہ گروہ عورات کے سہام ہیں اور ۴ کو کہ مردوں کے گروہ کے سہام ہیں جمع کرکے خط مذکور کے نیچے رکھدیا چونکہ اب مرد و تیسرے گروہ کے مسئلے میں کمیں اختلاف نہیں ہے اس لئے اس کے سہام یعنی ۴ کو اوسکی فروع موجودین یعنی رحیمہ و کریمہ کو جو چوتھے بطن میں ہیں دیدیا پھر عورتوں کے گروہ کے نیچے کے بطنوں پر لحاظ کیا کہ اب ان میں اسلے خلاف کون ہے تو تیسرے بطن کو کہ ایک دختر اور ایک پسر پر مشتمل ہے اسلے خلاف پایا اور چونکہ دختر مذکور کے عدد فروع دو ہیں۔ اس لئے اوس کو دو فرض کیا اور ایک پسر بہنیں لے دو دختر کے ہوتا ہے۔ پس یہ دو اور دو پہلے ملکر بہنیں لے ۴ دختر کے ہوئے اور چونکہ عورتوں کے سہام یعنی تین ان ۴ پر پورے تقسیم نہیں ہو سکتے اور دونوں میں تباین ہے اس لئے بموجب قاعدۂ تصحیح کے کل رؤس یعنی ۴ کو اصل مسئلے یعنی ۷ میں ضرب دیا ۲۸ حاصل ہوئے اس میں سے ۱۶ دوسرے بطن کے مردوں کے

گروہ کو دے جو اوس کی فروع موجودین پر اس طرح ۸ رجیمہ کو اور ۸ کریمہ کو پہنچے اور ۱۲ دوسرے بطن کے عورتوں کے گروہ کو دئے جس میں سے تیسرے بطن کے مردوں کے گروہ کو ۶ پہنچکر اوسکی فروع موجودین سلیمہ کو پہنچے اور ۶ بطن مذکور کے عورتوں کے گروہ کو پہنچکر اوسکی ہر ایک فرع موجود یعنی سعید وحمید کو تین تین پہنچے۔

اس کے حل کا ایک مشہور طریق اور بھی ہے اور وہ یہ کہ تیسرے بطن میں جو ایک بیٹا اور ایک بیٹی واقع ہے اور اوس بیٹی میں باعتبار فروع کے تعدد محض کر لیا گیا ہے۔ پس ایک کی جگہ دو بیٹیاں متصور ہیں اس وجہ سے بیٹا بیٹی کے مساوی ہوگیا اور اس مساوات کے ماننے کا یہ ثمرہ ہے کہ بیٹے اور بیٹی کو مساوی مانکر اون کے عدد رؤس پر تقسیم ترکہ کے وقت لحاظ کیا جائے پس دوسرے بطن کی اون دونوں بیٹوں کا حصہ جو اونکے اوپر واقع ہیں اور وہ ۳ سہم ہیں اوپر منکسر ہے کہ دونوں پر نصف نصف صحیح عدد سے نہیں بٹ سکتے۔ پس اس بیٹے اور بیٹی کے دو عدد رؤس اور تین سہام میں کہ اونکو اوپر کے بطن سے پہنچتے ہیں مباینت ہے اس لئے اس وقت اونکے تمام عدد رؤس کو کہ وہ نصف کا مخرج ہے لیکر اصل مسئلے میں کہ سات ہیں ضرب دینگے تو ۱۴ حاصل ہونگے ان ۱۴ میں سے ۸ نواسے کی بیٹی کی دونوں بیٹوں کو پہنچینگے جو اونکے جد کا نصیب ہے اور ۳ سہام نواسی کے بیٹے کی بیٹی کو ملینگے جو اوسکے باپ کا نصیب ہے اور ۳ سہام نواسی کی بیٹی کے دونوں بیٹوں حاصل ہونگے جو اونکی ماں کا نصیب ہے لیکن پچھلے تین سہام لڑکوں پر مستقیم نہیں اسلئے اونکے عدد رؤس کو کہ ۲ ہیں ۱۴ میں ضرب دیا جائے گا تو حاصل ضرب ۲۸ ہوگا اس سے مسئلے کی تصحیح ہو جائے گی اس لئے کہ اون آٹھ سہام کو جو نواسے کی بیٹی کی دونوں بیٹوں کا حصہ ہے اونکے عدد رؤس میں ضرب دینے سے ۱۶ حاصل ہونگے پس یہ اون دونوں کو فی کس آٹھ آٹھ کے حساب سے مل جائینگے اور ۳ سہام کو کہ وہ نواسی کے بیٹے کی بیٹی کا نصیب ہے۔ اصل مسئلے کے مضروب میں کہ وہ دو ہیں ضرب دینے سے چھ حاصل ہونگے۔ پس یہ پورے ۶ سہام اوس کا حصہ ہے اور نواسی کی بیٹی کے دونوں بیٹوں کے نصیب کو کہ ۳ سہام ہیں اوسی اصل مسئلے کے مضروب میں ضرب دینے سے ۶ حاصل ہوتے ہیں یہ ان دونوں لڑکوں کا حصہ ہے۔ کہ فی کس ۳ سہام پہنچینگے۔

اب یہاں ایک سوال وارد ہوتا ہے کہ یہ دونوں روایتیں کہ ایک ابو یوسف کی طرف سے اور دوسری محمد کی طرف سے مشہور و معروف ہیں ان میں سے فتوے کس روایت پر ہے

جواب اس کا مصنف یوں دیتے ہیں وقول محمد رحمہ اللہ تعالیٰ اشہر الروایتین عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ فی جمیع ذوی الارحام وعلیہ الفتوی اور محمد کا قول مشہور تر اون دو روایتوں میں سے ہے جو امام ابو حنیفہ سے مروی ہیں تمام ذوی الارحام کے باب میں اور اسی قول پر فتوے ہے جبکہ ذوی الارحام کی تقسیم میں صاحبین کو بڑا اختلاف ہے پس فتوے کس جانب ہے یہ دریافت کرنا لازمات سے ہے مگر اخوہ ابو یوسف نے

اختلاف کرنے سے پہلے یہ روایت کی ہے کہ امام کا یہ ارشاد ہے کہ جمیع احکام ذوی الارحام میں محمد کا قول معتبر ہے۔ بعد اس قول کے آپنے خود اونکی رائے سے اختلاف فرمایا۔ لیکن رفع صعوبت کے لئے صاحب محیط کہتے ہیں کہ علمائے بخارا نے اس قسم کے مسائل میں ابو یوسف کا قول اختیار کیا ہے کیونکہ وہ آسان ہے اور او سکے موافق مسئلہ لکھنا سہل ہے۔ اور شیخ اسبیجانی نے مبسوط میں اس کی تصحیح کی ہے لیکن بظاہر یہ پایا جاتا ہے کہ محمد کے قول پر فتوے ہے حالانکہ خلاف صحیح کے کبھی فتوے سہولت کے لئے ہوتا ہے اور یہاں اسکے خلاف ہے۔

فصل

یہ فصل تتمہ ہے قسم اوّل کے مباحث کا

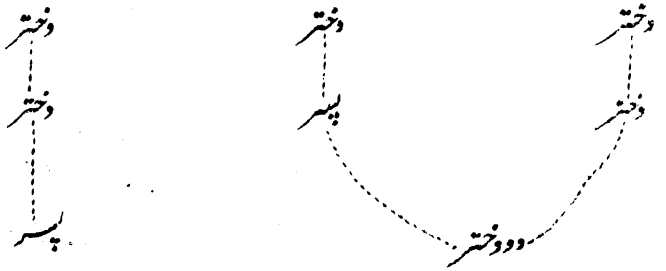
علمائی نا رحمہم اللہ تعالے یعتبرون الجہات فی التوریث علمائے حنفیہ ذوی الارحام کی توریث میں جہت کا اعتبار کرتے ہیں خیران ابا یوسف رحمہ اللہ تعالے یعتبر الجہات فی ابدان الفروع و محمد رحمہ اللہ تعالے یعتبر الجہات فی الاصول جماعت اول کے ذوی الارحام کی تقسیم میں صاحبین کو دو طرح کا اختلاف ہے ایک صفت ذکورت وانوثت میں دوسرا اختلاف جہت کا ہے۔

امام ابو یوسف فروع کی جہت کا اعتبار کرتے ہیں اور محمد اصول کی جہت پر اعتبار کرتے ہیں اگر ایک ذی رحم دو جہت سے استحقاق میراث رکھتا ہو تو دو جہت سے اوسے میراث ملے گی بخلاف جدات کے کہ ایک جہت والی اور دو جہت والی برابر ہیں۔ پس امام ابو یوسف مطلق ابدان فروع میں دونوں جہت کا اعتبار کرکے تقسیم کرتے ہیں۔

اور امام محمد اپنے قاعدے کے موافق محل اختلاف اصول بذکورت و انوثت میں تقسیم کرکے اونکی اولاد کو باعتبار جہات کے حصہ دیتے ہیں کما اذا ترک بنتی بنت بنت وھما ابنتا ابن بنت پس جبکہ میت کے وارث دو قسم کے ہوں اس طرح کہ میت نے ایک نواسی کی دو بیٹیاں چھوڑیں اور وہ دونوں نواسے کی بھی بیٹیاں ہوں و ابن بنت بنت اور دوسری نواسی کا بیٹا چھوڑا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص کے تین بیٹیاں تھیں اون تین میں سے ایک بیٹی کے ایک بیٹا پیدا ہوا اور دو بیٹیوں کے دو بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ پس اونمیں سے ایک لڑکی اور لڑکے کا نکاح کردیا اونسے دو لڑکیاں پیدا ہوئیں ایک لڑکی کہ باقی تھی اوسکے ایک لڑکا پیدا ہوا

پس وہ اخیر کی دو لڑکیاں دو جہت رکھتی ہیں اور وہ آخر کا لڑکا ایک جہت رکھتا ہے لہٰذا المصور تہ اس شکل سے۔

صب

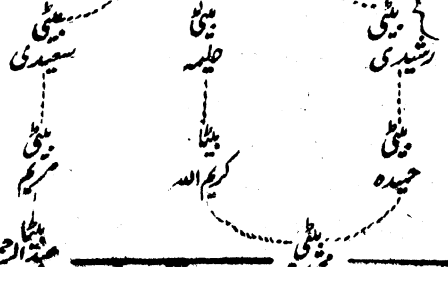


عند ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ یکون المال بینھم اثلاثا اس مثال میں امام ابو یوسف کے نزدیک مسئلہ ۳ سے ہوتا ہے اور نواسیوں کے ایک بیٹے اور دو بیٹی میں مال کے تین حصے کئے جاوینگے جن میں سے دو ثلث مال دو بیٹیوں کے لئے ہوگا اور ایک ثلث بیٹے کے واسطے وصار کانہ ترک اربع بنات کو یا میت نے چار بیٹیاں چھوڑیں اس لئے کہ جب دونوں بیٹیوں کو دو جہت حاصل ہیں ایک باپ کی طرف سے اور ایک ماں کی جانب سے تو دو بیٹیاں باپ کی جانب سے ہونگی اور دو بیٹیاں ماں کی جانب سے اور دونوں جانب کی دو بیٹیوں کا مجموعہ چار ہوتا ہے۔ وابنا اور ایک نواسی کا بیٹا چھوڑا ثلثاہ للبنتین وہ تہائی مال دونوں بیٹیوں کے لئے ہے کیونکہ انکو دو جہت حاصل ہیں ایک نواسی کی طرف کی اور ایک نواسے کی طرف کی وثلثہ للابن اور ایک تہائی لڑکے کا جو نواسی کا بیٹا ہے اور اسکو صرف ایک ہی جہت سے میت کے ساتھ رشتہ حاصل ہے بہرصورت لڑکیوں کو اس مثال میں دو تہائی مال کے باعتبار ہر قرابت کے پہنچتے ہیں اور لڑکے کو بوجہ ایک قرابت کے ایک تہائی پہنچتا ہے کیونکہ مسئلے میں یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ میت نے چار لڑکیاں اور ایک لڑکا چھوڑا ہے۔ اور مسئلے کی تصحیح تین سے اسوجہ سے ہوگی کہ چار بیٹیاں بمنزلے دو بیٹوں کے ہیں اور ایک بیٹا خود موجود ہے گویا میت نے تین بیٹے چھوڑے وعند محمد رحمہ اللہ تعالیٰ یقسم المال بینھم علی ثمانیۃ و عشرین سھما اور محمد کے نزدیک بطن دوم سے تقسیم شروع ہوتی ہے۔ پس دو دختر اور ایک پسر ہے لیکن بیٹا باعتبار عدد فروع کے دو بیٹیوں کی طرح ہے اور وہ لڑکی جس کی فروع دو لڑکیاں ہیں باعتبار عدد فروع کے دو لڑکیوں کی طرح ہے۔

پس گویا سات لڑکیوں کا مجموعہ ہوگیا اس طرح کہ دو لڑکے کے بمنزلے چار لڑکیوں کے ہوئے اور دو لڑکیاں دو سہمی ہیں اور ایک اور ہے اس لئے انکو سات رؤس قرار دیکر مسئلہ ۷ سے

کیا گیا پسر کو چار سہم ایک دختر کو دو سہم کہ بہنزلے دو دختر کے ہے اور ایک سہم دوسری دختر کو دیا گیا جس دختر کو ایک سہم ملا اوس کا ایک بیٹا فروع میں ہے اور اس کے مقابلے کی دختر و پسر سے دو دختر پیدا ہوئیں بعد تقسیم مذکور کے اسی بطن دوم میں مردوں کا گروہ علیحدہ کیا گیا اور عورتوں کا علیحدہ - پس جب تین عورتوں کے گروہ کے حصے کو اونکے تلے کے پسر و دختر کی طرف جو تیسرے بطن میں واقع ہیں منتقل کیا تو اونکے سہام ان پسر و دختر پر منقسم نہیں ہو سکتے کیونکہ سہام تین ہیں اور پسر و دختر کا مجموعہ چار بیٹیوں کی برابر ہے اس لئے کہ ایک بیٹا دو بیٹیوں کی برابر ہے اور دوسری دو بیٹیاں خود موجود ہیں اس طرح جملہ چار رؤس ہوئے - اور تین و چار میں مباینت ہے اس لئے ہم کو اصل مسئلہ یعنی ۳ میں ضرب دیا ۱۲ حاصل ہوئے -

دوسری عبارت میں یوں سمجھو کہ جب لڑکے کا حصہ کہ ۷ سہام میں سے ۴ تھے لڑکیوں کی طرف کہ تیسرے بطن میں ہیں پہنچایا گیا تو ہر ایک لڑکی کو دو سہام ملے اور جب حصہ عورتوں کے گروہ کا کہ ۳ سہم ہیں اون کی فروع پر جو تیسرے بطن میں ہیں تقسیم کیا گیا تو یہ حصہ اونکے رؤس پر مستقیم نہ نکلا کیونکہ سہام اون کے تین ہیں اور اونکی فروع میں ایک بیٹا اور دو بیٹیاں ہیں کہ جن کا مجموعہ مثل چار بیٹیوں کے ہوا کیونکہ ایک بیٹا دو بیٹی کی برابر مانا جاتا ہے اور تین سہام اور ان چار عدد رؤس میں مباینت ہے اس لئے ان چار عدد رؤس کو اصل مسئلے میں کہ ۷ ہوتے ہیں ضرب دیا گیا تو ۲۸ ہوئے اس سے مسئلے کی تصحیح ہوتی ہے للبنتین اثنان و عشرون سهما ستة عشر سهما من قبل ابی هما و ستة سهام من قبل امهما ۲۸ میں سے دونوں بیٹیوں کو ۲۲ سہام ملے ان میں سے ۱۶ سہام باپ کی جانب سے اور ۶ سہام ماں کی جانب سے وللابن ستة سهم من قبل امه ۔ ر بیٹے کو ماں کی جانب سے چھ سہم دیئے گئے - بطن ثانی میں بیٹی کے بیٹے کے لئے ۴ سہم تھے جب کہ ہم نے اوسکو اصل مسئلے یعنی ۷ کے مضروب میں کہ وہ بھی ۴ ہیں ضرب دیا تو ۱۶ حاصل ہوئے انمیں سے اوسکی دونوں بیٹیوں کو آٹھ آٹھ پہنچ گئے اور بطن ثانی میں بیٹیوں کے لئے تین سہم تھے جب ان تین کو انھیں سات کے مضروب میں کہ ۴ ہیں ضرب دیا تو ۱۲ حاصل ہوئے انمیں سے نواسی کے بیٹے کو ۶ دیئے اور نواسی کی دونوں بیٹیوں کو بھی ۶ دیئے کہ ہر ایک بیٹی کو تین تین سہم پہنچے ہیں پس ہر بیٹی کا حصہ پچھلے بطن میں ۱۱ سہام ہوگئے جنمیں سے ۸ سہام باپ کی جانب سے ہیں اور ۳ سہام ماں کی طرف سے - اسکی ایک دوشاخی بطور شجرہ کے یہ ہے -



مجیدہ مرتفضے کے نواسی کی بھی بیٹی ہے اور نواسی کی بھی اور عبدالرحمٰن فقط نواسی کا بیٹا ہے مرتضیٰ کے مرنے کے بعد مجیدہ اور عبدالرحمٰن پر اس طرح تقسیم ہوگی اس مثال میں امام ابو یوسف کے نزدیک مسئلہ ۴ سے ہوگا اور ۲ نواسی کے بیٹے عبدالرحمٰن کو اور ۲ نواسی کی بیٹی مجیدہ کو پہنچینگے اس واسطے کہ یہ ایک نواسی کی بیٹی ہنز لے ۲ کے ہے گویا ایک نواسی کی بیٹی ہے اور ایک نواسی کا بیٹا پس جبکہ باعتبار ابدان فروع کے لڑکے کو دو حصے اور لڑکی کو ایک حصہ کرکے تقسیم ہوئی تو مسئلہ چار سے ہوا۔

عبدالرحمٰن کو کہ نواسی کا لڑکا ہے دو حصے پہنچے اور نواسی کی بیٹی مجیدہ کو بھی دو پہنچے کہ باعتبار قرابت کے ایک ایک ملا ہے پھر اس وجہ سے کہ مستحق دو دو حصے کا ایک ایک شخص ہے اختصار کے لئے مسئلہ دو سے کرلیا۔

اور امام محمد کے نزدیک مسئلہ ۴ سے ہوگا جس میں سے ۱۱ اس نواسی کی بیٹی کو پہنچینگے جو نواسی کی بیٹی بھی ہے اور ایک نواسی کے بیٹے کو اس سبب سے کہ انکے مذہب کے موافق اول تقسیم محل اختلاف اصول مذکورت والونثت میں ہوئی وہاں ایک نواسا ہے اور دو نواسیاں پس نواسے کو دو حصے پہنچے اور دونوں نواسیوں کو ایک ایک حصہ ملا پھر وہ دو حصے نواسے کے اور ایک نواسی کا اوسکو پہنچا جو دونوں کی بیٹی ہے۔ پس اوسے ۳ ملے اور ایک نواسی کا حصہ اوسکے بیٹے کو پہنچا۔

فصل فی الصنف الثانی

یہ فصل ذوی الارحام کی دوسری جماعت کے بیان میں ہے اور وہ جدات فاسدات اور اجداد فاسدین ہیں گو کتنے ہی اونچے درجے کے ہوں اور یہ چار میں منحصر ہیں (۱) نانا اور نانا کا باپ اور نانا کے باپ کا باپ اور نانا کی ماں کا باپ جہان تک اوپر ہو (۲) دادی کا باپ (۳) نانا کی ماں اور نانا کی ماں کی ماں اور نانا کے باپ کی ماں جہان تک اوپر ہو (۴) دادی کے باپ کی ماں۔

اور انکے چار احوال ہیں سب درجے میں برابر نہوں خواہ باپ کی جانب کے ہوں یا ماں کی جانب کے۔ پس اس حالت میں اقرب کو تقدیم ہوتی ہے کسی جانب کا بھی ہو خواہ سب وارث کی طرف نسبت رکھتے ہوں۔ یا بعض وارث کی طرف نسبت رکھتے ہوں اور بعض غیر وارث کی طرف (۲) سب ایک درجے کے ہوں اور اونکے اور میت کے درمیانی رشتہ دار برابر ہوں اور قرابت بھی متحد ہو یعنی سب ایک جانب کے ہوں خواہ باپ کی جانب کے خواہ ماں کی جانب کے اور جس کے ساتھ انکو نسبت ہو وہ ذکورت والونثت میں متفق ہو ایسی حالت میں انکی تقسیم اونکی ذاتوں پر ہوگی (۳) درجے میں برابر ہوں اور قرابت میں بھی اون کا اتحاد ہو لیکن

جن کے ساتھ انکو انتساب اور اتصال ہوا ونکے کسی ایک بطن میں یا کئی بطنوں میں عورت و مرد کا اختلاف ہو تو انمیں تقسیم اس طرح ہو گی کہ جس بطن میں عورت و مرد کا اختلاف ہوگا اوسی پر تقسیم کرکے ان کو اونکے حصے دیدئے جائینگے (۴) درجے میں سب برابر ہوں لیکن قرابت میں اختلاف رکھتے ہوں اولی ھم بالمیراث اقربھم الی المیت من ای جھۃ کان انمیں سے جو کوئی میت سے زیادہ قرابت رکھتا ہو خواہ باپ کی جہت سے خواہ ماں کی جہت سے دور کے رشتہ دار سے مقدم ہے اقرب کی اولویت کی وجہ یہ ہے کہ استحقاق ذوی الارحام کا سبب عصوبت کے اعتبار سے ہے۔

پس ذوی الارحام حکما عصبات ہیں دوسری عبارت میں یا یہ کہ عصبات حکمی ہیں تیسری عبارت میں عصبات معنوی ہیں اور عصبات حقیقی میں تقدیم اقرب کے لئے ہے پس یہی حال عصوبت حکمی میں بھی ہونا چاہئے۔ چنانچہ نانا سیت کی نانی کے باپ سے زیادہ نزدیک ہے اسلئے کہ نانا کو میت کے ساتھ ایک واسطے سے قربت حاصل ہے اور نانی کے باپ کو دو واسطے سے اسی طرح دادی کا باپ دادی کی ماں کے باپ کے مقابلے میں زیادہ نزدیک ہے اس لئے کہ میت کے ساتھ اول کا اتصال دو واسطے سے ہے اور دوسرے کا تین واسطے سے اسی طرح نانا دادی کے باپ سے زیادہ نزدیک ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جدین فاسدین میں سے اقرب فالاقرب مقدم ہے قسم اول کی مانند خواہ اقرب باپ کی جہت سے ہو یا ماں کی جہت سے وعند الاستواء فمن کان یدلی بوارث فھو اولی کاب ام الام اولی من اب اب الام عند ابی سھل الفرائضی وابی فضل الخصاف وعلی بن عیسی البصری یعنی اگر اجداد فاسدین وجدات فاسدات متساوی الدرجہ ہوں تو ابی سہل فرائضی اور ابی فضل الخصاف وعلی بن عیسی بصری کے نزدیک مقدم وہ ہیں جو وارث سے منسوب ہیں جیسے نانی کا باپ بہ نسبت غیر وارث والے کے جیسے نانا کا باپ اس لئے کہ اول وارث سے ملتا ہے اور وہ وارث نانی ہے کہ جدۂ صحیحہ ہے اور دوسرا غیر وارث سے ملتا ہے اور وہ نانا ہے کہ جد فاسد ہے کہ نانی کے سامنے اس کا کوئی حق نہیں ہے ولا تفضیل لہ یعنی جو وارث کی طرف انتساب رکھتا ہے اوسکو ایسے شخص پر تفضیل نہیں ہے جو وارث کی طرف انتساب نہیں رکھتا ردالمحتار میں کہا ہے کہ یہی اصح ہے جیسا کہ اختیار اور سکب الانہر وغیرہ میں ہے اور روح الشروح میں کہا ہے کہ روایات اسپر شاہد ہیں عند ابی سلیمان الجرجانی وابی علی البستی یہ مذہب ابوسلیمان جرجانی اور ابو علی بستی کا ہے کہ انکے نزدیک دونوں استوار کے وقت مساوی ہیں بشرطیکہ جہت متحد ہو۔ پس ان دونوں کے نزدیک میت کے ترکے کے تین حصے کرکے دو تہائی اسکے نانا کے باپ کو اور ایک تہائی نانی کے باپ کو دینا چاہئے۔ کیونکہ اگر اجداد فاسدین وجدات فاسدات میں وارث کے اتصال کی وجہ سے ترجیح ہو تو لازم آتا ہے کہ متبوع کہ جد یا جدہ سے

اپنے تالع کا تالع ہو جائے جو اوس کا فرزند ہے اور یہ خلاف معقول ہے اور اولاد یعنی صنف اول میں یہ بات لازم نہیں آتی اس لئے کہ وہاں فرزند وارث اولے ہے اوس شخص سے جو وارث کی طرف منتسب نہیں ہے۔ پس فرق ظاہر ہو گیا وإن استوت منازلهم وليس فيهم من يدلي بوارث اور اگر قرب و بعد میں اونکے درجے برابر ہوں اور کوئی اونمیں ایسا نہو جو وارث سے اتصال رکھتا ہو جیسے دادی کے باپ کا باپ اور دادی کے باپ کی ماں او کانت كلهم يدلون بوارث یا ہر ایک کو وارث سے اتصال ہو جیسے پردادا کی مان کا باپ یا پردادی کی ماں کا باپ اب اس تیسری حالت کی تین صورتیں ہیں (۱) پہلی صورت یہ ہے والصفت صفة من يدلون بهم ہر ایک وارث سے اتصال رکھنے والا ذکورت اور انوثت میں ایک دوسرے کے موافق ہو اس طرح کہ وسائط میں مرد کے مقابلے مرد ہو اور عورت کے مقابلے میں عورت نہ یہ کہ مرد کے مقابلے میں عورت ہو اور عورت کے مقابلے میں مرد جیسا کہ اختلاف صفت کے موقع پر ہوتا ہے والحدت قرابتهم یعنی اتفاق صفت کے ساتھ یہ بھی ہو کہ ہر ایک کی قرابت ایک جہت سے ہو مطلب یہ ہے کہ ہر ایک میت کے باپ کی طرف سے ہو یا میت کی ماں کی جانب سے فالقسمة حينئذ على اعدد انهم تو اس صورت میں حکم یہ ہے کہ وارثوں کے رؤس پر باعتبار عورت و مرد کے تقسیم ہو جائے گی۔

پس ہمنے جو عدم اتصال کی مثال دی ہے اوس میں ترکے کے تین حصے کر کے دو حصے دادی کے باپ کے باپ کو دئے جائینگے اور ایک حصہ دادی کے باپ کی ماں کو (۲) دوسری صورت یہ ہے وإن اختلفت صفة من يدلون بهم يقسم المال على اول بطن اختلفت اور اگر جہت قرابت متحد ہو تو جس بطن میں اختلاف صفت ہے تو مرد کو دو حصے اور عورت کو ایک حصے کے حساب سے تقسیم کر کے گروہ مرد و عورت علیحدہ علیحدہ کریں كما في الصنف الاول یعنی حسب طریقہ صنف اول کے عمل کریں مطلب یہ ہے کہ جب اعلے خلاف پر للذکر مثل حظ الانثیین کے تقسیم کر چکیں تو ہر ایک گروہ کے ذکور و اناث کو اوس کے نیچے ایک ایک خط عرضی کھینچ کے الگ الگ کر کے ہر ایک گروہ کے سہام کو جمع کر کے خط مذکور کے نیچے لکھدیں۔ پھر ہر ایک گروہ کے نیچے کے بطنوں میں لحاظ کریں کہ اب اون میں اعلے خلاف کون ہے جو اعلے خلاف ہو اوس پر بھی بطریق مذکور تقسیم کریں پھر باقی عمل بدستور کریں۔ اسی طرح جہاں تک اصول کے بطنوں میں اختلاف پاویں عمل کرتے جاویں پھر جب اصول کے سارے مختلف بطنوں میں عمل کر چکیں تو اگر آخر بطن میں بھی اختلاف ہو تو اوس میں بھی یہی عمل کریں پھر مردوں کے سہام مردوں کی فروع موجودین کو اور عورتوں کے سہام عورتوں کی فروع موجودین کو دیدیں جیسا کہ صنف اول میں بتصریح معلوم ہوا۔

مسئلہ ۷ تصحیح ۳۵

اصل				
باپ	باپ	باپ	باپ	
ماں	باپ	باپ	باپ	
۱/۵				
باپ	ماں	۶/۳		
	۶	باپ	باپ	
ماں	باپ			
ماں	ماں	۲۴	باپ	
ماں	ماں	۸	۱۶	
۱/۵	۶	باپ	ماں	
سلیمہ	نعیمہ	ماں	باپ	
۵	۶	۸	۱۶	
		رحیمہ	احمد	
		۸	۱۶	

اس مثال میں ۴ شخص ذوی الارحام ہیں جن میں سے تین عورتیں ہیں یعنی سلیمہ، نعیمہ رحیمہ اور ایک مرد یعنی احمد اور سب ایک درجے کے ہیں اور سب باپ کی جانب کے ہیں اور اونکے اُصول کے کئی بطنوں میں اختلاف ذکورت و انوثت ہے۔ اس لئے اول دوسرے بطن پر کہ وہی اس مثال میں اعلے خلاف ہے للذکر مثل حظ الانثیین تقسیم کی اور چونکہ اس بطن میں تین مرد ہیں اور ایک عورت اور ۳ مرد بمنزلے ۶ عورتونکے ہوتے ہیں۔ پس سب ملکر بمنزلے ۷ عورتونکے ہوئے اس لئے مسئلہ ۷ سے ہوا ان میں سے ۶ مردونکو پہنچے اور ایک عورت کو پھر مردوں اور عورتونکے ہر ایک گروہ کو اونکی نیچے ایک ایک خط عرضی کھینچ کے الگ الگ کرکے ہر ایک گروہ کے سہام کو جمع کرکے خط مذکور کے نیچے رکھدیا پھر چونکہ اب عورتوں کے سلسلے میں کہیں اختلاف نہیں ہے اسلئے اونکے کل سہام یعنی ایک کو اوسکی فرع موجود یعنی سلیمہ کو دیدیا پھر مردونکے گروہ کے نیچے کے بطنوں میں لحاظ کیا کہ اب اُن میں اعلے خلاف کون ہے تو تیسرے بطن کو کہ ایک عورت اور دو مردوں پر مشتمل ہے اعلے خلاف پایا اوس پر بھی بطریق مذکور مردوں کے سہام یعنی ۶ کو تقسیم کیا اور چونکہ بطن مذکور میں ایک عورت اور دو مرد ہیں اور دو مرد بمنزلے ۴ عورتوں کے ہوتے ہیں کہ سب ملکر بمنزلے ۵ عورتوں کے ہوئے اس لئے سہام مذکور (یعنی ۶) عدد رؤس (یعنی ۵) پر پورے تقسیم نہیں ہو سکتے اور چونکہ دونوں میں تباین ہے اس لئے

رؤس یعنی ۵ کو اصل مسئلے یعنی ۷ میں ضرب دیا ۳۵ حاصل ہوئے انمیں سے ۵ دوسرے بطن کی عورتوں کو دئے جو اوسکی فرع موجود یعنی سلیمہ کو پہنچے اور ۳۰ بطن مذکور کے مردوں کو دئے جس میں سے ۶ تیسرے بطن کی عورتونکو پہنچے اور ۲۴ بطن مذکور کے مردون کو پھر باقی عمل بدستور کیا اور چونکہ اب عورتوں کے مسئلے میں کہین اختلاف نہیں ہے اسلئے اوس کے سہام یعنی ۶ کو اوسکی فرع موجود یعنی نعیمہ کو دیدیا اب پھر مردونکے نیچے کے بطنون میں لحاظ کیا کہ اب اون میں اعلے خلاف کون ہے تو چوتھے بطن کو کہ ایک عورت اور ایک مرد پر مشتمل ہے اعلے خلاف پایا۔ پس اوسپر بھی سہام مذکور یعنی ۲۴ کو بطریق مذکور تقسیم کیا اب اس میں سے آٹھ عورت کو دئے جو اوس کی فرع موجود یعنی رحیمہ کو پہنچے اور ۱۶ مرد کو دئے جو اوسکی فرع موجود یعنی احمد کو پہنچے (۳) تیسری صورت یہ ہے وان اختلفت قرابتهم اور اگر قرابت میں اختلاف ہو یعنی ایک باپ کی جانب سے ہو اور دوسرا ماں کی طرف سے شلاً میت کے باپ کے دو جد ساقط ہوں ایک اوسکے باپ کی طرف والا جیسے باپ کی ماں کی ماں کا باپ اور دوسرا اوسکی ماں کی جانب والا جیسے ماں کے باپ کا باپ اسی طرح میت کی ماں کے دو جد ساقط ہوں ایک اوسکے باپ کی طرف والا جیسے باپکی ماں کا باپ اور دوسرا اوسکی ماں کی جانب والا جیسے ماں کی ماں کا باپ فالثلثان لقرابة الاب وهو نصيب الاب والثلث لقرابة الام وهو نصيب الام قوتر کے کے تین حصے کرکے دو حصے باپ کی جانب سے قرابت رکھنے والے کو اور ایک حصہ ماں کی جانب سے قرابت رکھنے والے کو دینا چاہئے کیونکہ دو ثلث باپ کا حصہ ہے اور ایک ثلث ماں کا اسلئے کہ جو باپ سے قرابت رکھتا ہے وہ بمنزلے باپ کے ہے اور جو ماں سے رشتہ رکھتا ہے وہ بمنزلے ماں کے ہے ثم ما اصاب كل فريق يقسم بينهم كما لو اتحدت قرابتهم پھر ہر فریق کا تعدد کی حالت میں جو حصہ ہے وہ اوس فریق کے رؤس پر تقسیم کر دینا چاہئے اوس طور پر کہ صورت اتحاد وجہت قرابت میں کہا گیا ہے یعنی دو تہائی قرابت دار پدری کو اور ایک تہائی اہل قرابت مادری کو دینا چاہئے اور ضابطہ یہ ہے کہ یہان یا درجے میں مساوات ہوگی یا نہوگی دوسری تقدیر پر اقرب اولے ہے اور پہلی تقدیر پر قرابت یا متحد ہوگی یا مختلف اگر مختلف ہو تو مال کو تین حصے کرکے تقسیم اوسی طرح کریں جیسا کہ ابھی بتا چکے ہیں اور اگر قرابت متحد ہوگی تو اس صورت میں اگر اصول کی صفت متفق ہو تو تقسیم فروع کے ابدان پر ہوگی اور اگر اصول کی صفت میں اتفاق نہو تو مال اعلے خلاف پر تقسیم کیا جائے گا جیسا کہ پہلی صنف میں کیا جاتا ہے۔

تمام تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ اجداد فاسدین وجدات فاسدات میں تقسیم کئی قسم کی ہے (۱) پہلے یہ کہ اقرب اولے ہے ابعد سے (۲) دوسرے یہ کہ درصورت مساوی الدرجہ ہونے کے دو حال سے خالی نہیں (یا) قرابت میں اختلاف ہے (یا) قرابت میں متحد ہیں۔

اختلاف قرابت کی صورت میں ترکے کے تین حصے کرکے پدری قرابت دار کو دو سہم اور اہل قرابت مادری کو ایک سہم دینا چاہئے اور اتحاد قرابت کی صورت میں اگر اصل ادلی ذکورت و الوثنت میں موافق ہے تو رؤس فروع پر تقسیم ہو اگر موافق نہو تو ترکے کو اول بطن پر جس میں اختلاف پڑا ہے بانٹنا چاہئے

فصل فی الصنف الثالث
فصل ذوی الارحام کی جماعت سوم کی بیان میں

اور وہ بہنوں کی اولاد ہے مرد ہوں یا عورتیں اور مطلقا بھائیوں کی بیٹیاں اور اخیافی بھائیوں کے بیٹے اور بیٹیاں ان کا حصہ دس میں ہے (۱) حقیقی بھائی کی بیٹی (۲) علاتی بھائی کی بیٹی (۳) حقیقی بہن کا بیٹا (۴) حقیقی بہن کی بیٹی (۵) علاتی بہن کا بیٹا (۶) علاتی بہن کی بیٹی (۷) اخیافی بھائی کا بیٹا (۸) اخیافی بھائی کی بیٹی (۹) اخیافی بہن کا بیٹا (۱۰) اخیافی بہن کی بیٹی یہ لوگ گو کتنے ہی نیچے ہوں یعنی انکی اولاد بھی اسی میں داخل ہے اور اس قسم میں مرد و عورت برابر ہیں انکے چھ احوال ہیں (۱) سب درجے میں برابر ہوں تو ایسی حالت میں جو زیادہ نزدیکی رکھتا ہوگا اوسکو تقدیم ہوگی خواہ وہ عورت ہی کیوں نہو (۲) درجے میں سب برابر ہوں اور اسکے ساتھ سب وارث کی اولاد ہوں اور وارث عام ہے ذوی الفروض اور عصبہ دونوں کو تو مراد یہ ہے کہ سب ذوی الفروض کی اولاد ہوں یا سب عصبہ کی یا بعض ذوی الفروض کی اولاد ہوں اور بعض عصبہ کی تو سب سے زیادہ جسکی قرابت قوی ہوگی اوس کو ترجیح ہوگی (۳) سب درجے میں برابر ہوں خواہ سب وارث کی اولاد ہوں یا سب ذوی الارحام کی لیکن اونکے اصول میں ذکورت و الوثنت کا اختلاف ہو تو ایسی حالت میں جس بطن میں ذکورت و الوثنت کا اختلاف ہے اوس میں المذکر مثل حظ الانثیین کے حساب سے تقسیم کردیں لیکن ماں کی فروع میں یہ حساب جاری نہیں اون میں تقسیم لڑکے اور لڑکی پر برابر ہوتی ہے (۵) سب وارث کی اولاد ہوں یا سب ذوی الارحام کی اور کسی اصل کے عدد فروع میں اختلاف ہو (۶) اسی حالت میں کسی اصل کی جہات متعدد ہوں۔ اور اس صنف میں اصول سے اصول فی الارث مراد ہیں نہ اصول فی النسب اسی طرح فروع سے فروع فی الارث مراد ہیں نہ فروع فی النسب تاکہ اصول کا فرع ہونا اور فرع کا اصول ہونا لازم نہ آئے ایحکم فیھا کالحکم فی الصنف الاول اعنی اولاھم بالمیراث اقربھم الی المیت یعنی اس تیسری صنف میں پہلی صنف کی طرح حکم ہے یعنے نزدیک تر طرف میت کے میراث پانے کے لئے بعید سے اولے ہے چنانچہ کسی کی لڑکی بہ نسبت بہن کی لڑکی کی لڑکی کے اولے ہے اسواسطے کہ وہ اقرب ہے۔

مسئلہ ۱

مس

بہن	بہن
بیٹی	بیٹی
۱	بیٹی
	م

وان استووا فی القرب اور اگر مساوی الدرجہ ہوں لیکن بعض ولد عصبہ ہوں اور بعض ولد ذوی الارحام فولد العصبۃ اولے من ولد ذوی الارحام تو عصبات کی اولاد مقدم ہے ذوی الارحام کی اولاد پر مصنف نے ولد العصبۃ کہا ولد الوارث نہیں کہا کیونکہ صاحب فرض کی اولاد ذوی الرحم کے درجے میں متصور نہیں ہے اس لئے کہ صاحب فرض کی اولاد پہلے بطن میں فقط بہنوں کی اولاد میں سے ہے اور ذی الرحم کی اولاد دوسرے اور اسکے بعد کے بطن میں ہے اس لئے انکا اجتماع کسی درجے میں متصور نہیں ہے بخلاف اولاد عصبہ کے کہ وہ ذی الرحم کے درجے میں متصور ہے کبنت ابن الاخ وابن بنت الاخت کلاھما لاب وام او لاب او احدھما لاب وام والاخری لاب چنانچہ میت نے حقیقی بھائی کے بیٹے کی بیٹی اور حقیقی بہن کی بیٹی کا بیٹا چھوڑا یا علاتی بھائی کے بیٹے کی بیٹی اور علاتی بہن کی بیٹی کا بیٹا چھوڑا یا علاتی بھائی کے بیٹے کی بیٹی اور حقیقی بہن کی بیٹی کا بیٹا چھوڑا تو ان میں سے بھائی کے بیٹے کی بیٹی اولے ہے بہ نسبت بہن کی بیٹی کے بیٹے کے کیونکہ وہ وارث کی لڑکی ہے اس لئے کہ بھائی کا بیٹا عصبات بنفسہ میں سے ہے اور بہانجی ذی رحم ہے اس صورت میں المال کلہ لبنت ابن الاخ لانھا ولد العصبۃ کل مال بھتیجے کی بیٹی کا کیونکہ وہ عصبے کی بیٹی ہے پس حقیقی اور علاتی بھائیوں کے بیٹوں کی بیٹیاں حقیقی اور سوتیلی بہنوں کی بیٹیوں کی اولاد پر مقدم ہونگی۔

سگے یا سوتیلے بھائیوں کے بیٹوں کی اسواسطے تخصیص کی کہ بھتیجے عصبات میں سے ہیں اور بھتیجیاں اور انکی اولاد ذوی الارحام میں داخل ہیں ولو کانا لاما اگر مثال مذکورہ میں برادر وخواہر دونوں اخیافی یعنی مادری ہوں تو دونوں کی اولاد ذی رحم سے ہیں اس صورت میں المال بین ھما للذکر مثل حظ الانثیین عند ابی یوسف رحمہ اللہ تعالے باعتبار الابدان ابو یوسف کے نزدیک تقسیم فروع کے لحاظ سے ہوگی اور مرد کو عورت سے دوچند دیا جائے گا کیونکہ میراث میں قاعدہ یہ ہے کہ مرد کو عورت پر فضیلت ہوتی ہے اور اخیافی بہن بھائیوں کے معاملے میں جو اس قاعدے کو ترک کیا گیا اور انکو برابر دیا گیا تو اسکی وجہ یہ ہے کہ قرآن میں انکے متعلق وارد ہے فہم شرکاء

فی الثلث یعنی اخیافی بھائی بہن تہائی میں برابر کے شریک ہیں تو یہاں وہ قیاس کہ مرد کو عورت سے دوچند دیا جائے اس نص کی وجہ سے متروک ہوگیا اور جو چیز قیاس سے مخصص ہو تو اوس کے ساتھ اوس شے کو نہیں ملاتے جو اوسکے معنے میں تمام وجوہ سے نہو اور ظاہر ہے کہ اخیافی بھائی بہنوں کی اولاد انکے معنے میں تمام وجوہ سے شریک نہیں ہے اگرچہ بعض وجوہ سے اونکے معنے میں ہے چنانچہ علیحدگی کی تو صورت یہ ہے کہ اپنے اصول کی طرح فرضیت کے طور سے انکو وارث حاصل نہیں اور اونکے اصول کی وراثت فرضیت کے اعتبار سے ہے اور معنے میں شرکت کی وجہ یہ ہے کہ یہ بھی اصول کی طرح ماں کے توسط سے میت کے ساتھ انتساب رکھکر وارث بنتے ہیں وعند محمد رحمہ اللہ تعالیٰ بین ھما انصافا باعتبار الاصول اور امام محمد کے نزدیک باعتبار اصول کے مال نصفا نصف فیمابین تقسیم ہوگا یہی قول ظاہر الروایت کا ہے وجہ اسکی یہ ہے کہ دونوں کو استحقاق میراث کا ماں کی قرابت سے حاصل ہے اور بوجہ اس قرابت کے مرد کو عورت پر فضیلت کی کوئی وجہ نہیں بلکہ اکثر اوقات عورت کو مرد پر فضیلت دیدی جاتی ہے کیا تم یہ نہیں دیکھتے کہ نانی صاحب فرض ہے اور نانا صاحب فرض نہیں ہے۔ فھذا الصوص کا اس شکل پر

صـــــــ

ان صورتوں میں ابو یوسف کے نزدیک اقوے کی اولاد مقدم ہے ضعیف کی اولاد پر مطلب یہ ہے کہ جسکی اصل برادر حقیقی ہوگی وہ اوس سے جسکی اصل علاتی یا اخیافی بھائی ہوگی اولے ہے اور جسکی اصل علاتی بھائی ہے وہ اوس سے جسکی اصل اخیافی بھائی ہے اولے ہے پس اولاد عینی کے ساتھ اولاد علاتی اور اخیافی اوسکے نزدیک محروم ہے اور اسی طرح علاتی کی اولاد کے ساتھ اخیافی کی اولاد محروم ہے وقال رحمہ اللہ تعالیٰ یقسم المال علی الاجوۃ والاخوات مع اعتبار عدد الفروع والجہات فی الاصول فما اصاب کل فریق یقسم بین فروعہم کما فی الصنف الاول اور محمد چونکہ عدد ابدان لیتے ہیں اور رشتہ داری اول بطن سے اس لئے وہ اپنے قاعدے کے موافق تقسیم اصول پر جو اوپر خلاف ہے۔ اس طرح کرتے ہیں کہ اصول میں فروع کی تعداد کا اور جو کچھ اصول میں جہات یعنی رشتہ داری کی صورتیں ہوں اون کا لحاظ رکھتے ہیں اور تقسیم کے بعد جو کچھ ہر ایک اصل کے حصے میں آتا ہے اوسکی فروع کو علیحدہ علیحدہ پہنچاتے ہیں جیسا کہ پہلی جماعت میں دستور ہے۔ یہی قول مفتی بہ ہے مثلاً میت نے حقیقی بھائی کی ایک بیٹی چھوڑی اور اخیافی بہن کی دو بیٹیاں چھوڑیں حقیقی بھائی عصبہ ہے اور اخیافی بہن ذی فرض تو محمد کے نزدیک اس صورت میں اول تقسیم حقیقی بھائی اور مادری بہن پر اس طرح کرینگے کہ اخیافی بہن کو اوسکی فروع کے عدد کے اعتبار سے دو ٹھہراوینگے اور اصول کی جہات یعنی رشتہ داری کہ بھائی اور بہن ہوتی ہے ان عدد وں کے ساتھ ملحوظ رکھینگے گویا میت نے ایک حقیقی بھائی اور دو اخیافی بہنیں چھوڑی ہیں ایسی صورت میں تہائی دو اخیافی بہنوں کو پہنچتا ہے اور باقی حقیقی بھائی کو پس حقیقی بھتیجی کو دو تہائی پہنچینگے جو اوس کی اصل کو پہنچے تھے اور اخیافی دونوں بھانجیوں کو تہائی پہنچے گا جو اون کی اصل کا حصہ تھا اور اصل مسئلہ ۳ سے ہوگا اس میں دو حقیقی بھتیجی کے ہیں اور ایک حصہ دو اخیافی بھانجیوں کا اور ۶ سے تصحیح ہوگی جس میں سے ایک تہائی یعنی دو دونوں بھانجیوں کے ہیں اور چار حقیقی بھتیجے کے اس طرح۔

مسئلہ ۳ — تصحیح ۶

برادر حقیقی	خواہر اخیافی
بیٹی	بیٹی بیٹی
۲	۱ ۱
۴	۲

دوسری مثال

مسئلہ ۶

حقیقی یا علاتی بھائی	اخیافی بھائی
بیٹی	بیٹی
۵	۱

اس مثال میں ایک عصبہ کی اولاد ہے اور ایک ذی فرض کی اس لئے انکے اصول پر تقسیم کیا چونکہ ایک اخیافی بھائی کو چھٹا ملتا ہے اس لئے مسئلہ ۶ سے کرکے ایک اوسکو دیا اور پانچ حقیقی یا علاتی بھائی کو جو اونکی فروع موجود کو پہنچیگے۔

تیسری مثال

مسئلہ ۳

حقیقی بھائی	حقیقی بہن
بیٹی	بیٹی
۲	۱

اس مثال میں دونوں عصبے کی اولاد ہیں کیونکہ حقیقی بھائی بہن اور دونوں عصبے ہیں اس لئے انکے اصول یعنی حقیقی بھائی بہن پر للذکر مثل حظ الانثیین کے تقسیم کیا ۳ سے مسئلہ ہوا اس میں سے دو حقیقی بھائی کو اور ایک حقیقی بہن کو دیا جو ہر ایک کی فروع موجود کو پہنچے کما اذا

ترک ثلث بنات اخوۃ متفرقین وثلثۃ بنین وثلث بنات اخوات متفرقات

جیسے ایک میت نے اپنے وارث تین بیٹیاں متفرق بھائیوں کی اور تین بیٹے اور تین بیٹیاں متفرق بہنوں کی چھوڑیں بھذا الصور ۱۲ اس شکل پر۔

اخ لاب وام اخ لاب ۔ اخ لام ۔ اخت لاب وام ۔ اخت لاب ۔ اخت لام ۔

بنت بنت ابن ابنت ابن بنت ابن بنت

یعنی میت نے حقیقی بھائی کا ایک بیٹا چھوڑا اسی طرح علاتی بھائی کا ایک بیٹا چھوڑا اسی طرح اخیافی بھائی کا ایک بیٹا چھوڑا اور حقیقی بہن کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی چھوڑی اسی طرح علاتی بہن کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی چھوڑی اسی طرح اخیافی بہن کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی چھوڑی ان تمام میں سے کل چھ بیٹیاں اور تین بیٹے ہیں۔

عند ابی یوسف رحمہ اللہ یقسم کل المال بین فروع بنی الاعیان ثم بین فروع بنی العلات ثم بین فروع بنی الاخیاف للذکر مثل حظ الانثیین ارباعا اعتبارا الابدان

یعنی ابو یوسف کے نزدیک ترکے کو فروع حقیقی میں سب سے اول باعتبار رؤس اور بصفت مذکورت و انوثت کے مربع کرکے تقسیم کرنا چاہیئے بعد اسکے فروع علاتی پر اور اوس سے بعد فروع اخیافی پر تقسیم کریں اور مرد کو عورت کے دوچند دیں کیونکہ اون کے نزدیک حقیقی کی اولاد غیر حقیقی کی اولاد پر بوجہ قوت قرابت کے مقدم ہے۔ پس ترکے کے چار حصے کرکے دو سہام حقیقی بہن کے بیٹے کو اور ایک سہم حقیقی بھائی کی بیٹی کو اور ایک سہم حقیقی بہن کی بیٹی کو دیا جائے اور دوسرے محروم ہوئے۔

صورت اسکی یہ ہی
مسئلہ ۴

صہ

حقیقی بھائی	علاتی بھائی	اخیافی بھائی	حقیقی بہن	علاتی بہن	اخیافی بہن	
بیٹی	بیٹی	بیٹی	بیٹا	بیٹی	بیٹا	بیٹی
۱	م	م	۲	۱	م	م

اور اگر حقیقی کی اولاد نہو تو ترکے کو علاتی کی اولاد پر روس اور مرد و عورت کے اعتبار سے تقسیم کیا جائے اسلیئے کہ باپ کی قرابت ماں کی قرابت سے قوی ہے اس صورت میں بھی ترکے کے چار حصے کیئے جاوینگے کیونکہ مرد کو عورت سے دوچند دیا جائے گا کہ دو حصے علاتی بہن کے بیٹے کو اور ایک حصہ علاتی بھائی کی بیٹی کو ملے گا اور ایک باقی کا سہم خواہر علاتی کی بیٹی کا ہی اور اخیافی کی اولاد محروم ہے۔

صورت اسکی یہ ہی
مسئلہ ۴

صہ

علاتی بھائی	اخیافی بھائی	علاتی بہن		اخیافی بہن	
بیٹی	بیٹی	بیٹا	بیٹی	بیٹا	بیٹی
۱	م	۲	۱	م	م

اور اگر علاتی کی اولاد نہو تو اس صورت میں بھی ترکے کے چار حصے کرکے ابدان پر تقسیم ہوگا۔ اس طرح اخیافی بہن کے بیٹے کو دو حصے اور اخیافی بھائی کی بیٹی کو ایک حصہ اور اخیافی بہن کی بیٹی کو ایک حصہ دینا چاہیئے۔

صورت اسکی یہ ہی
مسئلہ ۴

صہ

اخیافی بھائی	اخیافی بہن	
بیٹی	بیٹا	بیٹی
۱	۲	۱

وعندھما رحمہ اللہ اور محمد کے نزدیک ترکے کو برادر و خواہر اخیافی و برادر حقیقی و خواہر حقیقی کے درمیان تین حصے کرنا چاہیئے اور مسئلہ ۳ سے کرکے اس کا ایک تہائی اخیافی بھائی و بہن کو اون کا حصہ فرض ہے دیا جائے اور باقی دو تہائی حقیقی بھائی اور بہن کو بعد اس کے

لقسمة ذلك المال بين فروع بني الأخياف على السوية الذكر والأنثى لاستواء أصولهم في القسمة

تہائی کو اخیافی بھائی بہن کی فروع پر باعتبار عدد فروع کے تین حصے کرکے بانٹ دیا جائے کیونکہ اون کے اصول میں مساوات ہے اس طور پر کہ بہن باعتبار فروع کے دو اخیافی بہنوں کی برابر ہے۔ پس تہائی مال کے تین حصے کرکے دو حصے اوس میں سے اخیافی بہن کو اور ایک حصہ اخیافی بھائی کو دیا جائے پھر ہر ایک کے حصے کو اونکی اولاد پر بانٹ دیں والباقی بین فروع بنی الاعیان انصافاً باعتبار عدد الفروع فی الاصول اور مابقی دو ثلث کو حقیقی بھائی بہنوں کی اولاد پر باعتبار اون کی تعداد کے بانٹ دیا جائے چونکہ حقیقی ایک بہن دو حقیقی بہنوں کی برابر ہوئی تو حقیقی بھائی کی برابر اس کو حصہ ملے گا اس دو ثلث کی تقسیم کی یہ صورت ہے فصفہ لبنت الاخ نصیب ابیہا والنصف الآخر بین ولدی الاخت للذکر مثل حظ الانثیین باعتبار الابدان کے ہے حقیقی بھائی کی بیٹی کے لئے اصل مسئلے کے دو ثلث میں سے نصف یعنی ایک ثلث ہے جو اوسکے باپ کا حصہ ہے اور باقی نصف یعنی دوسرا ثلث حقیقی بہن کی اولاد کے لئے باعتبار ابدان کے ہے کہ عورت سے دونا مرد کو دیا جائے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ حقیقی بہن باعتبار فروع کے بنزلے دو بہنوں کے ہے اور اپنے بھائی کی برابر تقسیم میں ہے۔ پس اصل مسئلے کے اوس دو ثلث کو نصفاً نصف ان دونوں پر بانٹ دیں اس طرح کہ ایک نصف بھائی کو اور دوسرا نصف بہن کو دیکر پھر ہر ایک کا حصہ اونکی فروع پر تقسیم کریں وہ نصف من تسعۃ اور محمد کی رائے کے مطابق مسئلہ نو سے تصحیح پائے گا اس لئے کہ اونکے نزدیک اصل مسئلہ ۳ سے ہے کہ ایک انمیں سے اخیافی بھائی اور بہن کا ہے اور دو حقیقی بھائی اور بہن کے اور اخیافی بہن باعتبار فروع کے دو بہنوں کی برابر ہے۔

پس یہ اخیافی تین شخصوں کی برابر ہیں ان میں سے ہر ایک تقسیم میں مساوی ہے کیونکہ انمیں مرد و عورت کو برابر ملتا ہے لیکن ایک سہم ان اخیافیوں پر منکسر ہے اور دونوں میں نسبت تباین کی ہے اس لئے پورے عدد رؤس محفوظ رکھے اور حقیقیوں کے دو سہام میں سے ایک سہم حقیقی بھائی کی اولاد کے لئے ہے اور جو کہ حقیقی بہن باعتبار اولاد کے بنزلے دو بہنوں کے ہے اور اس وجہ سے بھائی کی برابر ہے اس کا بھی ایک سہم ہے لیکن یہ سہم بھی اوسکی اولاد پر کہ لڑکا اور لڑکی ہے اور لڑکا بہن کے ساتھ دو بہنوں کی برابر ہے منکسر ہے اور ایک سہم اور تین عدد رؤس کے درمیان تباین ہے اس لئے ۳ رؤس کا مجموعہ لیا اور ان ۳ رؤس میں اور پہلے ۳ رؤس میں تماثل کی نسبت ہے اس لئے ایک فریق کے عدد رؤس کو کہ ۳ ہیں اصل مسئلے میں کہ ۳ ہے ضرب دیا ۹ سے تصحیح ہوئی انمیں سے ۳ سہم اولاد اخیافی کو اور ۶ سہم اولاد حقیقی کو فی اسہم مساوی باعتبار اصل کے پہنچے اور علاتی عینی سے محروم ہوگئے ہیں۔

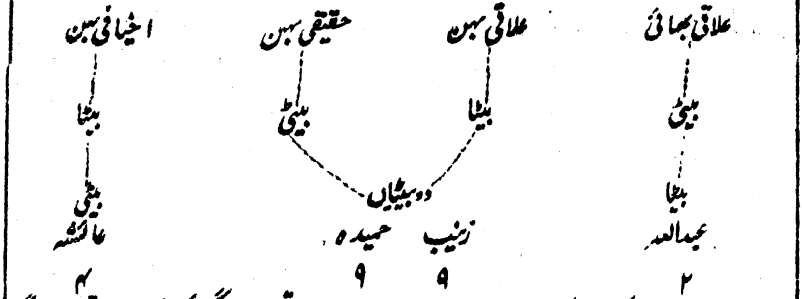
ان پر تقسیم کی صورت یہ ہے کہ اصل مسئلے سے بنی الاخیاف کا ایک تھا اس کو تین میں ضرب دیا ۳ ہی حاصل ہوئے تو ہر ایک کو ایک ایک پہنچا اور بنی الاعیان کے اصل مسئلے سے دو تھے جب دو کو تین میں ضرب دیا ۶ حاصل ہوئے ان میں سے تین بھائی کی بیٹی کو دیے اور

دو بہن کے بیٹے کو اور ایک بہن کی بیٹی کو۔

دوسری مثال۔ میت نے علاتی بھائی کا نواسہ چھوڑا اور علاتی بہن کی دو پوتیاں چھوڑیں اور یہ دونوں لڑکیاں میت سے ایک دوسرا بھی رشتہ رکھتی ہیں کہ اوسکی حقیقی بہن کی دونوں نواسیاں ہیں اور انکے علاوہ ایک اخیافی بہن کی پوتی بھی چھوڑی۔

جسکی صورت یہ ہے

مسئلہ ۶ پہلی تصحیح ۱۲ دوسری تصحیح ۲۴



امام ابو یوسف کے نزدیک اس صورت میں اصول پر تقسیم نہوگی بلکہ فروع پر تقسیم ہوگی اس طرح کہ تمام مال حقیقی بہن کی نواسیوں کو پہنچے گا کیونکہ ان کو قرابت کی قوت حاصل ہے اور محمد کے نزدیک مال کی تقسیم اصول یعنی بھائی بہنوں پر ہوگی اور انمیں جہات اور عدد فروع کا اعتبار ہوگا پس جو کچھ اونکے ہر فریق کو پہنچے گا وہ اونکی فروع پر منقسم ہو جائے گا پس اصل مسئلہ امام محمد کے نزدیک بوجہ وجود سدس کے ۶ سے ہوگا۔

تفصیل اسکی یہ ہے کہ اس مسئلے میں ۴ شخص ذوی الارحام سے ہیں ایک لڑکا عبداللہ اور تین لڑکیاں زینب حمیدہ اور عائشہ یہ سب ایک درجے کے ہیں اور سب ذوی الارحام کی اولاد ہیں اس لئے اونکے اصول پر تقسیم کیا اور چونکہ اونکے اصول میں ایک حقیقی بہن ہے جو باعتبار اپنے عدد فروع کے کہ وہ ہیں بمنزلے دو حقیقی بہنوں کے ہے۔

مطلب اس کا یہ ہے کہ حقیقی بہن میں اوسکی دو عدد فروع یعنی دونوں نواسیوں زینب اور حمیدہ کی تعداد کا لحاظ کرکے دو حقیقی بہنیں مان لی گئی ہیں۔ پس ایک حقیقی بہن کو دو کا قائم مقام قرار پاجانے سے دو ثلث پہنچے کیونکہ دو حقیقی بہنوں کو دو ثلث ملتے ہیں اور ایک اخیافی بہن کا حصہ ہے اس لئے بموجب قاعدۂ مخارج الفروض کے مسئلہ ۶ سے ہوا اس میں سے چھٹا یعنی ایک اخیافی بہن کو دیا تو اوس کی فرع موجود یعنی عائشہ کو پہنچا اور چار حقیقی بہن کو دئے جو اوسکی موجود دو فروع یعنی زینب وحمیدہ کو پہنچے اور ایک باقی علاتی بھائی اور علاتی بہن کو پہنچا اس میں سے مرد کو عورت سے دوچند بطور عصوبت کے دیا جائے گا اور جبکہ علاتی بہن کے دو عدد فروع

یعنی اوس کی نواسیوں (اونمیں زینب وحمیدہ) کا اوس میں اعتبار کیا جائے گا تو وہ بمنزلے دو علاتی بہنوں کے بن جائے گی اور دو بہنیں بمنزلے ایک بھائی کے ہوتی ہیں اس لئے یہ دونوں ایک بھائی فرض کی گئیں پس سب ملکر بمنزلے دو بھائی کے ہوگئے اور ایک باقی ان دو پر پورا تقسیم نہیں ہو سکتا اور ظاہر ہے کہ تین عدد رؤس اور ایک میں تباین ہے اس لئے نصف کے مخرج کو کہ دو ہے اصل مسئلے یعنی ۶ میں ضرب دیا تو حاصل ضرب ۱۲ ہوئے یہ پہلی تصحیح ہے جب کہ اصل مسئلے سے حقیقی بہن کے دو ثلث یعنی ۴ تھے تو ان چار کو مسئلے کے مضروب یعنی دو میں ضرب دینے سے آٹھ حاصل ہونگے یہ ۸ اوسکی دونوں نواسیوں یعنی زینب وحمیدہ کو پہنچینگے اور اخیافی بہن کا اصل مسئلے سے ایک تھا جب ایک کو اس مضروب یعنی دو میں ضرب دیا تو دو ہی حاصل ہوئے یہ اخیافی بہن کی پوتی عائشہ کو دیدیئے اور علاتی بھائی اور بہن کا اصل مسئلے سے ایک تھا جبکہ اسکو مضروب یعنی دو میں ضرب دیا دو حاصل ہوئے انکو نصف نصف بھائی بہنوں پر بانٹ دیا تو ہر ایک کو ایک ایک پہنچا پھر علاتی بھائی کے حصے کا ایک سہم اوسکی پوتے عبداللہ کو دیدیا اور علاتی بہن کے حصے کا ایک سہم اوسکی دونوں پوتیوں زینب وحمیدہ کو دیدیا اور یہ ایک دونوں پر مستقیم نہیں اس لئے انکی عدد رؤس کو کہ دو ہیں دوسرے مسئلے یعنی پہلی تصحیح میں کہ ۱۲ ہیں ضرب دیا ۲۴ ہوگئے ان سے تمام مسئلہ کی تصحیح ہو جائے گی اس طرح کہ حقیقی بہن کی دونوں نواسیوں کا حصہ ۱۲ میں سے آٹھ تھا جب مسئلے کے مضروب میں کہ دو ہیں آٹھ کو ضرب دیا ۱۶ حاصل ہوئے تو یہ ان کا حصہ اس آخری تصحیح ۲۴ سے ہوگا اور اخیافی بہن کی پوتی کے ۱۲ میں سے دو تھے جب ان دو کو اوس مضروب میں ضرب دیا تو ۴ حاصل ہوئے یہ چار اوسکو دیدیئے اور علاتی بھائی کے نواسے کا حصہ ۱۲ میں سے ایک تھا اسس کو اوس مضروب میں ضرب دیا تو دو ہی حاصل ہوئے یہ دو اوس کا حصہ ہوا اور علاتی بہن کی دونوں پوتیوں کا ۱۲ میں سے ایک سہم تھا اسس کو دو میں ضرب دینے سے دو ہی حاصل ہوئے۔ پس دو حاصل ضرب کو انمیں پہنچا دیا اور ان دونوں لڑکیوں کو نانی کی طرف سے ۱۶ پہنچے تھے تو دو اور سولہ ملکر کل اٹھارہ انمیں پہنچے ہیں جن میں سے ایک ایک کا حصہ نو نو ہوا۔

ولو ترک ثلث بنات بنی اخوۃ متفرقین اگر میت کی وارث تین لڑکیاں متفرق رشتے کے بھتیجوں کی رہیں۔

یہاں سے مصنف نے بتانا شروع کیا کہ اگر تینوں فریق سے مجتمع ہوں اور درجے میں مساوی ہوں تو جس ذی رحم کو بذریعۂ وارث کے میت کی جانب تقرب ہو وہ اولے ہے اس کی مثال مصنف نے یوں دی ہے بھذہ الصورۃ اسی شکل سے۔

الاخ لاب وام	الاخ لاب	الاخ لام
ابن	ابن	ابن
بنت	بنت	بنت

یعنی میت نے ایک حقیقی بھتیجے کی بیٹی چھوڑی اور ایک علاتی بھتیجے کی بیٹی چھوڑی اور ایک اخیافی بھتیجے کی بیٹی چھوڑی دوسری عبارت میں ایک حقیقی بھائی کی پوتی چھوڑی ایک علاتی بھائی کی پوتی چھوڑی ایک اخیافی بھائی کی پوتی چھوڑی تو ترکے کی تقسیم کی صورت یہ ہوگی المسالہ

کلہا لبنت ابن الاخ لاب وام بالاتفاق لانہا واں العصبۃ ولہا ایضا قوۃ القرابۃ

اس صورت میں تمام ترکہ حقیقی بھتیجے کی بیٹی کے لئے ہے اور اسپر علما کا اتفاق ہے کیونکہ وہ عصبہ کی اولاد ہے اس لئے کہ اوس کا باپ میت کے حقیقی بھائی کا بیٹا ہے اور اوسکے لئے قوت قرابت بھی موجود ہے اور ظاہر ہے کہ رشتہ دار کو باعتبار قوت قرابت کے ترجیح ہوتی ہے۔

امام ابو یوسف کے نزدیک ایسی صورت میں جو پہلا فریق ہے وہ دوسرے سے اولے ہے اور جو دوسرا ہے وہ تیسرے سے اولے ہے۔ اور امام محمد کے نزدیک ترکہ اونکے اُصول پر منقسم ہوگا پھر ہر فریق کی اصل کے حصے میں جو مال پڑتا ہے وہ اوس کی اولاد پر منتقل کیا جائیگا اسکی دوسری مثال یہ ہے کہ عبدالرحمن کی تین بہنوں کی لڑکیاں موجود ہیں لیکن ایک بہن حقیقی ہے اور دوسری علاتی ہے اور تیسری اخیافی ہے تو ابو یوسف کے نزدیک کل مال فقط حقیقی بہن کی دختر کو ملے گا اسواسطے کہ درجے میں سب برابر ہیں اور سبھی وارث نہیں ہوا کرتے ہیں لیکن حقیقی بہن مقدم ہوتی ہے تو کل مال اسی کی لڑکی کو ملے گا اور باقی محروم ہیں۔ اور امام محمد کے نزدیک مال کے پانچ حصے کئے جائیں انمیں سے حقیقی بہن کی دختر کو تین سہام دئے جائیں اور پدری بہن کی دختر کو ایک سہم اور مادری بہن کی دختر کو ایک سہم دیا جائے بلحاظ اسکے اصول کے بطور فرض ورد کے۔

اور اسکی تخریج یہ ہے کہ میت کی مادری بہن کے واسطے چھٹا حصہ ہے اور حقیقی بہن کے واسطے نصف ہے اور چونکہ حقیقی صرف ایک بہن ہے تو تھائی پورے کرنے تک علاتی بہن کو بھی چھٹا حصہ ملا۔ پس چھ میں سے کہ یہ اصل مسئلہ ہے ایک سہم باقی رہ گیا اور وہ بھی انھیں پر رد کیا جائے تو اس کا یہی طریقہ ہے کہ مال کے چھ حصے نہیں بلکہ پانچ حصے کئے جائیں تو ہر ایک کے حصے میں کسی قدر حصہ رسد بڑھ گیا۔ پس حقیقی کے واسطے کل پانچ حصوں میں سے تین حصے ہوئے اور یہی اوسکی بیٹی کو دیے جائیں اور علاتی کا ایک حصہ اوسکی بیٹی کو اور اخیافی کا ایک حصہ اوسکی بیٹی کو دیا جائے۔

اصل کا حق اوسکی فروع پر منتقل کرنے کی توضیح

امام محمد جو یہ کہتے ہیں کہ ہر فرد وارث کے لئے اوسکی اصل کا لحاظ کیا جاتا ہے تو مطلب اس کا یہ ہے کہ جو اوس کی اصل کا حق ہوتا ہے وہ اوسکی فرع یعنی وارث

کی جانب منتقل ہوتا ہے اور یہ معنے نہیں کہ اصل نے جو درحقیقت پایا وہ اسکو ملا کیونکہ اصل وارث مستحق تو موجود ہی نہیں مثلاً میت کی حقیقی بہن کے دو بیٹے اور اخیافی بہن کی بیٹی ہو تو امام ابو یوسف کے نزدیک دونوں بیٹے ہی اولے اور وہی وارث کل ہیں اور امام محمد کے نزدیک بہن کے دو بیٹوں بہتر لڑکوں کے ہیں تو انہیں مال پانچ سہام ہوگا پس اگر درحقیقت اصل کا حصہ میراث انکو منتقل ہوتا تو اصل کے واسطے خود جو کچھ ہوتا وہی ان دونوں پسر میں تقسیم ہوتا اور یہاں مراد یہ ہے کہ ان دونوں لڑکوں کو ترکہ میت سے کس حساب سے ملے اور اخیافی بہن کی بیٹی کیونکر پائے تو اسکی کیفیت یہ ہے کہ ہر لڑکا اپنی اصل کی صفت سے شریک ہو اور یہ غرض نہیں کہ ہر ایک کی اصل کا حق اوس کی اولاد کو مل جائے کیونکہ اصل کے واسطے درحقیقت یہاں کوئی حق ہی نہیں ہے علاوہ اسکے صرف ایک لڑکا بذات خود میراث پائے گا نہ دوسرا اور اس کا بیان یہ ہے کہ اگر ایک لڑکا اور اخیافی بہن کی دختر ہو تو مال کے چار سہام ہوں اور جب دو لڑکے ہوئے اور یہی حال رہا تو دوسرے نے ترکہ میت سے کوئی حق نہیں پایا پس محمد کے قول کے معنے یہ ہیں کہ جب تینوں فریق مختلفہ سے مخلط جمع ہوں تو ہر فرد کے واسطے اوس کی اصل کا حصہ لگا دیں اور ہر اصل کا حصہ اوس کی اولاد کی جانب منتقل کریں اس لئے اس مسئلے میں کہ حقیقی بہن کے دو پسر ہیں اور اخیافی بہن کی دختر ہے۔ یوں کہا گیا کہ اخیافی کی دختر کے لئے اصل اس کی ماں ہے جو میت کی اخیافی بہن ہے پس ایک اخیافی بہن کا حصہ اس لڑکی کے واسطے لگایا گیا اور دونوں لڑکوں میں سے ہر ایک کے واسطے اوسکی اصل کو شمار کیا اور وہ حقیقی بہن ہے تو گویا وہ حقیقی بہنیں ہیں۔

فصل فی الصنف الرابع

فصل چوتھی جماعت ذوی الارحام کے بیان مین

اور وہ جدین کے فروع ہیں جیسے پھپی۔ چچا۔ چچا کی بیٹی۔ ماموں اور خالہ اور انکی اولاد اور یہ دس میں منحصر ہیں (۱) حقیقی پھپی (۲) علاتی پھپی (۳) اخیافی پھپی (۴) اخیافی چچا (۵) حقیقی ماموں (۶) علاتی ماموں (۷) اخیافی ماموں (۸) حقیقی خالہ (۹) علاتی خالہ (۱۰) اخیافی خالہ۔ چوتھے نمبر تک باپ کی طرف کی جہات ہیں یعنی باپ کے طرف والے ہیں اور پانچویں نمبر سے آخر تک ماں کی طرف کی جہات ہیں انمیں درجے کا تفاوت قرب میں نہیں ہوتا بلکہ انکی اولادیں ہوتا ہے۔ ان کی دو حالتیں ہیں (۱) سب ایک جانب کے ہوں۔ اس طرح کہ کل باپ کی جانب کے ہوں یا کل ماں کی جانب کے تو انمیں سے اوس کو ترجیح دی جاتی ہے جو سب سے زیادہ قوی ہوتا ہے عورت ہی کیوں نہو۔ مثلاً جس کو میت کی ماں باپ دونوں کی جانب سے رشتہ حاصل ہوگا وہ صرف باپ یا صرف ماں کی طرف رشتہ رکھنے والے سے مقدم ہوگا اگر قوت میں برابر ہونگے تو مرد کو عورت پر ترجیح دی جائے گی (۲) سب ایک جانب کے نہوں بلکہ بعض باپ کی جانب کے ہوں اور بعض ماں کی جانب کے تو باپ کی طرف والے کو دو ثلث اور ماں کی طرف والے کو

دو ثلث اور ماں کی طرف والے کو ایک ثلث ملے گا ایک جانب والا اگر زیادہ قوی ہو تو اوسکو دوسری جانب والے پر ترجیح ہوگی ہاں ایک جہت میں یہ حساب ہو کہ ایک قوی ہو ایک ضعیف تو قوی کو ترجیح ہوتی ہے اگر برابر ہوں تو ہر جہت میں اس طرح تقسیم ہوگی کہ اوس جہت کا حصہ اوس کے ابدان پر اس طرح تقسیم ہوگا کہ ایک مرد کو دو عورتوں کی برابر ملے گا۔

پھپی حنفیہ کے نزدیک چچا کی طرح ہے اور خالہ بھنزلے ماں کے ہے اور بشیر مدنی نے کہا ہے کہ پھپی بھنزلے ماں کے ہے اور اہل تنزیل نے کہا ہے کہ پھپی بھنزلے باپ کے ہے اور خالہ بھنزلے ماں کے اور ابو عبید القاسم بن سلام نے کہا ہے کہ پھپی بھنوئی بیٹیوں کے ساتھ دادیوں کی طرح ہے اور خالہ کے ساتھ باپ کی طرح اور خالہ بھنزلے ماں کے ہے اور ماں کے ذریعے سے اتصال رکھتی ہے انکو فیہ انہ اذا انفرد واحد منہم استحق المال کلہ لعدم المزاحم اس جماعت میں حکم یہ ہے کہ اگر اس میں کوئی تنہا ہو تو کل مال کا مستحق ہوگا کیونکہ میت کے واسطے سوائے اس فی کے اور کوئی نہیں اور یہ حکم درحقیقت کل اقسام ذوی الارحام میں جاری ہے پس اگر میت کی وارث ایک پھپی یا ایک اخیافی چچا یا ایک مامون رہا یا خالہ رہی تو تمام اوسکے لئے ہے وان اجتمعوا وکان خیر قرابتہم متحدا اور اگر چند لوگ ہیں تو دیکھنا چاہئے کہ قرابت اون کی متحد ہے یا نہیں اگر متحد ہے اس طرح کہ سب فقط ماں کی طرف کے ہیں یا فقط باپ کی طرف کے کالعمات والاعمام لام جیسے پھپیاں اور اخیافی چچے کہ ان سب کی قرابت جہت پدری سے ہے او الاخوال والخالات یا ماموں اور خالائیں کہ ان سب کی قرابت جہت مادری سے ہے فالاقوی منہم اولی بالاجماع تو انمیں سے جس کی قرابت قوی ہوگی تو وہ اولے ہے اجماع اسی پر ہے یعنی سگا اولے ہے سوتیلے سے اور سوتیلوں میں اعیانی اولے ہے اخیافی سے خواہ اقوے مرد ہو یا عورت جیسا کہ مصنف کہتے ہیں ای عنی من کان لاب وام اولی ممن کان لاب یعنی حقیقی اولے ہے علاتی سے کیونکہ حقیقی کو باپ اور ماں دونوں کی جہت سے قرابت حاصل ہے برخلاف علاتی کے کہ اسکو صرف باپ کی جانب سے قرابت ہے پس پہلا دوسرے سے قوی ہے اس لئے حقیقی اولے ہے سوتیلے سے جیسے حقیقی پھپی سوتیلی پھپی سے اولے ہے ومن کان لاب اولی ممن کان لام اور جس کو فقط باپ کی جانب سے قرابت حاصل ہے وہ اولے ہے اوس سے جس کو فقط ماں کی جانب سے قرابت ہے پس باپ کی جانب سے قرابت رکھنے والے کو جو خصوصیت حاصل ہے وہ ماں کی جانب سے رکھنے والے کو حاصل نہیں۔

مصنف کی تقریر کا حاصل یہ ہے کہ سگی کو سوتیلی پر اور سوتیلی کو اخیافی پر ترجیح ہوتی ہے مثلاً میت نے سگی پھپی اور علاتی پھپی اور اخیافی پھپی چھوڑی اگرچہ تینوں باپ ہی کی جہت سے قرابتی ہیں لیکن کل سگی پھپی پائے گی اور اگر سگی نہو بلکہ باقی دونوں ہوں تو کل مال علاتی پھپی پائے گی اور اسی طرح خالاؤں کی جانب ہے کہ اگر سگی خالہ وعلاتی خالہ واخیافی خالہ موجود ہے اور سوا انکے کوئی نہیں ہے تو کل مال سگی خالہ پائے گی اور اگر یہ نہو تو علاتی خالہ کل مال کی مستحق ہے اور یہ اوس وقت ہے کہ پھپی یا خالہ ایک

لف سلامہ

ہی جہت سے ہیں اور باہم دو قرابت اور ایک قرابت کا فرق نہیں ہے اور یہ جب ہی ہے کہ ایک ہی جہت سے ایسے قرابتی ہوں جن میں سگے اور سوتیلے کا فرق ہے ورنہ دو جہت سے ترجیح ہوگی۔ ذکورا کانوا واناثا خواہ مرد ہوں یا عورتیں یعنی اس میں فرق نہیں ہے کہ اقوئے مرد ہو یا عورت پس حقیقی پھپی اولے ہے علاتی پھپی اور اخیافی چچا سے تو کل مال اسی کی اولاد کو ملے گا اور علاتی پھپی اولے ہے اخیافی پھپی اور اخیافی چچا سے کیونکہ علاتی پھپی کی قرابت قوی ہے اسی طرح حقیقی ماموں اور حقیقی خالہ میراث کے واسطے علاتی یا اخیافی ماموں اور خالہ سے زیادہ مستحق ہیں اور علاتی ماموں اور خالہ اخیافی ماموں اور خالہ سے قوی تر ہیں پھر وارث کی اولاد اولے ہے پس اگر انمیں سے ایک تو وارث کی اولاد ہو لیکن اسکی قرابت ایک جہت سے ہے اور دوسرا ذی رحم کی اولاد ہو لیکن اسکو دو جہت سے قرابت حاصل ہے تو ایسی صورت میں صحیح یہ ہے کہ جسکو دو جہت سے قرابت ہے وہ اولے ہے۔ مثال یہ ہے کہ علاتی چچا کے پسر کی دختر اور حقیقی پھپی کے پسر کا پسر ہے تو یہی دوسرا اولے ہے حالانکہ علاتی چچا کا پسر عصبہ ہے پس دختر مذکورہ ایک وارث کی بیٹی ہے لیکن حقیقی پھپی کا فرزند اگرچہ وارث نہیں مگر اسکو ماں اور باپ دونوں جہت سے قرابت ہونے کی وجہ سے اولویت ہوئی وان کانوا ذکورا واناثا واستوت قرابتھم فللذکر مثل حظ الانثیین اور اگر یہ لوگ مذکر و مونث جمع ہوں اور انکی قرابت بھی برابر ہو یعنی وہ فقط باپ کی طرف کے ہوں مثلاً چچا اور پھپی باپ کی جانب والوں میں ہوں یا فقط ماں کی طرف کے مثلاً ماموں اور خالہ ماں کی طرف والوں میں ہوں تو اصل کے متحد ہونے کی صورت میں تمام کی تقسیم ابدان پر ہوگی کہ مرد کو عورت سے دوچند کے حساب سے دیا جائے گا کعمٍ وعمۃٍ کلاھما لام مثلاً میت کا چچا اور پھپی دونوں والدمیت کے مادری بھائی بہن ہیں او خال وخالۃ کلاھما لاب واصر میت کا ماموں اور خالہ دونوں حقیقی موجود ہیں یعنی میت کی ماں کے سگے بھائی بہن ہیں اولاب یا ماموں اور خالہ دونوں میت کی ماں کے علاتی بھائی بہن ہیں اولام یا ماموں اور خالہ دونوں میت کی ماں کے اخیافی بھائی بہن ہیں غرضکہ دونوں کی قرابت بدرجۂ مساوی ہے تو ان پر للذکر مثل حظ الانثیین تقسیم ہوگی یعنی مرد کو عورت سے دوچند دیا جائے گا وان کانت قرابتھم مختلفا اور اگر جہت قرابت میں اختلاف ہو اس طرح کہ بعض کی قرابت باپ کی جانب سے اور بعض کی قرابت ماں کی جانب سے ہے فلا اعتبار بقوۃ القرابۃ تو اس صورت میں قوت قرابت کا اعتبار نہیں پس جس شخص کی قرابت ماں اور باپ دونوں کی جانب سے ہے یا صرف باپ کی جانب سے وہ اولے ہوگا اوس شخص سے جس کی قرابت صرف ماں کی جانب سے ہو یعنی قوی تر تمام ترکہ نہ لے سکے گا۔

مطلب مصنف کا یہ ہے کہ قوت قرابت ایک جانب والی میں باعث حرمان دوسری جانب کی ضعیف کا نہیں کعمۃ لاب وام وخالۃ لام جیسے میت کی سگی پھپی اور مادری خالہ ہے پس ایک میت کے والد کی سگی بہن ہے اور دوسری والدہ کی مادری بہن ہے او خالۃ لاب وام وعمۃ لام

میت کی سگی خالہ اور مادری پھپی ہے تو اس صورت میں اوسکی ماں کی سگی بہن ہے اور باپ کی اخیافی بہن ہے فالثلثان لقرابۃ الاب وھو نصیب الاب والثلث لقرابۃ الام وھو نصیب الام دونوں صورتوں میں حقیقی سے اخیافی محروم ہونگی البتہ باپ کی جانب سے جو وارث ہے وہ دو حصے پائے گی جو اوسکے باپ کا حق ہے یعنی دو ثلثائی مال اوسے ملے گا اور ماں کی جانب سے جو وارث ہے اسکو ایک حصہ ملے گا جو اوسکی ماں کا حق ہے یعنی مال میں سے بقیہ ثلثائی اوسے پہنچے گا کیونکہ اول کے لئے باپ کا حصہ یعنی دو چند ہے اور دوسری کے لئے ماں کا حصہ یعنی ثلثائی ہے غرضکہ جس جہت سے اصل ہو جو اوس کا حصہ ہے وہ اولاد پر منتقل ہوگا اشہ۔

ما اصاب کل فریق یقسم بینھم کما لو اتحد جیز قرالبقیہ پھر جو کچھ ان دونوں فریق پدری ومادری میں سے ہر فریق کو پہنچے گا اوس فریق کے اوپر اس طرح تقسیم کر دیا جائے کہ جس صورت میں اونکی جہت قرابت متحد ہونے کی حالت میں تقسیم ہوتا پس مثال مذکور میں حقیقی پھپی کو دو ثلثائی ترکہ ملے گا اس لئے کہ اوسکی قرابت قوی تر ہے اسی طرح خالہ کو ثلثائی ترکہ اوسی جہت سے پہنچے گا پھر اگر حقیقی کئی پھپیاں ہوں تو ثلثائی ترکہ اونکو مساویانہ طور پر بانٹ دیں اسی طرح اگر حقیقی خالہ متعدد ہوں تو ثلثائی ترکہ اون میں مساویانہ طور پر تقسیم کر دیا جائے۔

مسئلہ میت کی سگی خالہ اور سگا ماموں ہے اور سگی پھپی اور علاتی پھپی ہے۔ پس مال ترکہ میں سے دو ثلثائی صرف سگی پھپی کو ملے گا اور ایک ثلثائی اوسکی سگی خالہ اور سگے ماموں کے درمیان مرد کو عورت سی دوچند کے حساب سے تقسیم ہوگا اور تخریج اس طرح ہے کہ مسئلہ ۳ سے نکالو پس دو پدری جانب کے لئے اور ایک مادری جانب کے لئے ہوگا پس اس ایک کے تین ٹکڑے ہو کر دو ماموں کو اور ایک خالہ کو دینا چاہئے اسلئے مسئلے کی ۹ سے تصحیح کرو اس میں سے ۶ سہام سگی پھپی کو دیدو اور علاتی پھپی محروم ہے اور باقی ۳ میں سے دو ماموں کو اور ایک خالہ کو دیدو۔

سوال مصنف نے اوپر یہ جو کہا ہے کہ اگر جہت قرابت میں اختلاف ہو اس طرح کہ بعض کی قرابت باپ کی جانب سے ہو اور بعض کی ماں کی جانب سے تو اس صورت میں قوت قرابت کا اعتبار نہیں پھر مصنف نے یہ کیوں کہا کہ دو ثلث باپ کی طرف والوں کو پہنچینگے اور ایک ثلث ماں کی طرف والوں کو ملے گا۔

جواب مصنف کی مراد اس قول سے کہ قوت قرابت کا اعتبار نہیں یہ ہے کہ اقوے تمام مال لیکر ضعیف کو محروم نہیں کر سکتا غرضکہ قوت قرابت ایک جانب والی میں باعث حرمان دوسری جانب کے ضعیف کا نہیں پس سگی خالہ کے ساتھ علاتی پھپی محروم ہوگی بلکہ دو ثلثائی پائے گی اور حقیقی خالہ کو ایک ثلثائی ملے گا البتہ ایک جانب میں قوت قرابت باعث حرمان ضعیف اسی جانب میں ہے پس حقیقی خالہ کے ساتھ علاتی خالہ تو حقیقی پھپی کے ساتھ علاتی پھپی محروم ہے اگر میت نے اخیافی خالہ اور اخیافی پھپی چھوڑیں تو حقیقی سگے کا بیان ہے ابو سلیمان کہتے ہیں کہ مال کے تین حصے کر کے دو حصے پھپی کو اور ایک حصہ خالہ کو دیدیں اور عیسیٰ بن ابان نے کہا ہے کہ مال کل پھپی کا ہے اور یحییٰ بن آدم نے

کہا ہے کہ مال کل خالہ کا ہے ابو سلیمان کی روایت کی وجہ یہ ہے کہ مدلے بہ میت کا قائم مقام بنایا جاتا ہے۔ پس اخیافی پھپی خود میت کی پھپی کی طرح ہو گی اسی طرح اخیافی خالہ میت کی خالہ کی مثل ہو گی پس پھپی کے لئے دو ثلث ہونگے اور خالہ کے لئے ایک ثلث اور عیلی کے قول کی وجہ یہ ہے کہ اخیافی پھپی کی قرابت ماں کے ذریعے سے ہے اور اخیافی خالہ کی قرابت بھی ماں کے ذریعے سے ہے اور پہلی قسم کی قرابت باپ کی ہے اور دوسری قسم کی قرابت ماں کی اور توریث یہاں معنی عصوبت کی وجہ سے ہے اس لئے باپ کی قرابت کو ماں کی قرابت پر ترجیح دی جائے گی اسی کے مطابق عمل درآمد خود میت کی پھپی اور میت کی خالہ میں ہونا چاہئے تھا لیکن ہمنے صحابہ کے اتفاق کی وجہ سے ترک کر دیا اور وہاں پر یہ بات نہیں ہے اس لئے کہ وہاں ایک عصبہ کی اولاد ہے اور دوسرا صاحب فریضہ کی اور وہ بات یہاں ہے نہیں۔ پس ہمنے قرابت پدری کو باعتبار حقیقت عصوبت کے ترجیح دی ہے اور یحییٰ بن آدم کے قول کی وجہ یہ ہے کہ اخیافی خالہ صاحب فرض کی بیٹی ہے اس لئے کہ وہ نانی کی بیٹی ہے اور نانی صاحب فرض ہے اور اخیافی پھپی صاحب فریضہ کی دختر نہیں ہے اور نہ عصبہ کی دختر ہے اسلئے کہ وہ نانا کی دختر ہے پس اخیافی خالہ اولے ہے اخیافی پھپی سے اسی پر قیاس کر لو جبکہ میت کی اخیافی ماموں اور اخیافی خالہ چھوڑی۔ اور ان کے ساتھ اخیافی پھپی چھوڑی۔

فصل فی اولادھم

فصل چوتھی جماعت ذوی الارحام کی اولاد کی بیان میں

سوال مصنف نے اس چوتھی صنف کی اولاد کے ذکر کے لئے تو علیحدہ فصل قائم کی اور دوسری صنفوں کی اولاد کے لئے فصلیں نہیں قائم کیں اسکا کیا سبب ہے۔

جواب وجہ اس کی یہ ہے کہ چچا اور پھپی اور ماموں اور خالہ اپنی اپنی اولاد کو متناول نہیں خلاف بیٹیوں اور بیٹوں کی اولاد کے اسی طرح اجداد و جدات اپنی اولاد بالواسطہ و بغیر واسطہ کو متناول ہیں اور انھیں کے حکم میں حقیقی و علاتی چچا کی بیٹی ہے لیکن اخیافی چچا کی بیٹی چوتھی صنف کی اولاد میں داخل نہیں۔

انتباہ اس چوتھی صنف کی اولاد میں بھی ایک جانب کا کوئی شخص وارث باعتبار محرومی دوسری جانب کے شخص ذی رحم کا نہیں، پس چچا کی بیٹی کے ساتھ میں کہ وہ عصبہ کی دختر ہے ماموں کی بیٹی کہ ذی رحم کی دختر ہے محروم نہوگی چچا کی بیٹی کو باپ کی قرابت کے لحاظ سے دو ثلثائی اور ماموں کی بیٹی کو ماں کی قرابت کے لحاظ ایک ثلثائی پہنچے گا **الحکم فیھم کالحکم فی الصنف الاول اعنی اولادھم بالمیراث اقربھم اولے** الیت اس جماعت کی اولاد کا حکم مانند جماعت اول کے ہے یعنی اقرب مقدم ہوگا ابعد پر پس میراث کے لئے اولے وہ ہوگا جو میت سے

زیادہ قریب ہو من ای جھۃ کان خواہ کسی جہت سے ہو مطلب یہ ہے کہ اگر درجے میں سب برابر ہوں تو اقرب خواہ باپ کی جانب کا ہو یا ماں کی جانب کا ہو اور مرد ہو یا عورت اولے ہوگا پس پھپی کا بیٹا اور بیٹی بھتیجے کے نواسے اور پھپی کی پوتی سے اولے ہیں اس لئے کہ باوجود اتحاد جہت قرابت کے میت سے رحم میں زیادہ قریب ہیں اسی طرح خالہ کا بیٹا اور بیٹی خالہ کے نواسے اور خالہ کی نواسی سے اولے ہیں اسی طرح پھپی کی اولاد خالہ کی اولاد کی اولاد سے اور خالہ کی اولاد پھپی کی اولاد کی اولاد سے اولے ہے کیونکہ یہاں اقربیت اور اسکے ساتھ جہت میں اختلاف موجود ہے حاصل کلام یہ ہے کہ قرب باعتبار پشت کے ہوتا ہے مثلاً ایک پشت والا بہ نسبت دو پشت والے کے مقدم ہے اور دو پشت والا بہ نسبت تین پشت والے کے مقدم ہے مثلاً۔

(الف) میت نے خالہ کی دختر چھوڑی اور خالہ کی دختر کی دختر یا خالہ کے پسر کی دختر یا خالہ کے پسر کا پسر چھوڑا تو کل میراث خالہ کی دختر کو ملے گی کیونکہ وہ ایک پشت اوپر ہے یعنی مثلاً عمدۃ الباسط مرا اور اس نے خالہ کی دختر منور بیگم چھوڑی اور خالہ کی نواسی زہرا بیگم یا پوتی یا پوتا چھوڑا تو بہ نسبت نواسی اور پوتی اور پوتے کے خالہ کی دختر اوپر ہے اور یہ لوگ ایک پشت نیچے ہیں۔

(ب) میت نے پھپی کی لڑکی اور خالہ کی لڑکی کی لڑکی چھوڑی تو کل مال پھپی کی لڑکی کے واسطے ہوگا کیونکہ وہ خالہ کی نواسی کی بہ نسبت ایک پشت اوپر ہے اگرچہ ان دونوں کی قرابت وجہت مختلف ہے یعنی پھپی زادی بہن کی قرابت باپ کی جانب سے ہے کیونکہ پھپی اوسکے باپ کی بہن ہوتی ہے اور خالہ کی نواسی کے ساتھ ماں کی جانب سے قرابت ہے اس واسطے کہ خالہ اوس کی ماں کی بہن ہے۔

وان استووا فی القرب وکان حیز قرابتھم متحدا اور اگر مساوی الدرجہ ہوں اور جہت قرب میں بھی اتفاق اور اتحاد ہو اس طرح کہ سب باپ کی جانب کے ہوں یا سب ماں کی جانب کے فمن کانت لہ قوۃ القرابۃ فھو اولی بالاجماع تو قوی القرابت اولے ہے ضعیف القرابت سے اجماع اسی پر ہے چنانچہ حقیقی پھپی کی اولاد مقدم ہے علاتی پھپی کی اولاد سے اور علاتی پھپی کی اولاد مقدم ہے علاتی خالہ کی اولاد سے اور علاتی خالہ کی اولاد مقدم ہے اخیافی خالہ کی اولاد سے جیسے

مسئلہ ۱	مسئلہ ۱	مسئلہ ۱	مسئلہ ۱
میت	میت	میت	میت
حقیقی پھپی	علاتی پھپی	اخیافی پھپی	حقیقی خالہ	علاتی خالہ	اخیافی خالہ
بیٹی	بیٹی	بیٹی	بیٹی	بیٹی	بیٹی
۱	م ۱	م ۱	م ۱	م ۱	م ۱

لیکن ضعیف القرابت کے موخر ہونے میں یہ شرط ہے کہ وہ عصبہ کی اولاد نہ ہو اگر عصبہ کی اولاد ہوگا تو اس میں خلاف ہے جیسا کہ آگے مذکور ہوگا پس جب کسی میت نے تین متفرق پھپیوں کی

اولاد چھوڑی تو ان میں سے حقیقی پھپی کی اولاد کو مال ملے گا اور اگر یہ موجود نہو تو علاتی پھپی کی اولاد کو مال ملے گا اور اسی کے بھی موجود نہونے کی صورت میں اخیافی پھپی کی اولاد مال پائے گی یہی متفرق مامون اور خالاؤں کی اولاد میں تصور کرنا چاہئے وجہ اس کی یہ ہے کہ حقیقت عصوبت میں جب سب متساوی الدرجہ ہوتے ہیں تو کسی ایک کی طرف منسوب ہونے کے وقت اوسی کو ترجیح ہوتی ہے جو حقیقی ہو پھر اوسکو ترجیح ہوتی ہے جو علاتی ہو تو یہی حال ذوی الارحام میں بھی ہونا چاہئے جنکی وراثت کا مدار معنی عصوبت پر ہے و ان استووا فی القرب والقرابۃ وکان حیز قرابتھم متحدا اور اگر درجے اور قوت قرابت میں برابر ہوں اور محل قرابت یعنی جہت بھی متحد ہو اس طرح کہ سب باپ کی جانب کے ہوں یا سب ماں کی جانب کے قولہ العصبۃ اولی تو اس صورت میں اولاد عصبہ اولے ہے اولاد غیر عصبہ سے عصبہ صرف فریق بدرمیں ہوتا ہے فریق مادر میں متصور نہیں اور درجے میں متساوی ہونے کی صورت میں حیز قرابت متحد ہو تو اس قوت کا اعتبار کیا جاتا ہے اور جب حیز قرابت مختلف ہو تو اعتبار نہیں کیا جاتا کبنت العم وابن العمۃ کلاھما لاب وام او لاب المال کلہ لبنت العم لانھا ولد العصبۃ جیسے حقیقی یا علاتی چچا کی لڑکی موجود ہو اور اس کے ساتھ حقیقی یا علاتی پھپی کا لڑکا موجود ہو اور دونوں سگے ہیں یا سوتیلے تو کل مال صرف چچا کی بیٹی کو مل جائے گا کیونکہ وہ عصبے کی دختر ہے اور ظاہر ہے کہ حقیقی یا علاتی چچا عصبات میں داخل ہے اور پھپی ذوی الارحام میں سے ہے جس طرح اخیافی چچا ذوی الارحام سے ہے پس پھپی کا بیٹا ذوی الارحام کا فرزند ہے اور عصبے کی اولاد کے حق میں قوت اور ترجیح مدلے بہ کی اعتبار سے ہے کہ جسکی طرف وہ منسوب ہے وہ عصبہ ہے جیسے۔

مسئلہ ۱

میت

حقیقی چچا	حقیقی پھپی
بیٹی	بیٹا
۱	م

مسئلہ میت کے سگے چچا کی دختر ہے اور سگی پھپی کی دختر ہے تو کل مال چچا کی دختر کو ملے گا اس واسطے کہ وہ عصبہ کی لڑکی ہے۔

وان کان احدھما لاب وام والآخر لاب المال کلہ لمن کان لہ قوۃ القرابۃ اگر ان چچا اور پھپی دونوں میں سے ایک باپ اور ماں دونوں کی جہت سے ہے اور دوسرا صرف باپ کی جہت سے تو جسکو قوت قرابت حاصل ہے اوسی کی اولاد وارث ہوگی۔

اس کا بیان یہ ہے کہ میت کی تین پھپیاں ہیں جنمیں سے ایک اسکے باپ کی حقیقی بہن ہے اور دوسری اسکے باپ کی علاتی بہن ہے اور تیسری صرف اخیافی بہن ہے اور میت کی تین خالائیں ہیں ایک اوسکی ماں کی حقیقی بہن اور دوسری علاتی اور تیسری اخیافی ہے تو مال کی تقسیم اس

طرح ہوگی کہ باپ کی جہت کے لئے دو تہائیان اور ماں کی جہت کے لئے ایک تہائی ہے۔ پھر باپ کی جہت کی دو تہائیان میت کی پھپھیوں میں سے صرف سگی پھپھی کو بوجہ قرب قرابت کے ملیں گی اور اسی طرح ماں کی تہائی میت کی سگی خالہ کو ملے گی فی ظاھر الروایۃ مطلب یہ ہے کہ موافق ظاہر الروایۃ کے ترجیح باعتبار قوت قرابت کے ہے اور ولد عصبہ ہونے کو اعتبار نہیں۔

واضح رہے کہ ظاہر الروایۃ پانچ کتابوں سے مراد ہے۔ یہ سب کتابیں امام محمد کی تصنیفات سے ہیں اور کل فقہ حنفی کا مدار انھیں پر ہے ان میں امام ابو حنیفہ کے مسائل روایتاً مذکور ہیں اور اسلئے وہ فقہ حنفی کی اصلی اصول خیال کی جاتی ہیں (۱) مبسوط (۲) جامع صغیر (۳) جامع کبیر (۴) زیادات (۵) سیر صغیر و کبیر ان کتب کے تفصیلی حالات سنیئے۔

مبسوط اصل میں قاضی ابو یوسف کی تصنیف ہے اون ہی مسائل کو امام محمد نے زیادہ توضیح اور خوبی سے لکھا ہے۔ یہ امام محمد کی پہلی تصنیف ہے اس کتاب میں امام محمد نے قاضی ابو یوسف کی روایت سے امام ابو حنیفہ کے تمام اقوال لکھے ہیں کل ۵۳۲ مسئلے ہیں جن میں سے ایک سو ستر مسئلوں کے متعلق اختلاف رائے بھی لکھا ہے اس کتاب میں تین قسم کے مسائل ہیں۔

(الف) جن کا ذکر بجز اسی کتاب کے اور کہیں نہیں پایا جاتا۔

(ب) اور کتابیں بھی مذکور ہیں لیکن اون کتابوں میں امام محمد نے تصریح نہیں کی تھی کہ یہ خاص ابو حنیفہ کے مسائل ہیں اس کتاب میں تصریح کر دی ہے۔

(ج) اور کتابوں میں مذکور تھے لیکن اس کتاب میں جن الفاظ سے لکھا ہے اون سے بعض نئے فوائد مستنبط ہوئے ہیں جامع کبیر جامع صغیر کے بعد لکھی گئی ضخیم کتاب ہے اس میں امام ابو حنیفہ کے اقوال کے ساتھ قاضی ابو یوسف اور امام زفر کے اقوال بھی لکھے ہیں مسئلے کے ساتھ دلیل لکھی ہے متاخرین حنفیہ نے اصول فقہ کے جو مسائل قائم کئے ہیں زیادہ تر اس کتاب کی طرز استدلال و طریق استنباط سے کئے ہیں۔ جامع کبیر کی تصنیف کے بعد جو فروع یاد آئے وہ زیادات میں درج کئے اور اسی لئے زیادات نام رکھا سیر صغیر و کبیر سب سے آخیر تصنیف ہے اول سیر صغیر لکھی اوس کا ایک نسخہ امام اوزاعی کی خدمت میں گذرا اونھوں نے طعن سے کہا کہ اہل عراق کو فن سیر سے کیا نسبت امام محمد نے سنا تو سیر کبیر لکھنی شروع کی طیار ہو چکی تو ساٹھ جزو نہیں آئی امام محمد اس ضخیم کتاب کو خچر پر رکھوا کر ہارون الرشید خلیفہ بغداد کے پاس لے گئے ہارون الرشید کو پہلے سے خبر ہو چکی تھی اس لئے قدر دانی کے لحاظ سے شہزادوں کو بھیجا کہ خود جا کر امام محمد سے اوسکی سند لیں۔

قیاسا علی خالۃ لاب مع کونھا ولد ذی رحم یعنی اوی لقوۃ القرابۃ یعنی اس کا قیاس خالاتی خالہ پر کیا ہے کہ وہ باوجودیکہ ذوی رحم یعنی نانا کی اولاد ہے بوجہ قوت قرابت کے جو اوسکو باپ کی جہت سے حاصل ہے جو میت کی ماں کا باپ ہے اور میت کا نانا ہے میراث پانے کے لئے زیادہ مستحق ہے من الخالۃ لام مع کونھا ولد ابو ام کہ اخیافی خالہ سے کہ وہ نانی کی بیٹی ہے اور نانی وارث ہے اور نانا وارث نہیں ہے باوجود اس بات کے پہلی خالہ دوسری خالہ

اولے ہے اور اوسکو میراث ملے گی اور دوسری اوسکی موجودگی میں محروم رہے گی لان الترجیح لمعنیً فیہ اس لئے کہ ترجیح یہان اون معنے کی وجہ سے ہے جو اولیٰ ترجیح علاتی خالہ کی ذات میں موجود ہیں وھو اور وہ معنے قوت القرابۃ قوت قرابت کی ہے جو اوس خالہ میں موجود ہے کیونکہ وہ میت کی طرف ایک باپ کے ذریعے سے نسبت رکھتی ہے اولے یعنی وہ ترجیح جو قوت قرابت کی وجہ سے ہے جو علاتی خالہ کی ذات میں پڑی ہوئی ہے اولے ہے من الترجیح لمعنیً فی غیرہ اوس ترجیح سے جو اُن معنے کی وجہ سے ہے جو غیر میں پائے جاتے ہیں وھو اور وہ معنے جو غیر میں پائے جاتے ہیں اور اخیافی خالہ کی ذات میں موجود نہیں بلکہ نسبۃً اوس میں پائے جاتے ہیں الادلاء بالوارث اخیافی خالہ کا ایک وارث کی طرف انتساب ہے جو میت کی نافی ہے پس وراثت خود خالہ کی ذات میں موجود نہیں بلکہ اوسکی ماں کی ذات میں پڑی ہوئی ہے جو میت کی ماں کی ماں ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اس خالہ میں جن معنے کی وجہ سے ترجیح سمجھی جاتی ہے وہ اس قدر ہے کہ وہ ایک وارث کی طرف نسبت رکھتی ہے اور وہ وارث اوسکی ماں ہے جو میت کی نافی ہوتی ہے تو اخیافی خالہ کو وراثت میں کوئی مداخلت نہیں جو کچھ ہے وہ یہ ہے کہ اوسکو ایک وارث کی طرف انتساب حاصل ہے تو یہ انتساب ایسی چیز نہیں کہ اوسکو ترجیح بخشے بلکہ خود اوسپر علاتی خالہ کو اس کی وجہ سے ترجیح حاصل ہو گئی کیونکہ علاتی خالہ کو باپ کی طرف سے جو میت کا نانا ہوتا ہے قوت قرابت حاصل ہے اور یہ ایسے معنے ہیں کہ علاتی خالہ کی ذات میں پائے جاتے ہیں اور اخیافی خالہ گو وارث کی بیٹی ہے مگر قوت قرابت سے وہ خالی ہے وقال بعضھم المال کلہ لبنت العم لاب لانھا ولد العصبۃ بعض مشائخ نے کہا ہے کہ صورت مذکورہ میں تمام ترکہ علاتی چچا کی دختر کا ہے اس لئے کہ وہ عصبہ کی لڑکی ہے برخلاف حقیقی پھپی کی دختر کے کہ وہ ایک ذی رحم کی بیٹی ہے یہان سے معلوم ہوا کہ وہ اجماع مذکور جسکے ساتھ ہمنے وہان یہ قید لگائی ہے کہ بشرطیکہ غیر اقوی عصبہ کی اولاد سے نہو تو یہ قید اجماع کے لئے یہان بھی ضرور ہے اسلئے کہ علاتی چچا کی بیٹی اور حقیقی پھپی کا بیٹا قرب میں برابر ہیں اور ان کا جہۃ قرابت بھی متحد ہے کیونکہ دونوں باپ کی جانب والے ہیں اور باوجود اسکے جسکو قوت قرابت حاصل ہے یعنی پھپی کا بیٹا وہ بالاجماع اولے نہوگا کیونکہ اجماع تو اوس وقت ثابت ہو کہ مشائخ میں کوئی مخالفت نہ رہے حالانکہ اس شیخ فاضل نے مخالفت کی ہے کہ اپنے قول کو ظاہر الروایۃ پر اس طرح ترجیح دی ہے کہ اس ظاہر سے یہ لازم آتا ہے کہ اصل مرجوح کی فرع کو اصل راجح کی فرع پر ترجیح ہو گیا تم یہ غور نہیں کرتے کہ جب میت حقیقی پھپی اور علاتی چچا چھوڑے تو کل مال چچا کا ہوگا پھپی کا نہوگا اور اس تقدیر پر چچا کی بیٹی کو پھپی کے بیٹے پر ترجیح ہونی چاہئے وان ستووا فی القرب ولکن اختلف جہۃ قرابتھما اور اگر درجے میں برابر ہوں لیکن جہت قرب اونکی مختلف ہو اس طرح کہ بعض باپ کی جانب والے ہوں اور بعض ماں کی جانب والے فلا اعتبار بقوۃ القرابۃ ولا لولد العصبۃ پس ایسی صورت میں ظاہر الروایت کے موافق قوت قرابت اور

ولد العصبہ ہونے کا اعتبار بالکل نہیں ہے چنانچہ حقیقی پھپی کی اولاد علاتی یا اخیافی ماموں اور علاتی یا اخیافی خالہ کی اولاد سے اولے نہیں ہے کیونکہ پھپی کی اولاد میں قوت قرابت کا اعتبار نہیں ہوگا اسی طرح چچا کی بیٹی علاتی یا اخیافی ماموں یا خالہ کی بیٹی سے اولے نہیں ہے کیونکہ چچا کی بیٹی میں لفظ عصبہ ہونے کا اعتبار نہیں کیا جاتا ہے۔

بعض کتب فتاوے میں لکھا ہے کہ یہ سوال پیدا ہوا تھا کہ ایک آدمی مر گیا اور اوسنے اپنے حقیقی چچا کی بیٹی اور حقیقی ماموں کا بیٹا چھوڑا تو اس میں کیا ہے۔ جواب اس کا یون دیا گیا کہ اس میں اختلاف ہے بعض نے کہا ہے کہ ظاہر الروایت یہ ہے کہ دو ثلث چچا کی بیٹی کے ہیں اور ایک ثلث ماموں کے بیٹے کا یہی مختار صاحب ہدایہ و کنز و ملتقے کا ہے اور کنز و ہدایہ کی شرحیں بھی اسی کے موافق مذکور ہے لیکن معراج الدرایہ میں لکھا ہے کہ ظاہر الروایت کے موافق یہ ہے کہ ماموں کے بیٹے کے لئے کچھ نہیں تمام مال چچا کی بیٹی کا ہے کیونکہ وہ عصبہ کی بیٹی ہے۔ منور میں تحریر کیا ہے کہ فتوے اسی پر ہے شمس الائمہ سرخسی اور ترتاشی کی بھی یہی روایت ہے اور مضمرات اسکو صحیح بتایا ہے لیکن فتاوے حامدیہ میں ستر اول کو مانا ہے قیاس ساقط عصبۃ الاب والام مع کونھا ذات القرابتین وولد الوارث من الجہتین ھی لبنت وابن من الخالۃ والاب والقیاس ان یکون بینھما وجہ واحد کہ دو برابر شدہ کہتے ہیں اور وارث کی بیٹی دو جہت سے ہے یعنی باپ اور ماں دونوں کی طرف سے اس لئے کہ باپ اس کا جد صحیح اور عصبہ ہے اور ماں اس کی جدہ صحیحہ اور صاحب فرض ہے لیکن علاتی یا اخیافی خالہ سے اولے نہیں ہے فلمن الثلثین لمن یدلی بقرابۃ الاب لیکن دو ثلث ترکہ صاحب قرابت بیدی کے لئے ہے یعنی اوس شخص کو دو تہائی ترکہ پہنچے گا جو باپ کی جانب سے رشتہ رکھتا ہے کیونکہ وہ باپ کا قائم مقام ہے فتعتبر فیھم قوۃ القرابۃ اس لئے اونمیں یعنی باپ کی طرف سے رشتہ رکھنے والونمیں باوجود برابری درجہ کے قوت قرابت کا اعتبار کیا جائے گا فلمدلی بالعصبۃ ثم اس بات کا اعتبار ہوگا کہ وہ عصبے کے لفظ سے ہیں اس لئے کہ جب اونھوں نے اپنا حصہ لیا تو اس حصہ لینے کے قیاس سے جہت قرابت میں متحد ہو گئے چنانچہ اگر میت انکے حصے کی مقدار کے سوا کچھ نہ چھوڑتی تو اول اون میں قوت قرابت کا لحاظ کیا جاتا پھر ولد عصبہ ہونے کا لیکن ولد عصبہ باذی فرض ہونے کی وجہ سے ایک ہی جہت میں ترجیح ہوتی ہے دو جہت میں تقدیم نہیں ہو سکتی بلکہ میت کے ساتھ پشت کے اتصال کا اعتبار ہوتا ہے والثلث لمن یدلی بقرابۃ الام دوسرا انتہائی ماں کی طرف رشتہ رکھنے والون کے لئے ہے کہ وہ ماں کے قائم مقام ہیں۔

تفصیل مقام یہ ہے کہ اگر میت کے ماں باپ دونوں کی جہت سے ہون مثلاً باپ کی بہن کی بیٹی ہے یعنی میت کی پھپی زادی بہن ہے اور میت کی ماں کی بہن کی بیٹی ہے یعنی خالہ زادی بہن ہے تو پھپی زادی خالہ زادی کو دو تہائی اور خالہ زادی کو ایک تہائی ملے گا۔ ہان اگر باپ کی جہت میں بیان مختلف ہوں مثلاً

پھپی کی بیٹی اور علاتی و اخیافی کی بیٹیاں ہیں اور خالہ زادی بہن ہے تو تہائی پھپی زادیوں کی طرف آیا وہ تینوں پھپیوں میں سے فقط سگی پھپی کی بیٹی کو ملے گا۔

وتعتبر فیہ قوۃ القرابۃ اور اون میں قوت قرابت معتبر ہے اوس شخص کے قیاس پر جو باپ کی طرف نسبت رکھتا ہے جس کا مفصل حال اوپر دیکھو مصنف نے یہاں صرف قوت قرابت کا نام لیا اور ولد عصبہ ہونے کا ذکر نہیں کیا کیونکہ ماوری رشتہ دار وہیں عصوبت واقع نہیں ہوتی صاحب ہدایہ نے فرائض عثمانیہ میں اسی طرح لکھا ہے شمس الائمہ سرخسی نے کہا ہے کہ یہ استحقاق جانبین میں سے ایک جانب میں عدد کی کثرت اور دوسری جانب میں عدد کی قلت کی وجہ سے معتبر نہیں ہوتا اور قاضی ابو یوسف کی طرف سے امام محمد پر بیٹیوں کی اولاد میں یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ اگر وہاں مدلے بہ کا اعتبار ہوتا ہے تو عدد کی کثرت و قلت کی وجہ سے اختلاف کیوں پیدا ہوتا ہے لیکن جواب اس کا یہ ہے کہ محمد نے دونوں میں یوں تفریق کی ہے کہ وہاں فروع میں تعدد مدلے بہ کے تعدد کی وجہ سے حکماً پیدا ہوتا ہے اور یہاں ایسا تعدد پیدا نہیں ہوتا اسواسطے کہ شے میں تعدد حکماً اوس وقت ہوتا ہے کہ جبکہ حقیقۃً تعدد متصور ہو اور بیٹیوں کی اولاد میں تعدد متحقق ہے تو ان میں فروع کے تعدد سے حکماً تعدد ثابت ہوتا ہے لیکن ماں باپ میں حقیقۃً تعدد متصور نہیں ہے تو اسی طرح اون قرابتوں میں جو اشیے نکلینگی تعدد حکماً ثابت نہوگا۔

اور یہ بھی واضح رہے کہ پھپی کی کئی لڑکیاں ہیں اور خالہ کی ایک لڑکی ہے تو دو تہائی پھپی کی لڑکیوں کے واسطے ہے اور ایک تہائی خالہ کی اکیلی لڑکی کے واسطے ہے یہ اسس وجہ سے کہ میت کے ساتھ قرابت میں پھپی زادی بہنوں اور خالہ زادی بہن میں سے کوئی دور نہیں بلکہ برابر ہیں صرف جہت کا فرق ہے اول باپ کی جہت سے ہے اور دوسری ماں کی جہت سے ہے تو اس جہت کا لحاظ اول مرتبہ اس طرح کیا گیا کہ جہت پدری کی قرابتیوں کو دو تہائی اور جہت مادری کی قرابتیوں کو ایک تہائی دیا گیا اور اسکے سوا اور کوئی وجہ ترجیح نہیں ہے حتےٰ کہ اگر پھپی زادی فقط ایک بہن ہوتی اور خالہ زادی کئی بہنیں ہوتیں تو بھی پھپی زادی کو دو تہائی ملتا اور خالہ زادیاں صرف ایک تہائی میں حصہ دار ہوتیں پھر واضح ہو کہ اگر ان بہنوں میں سے بعض میں دو جہت سے قرابت ہو اور بعض میں ایک ہی جہت سے قرابت ہو تو جہت مختلف ہونے کے وقت اس لحاظ سے ترجیح ابتدائی استحقاق میں قائم نہوگی اور جب جہت متحد ہو تو البتہ جو باپ کی جانب سے ہے وہ ماں کی جانب والے پر مرجح ہے خواہ مرد ہو یا عورت ہو اس کلام کی توضیح یہ ہے کہ میت کے باپ کی جانب سے جو ذی رحم ہے اوسکو اپنا استحقاق ہے اور جو ماں کی جانب سے ہے وہ بھی مستحق ہے حتےٰ کہ اگر باپ کی حقیقی بہن ہو جسکو ماں اور باپ دونوں جہت سے قرابت ہوتی ہے اور اوسکی لڑکی موجود ہے اور ماں کے علاتی بہن ہو جسکو فقط باپ کی جانب سے قرابت ہوتی ہے اور اوسکی لڑکی موجود ہے پس میت نے سگی پھپی کی لڑکی چھوڑی اور علاتی خالہ کی لڑکی چھوڑی تو مال کا استحقاق دونوں کے واسطے ہوگا اگرچہ میت کی پھپی زادی بہن کو ماں باپ دونوں کی جانب سے قرابت ہے اور خالہ زادی بہن کو صرف باپ ہی کی جہت سے قرابت ہے لیکن

پھپی زادی بہن کو کل ترکے کے استحقاق کی ترجیح اس وجہ سے ہوئی کہ ایک کی قرابت میت کے ساتھ باپ کی جہت سے ہے اور دوسری کی ماں کی جہت سے ہے اسلئے مشائخ نے فرمایا ہے کہ جب جہت مختلف ہو تو قرابت والے کو سوتیلے قرابت والے پر ترجیح و تقدیم نہیں ہوتی چنانچہ مثال مذکور میں پھپی زادی بہن کو کل ترکے واسطے تقدیم نہ ہوگی ہاں اگر ایک ہی جہت سے دونوں ہوں تو البتہ جس کو قرابت رحم کو باپ کی جہت سے قرابت ہے وہ دوسرے پر جسکو فقط ماں کی جہت سے قرابت ہو مقدم ہے جیسے اسی مثال میں ایک سگی پھپی کی دختر ہوتی اور دوسری صرف مادری پھپی کی دختر ہوتی یعنی باپ کی اخیافی بہن کی دختر ہوتی تو دونوں باپ ہی کی جہت سے قرابتی ہیں پس سگی کو سوتیلی پر ترجیح ہوتی یعنی سگی پھپی کی دختر کل مال پاتی **فخر عند ابی یوسف رحمہ اللہ تعالے ما اصاب کل فریق یقسم علے ابلان فروع هم** بعد اسکے جو کچھ ہر فریق کو پہنچتا ہے اُس فریق کے فروع کے رؤس کا اعتبار کرکے اوس کے عدد رؤس پر ابو یوسف تقسیم کرتے ہیں **مع اعتبار عدد الجهات فی الفروع** اور ابو یوسف کے نزدیک اعتبار رؤس کے ساتھ فروع میں جہات کا بھی اعتبار ہوتا ہے کیونکہ ہر فرع میں جہت ہی ارث کا سبب ہے اور اس تقسیم کی یہ وجہ ہے کہ ابو یوسف کے نزدیک فروع کا اعتبار ہے **وعند محمد رحمہ اللہ تعالے یقسم المال علے اول بطن اختلف** اور چونکہ محمد کے نزدیک اصول کا اعتبار ہے اس لئے وہ ہر فریق کے حصے کو جو کچھ ہو اول بطن پر جس میں اختلاف واقع ہو تقسیم کرتے ہیں **مع اعتبار عدد الفروع والجهات فی الاصول** اور محمد عدد فروع اور جہات کا اصول میں اعتبار کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جس اول بطن میں اختلاف اصول میں واقع ہوا وس پر باعتبار عدد فروع اور جہات کے تقسیم کرتے ہیں۔

شرح عفیف گاذرونی میں مصنف کے اس قول پر کہ یقسم المال علے اول بطن اختلف مع اعتبار عدد الفروع والجهات فی الاصول محقق ابن ہیر بادشاہ کی طرف سے یہ اعتراض نقل کیا ہے کہ جہات کا اعتبار فروع میں ہے نہ اصول میں اس لئے کہ جہات کا اعتبار چچا اور پھپی کی دونوں فروع میں ہوا ہے اس سبب کہ یہ فرعین چچا اور پھپی دونوں کا حصہ لیتی ہیں کیونکہ اون میں سے ہر ایک کے لئے دو فرعین ہیں اور کوئی جہت اصول میں اعتبار جہات کی ظاہر نہیں ہوتی **کما فی الصنف الاول** اوسی قیاس پر کہ دونوں اماموں کا قول پہلی قسم میں گذرا یعنی اگر ایک کی اصل مرد ہے اور دوسرے کی اصل عورت ہے تو امام ابو یوسف باعتبار ابدان فروع کے تقسیم کرتے ہیں اور امام محمد جس جگہ پر اصول میں اختلاف واقع ہوا ہے وہاں پر مسئلے کی تصحیح کرکے اصول پر موافق اونکے ابدان کے تقسیم کرکے اون کا حصہ اونکی اولاد کو دیتے ہیں اسکی مثال یہ ہے کہ میت نے ایک علاتی پھپی کے دو لڑکے چھوڑے اور دوسری علاتی پھپی کی دو پوتیاں چھوڑیں اور یہ دونوں پوتیاں میت کے علاتی چچا کی نواسیاں بھی ہیں اور انکے ساتھ میت نے علاتی خالہ کی دو نواسیاں چھوڑیں اور دوسری علاتی خالہ کے دو پوتے چھوڑے اور یہ دونوں پوتے میت کے علاتی ماموں

کے نواسے بھی ہوتے ہیں۔

صورت اسکی یہ ہے

علاتی پھپی	علاتی پھپی	علاتی چچا	علاتی خالہ	علاتی خالہ	علاتی ماموں
بیٹی	بیٹا	بیٹی	بیٹی	بیٹا	بیٹی
دو بیٹے	دو بیٹیاں		دو بیٹیاں	دو بیٹے	
عبدالعلی و عبدالحلیم	زبیدہ و حلیمہ		مریم و سکینہ	ضیاء الرحمٰن و ضیاء اللہ	

حل

یہاں اصل مسئلے کی ۳ سے ہے اس میں سے دو ثلث باپ کی طرف کے قرابت والوں کو دیے اور ایک ثلث ماں کی جانب کے قرابت والوں کو لیکن ابو یوسف کے نزدیک مسئلے کی تصحیح ۴ سے ہوتی ہے اس لئے کہ جو کچھ باپ کے فریق کو ملا ہے وہ دو ہیں اور تعداد فریق پدری کی جبکہ فروع میں کے عدد جہات کا اعتبار کیا جائے گا تو چار کو پہنچے گی کیونکہ اس فریق میں علاتی پھپی کے بیٹے کی طرف سے دو بیٹیاں ہیں اور دو بیٹیاں علاتی چچا کے بیٹے کی طرف سے ہیں تو یہ کل چار لڑکیاں ہوئیں پھر ان چاروں لڑکیوں کے عدد رؤس کو مختصر کر کے بنسنے والے دو بھائیوں کے قرار دیا پس فریق پدر میں ۴ لڑکے جمع ہیں اور ان چار کو دو سہم ملتے ہیں جو انپر مستقیم نہیں بلکہ متوافق بالنصف ہیں پس اونکے عدد رؤس کی نصف کی طرف رد کیا گیا تو دو ہوئے اور یہ رد اونکے عدد رؤس کا وفق ہے اسکو ہنے محفوظ رکھا۔

اب ماں کی طرف کے فریق کو دیکھا گیا تو ان کو ایک ملا تھا اور جبکہ فروع کے عدد جہات کا ان میں اعتبار ہوگا تو انکی تعداد پانچ کو پہنچ جائے گی اسلئے کہ اس فریق کے دو لڑکے چار لڑکے سمجھے جاوینگے ان میں سے دو لڑکے علاتی خالہ کے بیٹے کی طرف کے ہیں اور دو لڑکے علاتی ماموں کی بیٹی کی طرف کے اور اختصار کی وجہ سے انمیں سے دو لڑکیوں کو ایک لڑکا مان لیا گیا ہے۔

پس فریق مادری پانچ لڑکوں پر مشتمل ہوا اور ایک سہم پانچ پر مستقیم نہیں بلکہ دونوں میں مباینت ہے تو ہمنے پانچ عدد رؤس کو محفوظ رکھا فریق پدری کے عدد رؤس کے وفق یعنی دو اور فریق مادری کے عدد رؤس یعنی پانچ پر غور کیا تو ان میں تباین پایا تو ایک کو دوسرے میں ضرب دینے سے دس حاصل ہوئے ان دس کو اصل مسئلے یعنی ۳ میں ضرب دیا تو ۳۰ حاصل ہوئے اسی میں سے سب کو پہنچتا ہے ۳۰ کے دو ثلث یعنی بیس فریق پدر کو ملے ان بیس میں سے دس علاتی پھپی کے دو تون نواسوں کو ملے اور دس دوسری علاتی پھپی کی دونوں پوتیوں کو پہنچے جو علاتی چچا کی نواسیاں

ہیں اور تین ۳ میں سے باقی کا تہائی یعنی دو ثلث ماں کی جانب والوں نے پائے اس طرح کہ آٹھ ان میں سے دو لڑکوں کو اور دو سہم دونوں لڑکیوں کو ملے۔

امام محمد کے نزدیک اس مسئلے کی تصحیح ۶ سے ہوتی ہے کیونکہ اوس پہلے بطن پر جس میں اختلاف ہو تقسیم کیا جاتا ہے اور اوسی میں فروع کی تعداد و جہات کا لحاظ ہوتا ہے پس باپ کے طرف والوں میں علاتی ایک چچا کو دو چچے مان کر پھر ان دو کو ۴ پھپیوں کے بمنزلے سمجھا جائے گا اور دو پھپیوں میں سے ہر ایک پھپی کو دو دو پھپی مانا جائے گا تو سب ملکر آٹھ پھپیاں ہوئیں اب اس عدد رؤس میں یوں اختصار ہوگا کہ جس ایک چچا کو چار پھپیوں کا قائم مقام مان لیا تھا پھر یہ سنو ایک چچا مانا جائے گا اور باقی چار پھپیوں کو بھی ایک دوسرا چچا قرار دیا جائے گا پس ہر ایک چچا کو دو ثلث میں سے کہ دو ہیں ایک ایک ملے گا اور علاتی ماموں کو کہ فریق مادری میں سے ہے بمنزلے دو ماموں کے مانکر چار خالاؤں کی برابر انکو سمجھا جائے گا اور جو خود دو خالہ ہیں اون میں سے ہر ایک کو دو دو خالہ قرار دیا جائے گا اور بہ سبب کچھ اس وجہ سے ہے کہ فروع کی اعداد و جہات کا اصول میں اعتبار کیا گیا ہے غرضکہ سب آٹھ خالاؤں کا مجموعہ ہوگیا اور پھر عدد رؤس میں اختصار کرکے اوس ماموں کو جسے چار خالاؤں کی جگہ فرض کیا گیا ہے ایک ماموں مانا جائے گا اور باقی چار خالاؤں کو بھی ایک دوسرا ماموں قرار دیا جائے گا تو کل دو ماموں ہوئے اور اصل مسئلے یعنی ۳ سے جو انکو تہائی یعنی ایک پہنچا تھا یہ ایک عدد دو ماموں پر مستقیم نہیں تو ان ماموں کے عدد رؤس کو اصل مسئلے کے ۳ میں ضرب دینگے ۶ حاصل ضرب ہونگے ان ۶ میں سے باپ کی جانب کے فریق کو چار دے جاوینگے پھر ان چار میں سے دو علاتی چچا کو ملینگے اور اس کو ایک علیحدہ گروہ قرار دینگے اور اوس کا حصہ اوس کی آخری فروع یعنی اوسکی دونوں نواسیوں کو ملے گا تو انمیں سے ہر ایک کو ایک ایک پہنچ جائے گا اور چار میں سے دو سہام دونوں علاتی پھپیوں کو ملینگے اور ان کا ایک علیحدہ گروہ قرار دیا جائے گا پھر دونوں پھپیوں کے نیچے کے بطنوں میں غور کیا جائے گا تو ایک لڑکا بمنزلے دو لڑکوں کے اور ایک لڑکی بمنزلے دو لڑکیوں کے قرار دی جائے گی کیونکہ انمیں انکے عدد فروع کا شمار ہوگا اور جب ان کے عدد رؤس میں اختصار کو کام میں لاوینگے تو دو لڑکیاں بمنزلے ایک لڑکے کے قرار پاوینگی تو اب تمام تین لڑکے ہوئے اور دونوں پھپیوں کا حصہ ان تین لڑکوں پر مستقیم نہیں ہے بلکہ دونوں میں سہانیت ہے تو ان تین عدد رؤس کو محفوظ رکھا اور ماں کی طرف والے فریق کو ۶ میں سے دو ملے تھے ان دو میں سے ماموں کو ایک دیکر ایک علیحدہ گروہ قرار دیا اور دوسرا دونوں خالاؤں کو دیکر ان کا ایک جدا گانہ گروہ بنایا جب ماموں کا حصہ کہ ایک ہے اوسکے دونوں نواسوں کو دیا گیا تو یہ اون پر مستقیم نہیں پس انکے عدد رؤس کو محفوظ رکھا پھر جب دونوں خالاؤں کے بطن میں نظر ڈالی تو ایک لڑکا بمنزلے دو لڑکوں کے اور ایک لڑکی بمنزلے دو لڑکیوں کے موجود ہیں اور ایک عدد سہام ان پر مستقیم نہیں تو تین عدد رؤس کو محفوظ رکھا۔

اب جماری ہاتھ میں تین قسم کے عدد رؤس ہو جو دیں ۳-۲-۳ جب ان میں غور کیا تو ۳-۳ میں مماثلت پائی تو ان میں سے ایک کو کاٹ کر اور ۲ و ۳ میں مباینت پائی تو ایک کو دوسری میں ضرب دیا، حاصل ہے ان چھوؤں کو اصل مسئلہ یعنی ۶ میں ضرب دیا ۳۶ حاصل ہے اس سے مسئلے کی تصحیح ہو جائیگی اسطرح کہ باپ کے فریق کے لئے اصل مسئلہ ہی ۶ تھے جب ان کو مضروب یعنی ۶ میں ضرب دیا تو ۲۴ ہو گئے یہ فریق پدری کا حصہ ہے ۳۶ سے اب ان میں سے ہر ایک کے حصے کو معلوم کرنیکی یہ صورت ہے کہ علاتی چچا کی دونوں نواسیوں زبیدہ و حلیمہ کا حصہ چچا کی طرف سے جو دیا ہے اسکو مضروب یعنی ۶ میں ضرب دیا تو ۱۲ حاصل ہوئے کس پر ہے اور پھر جب ان دونوں کے حصوں کو جو انکی دادی یعنی میت کی علاتی پھپھی کی طرف سے ہے اور وہ ایک ہے اس مضروب میں ضرب دیا تو ۶ ہی حاصل ہوئے تو انمیں سے تین تین ہر ایک کو پہنچے غرضکہ زبیدہ و حلیمہ میں سے ہر ایک کا حصہ نو نو ہوا چھ چھ انکے ماتا یعنی میت کے علاتی چچا کی طرف سے اور تین تین انکی دادی یعنی میت کی علاتی پھپھی کی طرف سے اسی طرح پھپھی کے دونوں نواسوں یعنی عبد العلی و عبد الحلیم کا حصہ کہ ایک ہی اسکو مضروب یعنی ۶ میں ضرب دیا تو چھ ہی حاصل ہوئے انمیں سے ہر ایک کو تین تین پہنچے اور مجموعہ ان تمام سہام کا ۲۴ ہوا وہاں کے فریق کی تو اصل مسئلے سے دو تھے۔ جب انکو مضروب یعنی ۶ میں ضرب دیا تو ۱۲ حاصل ہوئے۔ یہ بارہ اُن ۳۶ میں سے فریق مادری کا حصہ ہے اب ہر ایک علیحدہ شخص کا حصہ یوں معلوم کرو کہ جب علاتی ماموں کے دونوں نواسوں یعنی ضیاء الرحمٰن و ضیاء الدین کے حصے کو کہ وہ ایک ہی مضروب یعنی ۶ میں ضرب دیا تو ۶ ہی حاصل ہوئے تو ہر ایک شخص کو تین تین پہنچے اور جب دونوں خالاؤں کی فروع کا حصہ کہ وہ بھی ایک ہی اس مضروب یعنی ۶ میں ضرب دیا گیا تو ۶ ہی حاصل ہوئے۔ پس اسی طرح کہ دونوں یتیموں یعنی ضیاء الرحمٰن و ضیاء الدین کو چار ملے کہ ہر ایک کے حصے میں دو دو آئے ان میں سے ہر ایک کو کل پانچ پانچ ملے تین تین ماموں کی جانب سے اور دو دو خالہ کی جانب سے اور دوسری خالہ کی دونوں نواسیوں یعنی مریم و آمنہ کو ان میں سے دو دو ہیں کہ ہر ایک کا ایک ایک ہوا پس دونوں لڑکوں کی تو دس دس لڑکیوں کی لئے دو ہیں انکا مجموعہ ہوا حیات ان ۱۲ کو ۲۴ کے ساتھ جمع کیا جائے تو ۳۶ ہو جائینگے۔

تنبیہ مصنف شریف کی شرح سراجی سے اسی طرح مستفاد ہوتا ہے لیکن انکا یہ فرمانا کہ چچا کی بیٹی کی دونوں لڑکیوں میں سے ہر ایک کا حصہ جو انکو پھپھی کی طرف سے پہنچا ہے اور وہ کل ایک سہام ہے کو مضروب یعنی ۶ میں ضرب دیا جائے تو ۶ ہی حاصل ہوئے یہ بات امام محمد کے اس مذہب کے مخالف ہے کہ جب دونوں پھپھیوں کی بطن میں برابر جائے تو ایک لڑکا بمنزلے دو لڑکوں کے ہے اور ایک لڑکی بمنزلے دو لڑکیوں کی الخ۔ وجہ مخالفت کی یہ ہے کہ چچا کا علیحدہ ایک گروہ قرار دیا ہے اور پھپھیوں کا علیحدہ دوسرا گروہ بنایا ہے لیکن چچا کی بطن میں کسی کی خلاف نہیں ہے ہر لڑکا کا حصہ بھی کہ دو ہیں اسکی لڑکی کی دونوں لڑکیوں کی طرف منتقل ہوگا۔ اور پھپھیوں کی تو کی بطن میں اختلاف ہے تو اس سے دونوں کے حصوں یعنی دو کی تقسیم پھپھی کے لڑکے اور پھپھی کی لڑکی کو درمیان لازم آئی اور ایک لڑکا اور ایک لڑکی فروع کا اعتبار سے دو دو ہیں لڑکیوں کو بعد سکو دونوں کو بطور اختصار ایک لڑکا قرار دیا گیا ہے تو اس صورت میں پھپھی کے لڑکے کا حصہ دو میں سے دو ثلث ہوا نصف اور پھپھی کی بیٹی کا حصہ دو میں سے ایک ثلث ہوا۔ پس حق تحقیق یہ ہے کہ دو کو چھ میں ضرب دینے سے جو ۱۲ حاصل ہوتے ہیں ان میں سے دو ثلث یعنی پھپھی کی اور چار یتیموں یعنی زبیدہ و حلیمہ کا اور ایک ثلث یعنی ۴ پھپھی کو دونوں نواسوں یعنی عبد العلی و عبد علیم کا حصہ امام محمد کے مذہب کے مطابق ہوگا پس ہر ایک کی کو چار پھپھی کی طرف سے اور دوسری پھپھی کی دونوں نواسوں کو چار ملے اس صورت میں دونوں لڑکیوں کے دونوں طرف کے حصوں کا مجموعہ بیس ہوگا۔ اور چار دونوں نواسوں کے ان کے ساتھ جمع ہونے سے ۲۴ ہو گئے۔ اس تقریر سے مصنف کے قول کی غلطی ثابت ہو گئی جبکہ مصنف میت کی چچیوں اور پھپھیوں اور ماموں اور خالاؤں کی اور انکی اولاد کی حالات سے قطع نظر کر کے صرف میت کی ماں باپ کی جانب سے اور دادی یعنی انکی چچیوں اور پھپھیوں اور ماموں اور خالاؤں اور انکی اولاد کی حالات کو بیان

کرنا شروع کیا۔ ینتقل ھذا الحکم یعنی جب خنثیٰ کے چچے اور پھپیاں اور خالائیں اور ماموں اولاد نہ ہو تو یہ حکم میت کے ماں باپ کی ہی قسم کے رشتہ داروں کی طرف منتقل ہوتا ہے جس کی تفصیل یہ ہے الی جھۃ عمومۃ ابویہ وخؤولتھما یعنی اوپر والا حکم میت کے ماں باپ کے اخیافی چچا اور اسکی ماں باپ کی پھپی اور ماموں اور خالہ کی طرف منتقل ہوتا ہے پس اگر انمیں سے کوئی تنہا ہو تو بوجہ انہی مراجم کے کل اس پہنچے گا اور اگر سب مجتمع ہوں اور اس حالت میں جہت قرابت متحد ہو تو ان میں سے سب سے قوی کو ترجیح ہوگی یہ سب سے قوی شخص خواہ مرد ہو یا عورت ہو اور اگر سب کی قرابت برابر ہوگی اس طرح کیا صرف باپ کی جانب والی ہونگی یا فقط ماں کی طرف والی تو اس طرح اسپر تقسیم ہوگی کہ دو عورتوں کی برابر ایک مرد کو ملیگا۔ اور اگر جہت قرابت میں اختلاف ہوگا تو باپ کی جانب والی کو دو حصے اور ماں کی جانب والی کو ایک حصہ پہنچے گا ثم الی اولاد ھم اگر مذکورہ بالا اشخاص میں سے کوئی نہ ہو تو حکم سابق میت کی ماں باپ کی اخیافی چچا اور پھپی اور ماموں اور خالہ کی اولاد کی طرف منتقل ہوگا۔ ثم الی جھۃ عمومۃ ابوی ابویہ پھر اگر میت کے اخیافی چچا اور پھپی وغیرہ کی اولاد بھی نہ ہو تو حکم بالا میت کی ماں باپ کی ماں باپ کے اخیافی چچا اور پھپی کی طرف منتقل ہوتا ہے ابوی ابوین سے مراد اجداد و جدات ہیں وخؤولتھما اور یہی حکم میت کے اجداد و جدات کی ماموں اور خالہ کی طرف منتقل ہوتا ہے ثم الی اولاد ھم پھر حکم سابق میت کے اجداد و جدات کے اخیافی چچا اور پھپی اور ماموں اور خالہ کی اولاد کی طرف منتقل ہوتا ہے اسی طرح ناطہ ناطہ اسی تک یہ حکم جاری ہے۔ کما فی العصبات جیسا کہ عصبات میں قاعدہ ہے اور یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ ذوی الارحام کی توریث باعتبار معنی عصوبت کے ہے اس وجہ سے کہ عصوبت کی حقیقت کا اس جگہ اعتبار کیا جائیگا تو جو کچھ حقیقت عصوبت میں میت کے چچا اور پھپی کے لئے حکم ہوتا ہے وہی حکم اسکی ماں اور باپ کے چچوں اور پھپیوں کیطرف منتقل کیا جاتا ہے پھر اسکی اجداد و جدات کے چچوں اور پھپیوں کی طرف جاری ہوتا ہے تو یہی طور معنی عصوبت میں بھی جاری ہونا چاہئے۔ کیونکہ ذوی الارحام عصبات حکمی ہیں۔

فصل فی الخنثیٰ

فصل بیان میں میراث خنثے کے

خنثیٰ مشتق ہے خنث بفتح خائے معجمہ وسکون نون سے خنثیٰ فعلیٰ کے وزن پر ہے خنثیٰ کی جمع خنائی ہے جیسا کہ جبلیٰ کی جمع جبالی بفتح اول ہے اور خنث لغت میں عبارت ہے نرمی سے اور اسی سے ماخوذ مخنث ہے اس زمانے میں مخنث و خنثیٰ کا لفظ ہجڑوں پر ایسا شائع ہو گیا ہے کہ عوام کے ذہن اوس سے منتقل نہیں ہوتے یعنی کچھ خبیث لوگ جو اپنے آلۂ مردی کو ترکیب سے کاٹ ڈالتے ہیں یہ لوگ خنثیٰ سے مراد نہیں ہیں بلکہ یہاں وہ آدمی مراد ہے جس کے پیدائشی طور پر آلۂ مردی و زنی دونوں ہوں یا دونوں میں سے ایک بھی نہو بخلاف خواجہ سرا کے کہ جس کا آلۂ مردی نہایت صغیر و حقیر ہوتا ہے تو وہ عورت سے مشتبہ نہیں اور خنثیٰ وہ ہے جو فرج اور عضو دونوں رکھتا ہو پھر قبل ہر سے پیشاب کرتا ہوگا وہی جانب مانی جاکر اوسی طرح سمجھا جائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ خنثیٰ میں کسی طرح جانب مردی یا زنی غالب ہو جائے مثلاً آلۂ مردی سے پیشاب کرے اور آلۂ زنی سے نکرے تو وہ مرد ہے اور اگر فرج سے پیشاب کرے تو وہ عورت ہے

اس لئے کہ ابن عدی نے کامل میں ابن عباس سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے خنثےٰ کی میراث کا حال دریافت کیا گیا تو آپنے جواب دیا کہ جہان سے پیشاب کرے گا اوسی کا اعتبار ہوگا اور عبدالرزاق نے مصنف میں حضرت علی سے بھی اسی طرح کی روایت کی ہے اور جو دونوں جگہ سے پیشاب کرتا ہے تو جہان سے اول پیشاب نکلتا ہے اوس کا اعتبار کیا ہے۔

اصل خنثےٰ کے معاملے میں وہ حدیث ہے جو کلبی نے ابو صالح سے اُنھوں نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جناب سرور کائنات نے ایسے بچے کے حق میں فرمایا جو نہ مرد ہے نہ عورت یورث من حیث یبول اخرجہ البیہقی یعنی جدہر سے پیشاب کرے اوسی عضو کے اعتبار سے وارث ہوگا لیکن سیوطی کہتے ہیں کہ یہ حدیث نہایت ضعیف ہے البتہ حضرت علی سے الیمامردی ہے سعید بن منصور نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے کہ ہشیم نے مغیرہ سے اُنھوں نے شعبی سے اُنھوں نے حضرت علی سے روایت کی ہے کہ معاویہ نے ہم سے خنثےٰ کا حال دریافت کیا تو ہمنے اُن کو جواب دیا کہ وہ جدہر سے پیشاب کرتا ہو اوسکے اعتبار سے وارث بنایا جائے لخنثےٰ المشکل وجہ اشکال کی یہ ہے کہ انسان منحصر ہے مرد و زن میں اور ذکورت و انوثت صفات متضادہ ہیں کہ ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتی ہیں ایسے خنثےٰ کو مشکل اسواسطے کہا گیا کہ اوس میں اس امر سے کوئی متعین نہیں ہے کہ عورت ہونے کو اوس میں غلبہ ہے یا مرد ہونے کو مثلاً دونوں عضو سے ساتھ ہی پیشاب کرتا ہے یا کوئی عضو نہیں رکھتا اور پیشاب کی جگہ سوراخ ہے کہ کسی عضو کی ہیئت پر نہیں تو یہی خنثائے مشکل ہے کیونکہ احد الامرین میں سے کوئی متعین نہیں اور پیشاب کی کثرت معتبر نہیں امام ابو حنیفہ کے نزدیک بر خلاف صاحبین کے۔

صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ پیشاب کا زیادہ نکلنا اصالت عضو پر دلیل ہے وللاکثر حکم الکل فوائد ضیغیہ میں ہے کہ امام نے ابو یوسف پر اس طرح رد کیا کہ ہمنے کسی قاضی کو نہیں دیکھا کہ پیشاب کو برتن سے ناپتا ہو۔ اور امام کی دلیل یہ ہے کہ کثرت خروج کشادگی مخرج پر دلیل ہے نہ اصالت پر لیکن یہ توجیہ مقتضی علی کہ اس طرح تفصیل ہو کہ اگر نائزے سے پیشاب زیادہ آیا تو دلیل ہے کہ وہ لڑکا ہے اسواسطے کہ فرج کا منفذ چوڑا ہوتا ہے۔ پس اگر لڑکی ہوتی تو اس سے پیشاب زیادہ آتا سو اگر برعکس ہو تو البتہ دلیل نہیں ہے اور اگر دونوں راہ سے پیشاب مساوی مقدار میں نکلے تو وہ بالاتفاق خنثائے مشکل ہے اسواسطے کہ کوئی ترجیح دینے والا امر موجود نہیں ہے لیکن یہ ترجیح ہو سکتی ہے کہ سوراخ فرج وسیع ہونے کے باوجود جب برابر پیشاب آیا تو ذکورت کی جانب قوی ہے ورنہ فرج سے زیادہ نکلتا حالانکہ اس وجہ کو اعتبار نہیں کیا تو یہی وجہ ہے کہ تفصیل مذکورۂ بالا بھی معتبر نہیں ہوئی پھر واضح ہو کہ خنثائے مشکل کے یہ ہے کہ بدون ترجیح کے دونوں جانب مغلبہ ہے یہ اشتباہ تا زمانۂ بلوغ رہے گا۔ پس اگر

ایک شخص مرا اور اوس نے دو پسر اور ایک خنثائے مشکل چھوڑے تو خنثے کے واسطے بالفعل صرف دختر کا حصہ دیا جائے پھر اگر دونوں قسم کے عضو رکھنے والا شخص بالغ ہوا اور اوسکے داڑھی نکل آئی یا عورت سے اوس نے جماع کیا تو اب یقینی طور پر وہ مرد ہے اور جو اوس کے پستان ابھر آئیں یا دودھ اُتر آیا یا حیض آگیا یا حمل رہ گیا یا اوس سے کسی شخص نے صحبت کی تو وہ عورت ہے اور اس وقت میں اشکال دفع ہو جائے گا اور وہ اب صرف خنثے ہے اور بلوغ کے بعد ان علامات میں سے کوئی ظاہر نہو یا ذکورت و انوثت دونوں کی علامات جمع ہو گئیں کہ داڑھی بھی نکل آئی اور پستان بھی بڑھ گئیں تو وہ خنثائے مشکل ہے۔

غرضکہ بلوغ کے بعد بھی کبھی اشکال باقی رہجاتا ہے چنانچہ محقق طوسی جو اثنا عشری شیعوں میں ایک نہایت زبردست عالم تھے اونکے عورتوں کی سی شرمگاہ بھی تھی اور مردوں کا سا عضو تناسل بھی رکھتے تھے اور دونوں عضوؤں کے استعمال سے مزہ پاتے تھے خوبصورت اور توانا و تندرست قوی الباہ آدمی پر عاشق ہو کر اوس سے صحبت کراتے اور اوسکے مجامعت کرنے سے حظ پاتے اور محقق موصوف کے پاس زوجہ بھی تھی جس سے خود بھی صحبت کرتے اور صاحب اولاد ہوئے۔

شرح لقیہ کے حاشیے پر مولوی عبدالحی لکھنوی نے اسی طرح لکھا ہے لیکن کسی تاریخ یا سوانح عمری کی کتاب سے اس بات کا پتا نہ چلا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ محقق موصوف نے جو تجرید میں بڑی بڑے صحابہ پر مطاعن کا باندھا ہے اوسکے رنج اور غیظ و غضب میں اہل سنت نے اون کی یون خبر لی ہے۔

جامع قانون شیخ بوعلی سینا نے اس بات کا مضحکہ اوڑایا ہے کہ ایسا خنثے بھی ہوتا ہے کہ عورتون کی طرح مردوں سے صحبت کراتا ہے اور مردون کی طرح آپ بھی عورتون سے صحبت کرتا ہے چنانچہ اپنی عبارت میں کہا ہے وقد بلغنی ان منهم من یاتی ویوتی وقلما اصدق هذا البلاغ یعنی مجھے خبر پہنچی ہے کہ بعضے خنثے ایسے بھی ہیں جو فاعل و مفعول دونون ہوتے ہیں مگر میں ایسی گپون کو بہت کم سچ جانتا ہوں۔

چونکہ علما کو خنثائے مشکل کی وراثت میں اختلاف تھا اس لئے مصنف نے اسکے لئے ایک علیحدہ فصل قائم کر کے کہا للخنثی المشکل اقل النصیبین اعنی اسوء الحالین یعنی خنثائے مشکل کو میراث میں وہ حصہ ملے گا کہ جو مرد و عورت دونوں کے حصونمیں سے کمتر ہوگا اس لئے مصنف نے اقل النصیبین کی تفسیر اسوء الحالین سے کی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جو دو حالتون میں سے بدتر حالت ہوگی خواہ کمتر حصہ یا محرومی وہی بدحالی اوسکے نصیب میں ہے تو اسوء الحالین فلسفہ یہ ہوا کہ دونوں کو شامل ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اگر مرد ٹھہرانے سے اوسے کم ملے یا کچھ نہ ملے تو اوسے مرد ٹھہرائینگے اور جو عورت ٹھہرانے سے اوسے کم ملے یا کچھ نہ ملے تو اوسے عورت ٹھہرائینگے۔

سوال۔ اقل النصیبین کی تفسیر اسورا لحالین کے ساتھ کرنے سے کیا فائدہ۔

جواب) اگر اقل النصیبین سے بدتر حالت ذکورت و انوثت کی مراد ہو تو حکم مسئلے کا ہم پر مشتبہ اور پوشیدہ ہو جائے اس صورت میں کہ خنثےٰ ذکورت و انوثت کی دو حالتوں سے ایک حالت میں تو وارث ہو اور دوسری میں محروم ہو چنانچہ میت شوہر اور حقیقی بہن اور علاتی خنثےٰ چھوڑے تو اس صورت میں اگر خنثےٰ کو عورت مانیں تو اوسکو سات سہام میں سے ایک سہم ملے گا اور اگر مرد فرض کیا جائے تو اوسکو کوئی چیز نہیں ملتی پس جب اقل النصیبین سے بدتر حالت مراد ہوگی تو حکم مذکور اس صورت کو بھی شامل ہوگا اس لئے کہ حرمان خنثےٰ کا ذکورت کی صورت میں بدتر حالت ہے نہ اقل النصیبین۔ عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالی یعنی یہ مذہب امام ابو حنیفہ کا ہے و اصحابہ اور یہی مختار اونکے اصحاب ابو یوسف و محمد کا ہے جیسا کہ مختلف الروایت میں فقیہ ابو اللیث نے اور شرح حاوی میں اسبیجانی نے اور کافی کی شرح میں سرخسی نے لکھا ہے ذخیرہ اور محیط میں بھی اسی طرح مذکور ہے لیکن مختصر قدوری اور اوسکی شرح اقطع اور ہدائے میں اسکے خلاف ذکر کیا ہے اس لئے کہ ان تینوں کتب میں آیا ہے کہ محمد ابو یوسف کے ساتھ ہیں اور ابو یوسف کا قول آئندہ کہ اونھوں نے بقیاس قول شعبی کے اختیار کیا ہے اور اون کا یہ آخری قول ہے جو قول اول کو کہ ابو حنیفہ کے موافق تھا ترک کرکے اختیار کیا ہے اور ابو یوسف کا یہ آخری قول ابو حنیفہ کے قول کے سراسر مخالف ہے جسکو ابو یوسف و محمد چھوڑ چکے ہیں پس مصنف کا تعمیم کے ساتھ کہنا کہ امام کے اصحاب بھی اونکے موافق ہیں درست نہیں کفایہ میں تحریر کیا ہے کہ عامہ روایات کتب میں امام محمد کا قول اس معاملے میں ابو حنیفہ کے ساتھ ہے حالانکہ صاحب ہدایہ نے اس کے خلاف بیان کیا ہے و ھو قول عامۃ الصحابۃ رضی اللہ تعالے عنھم اور جو کچھ امام ابو حنیفہ نے کہا ہے یہی قول عام صحابہ کا ہے و علیہ الفتوی یعنی خنثائے مشکل کی وراثت میں اسی پر فتوے ہے کہ جس میں اوس کا نقصان ہے وہی اوس کا نصیب ہے لما اذا ترک ابنا و بنتا و خنثی لخنثی نصیب بنت لانہ متیقن پنانچہ میت نے ایک بیٹا ایک بیٹی اور خنثائے مشکل چھوڑے تو یہان خنثی مذکور کو عورت اعتبار کرکے لڑکی کا حصہ دیا جائے گا۔

امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ یہان ابتدا سے مال ثابت کرنے کی حاجت ہے اور لڑکی کی میراث جو کمتر ہے یہ یہان یقینی ہے لیکن بالیقین اوس کا حصہ بیٹی سے کم نہیں ہو سکتا اور اس سے زائد میں شک ہے تو ہمنے یقینی حصے کو اوسکے لئے ثابت کرکے اسی پر مقصور کر دیا اسواسطے کہ شک کے ذریعے سے مال ثابت نہیں ہوتا ہے تو یہان مال کے چار حصے کرکے ایک حصہ یقینی خنثےٰ کے واسطے دیا اور ایک حصہ بیٹی کو دیا اور باقی دو حصے بیٹے کو دیدئے۔

واضح رہے کہ بدتری حال کے دو طور ہیں کچھ نہ ملے یا کم ملے پس اگر مرد ٹھہرانے سے کچھ نہ ملے یا نقصان پہنچے تو مرد ٹھہراوین کچھ نہ ملنے کی مثال۔

مسئلہ ۲

شوہر	علاتی بہن	علاتی خنثےٰ
۱	۱	م

اس مسئلے میں اگر خنثےٰ کو عورت قرار دیں تو علاتی بہنیں ذی فرض ہو کے چھٹا پاوین اور مسئلہ ۴ سے بلا رد عول کے ہو جائے اور جو مرد قرار دین تو وہ علاتی بھائی عصبہ ہو جائے اور ذوی الفروض سے جب کچھ نہ بچے تو عصبہ محروم رہتا ہے اس لئے خنثےٰ یہان مرد ٹھہرا پس خنثےٰ کو مرد قرار دیکے مسئلہ دو سے کیا جس میں سے آدھا کہ ایک سہم ہے شوہر کا حصہ ہے اور دوسرا نصف کہ وہ بھی ایک ہے علاتی بہن کو دیدینا چاہئے جب میراث میں سے کچھ باقی نہ رہا تو خنثےٰ کو کچھ نہ ملے گا۔

کم ملنے کی مثال

مسئلہ ۶

شوہر	مان	اخیافی بہن	علاتی خنثےٰ
۳	۱	۲	۱

یہان خنثےٰ کو مرد قرار دیں پس علاتی بھائی عصبہ ہوا اور اوسے ایک جو اصحاب فرائض سے بچ رہا تھا پہنچا اور اگر اوسے عورت قرار دیں تو علاتی بہن ذی فرض قرار پائے جو نصف کی مستحق ہے اور مسئلہ ۸ کی طرف عول کرے اور اس میں سے ۳ اوسے پہنچین پس یہان مرد ٹھہرانے میں خنثےٰ کا نقصان ہے اس لئے وہ مرد قرار پایا۔ اور عورت ٹھہراوین جب عورت ٹھہرانے سے کچھ نہ ملے جیسے

مسئلہ ۱

چچا کا بیٹا	چچا زاد خنثےٰ
۱	م

اگر خنثےٰ کو یہان مرد ٹھہراوین تو وہ بھی ایک چچیرا بھائی ہوا اوس کو مثل پہلے چچا کے بیٹے کے میراث ملے اور جو عورت ٹھہراوین تو وہ چچا کی بیٹی ہوا اور چچا کی بیٹی ذوی الارحام سے ہے اسے چچا کے بیٹے کے ساتھ کہ عصبہ ہے کچھ نہیں ملتا پس خنثےٰ کو یہان عورت قرار دینگے۔

یا کم ملے جیسے
مسئلہ ۳

بیٹا	خنثیٰ
۲	۱

یہاں خنثیٰ کو بیٹی ٹھہراویں گے پس ۳ سے مسئلہ ہو کے دو تو بیٹے کو ملینگے اور ایک خنثیٰ کو اور اگر اوسے بیٹا ٹھہراویں تو نصف کا مستحق ہو اس لئے یہاں بیٹی ٹھہری۔ اس پر وارد ہوتا ہے کہ خنثیٰ کے ساتھ میں بیٹے کو دو سہام ملنا یقینی نہیں ہے کیونکہ نصف سے زائد میں اوسکے واسطے شک ہی تو تمنے کیون اوسکے واسطے شک کے ساتھ ثابت کیا۔

واضح ہو کہ امام ابو حنیفہ کے صرف اقوال تو جسقدر صحیح اسناد سے پہنچے وہ امام کے اقوال ہیں اور رہے اون کے دلائل اور وجوہ استنباط و اجتہاد تو وہ خود امام سے منقول نہیں ہیں مگر بہت کم پھر صاحبین میں سے زیادہ تر امام محمد نے امام کے محل استنباط اکثر آثار و موطا وغیرہ میں بیان کئے ہیں اور باقی مشائخ نے استنباط کئے ہیں اس لئے امام اعظم کے دلائل کا انہیں بیانات پر منحصر ہونا یقینی نہیں ہو سکتا پس شاید امام کے واسطے دلائل اجتہادی اقوی ہوں جو معلوم نہیں ہوئے ہیں اور ہمارے نزدیک اس مقام پر تحریر دلیل یون اولے ہے کہ خنثیٰ یقینی طور پر بیٹے کی مانند نہیں اس طرح کہ اس کے ساتھ سوائے عضو تناسل و ذکر کے دوسری علامت نہو اگرچہ قوت ذکر کی وجہ سے مرد کے حکم میں ہو جائے پس اس کا نازل ہونا معلوم ہے اور تردد اس امر میں ہے کہ شاید وہ مرد کے حکم میں ہو جب یہ بات معلوم ہوئی تو ہم کہتے ہیں کہ خنثیٰ کے ساتھ میں بیٹا دو سہام کا اور خنثیٰ ایک سہم کا مستحق ظن غالب ہے اور خنثیٰ نصفا نصف کا مستحق بگمان مغلوب و مشکوک ہے اور مال ایسی چیز ہے کہ ظن غالب کے ساتھ ثابت ہو جاتا ہے چنانچہ دو گواہوں کی گواہی سے جو غیر آعادیا منلعون سے زیادہ نہیں ہے ثبوت ہو جاتا ہے پس بیٹے کے واسطے مال میں دو تہائی کا استحقاق پایا اور خنثیٰ کے واسطے بوجہ شک کے تہائی سے زیادہ کا استحقاق نہیں پایا کیونکہ شک سے مال ثابت نہیں ہوتا اور یہ ایسا ہوا جیسے کسی دوسرے سبب سے سوائے سبب میراث کے مال واجب ہونے میں شک ہو تو وہان بھی متیقن کو لیا جاتا ہے اور مشکوک کو چھوڑ دیا جاتا ہے پس اسی طرح سبب میراث میں بھی یہی حکم ہوگا اور مقدار متیقن کو لیا جائے گا اور مشکوک نہیں ثابت ہوگا لیکن اگر یہ صورت ہو کہ اگر ہم خنثیٰ کو لڑکا فرض کریں تو وہ سکو جسقدر ملتا ہے وہ کمتر حصہ ہو تو ایسی صورت میں خنثیٰ کو پسری حصہ دیدیا جائے گا کیونکہ یہی متیقن ہے اور یہ تردد نہو کہ لڑکا فرض کرنے میں اوسکے واسطے لڑکی کی برابر یا کمتر حصہ کیون ہوگا اس کا بھید یہ ہوتا ہے کہ بیٹی کا حصہ قرآن مجید میں مفروض ہے جبکہ

اوسکے ساتھ میں بیٹا ہو یعنی وہ عصبہ ہو مثلاً ایک کے واسطے نصف ہے اور دو یا زیادہ کے واسطے دو تہائی ہے اور رہا بیٹا تو وہ بہر حال عصبہ ہے کہ مفروضہ حصہ وارثوں کو دیکر جو کچھ بچے وہ سب بیٹے کے واسطے ہے پس ممکن ہے کہ مفروضہ حصہ دینے والو نکے حصے لڑکی کی برابر یا کم بچیں تو ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ اس سے کم نہیں ہوسکتا تو متیقن کی وجہ سے یہ دیدیا جائے اور اس کی صورت یہ ہے کہ مرنے والی عورت نے اپنا شوہر اور ماں اور ایک حقیقی بہن جو خنثےٰ ہے چھوڑی یا مرنے والے مرد نے اپنی بی بی اور اخیافی دو بھائی اور حقیقی ایک بہن جو خنثےٰ ہے چھوڑی ان دونوں صورتوں میں خنثےٰ کو دونوں حصوں سے کمتر ملتا ہے چنانچہ اول مسئلے میں شوہر کو نصف اور ماں کو تہائی دیکر باقی خنثےٰ کے واسطے اور دوسرے مسئلے میں بیوی کے واسطے چوتھائی اور دونوں اخیافی بھائیوں کے واسطے تہائی اور باقی اس خنثےٰ کے واسطے ہے پس یہ کل اسکو دیدیا جائے کیونکہ دونوں مسئلوں میں یہی دونوں حصوں میں سے کمتر ہے حالانکہ اگر اس کو بیٹی فرض کریں تو اسکے واسطے نصف ہوا اور دونوں مسئلوں میں اس کو نصف سے کم ملا اور یہی بیٹے کو ملتا کیونکہ وہ عصبہ ہوتا ہے کہ اہل فرائض کے بعد جو بچے وہ پاتا ہے تو اس کو دونوں مسئلوں میں یہی دیا جائے گا۔

پس خلاصہ حکم یہ نکلا کہ خنثےٰ اگر بیٹے کے ساتھ ہو تو اوس کو دختری حصہ ملے گا اور اگر ایسے وارثوں کے ساتھ ہو کہ اوسکو لڑکی فرض کرنے میں زیادہ ملتا ہے اور لڑکا فرض کرنے میں کم ملتا ہے تو اوسکو لڑکا فرض کرنے کا کمتر حصہ دیا جائے گا کیونکہ اصل جب یہ قرار پائی کہ مفروض متیقن ہے تو خنثےٰ کو کسی حال میں قوی کے مٹانے کی قوت نہوگی پس بیٹے کے ساتھ میں تو اوس کا حال بیان ہو چکا اور یہاں دوسرے اصحاب فرائض کے ساتھ میں ہم دیکھتے ہیں کہ ان کا مفروضہ قطعی ہے اور خنثےٰ میں تردد ہے اسواسطے لڑکی ہونا قطعی نہیں حالانکہ لڑکی فرض کرنے میں وہ اصحاب فرائض کے مال میں کمی کرتا ہے تو ہم نے اس کو نازل کردیا

وعند الشعبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عامر شعبی کے نزدیک جو تابعین سے ہیں اور امام ابو خلیفہ کے مشیوخ میں سے ہیں اور شعبی کے مطابق اوزاعی و ثوری و ابن ابی لیلےٰ و نعیم بن حماد و یحییٰ بن آدم نے بھی کہا ہے وھو قول ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما للخنثےٰ نصف نصیبین اور یہی قول ابن عباس کا ہے کہ خنثائے مشکل کو دونوں قسمت مذکورت والوں سے نصف نصف ملنا چاہیئے۔ بالمنازعۃ یعنی خنثائے مشکل اور باقی وارثوں میں منازعت کے سبب سے کیونکہ خنثےٰ کہے گا کہ میں مرد ہوں مجھے مرد کا سا حصہ دو اور دوسرے شریک کہینگے کہ تو عورت ہی تیرے لئے عورت کا سا حصہ چاہیئے اور ان دونوں قولوں سے ایک دوسرے پر مرجح نہیں ہے تو دونوں صورتوں میں اوس صورت پر عمل کیا جائے جو امکان میں ہو۔

شیخ الاسلام نے فرمایا ہے کہ اس بارے میں شعبی کے دو طریق ہیں (۱) ایک یہ کہ خنثائے مشکل میں ذکورت اور انوثت دونوں کے سبب جمع ہوں اور ایک کی ترجیح دوسرے پر ممکن نہو پس ہر سبب کے ساتھ توریث واجب ہے (۲) دوسرے یہ کہ جائز ہے کہ مرد ہو اور جائز ہے کہ عورت ہو۔ پس شعبی کہتے ہیں کہ اگر مرد ہے تو اوسکے لئے آدھی ذکورت ہے اور اگر عورت ہے تو اوس کے لئے آدھی انوثت ہے شعبی کا قول اس طرح رد کر دیا گیا ہے کہ اس صورت میں دو وصفت متضاد کا جمع کرنا لازم آتا ہے اور یہ محال ہے۔ پس عورت و مرد کے حصے میں سے کمتر دینے پر عمل واجب ہوا و اختلفا فی تخریج قول الشعبی ابو یوسف و محمد نے تخریج و تقریر قول شعبی میں اختلاف کیا ہے ہمارا زعم یہ ہے کہ حضرت شعبی کے قول پر امام ابو یوسف کا قیاس اقرب و اوجہ ہے قال ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ ابو یوسف نے اس مثال میں کہ میت پسر و دختر و خنثائے مشکل وارث چھوڑے کہا ہے اور شعبی کے قول کو یوں بیان کیا ہے للابن سهم وللبنت نصف سهم وللخنثى ثلثة اسباع سهم لان الخنثى يستحق سهما ان كان ذكرا ونصف سهم ان كانت انثى وهذا متيقن بیٹے کا ایک سہم ہے اور بیٹی کا نصف سہم اور خنثا کا یوں سہم ہے اس لئے کہ خنثا مرد ہونے کی تقدیر پر بیٹے کی طرح ایک سہم کا مستحق ہے اور عورت ہونے کی تقدیر پر بیٹی کی طرح آدھے سہم کا مستحق ہے اور یہ استحقاق متیقن ہے اور ان دونوں تقدیروں میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں ہے فیاخذ نصف النصیبین پس خنثا دونوں حصوں کا آدھا پائے گا کیونکہ خنثا الامکان دونوں تقدیروں پر عمل کیا جائے گا۔ پس اوس کا حق آدھا سہم اور آدھے کا آدھا سہم ہے او النصف المتيقن مع نصف النصف المتنازع فيه دوسری عبارت میں کہتے ہیں کہ صورت مذکورہ میں خنثائے مشکل نصف متیقن کو کہ دونوں تقدیر پر ذکورت و انوثت پر ثابت ہے لیگا اور ساتھ میں اوسکے نصف کے آدھے کو جس کی بابت اوس میں اور دوسرے وارثوں میں تنازع ہے لیگا اسلئے کہ یہ نصف اوسکے گمان میں ثابت ہے اور دوسرے وارثوں کے نزدیک ثابت نہیں فصارت له ثلثة اسباع سهم اس وجہ سے اوس کا حصہ یوں سہم ہو گیا ومجموع الانصباء سهمان وربع سهم اور مجموعہ وارثوں کے حصہ کا صورت مذکورہ میں سوا دو سہام ہو گا کہ جس میں سے بیٹے کا ایک سہم ہے اور بیٹی کا آدھا سہم ہے اور خنثا کا یوں سہم ہے جن کا مجموعہ ۲ ۱/۴ ہوا لانه يعتبر السهام والعول والقسم من تسعة اس لئے کہ ابو یوسف سہام اور عول کا اعتبار کرتے ہیں عول سے یہاں عول مصطلح مراد نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ سہام کو کسر کی طرف تحلیل کرتے ہیں کہ یہاں چہارم ہے اور جو کہ مجموعہ مسئلہ مذکورہ کا جیسا کہ اوپر مذکور ہوا دو سہام اور چوتھائی سہم ہے جب دو سہام کو چوتھائی سہم کی طرف پھیلایا اس طور پر کہ اوس کو چوتھائی کے مخرج میں کہ چار کا عدد ہے ضرب دیا تو

آٹھ چوتھائیاں حاصل ہوئیں اور اوس ایک چوتھائی کو بڑھانے سے نو (۹) چوتھائیاں جمع ہوگئیں پھر ان کسور کے عدد صحیح بنانے اَوْ تَقُوْلُ یعنی دوسری عبارت میں مسئلے کی تصحیح کے لئے ابو یوسف کی تخریج کے طور پر ہم کہتے ہیں۔

یہ عبارت شریفیہ کے چھاپے کے نسخے میں ہے ضوء السراج وغیرہ میں نہیں نہ سراجی کے قلمی نسخے میں ہے لیکن شریفیہ کے ایک قلمی نسخے میں بھی ہے اور دو قلمی نسخوں میں نہیں ہے۔ لَوْ کَانَ اَحَدُ الْمُنْفَرِدَاتِ یَسْتَحِقُّ جَمِیْعَ الْمَالِ اِنْ کَانَ ذَکَرًا وَنِصْفَ الْمَالِ اِنْ کَانَ اُنْثٰی اگر فریقوں میں سے ایک فریق تنہا ہوتا اور اوسکے ساتھ کوئی دوسرا وارث نہ ہوتا تو اوسکو مرد ہونے کی صورت میں تمام مال پہنچتا اور عورت ہونے کی حالت میں نصف مال ملتا اور اب چونکہ اوسکے ساتھ دوسرے وارث بھی موجود ہیں فَلَهُ نِصْفُهُمَا وَهُوَ ثَلٰثَةُ اَرْبَاعِ الْمَالِ وَلِلْاٰخَرِ نِصْفُ الْمَالِ وَلِلْاٰخَرَیْنِ نِصْفُ مَالٍ مَجْمُوْعُهُمَا مَالَانِ وَرُبْعُ مَالٍ عَوْلًا وَمُضَارَبَةً وَتَصِحُّ مِنْ اَرْبَعَةٍ پس ایسی حالت میں فریقوں کے لئے پسر اور دختر دونوں کے مجموعی حصوں کا نصف ہے کہ جو ایک سہم کے چار حصوں میں سے تین حصے ہوتے ہیں بیٹے کا ایک سہم ہے اور بیٹی کا اوّل حاصل سہم ہے ان تینوں کا مجموعہ دو سہم اور چوتھائی سہم (۲¼) یا سوا دو سہم ہیں عول اور مضاربت کے ہو جاتا ہے اور مسئلے کی تصحیح نو سے ہو جائے گی یہاں بھی عول سے مراد سہام کا کسر کی طرف کھولنا اور پھر کسور کو عدد صحیح بنا لینا ہے اور چونکہ یہاں ربع یعنی چوتھائی کی کسر واقع ہوئی ہے جس کا مخرج چاہئے تو دو کو مخرج کسر (یعنی ۴) میں ضرب دینے سے ۸ چوتھائیاں حاصل ہونگی اور اوس ایک چوتھائی کے اضافے سے مجموعہ چوتھائیوں کا نو ہو جائے گا اور ان کو پورے نو عدد مان لیا جائے گا جس میں سے پسر کو چار دختر کو دو اور فریق کو تین پہنچیں گے اَوْ بِنَیْ تیسری عبارت میں مسئلے کی تصحیح ابو یوسف کی تخریج کے مطابق جس کا مآل وہی ہے یوں بھی ہے تَقُوْلُ لِاَبْنِ سَهْمَانِ وَلِلْبِنْتِ سَهْمٌ وَلِلْفَرِیْقِ نِصْفُ النَّصِیْبَیْنِ وَهُوَ سَهْمٌ وَنِصْفُ سَهْمٍ ہم کہتے ہیں کہ بیٹے کے لئے دو سہم ہیں اور بیٹی کے لئے ایک سہم ہے اور فریق کے لئے بیٹی اور بیٹے کی دونوں حصوں کا اوّل حاصل ہے کہ ڈیڑھ سہم ہوا اور مجموع مسئلہ مذکورہ کا چار سہم صحیح اور اوّل حاصل یعنی ساڑھے چار سہم ہوا جب سہام کا بسط کسر کی طرف کیا جو نصف (½) ہے جس کی ترکیب یہ ہے کہ عدد صحیح کو کہ چار ہے کسر مذکور یعنی نصف کے مخرج میں کہ دو ہے ضرب دیا اور پھر کسر کو اوس پر بڑھایا تو نو نصف حاصل ہوئے۔

پھر ان کسور کے صحیح عدد بنانے تو پورے نو ہو گئے جس سے اس مسئلے کی تصحیح ہوتی ہے اس میں سے بیٹے کے چار سہم ہیں اور بیٹی کے دو اور فریق کے تین سہم ہیں۔

صورت مسئلے کی یہ ہے

مسئلہ ۴ تصحیح ۶

	بیٹا	بیٹی	خنثیٰ
	۲/۴	۱/۴	۱/۴
	۲	۱	۱
	۳		

وقال محمد رحمہ اللہ تعالیٰ اور تخریج قول شعبی میں محمد نے کہا ہے یاخذ الخنثیٰ خمسی المال ان کان ذکرا اگر خنثیٰ کو مرد اعتبار کیا جائے تو مال کے پانچ حصے کرکے اوس میں سے اوسکے لئے دو حصے ہیں اس لئے کہ اس تقدیر پر میت کے دو بیٹے اور ایک بیٹی ہوئی اس صورت میں مسئلہ پانچ سے ہوگا ان میں سے بیٹے کو دو سہام اور بیٹی کو ایک سہم دیا جائے گا اور خنثیٰ کو بھی مرد اعتبار کرلینے کی وجہ سے دو سہام ملینگے و ربع المال ان کان انثیٰ اور اگر خنثیٰ کو عورت اعتبار کیا جائے گا تو اوسکے لئے چوتھائی مال ہے اس تقدیر پر میت کی اولاد میں ایک بیٹا اور دو بیٹیاں ہونگی اسلئے مسئلہ چار سے ہوا جس میں سے بیٹے کے دو سہام اور ایک سہم بیٹی کا ہے اور ایک خنثیٰ کا کیونکہ خنثیٰ کو لڑکی مان لیا گیا ہے فیاخذ نصف النصیبین پس خنثیٰ کو ان دو حصوں میں سے نصف ملے گا اور وہ دو حصے یہ ہیں کہ ایک حصہ تمام مال کا چوتھائی ہے اور دوسرا حصہ تمام مال کے پانچ حصے کرکے اُن میں سے دو حصے ہیں وذلک اور دونوں حصوں کا دو آدھا کہ خنثیٰ کو ملے گا خمس وثمن پانچوان اور آٹھوان ہے اس لئے کہ ایک خمس نصف ہے دو خمس کا اور ثمن نصف ہے ربع کا باعتبار الحالین دونوں حالوں کے اعتبار پر اور وہ یہ کہ خمس نصف ہے دو خمس کا اور ثمن نصف ہے ربع کا تو ان کا مجموعہ اون دونوں حصوں کا آدھا ہوگا جو ذکورت وانوثت کی دونوں حالتوں کے مطابق ثابت ہیں وتصح من اثنین وعشرین اور محمد کی تخریج کی بنا پر مسئلہ چالیس سے تصحیح کو پہنچتا ہے وھو الجمع من ضرب احدی المسئلتین وھی الاربعۃ فی الاخریٰ وھی الخمسۃ اور یہ چالیس وہ عدد ہے جو دونوں مسئلوں میں سے کہ ایک ذکورت کا مسئلہ ہے اور دوسرا انوثت کا ایک کو دوسرے میں ضرب دینے سے حاصل ہوتا ہے جسکی تفصیل یہ ہے کہ ذکورت کا مسئلہ پانچ ہے اور انوثت کا مسئلہ چار ہے جب چار کو پانچ میں ضرب دیا تو دونوں کے ضرب دینے سے بیس حاصل ہوئے تصح فی الحالتین پھر اس حاصل ضرب یعنی بیس کو خنثیٰ کی ذکورت اور انوثت کی حالتوں میں کہ دونوں ضرب دینے سے چالیس حاصل ہونگے یہ تقریر بہت پیچیدہ ہے اس سے بھی مختصر قاعدہ اس مسئلے کی تصحیح کے لئے یہ ہے کہ پانچوں اور آٹھوں میں سے جو خنثیٰ کا حق ہے ایک کے مخرج کو لیکر دوسرے میں ضرب دیا جائے مثلاً خمس کا مخرج پانچ ہے اور ثمن کا آٹھ ہے تو پانچ کو آٹھ میں یا برعکس ضرب دینے سے چالیس حاصل ہوتے ہیں اور پھر ان چالیس میں سے

ہر وارث کا حصہ یوں بانٹا جائے گا فمن کان له شیئ من الخمسة فمضروب فی الاربعة ومن کان له شیئ من الاربعة فمضروب فی الخمسة فصارت للثمن من الثمنین ثلثة عشر سهما وللاربعة عشر سهما وللبنت تسعة اسهم یعنی جس وارث کو پانچ سے حصہ ملا تھا اوسکے حصے کو چار میں ضرب دین اور جس کو چار سے ملا تھا اوس کے حصے کو پانچ میں ضرب دیں پس دونوں ضربوں سے ثمنین کا حصہ ۱۳ سہم ہے اور بیٹے کا ۱۴ سہم ہے اور بیٹی کا نو سہم ہے اس طرح کہ ثمنین کے ذکورت کے مسئلے سے دو سہام تھے جب ان کو چار میں ضرب دیا آٹھ حاصل ہوئے اور انوثت کے مسئلے سے ثمنین کا ایک سہم تھا اس کو پانچ میں ضرب دیا پانچ ہی حاصل ہوئے آٹھ اور پانچ کا مجموعہ ۱۳ ہے کہ یہی اوس کا حصہ چالیس میں سے ہے اور بیٹے کے ذکورت کے مسئلے سے دو حصے ان کو چار میں ضرب دیا آٹھ حاصل ہوئے اور انوثت کے مسئلے سے بھی اوسکے دو حصے دو کو پانچ میں ضرب دیا دس حاصل ہوئے دونوں حاصل ضرب کا مجموعہ ۱۸ ہے جو اوس کا حصہ چالیس میں سے ہے اور بیٹی کا ذکورت کے مسئلے ایک تھا اس ایک کو چار میں ضرب دیا چار ہی حاصل ہوئے اور بیٹی کا انوثت کے مسئلے سے بھی ایک تھا اوسکو پانچ میں ضرب دیا تو پانچ ہی حاصل ہوئے جس کا مجموعہ نو ہے اور یہ چالیس میں سے بیٹی کا حصہ ہے۔

واضح رہے کہ ۱۳ سہام ثمنین کے اس مسئلے میں جیسا کہ پانچوان اور آٹھوان حصہ چالیس کا ہوتے ہیں اسی طرح اوسکے دونوں حصوں کا نصف بھی اوسکی دونوں حالتوں کے اعتبار سے ہوتا ہے اسلئے کہ اوس کا حصہ حالت ذکورت میں چالیس میں سے ۱۶ ہے جس کا نصف آٹھ ہے اور انوثت کی حالت میں اوس کا حصہ دس ہے اور دس کا آدھا پانچ ہے کہ ان دونوں کا مجموعہ بھی ۱۳ ہے پس دونوں تخریجوں میں فرق صرف طریقوں کے اعتبار سے ہے اور مآل ایک ہے مقصود میں کہ دونوں حصوں کا آدھا ہے کچھ فرق نہیں۔

واضح رہے کہ ایک کو دو مسئلوں سے دوسرے میں ضرب دینا اسی طرح ایک وارث کے حصے کو کہ جو دو مسئلوں سے ایک سے رہے دوسرے تمام مسئلے میں ضرب دینا اوس وقت ہے کہ دونوں مسئلوں تباین کی نسبت ہو اور توافق کی صورت میں ایک مسئلے کے وفق کو دوسرے میں ضرب دیں اور حاصل ضرب کو حالتین کے عدد میں ضرب دین اور ایک وارث کے حصے کو جو دونوں مسئلوں میں سے ایک سے پہنچتا ہے دوسرے مسئلے کے وفق میں ضرب دین۔

بعض علما نے کہا ہے کہ ابو یوسف اور محمد کے دونوں قولوں میں صرف طریق کا فرق ہے مقصود ایک ہے اس میں کوئی فرق نہیں لیکن ہم کہتے ہیں کہ مقصود میں بھی خلاف ثابت ہے جیسا کہ اس صورت میں ظاہر ہے کہ میت نے ایک بیٹا اور ایک خنثے چھوڑا اس لئے کہ اس وقت خنثے کو سات میں سے تین پہنچینگے جیسا کہ ابو یوسف نے تصریح کی ہے اس لئے کہ حمزہ کا

آدھا حصہ نصف سہم ہے اور عورت کا آدھا حصہ چوتھائی سہم ہے ان میں بسط کا عمل جاری کرینگے تو ان کے کسور ٹکے مخرج کو کہ دو اور چار ملکر چھ ہوتے ہیں ان ۶ کو کسر کی طرف تحلیل کرنے سے کسور ہو جائینگی اور پھر کسور رسے عدد صحیح مان لینگے اور خنثیٰ کے چوتھائی سہم کو پورا سہم قرار دے لیا جائے گا تو مجموعہ عول کے طور پر سات ہو جائے گا ان میں سے بیٹے کا حصہ چار سہم اور خنثیٰ کا حصہ تین سہم ہیں۔

محمد کے طریق کے موافق بارہ میں سے خنثیٰ کو پانچ ملینگے۔ اس لئے کہ اگر مرد ہے تو اوسکے لئے مال میں سے نصف ہے اور اگر عورت ہے تو اوسکے لئے مال میں سے تہائی ہے پس خنثیٰ کے لئے آدھے کا آدھا اور تہائی کا آدھا ہوا اور باقی بیٹے کے لئے ہے اور کسر حصہ اوس کا ۱۲ ہے اور بارہ کے آدھے کا آدھا تین ہے اور بارہ کی تہائی یعنی چار کا آدھا دو ہے تین اور دو ملکر پانچ ہوگئے ظاہر ہے کہ ابو یوسف کے قول کے مطابق خنثیٰ کا حصہ بہ نسبت محمد کے قول کے زیادہ ہوا کیونکہ سات میں سے تین بہ نسبت بارہ میں سے پانچ کے زیادہ پڑتے ہیں۔

ابو نصر بغدادی عرف اقطع نے مختصر قدوری کی شرح میں لکھا ہے کہ امام شافعی کہتے ہیں کہ خنثیٰ کے لئے بدترحالت اختیار کی جائے اور جو اوسکے حصے پر زائد ہو اوسی کو مال کو یہاں تک روکے رکھیں کہ یا تو خنثیٰ کے مرد وعورت ہونے کا فیصلہ ہو جائے یا وارث باہم صلح کرلیں تو جب بیٹے کے ساتھ خنثیٰ جمع ہو تو شافعی کے نزدیک خنثیٰ کے لئے تہائی اور بیٹے کے لئے نصف ہے اور چھٹا حصہ روک لیا جائے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ خنثیٰ کا مرد وعورت دونوں ہونا جائز ہے اس لئے اوس کے شریکوں کو شک کی حالت میں زیادہ دینا جائز نہیں ہے لیکن اس پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ یہ بھی کب جائز ہے کہ شک کی وجہ سے شریکوں کا حصہ گھٹا دیا جائے ابن کمال پاشا نے سراجی کی شرح میں اسی طرح لکھا ہے۔

لیکن فوائد الضیغیہ میں تحریر کیا ہے کہ شافعیہ کہتے ہیں کہ خنثیٰ کے اشکال کی وجہ سے دوسرے وارثوں کا حصہ نہ روکا جائے بلکہ اوسکے لئے حصہ متعین ولاکر باقی کو دوسرے وارثوں پر تقسیم کر دیں کیونکہ اون کا حق ورافت ہے۔

اور اسی کتاب میں یہ بھی آیا ہے کہ خنثیٰ کے حکم کی طرف حمل اور مفقود کی میراث مضاف ہے

فصل فی الحمل

فصل میراث حمل کے بیان میں

حمل کی فصل کو فطنہ کی فصل کے بعد اس لئے لائے کہ اس کا حال ولادت کے قبل فطنہ کی طرح دو حالتوں میں متردد ہے اکثر مدۃ الحمل سنتان عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ اکثر مدت حمل کی امام اعظم کے نزدیک دو سال ہیں امام کی دلیل یہ آیت ہے حملہ وفصالہ ثلثون شہرا اور طریقہ استدلال کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دو چیزیں ذکر فرمائیں ایک حمل اور دوم فصال اور دونوں کے واسطے ایک مدت مقرر فرمائی یعنی ثلثون شہرا یعنی دو برس اور چھ ماہ تو صاحبین نے دونوں کی مجموعی مدت دو برس چھ مہینے سمجھے اور امام نے الگ الگ تو یہ مدت ان دونوں چیزوں میں سے ہر ایک کے لئے پوری پوری ہوگی یعنی مدت حمل بھی دو برس چھ ماہ اور مدت فصال بھی دو برس چھ ماہ ہوگی جیسے دو قرضوں کے واسطے ایک مدت مقرر ہونے میں ہوتا ہے مثلاً حامد نے محمود سے کہا کہ میں تجھ سے ستر روپے گھوڑے کی قیمت کے قرض کے اور سو روپے نقد قرض کے ڈھائی برس کے بعد لوں گا تو ہر ایک قرض کے واسطے یہ مدت پوری ہوتی ہے اسی طرح ہر ایک حمل و فصال کے واسطے پورے ڈھائی برس مدت ہے لیکن دونوں سے ہر ایک کی مدت میں کمی کرنے والی دلیل قائم ہوگئی تو دوسری چیز کی مدت اپنے ظاہر بیان پر رہ گئی یعنی مدت حمل کے بارے میں حضرت عائشہؓ کی حدیث وارد ہے کہ لایبقی الولد فی رحم امہ اکثر من سنتین یعنی بچہ اپنی ماں کے پیٹ میں دو برس سے زیادہ باقی نہیں رہتا ہے اور اس طرح کی باتیں سوائے شارع کے بیان کے دوسری جگہ سے معلوم نہیں ہو سکتیں یعنی تعین مدت میں مجتہد کے اجتہاد کو دخل نہیں ہے تو یقیناً معلوم ہوا کہ بی بی صاحبہ نے آنحضرتؐ سے سنا ہوگا پس ایسی حالت میں قول صحابی کا قائم مقام حدیث کے ہوگا چنانچہ حافظ جو عسقلانی نے اس کو شرح نخبۃ الفکر میں مفصلاً بیان کیا ہے اور قول حضرت صدیقہ کا سنن دار قطنی و بیہقی میں جمیلہ بنت سعد کی روایت سے موجود ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آیت اپنے ظاہر بیان پر نہیں ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اگر ایک شخص کی موت سے دو برس کے بعد اوسکی بیوی سے بچہ پیدا ہوا تو بچے کا نسب اوس میت سے ثابت ہوگا یعنی وہ اوس میت کا بچہ قرار پائے گا اور اوس میت سے میراث ملے گی اور جو دو برس سے زیادہ مدت کے بعد پیدا ہوا تو اوس کا نسب اوس میت سے ثابت نہ ہوگا نہ اوسے میت سے میراث ملے گی اور نہ اوس سے باعتبار اوس قرابت کے اور کو میراث ملے گی وعند لیث بن سعد ثلث سنین اور لیث بن سعد فقہی کے نزدیک اکثر مدت حمل تین سال ہیں یہ ایک بڑے فقیہ گذرے ہیں تبع تابعین سے مستند لوگوں میں انکا شمار ہے وعند الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ اربع سنین اور امام شافعی کے نزدیک چار سال ہیں اور یہی امام مالک کا ممتار ہے شافعی کی ایک دلیل یہ ہے کہ ضحاک بادشاہ کی نسبت مروی ہے کہ وہ چار سال کے حمل کے بعد پیدا ہوا تھا اور اوس کے اگلے دانت ماں کے پیٹ میں نکل چکے تھے اور

عبدالعزیز ماجشونی[1] کی نسبت بھی روایت آئی ہے کہ اوسکی ماں کو چار سال حمل رہکر پیدا ہوا تھا اور عورات خاندان ماجشونی کی بابت ایسا شہور ہے کہ وہ چار سال کے حمل کے بعد بچہ جنتی تھیں اور دوسری دلیل یہ روایت ہے کہ ایک مرد دو سال تک اپنی عورت سے علیحدہ رہا اور پردیس میں بسر کی جب اپنے گھر واپس آیا تو عورت کو حاملہ پایا۔ حضرت عمرؓ نے اوس عورت کو زنا کا مرتکب سمجھکر سنگسار کرنا چاہا معاذ نے اُن سے کہا کہ تمکو اس عورت پر تو قدرت حاصل ہے مگر اسکے پیٹ کے بچے پر قدرت نہیں یہ بات سنکر حضرت عمرؓ نے اوس عورت کو رہا کر دیا جب بچہ پیدا ہوا تو اوس کے اگلے دانت موجود تھے اور اوسکے باپ کو اوسکے بچے کی نسبت ذرا شبہ نہ تھا خدا کی قسم کھا کر کہا کرتا تھا کہ یہ میرا نطفہ ہے اس سے حضرت عمرؓ نے اوس بچے کا نسب اوس آدمی کے ساتھ ثابت کر دیا باوجود اس کے کہ دو برس سے زیادہ کے حمل کا بچہ تھا کیونکہ دو برس تک تو وہ شخص پردیس میں رہا اور حمل اس سے قبل رہ چکا تھا اور آدمی کے کچھ دنوں کے بعد بچہ پیدا ہوا۔ اور اسکے بعد حضرت عمرؓ کہنے لگے کہ اگر معاذ نہ ہوتے تو عمرؓ ہلاک ہو جاتا۔

جواب پہلی دلیل کا یہ ہے کہ ضحاک اور عبدالعزیز کو کیا علم تھا کہ ہم اتنی مدت تک حمل رہنے کے بعد پیدا ہوئے اور نہ کوئی دوسرا آدمی رحم (بچہ دان) کے اندر کی حالت کو جانتا ہے اور یہ ممکن ہے کہ رحم کا منہ بند ہو جانے سے حمل کی سی حالت پیدا ہو جائے اور یہ مرض ہے پس ان دلیل پر اعتماد نہیں۔

بندہ نجم الغنی کہتا ہے کہ حیض کا بند ہو جانا اگرچہ حمل کی پہلی علامت ہے خصوصاً جبکہ حیض بند ہونے سے پہلے عورت تندرست ہو تو یہ قوی علامت ہے تاہم اور علامات بھی ہونی چاہئیں۔ مثلاً متلی بھی حمل کی علامت ہے جو اکثر صبح کو ہوتی ہے اور شروع ہی حمل یعنی ۱۵ روز یا تین ہفتے میں شروع ہوتی ہے۔ تیسری علامت حمل کی یہ ہے کہ تیسرے مہینے سے پستان بڑھنے لگتی ہیں۔ مئیں اور نشتر چبھونے کا سا درد ہوتا ہے اور اوس کی بھنیوں[2] (سرون) میں درد ہونے لگتا ہے اور شروع حمل سے چند ماہ بعد دبانے سے آبی رطوبت یا دودھ نکل آتا ہے چوتھی علامت یہ ہے کہ چوتھے مہینے کے خاتمے کے قریب بچہ شکم میں حرکت کرنے لگتا ہے مگر بعض اوقات تیسرے مہینے اور کبھی پانچویں اور شاذ و نادر چھٹے مہینے میں حرکت کرتا ہے شروع میں بچے کی حرکت ایسی معلوم ہوتی ہے کہ جیسے چھوٹی چڑیا پھڑکتی ہے مگر جب ماہ کے بعد جب بچہ قوی ہو جاتا ہے تو یہ حرکت کودنے کی سی معلوم ہوتی ہے اور مرض رجا میں اگرچہ عورت کو ایسی حالت پیدا ہو جاتی ہے جو حمل سے مشابہت رکھتی ہے

---

[1] منتہی الارب میں لکھا ہے کہ ماجشون ایک محدث کا لقب تھا۔ قاموس میں ہے ماجشون بضم جیم لقب معرب ماہ گون اسکے ترجمے موسوم بہ قاموس میں ہے ماجشون بضم جیم لقب اصل معرب ماہ گون یعنی تاج الملغات کی چوتھی جلد میں ہے

[2] فرہنگ آصفیہ میں ہے کہ بھٹنی سرپستان زنان کا نام ہے عربی میں حلمہ کہتے ہیں ۱۲۔

جیسے خون حیض کا رک جانا اور رنگ کا بیترہ پڑ جانا اور بھوک بند ہو جانا اور رحم کا منہ بند ہو جانا اور پستان کا بڑھ جانا لیکن حمل حقیقی اور رجا یعنی جھوٹے حمل میں یہ فرق ہے کہ رجا میں یہ شے جو متحرک ہوتی ہے وہ ایک ہی وقت متحرک ہو کر پھر حرکت نہیں کرتی اور پیٹ کی سختی بھی اس مرض میں زیادہ ہوتی ہے بہ نسبت اوس عورت کے پیٹ کے جو سچی حاملہ ہو بوعلی سینا نے قانون میں اسی طرح کہا ہے اوس کی عبارت یہ ہے۔

من العلامات المیزۃ بین الرجا وبین الحبل الحق ان ذلک الشیئ انما یتحرک وقتاً ما ثم بعد ذلک لا یتحرک وتکون صلابۃ البطن معہ اشد من صلابۃ بطن الحبلے بالولد الحق۔

دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ اوس عورت کے مرد کی نسبت جو مروی ہے کہ دو سال غائب رہا تھا اس سے مراد یہ ہے کہ دو سال کے قریب غائب رہا تھا اور نسب کا ثبوت عورت کے شوہر کے اقرار کی بنیاد پر تھا۔

میر سید شریف نے اس متن کی شرح میں اسی طرح لکھا ہے اور تجرید وغیرہ شیعوں کی علم کلام کی کتابوں میں معاذ کی جگہ حضرت علیؓ کا نام آیا ہے اور اسکو حضرت عمرؓ کے مطاعن میں بیان کیا ہے تحفۂ اثنا عشریہ میں کہا ہے کہ حضرت عمرؓ کو اوس عورت کے حاملہ ہونے کا حال معلوم نہ تھا اور حضرت علیؓ اس بات سے واقف تھے اونھوں نے حضرت عمرؓ کو متنبہ کر دیا حضرت عمرؓ نے بطور منت پذیری اور ادائے شکر کے کہا لولا علی لہلک عمر مطلب یہ ہے کہ اگر مجھکو وقوع حد اور ہلاکت جنین کے بعد اطلاع ہوتی کہ وہ عورت حاملہ تھی تو بے حد افسوس کرتا اور یہ بنرلے میری ہلاکت کے ہوتا اگر حضرت علی خبر نہ دیتے تو میں اس اندوہ و ملال میں ہلاک ہو جاتا یہاں تک تحفے کا مضمون ہے اب میں اپنی جانب سے کہتا ہوں کہ یہ حضرات شیعہ کا کیدہے کہ کہاں کی حکایت کو کس طرح بیان کیا جس کا اہل سنت کو شیعوں کے مزاج کی اصلاح کی غرض سے جواب دینا پڑا حالانکہ حضرت عمرؓ اوس عورت کے حاملہ ہونے سے واقف تھے اور حمل کو حمل حرام سمجھکر رجم کی سزا دینا چاہتے تھے تاہم یہاں یہ کلام ہے کہ حضرت عمرؓ کو اوسکے حمل کا حال معلوم نہوتا تو زنا کا مرتکب کیوں سمجھتے اور سنگسار کرنے کا کیوں ارادہ کرتے اور جبکہ خود اوسکے حمل کا حال جانتے تھے تو معاذ یا حضرت علیؓ کے متنبہ کرنے کے کیا معنے اور یہ خیال کرنا کہ وہ اس بات کی حقیقت سے ناواقف تھے کہ حاملہ کے رجم کرنے میں ایک بچے کا خون ناحق ہوتا ہے نہایت بعید ہے ایسا امام عالی مقام کہ عمر بھر سید انام کی صحبت میں رہکر معاملات کے مشورتوں میں شریک رہے اور خلیفۂ دوم کا تمام عہد اونکی صلاح وصوابدید میں بسر ہوا اول سے آخر تک تمام حدود وقضایائے شرعی اونکی آنکھوں کے سامنے گذرے اور ہاتھوں سے نکلے وہ ایک ایسی موٹی بات سے ناواقف ہوتے عقل سلیم اسکے ماننے میں تامل کرتی ہے

وعند الزہری سبع سنین اور زہری کے نزدیک اکثر مدت حمل سات سال ہیں قلہا ستۃ اشہر اگرچہ اکثر مدت حمل میں بہت اختلاف ہے لیکن مذہب سنت میں منقح یہ

یہ قول ہے کہ کمتر مدت چھ ماہ ہے۔ مروی ہے کہ ایک مرد نے کسی عورت سے نکاح کیا اور اوس عورت کے چھ ماہ کے بعد بچہ پیدا ہو گیا حضرت عثمانؓ نے اوسکو سنگسار کرنے کا ارادہ کیا۔ عبداللہ بن عباس نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ اگرچہ وہ عورت آپکے ساتھ کتاب اللہ کے استدلال سے جواب دہی نکر سکی لیکن میں اوسکی طرف سے پیروی کرونگا کہ رب العزت نے فرمایا ہے حملہ و فصالہ ثلثون شہرا یعنی حمل اور بچے کے دودھ چھڑانے کی مدت تیس مہینے ہیں اور یہ بھی ارشاد کیا ہے یرضعن اولادہن حولین کاملین یعنی مائیں اپنے بچوں کو دو برس کامل دودھ پلائیں۔ مطلب یہ ہے کہ بچے کا دودھ چھڑانا دو سال میں ہے اور جبکہ دو سال دودھ پلانے کے نکالڈالے گئے تو اس میں حمل کے لئے صرف چھ ماہ باقی رہ جاتے ہیں۔

یہ دلیل سنکر حضرت عثمانؓ نے عورت کی سزا دہی موقوف رکھی اور بچے کا نسب اوسکے باپ سے ثابت کر دیا اور مثل اسکے حضرت علیؓ سے بھی مروی ہے۔

اور ابن مسعود کی حدیث میں آیا ہے کہ رحم میں نطفہ قرار پکڑنے کے بعد چار ماہ گذر جاتے ہیں تو اوس میں جان پڑتی ہے اور جان پڑنے کے بعد دو ماہ کے عرصے میں دوسری سرشت مکمل ہو جاتی ہے اس وجہ سے چھ ماہ کے بعد بچے کا پیدا ہونا ممکن ہے۔

واضح رہے کہ منی کے رحم میں قرار پذیر ہو چکنے کے بعد اوس جمانے والی قوت سے جو مرد کی منی میں ہے اور جمنے والی قوت سے جو عورت کی منی میں ہے ایک تعلق پیدا ہوتا ہے اور چار نقطے مثل بلبلوں کے پیدا ہوتے ہیں ایک دل کی جگہ دوسرا دماغ کی جگہ تیسرا جگر کی جگہ اور ایک سب کو گھیرے ہوئے حرارت کی حفاظت کے لئے تاکہ اعضا کو تیار کرے پس اوس وقت رگوں کے منہ مل جاتے ہیں تاکہ بچے کے جگر کو غذا پہنچائیں اسے پہلی حالت کہتے ہیں جو ایک ہفتے تک رہتی ہے اس عرصے میں قوت متصرفہ مادے میں بے مدد رحم کے دخل دیتی ہے بعد اسکے سرخ جوڑ اور مجرے پیدا ہوتے ہیں اور جنین کی ناف میں حیض کا خون آتا ہے اسے دوسری حالت کہتے ہیں جو چار روز تک رہتی ہے اب گیارھویں روز علقہ ہو جاتا ہے جسکو تیسری حالت کہتے ہیں جو چھ روز تک رہتی ہے اسکے بعد مضغہ ہو جاتا ہے اور بعض اعضا بھی الگ الگ ہو جاتے ہیں اور ایک حصہ عمدہ خون حیوانی اور حیض سے اوس پر ٹپکتا ہے اور تیار ہوتا ہے اس واسطے کہ اللہ تعالے روح اوس میں داخل کریگا اسے چوتھی حالت کہتے ہیں جو بارہ دن تک رہتی ہے اور بعد اسکے مزاج مرد یا عورت کا ہو جاتا ہے اور سب اعضا بن چکتے ہیں اسے پانچویں حالت کہتے ہیں جو تین روز رہتی ہے بعد اس کے سب اعضا درست ہوتے ہیں اور رگیں اور جوڑ بن جاتے ہیں یہ بات لڑکوں میں جلد ہو جاتی ہے اور لڑکیوں میں دیر میں یعنی لڑکا تیس دن سے چالیس دن تک بنتا ہے اور لڑکی چالیس دن سے پچاس دن تک

قانون کا مصنف حسن بن عبداللہ بن سینا معروف بہ شیخ بو علی لکھتا ہے کہ وضع حمل یعنی بچہ پیدا ہونے کا زمانہ کم سے کم نصف سال کا ہے۔ بعض طبیب کہتے ہیں کہ جب جنین پر دو چند زمانہ اوس کی صورت یا بی کا گذر جائے حرکت کرنے لگتا ہے اور جب اوس کی حرکت کرنے کے زمانے سے دو چند زمانہ گذر جائے یعنی ابتدائے علوق سے سہ چند زمانہ گذر جائے اوس وقت اوسکی ولادت ہوتی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اگر کسی جنین کو ابتدائے علوق سے مثلاً تین مہینے کے بعد حرکت کرنے قوت پیدا ہو تو حرکت پیدا ہونے کے روز سے چھ مہینے گذر کر وہ پیدا ہوگا اور ابتدائی زمانہ علوق سے پورے نو مہینے کے بعد اوسکی ولادت ہوگی شش ماہہ بچہ اگرچہ اصل خلقت میں قوی ہے پھر بھی اوسکے تکون اور رحم میں خلقت کے تمام ہونے کا زمانہ قریب ہوتا ہے اس لئے ایسے بچے مرجاتے ہیں اس لئے کہ حرکات شدید کی برداشت ضعف خلقت میں کرسکتے ہیں یہاں تک خلاصہ ہے قانون کا دیوقف للحمل عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى تصيب اربعة بنين او اربع بنات ايهما اكثر ويعطى لبقية الورثة اقل الانصباء اور امام اعظم کا قول ہے کہ چار پسر یا چار دختر کا حصہ جو اس میں سے زیادہ ہو حمل کے لئے اٹھا رکھا جائے اور دوسرے وارثوں کو کمتر حصوں کا دیا جائے جیسا کہ ابن مبارک نے امام سے روایت کی ہے۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ ابھی تک چار بچوں تک ایک حمل میں پیدا ہونے کا کلی ثبوت ملا ہے اس سے زیادہ پیدا ہوتے نہیں معلوم ہوئے شریک نخعی نے کہا ہے کہ مینے کوفہ میں ابو اسماعیل کے ایک حمل کے چار بیٹے دیکھے تھے اور اس سے زیادہ کا پیدا ہونا ایک حمل میں متقدمین سے منقول نہیں اس لئے اسی قدر پر اکتفا کی ہے۔

مگر راقم الحروف نے اخبارات میں پانچ بچوں کے پیدا ہونے کی خبریں کئی بار پڑھی ہیں اور ایسے کے علاقے میں ملک کی تحصیل میں ایک چماری کے پانچ بچے پیدا ہوئے تھے چھوٹے چھوٹے تھے اور وہ پیدا ہوتے ہی مرگئے۔

فاضل احمد نگری نے لکھا ہے کہ قاضی قدوہ اپنے عہد کا شیخ اجل تھا اوسکے ایک بیٹا تھا جو حالت نوجوانی میں مرگیا اور حاملہ زوجہ چھوڑ گیا جس نے ایک تھیلی جنی کہ اوس کا منہ بند تھا اس تھیلی میں سے چار بیٹے اور ایک بیٹی نکلی یہ بیٹی بیٹوں کے درمیان میں اس طرح تھی جیسے درمیانی انگلی ہوتی ہے قاضی نے سجدۂ شکر ادا کیا اور اپنے شہر کے حاکم کو اس بات کی خبر دی حاکم نے اون کے دودھ پلانے کو چالیس عورتیں مقرر کردیں اور عالمگیر کو جو اوس وقت دکن کی مہم میں مصروف تھا اس واقعہ کی رپوٹ کی شہنشاہ نے قاضی کی اولاد کے لئے جاگیر میں گانون بخشے اور قاضی کو آدم ثانی لقب عطا کیا اوس کی یہ اولاد زندہ رہی اور بوڑھاپے تک عمر پائی۔

لیکن یہ حکایت غلط اور لغو ہے کیونکہ قاضی قدوہ عہد عالمگیری سے قبل گذرا ہے

وعند محمد رحمه الله تعالى يوقف نصيب ثلثة بنين او ثلث بنات ايهما اكثر وزاد عنه ليث بن سعد اور محمد کے نزدیک تین بیٹوں یا تین بیٹیوں کا حصہ جو کسی بھی زیادہ ہو اٹھا رکھا جائے جیسا کہ اوسنے لیث بن سعد سے روایت کی ہے لیکن امام محمد کی مبسوط کی شروح میں بس روایت کا پتا نہیں اور نہ عام روایات میں موجود ہے وفی رواية اخرى نصيب اثنين او ثلثتين دوسری روایت محمد سے یہ ہے کہ دو لڑکوں یا دو لڑکیوں کا حصہ جو کسی زیادہ ہو اوٹھا رکھا جائے وهو قول الحسن اور یہی قول حسن بصری کا ہے وذكر الطحاوي الرواية عن ابي يوسف رحمه الله تعالى وزاد عنه هشام اور اس امر میں ابو یوسف کے دو قول ہیں ایک یہی ہے کہ دو پسر اور دو دختر کا حصہ جو کسی زیادہ ہو اوٹھا رکھا جائے یہ روایت ہشام نے ابو یوسف سے کی ہے وروى الحصاف عن ابي يوسف رحمه الله تعالى انه يوقف نصيب ابن واحد او بنت واحدة اور حصاف نے ابو یوسف سے یوں روایت کی ہے کہ حمل کے واسطے ایک بیٹے یا بیٹی کا حصہ اٹھا رکھا جائے یعنی ان میں سے جس کا حصہ زیادہ محتمل ہو وہی روک رکھا جائے اگر مرد کا حصہ زیادہ ہو بقدر حصہ مرد کے اور اگر عورت کا حصہ زیادہ ہو تو بقدر حصہ عورت کے وعليه الفتوى اور اسی قول پر فتوے ہے کیونکہ اکثر ایک ہی پیدا ہوا کرتا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اگر کوئی شخص زوجہ حاملہ چھوڑ کر مرجائے اور ترکے کی تقسیم اوسکی ولادت سے قبل کی جائے تو ایسی صورت میں حمل کو وہ ٹھہراویں جو اوسکے حق میں بہتر ہو اگر مرد ٹھہرانے سے اوسے زیادہ ملے تو مرد ٹھہرا کر ایک مرد کا حصہ اوسکے لئے رکھ چھوڑیں اور باقی ترکہ وارثوں پر تقسیم کردیں اور جو اوسے عورت ٹھہرانے سے زیادہ ملے تو عورت ٹھہرا کر ایک عورت کا حصہ اوسکے لئے رکھ چھوڑیں اور باقی ترکہ وارثوں پر تقسیم کردیں مرد ٹھہرانے سے زیادہ ملنے کی مثال

مسئلہ ۸ تصحیح ۱۶

زوجہ	بیٹا	حمل بیٹے کا
۲	۷	۷

اس صورت میں اگر حمل مرد ہو یعنی بیٹا ٹھہراویں تو بعد دینے زوجہ کے نصف باقی کا مستحق ہو اور بجز عورت یعنی بیٹی ٹھہراوین تو ثلث باقی کی مستحق ہو اس لئے یہاں بیٹا ٹھہرا کر ایک بیٹے کا حصہ یعنی نصف باقی اوسکے لئے رکھ چھوڑینگے عورت ٹھہرانے سے زیادہ ملنے کی مثال

مسئلہ ۶ تصحیح ۸

شوہر	ماں	اخیافی بہن	حمل علاتی بہن کا
۳	۱	۱	۳

اس صورت میں اگر حمل کو عورت یعنی علاتی بہن ٹھہراویں تو ذوی الفروض میں سے ہو اور نصف یعنی تین کی مستحق ہو اور مسئلہ ۶ سے ۸ کی طرف عول کرے اور جو مرد یعنی علاتی بھائی ٹھہراویں تو عصبہ ہو اور ایک باقی کا کہ ۶ کا سدس ہوتا ہے مستحق ہو اس لئے یہاں علاتی بہن ٹھہرا کر ایک علاتی بہن کا حصہ یعنی نصف رکھ چھوڑیں گے **ویدخل الکفیل** اور وارثوں سے ضامن سے لینا چاہئے اس بات کے لئے کہ اگر حمل ایک سے زیادہ متولد ہو مثلاً دو بیٹے پیدا ہوں یا دو بیٹیاں تو استحقاق ان کا اوس قدر سے جو رکھ چھوڑا گیا ہے زیادہ ہوگا۔ پس ضامن اس امر کا کفیل ہوا کہ جس قدر اور استحقاق حمل کا ہوگا وارثوں سے واپس کرا دیگا **قوله** یعنی مذکورہ بالا کفیل لینے کی بات خصاف کی روایت سے ابو یوسف کے قول کے موافق ہے اور حق یہ ہے کہ بوجہ احتیاط کے کفیل کا لینا امام ابو حنیفہ اور محمد کے نزدیک بھی مناسب ہے جبکہ خنثے کے معاملے میں ابو حنیفہ و محمد کفیل کا لینا مناسب سمجھتے ہیں تو حمل میں تو زیادہ ضرورت اس بات کی ہے بلکہ ابو یوسف بھی پہلے یہی فرماتے تھے کہ جب کسی میت نے ایک بیٹا اور خنثے کو چھوڑا تو قاضی کو چاہیئے کہ ایک تہائی مال خنثے کو اور دو تہائی لڑکے کو دلا کر ضمانت لیلے کہ اگر خنثے میں علامات ذکورت کی پیدا ہو جائیں تو جسقدر نصف سے زیادہ بیٹے کو ملا ہے وہ اس سے واپس کرا دے اور خنثے کو دلا دے۔

فان کان الحمل من المیت وجاءت تلک المیت بالولد لتمام اکثر مدۃ الحمل او اقل منهما ولم تکن اقرت بانقضاء العدۃ یرث ویورث عنه پس اگر حمل میت سے ہے اس طرح کہ میت نے حاملہ عورت چھوڑی اور عورت نے اختتام مدت حمل کے بعد کہ دو برس ہیں یا اقل مدت حمل کے بعد کہ ۶ ماہ ہیں بچہ جنا اور اوسنے اقرار عدت کے گذرنے کا مدت مذکور میں نکیا ہو تو یہ بچہ میت کا وارث مانا جائے گا اور اسی طرح میت کے رشتہ داروں کا وارث ہوگا اور میت کے رشتہ دار اوسکے وارث ہونگے یعنی اوس کا نسب اس میت سے ثابت ہوگا کہ اس میت کا فرزند قرار پائے گا۔

مطلب یہ ہے کہ بچے کو اوس میت سے میراث ملے گی اور باعتبار اوس قرابت کے اور کو اوس سے میراث ملے گی اس لئے کہ استحقاق میراث میں وجود نطفے کا رحم میں میت کی موت کے وقت شرط ہے اور جبکہ زن حاملہ نے باوصف ثبوت حمل کے اقرار انقضاء عدت کا نکیا تو اوس وقت میں موجود ہونے کا حکم کیا جائے گا **وان جاءت بالولد لاکثر من اکثر مدۃ الحمل لا یرث** اور اگر عورت بچہ اکثر مدت حمل سے بھی زیادہ عرصے میں جنے گی تو وہ فرزند میت کا وارث نہ مانا جائے گا اور نہ اوس سے باعتبار اوس قرابت کے کسی اور کو میراث ملے گی اور اوس کا نسب اوس میت سے ثابت نہوگا اس لئے کہ اکثر مدت حمل گذر چکنے کے بعد جنا دلیل اسکی ہے کہ میت کی موت کے بعد اوس کا نطفہ رحم مادر میں قرار پایا ہے اسی طرح عورت نے درمیان مدت حمل کے عدت کے گذر جانے

کا اقرار کر لیا ہو جس مدت میں عدت کا گذرنا متصور بھی ہو اور اقرار کے بعد مدت حمل میں بچہ جنے تو وہ بچہ وارث نہیں ہو سکتا اس لئے کہ عورت کے اقرار سے معلوم ہوا کہ میت کا نطفہ نہیں ہے ۔ ان کان من غیرہ وجاءت بولد لستۃ اشہر فاقل منہا یرث اور اگر میت حمل اپنے کسی عزیز کا چھوڑے اور بچہ چھ ماہ یا اس سے کم کے بعد حاملہ بنے تو وہ میت کا وارث ہوگا اس لئے کہ اوس کا وجود میت کی موت کے وقت مان کے شکم میں متحقق تھا ۔ وان جاءت بہ لاکثر من اقل مدۃ الحمل لا یرث اور اگر وہ حاملہ بچہ کمتر مدت حمل سے کہ چھ ماہ ہیں زیادہ عرصے میں جنے تو ایسا بچہ وارث نہیں ہو سکتا اور نہ کسی اور کو باعتبار اس قرابت کے اوس سے میراث ملے گی اس لئے کہ اس کا نطفہ رحم مادر میں موت کے وقت متعین نہیں اور موت کے وقت تقدیر وجود نطفہ کے واسطے کوئی ضرورت داعی نہیں ہے اس لئے کہ نسب اوس کا غیر میت سے ثابت ہے برخلاف اسکے کہ اگر حمل میت سے ہوتا اس لئے کہ ایسی حالت میں اوسکے وجود کی تقدیر موت کے وقت اثبات نسب کے لئے ضرور رہے اور پیدا ہونے کے وقت حمل کی زندگی پہچاننے میں اختلاف ہے پس اس میں دو قول ہیں (۱) یہ کہ زندگی کی ہر علامت سے حیات ثابت ہو جائے جیسے رونا دودھ پینا سانس لینا چھینکنا وغیرہ یہی حنفیہ اور شافعیہ کا قول ہے (۲) یہ کہ کسی علامت سے زندگی کا حکم نہیں دیا جائے گا سوائے استہلال یعنی چلا کر رونے کے اور یہی مذہب امام مالک کا اور امام احمدؒ کی روایت ہے ۔

ابو داؤد نے ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ حضرتؐ نے فرمایا اذا استہل المولود ورث یعنی جبکہ بچہ آواز کرے تو وارث کیا جاتا ہے اور سعید بن مسیب سے احمد بن حنبل نے اپنے بیٹے عبد اللہ کی روایت میں کہا ہے قضے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لا یرث الصبی حتے یستہل یعنی حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا کہ بچہ جب تک کہ آواز نکرے وارث نہیں ہوتا یہ دونوں حدیثیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ بچہ جبکہ آواز کرے یا اسی قسم کی کوئی بات بچے سے پائی جانے کے بعد وہ مر جائے تو اوس کے قریبی رشتہ دار اوس کے وارث ہوتے ہیں اور وہ ان کا وارث ہوتا ہے اور اس میں کسی کا خلاف نہیں ہے ہاں اوس کی زندگی کی شناخت میں جیسا کہ ہمنے اوپر بتایا ہے اختلاف ہے اہل ظواہر کہتے ہیں کہ اوسکی زندگی آواز یا حرکت سے معلوم ہو سکتی ہے اور یہی قول کرخی کا ہے اور حضرت علیؓ اور زفر اور شافعیؒ سے بھی یہی روایت کیا گیا ہے اور ابن عباس اور جابر بن عبد اللہ اور شریح اور نخعی اور مالک اور اہل مدینہ سے روایت کی گئی ہے کہ بچہ جب تک چلا کر آواز نکرے وہ وارث نہیں ہوتا اور شرح ابانہ میں ہے کہ استہلال ہادی وغیرہ کے نزدیک حرکت یا آواز ہے اور ناصر اور امام مالک کے نزدیک فقط آواز ہے اور امام ابو حنیفہ اور ابو طالب سے بھی یہ ایک روایت ہے

اور اس کے ثبوت کے واسطے ہادویہ کے نزدیک ایک عادل عورت کی خبر کافی ہے اور امام مالک کے نزدیک دو عادلوں کی شہادت اور امام شافعی کے نزدیک چار عادلوں کی شہادت سے ثابت ہے فان خرج اقل الولد ثم مات لا یرث اور اگر مولود کا پیدائش کے وقت نصف بدن سے کم نکلا ہو اور مر جائے گو علامات مذکورہ (جیسے سانس لینا یا رونا یا کوئی حرکت کرنا) ظاہر بھی ہوئی ہوں وہ وارث نہ ہوگا کیونکہ اکثر بدن موت کے بعد برآمد ہوا اوس کو مردہ اور غیر وارث تصور کیا جائے گا فان خرج اکثرہ ثم مات یرث اور اگر نصف بدن سے زائد نکل آوے یا نصف کامل نکل آوے اور ان علامات مسطورہ سے کوئی ایک علامت ظاہر ہو تو اوس کو زندہ اور وارث تصور کیا جائے گا فان خرج الولد مستقیما فالمعتبر صلب رأسہ الی ان خرج النصف رجلہ یرث اگر بچہ سیدھا پیدا ہوا تو تمام سینہ نکلنا معتبر ہے یعنی جب تک تمام سینہ نہ نکل آیا تو وہ وارث ہے۔

مصنف کی غرض یہ ہے کہ سینہ نکلنے تک زندہ رہ کر مر گیا تو ایسی حالت میں وہ بچہ وارث مانا جائے گا بشرطیکہ کوئی علامت ظاہر ہو تمام سینہ نکلا تو نصف پیٹ بھی نکل آیا تصور کیا جائے گا سیدھا پیدا ہونے سے مراد سر سے پیدا ہونا ہے وان خرج منکوسا فالمعتبر صلب رأسہ اور اگر الٹا پیدا ہوا تو ناف تک نکلنا شرط ہے پس اگر ناف نکلنے تک زندہ ہو بعد مر جائے تو وہ وارث ہے اگر ناف تک نہ نکلے یا تمام سینہ باہر نہ آئے تو وارث نہ ہوگا گو علامات ظاہر ہوں منکوس نکلنے سے مراد یہ ہے کہ پیر سے پیدا ہو۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ بچہ یا سیدھا پیدا ہوتا ہے کہ پہلے اوس کا سر نکلتا ہے پھر باقی بدن یا الٹا پیدا ہوتا ہے کہ پہلے پاؤں نکلتے ہیں پھر باقی بدن پس اگر پیدا ہونے میں بچہ مر گیا تو اوس کا حکم یہ ہے کہ اگر سیدھا پیدا ہوا اور سینہ نکلنے تک زندہ رہا ہے تو وہ وارث ہوگا اور اگر الٹا پیدا ہوا اور ناف نکلنے تک زندہ تھا تو وارث ہوگا اور اگر پہلی صورت میں فقط سر نکلنے ہی تک زندہ تھا اور سینہ نکلنے سے پہلے مر گیا اور دوسری صورت میں پاؤں نکلنے تک زندہ تھا ناف نکلنے سے پہلے مر گیا تو وارث نہ ہوگا الاصل فی تصحیح مسائل الحمل ان تصحح المسئلۃ مرۃ تقدیرین اعنی مرۃ تقدیر ان الحمل ذکر ومرۃ تقدیر انہ انثی اور قاعدہ تصحیح مسائل حمل میں یہ ہے کہ مسئلے کی تصحیح دو اعتبار سے کی جائے ایک ذکورت حمل کے اعتبار سے اور دوسری انوثت حمل کے اعتبار سے ثم ینظر فیہما تصحیح المسئلتین فان توافقا بجزء فاضرب وفق احدھما فی جمیع الآخر اس کے بعد دونوں تصحیحوں کے درمیان نظر کی جائے اگر دونوں میں توافق کی نسبت ہے تو اس صورت میں ایک تصحیح کے وفق کو دوسری تمام تصحیح میں ضرب دو وان تباینا فاضرب کل واحد منہما فی جمیع الآخر فاصل تصحیح المسألۃ اور اگر دونوں تصحیحوں میں تباین ہو تو پوری ایک تصحیح کو دوسری تمام تصحیح میں ضرب دو تو حاصل ضرب سے مسئلہ حمل کی

تصحیح ہو جائے گی۔

اب ہر وارث کا حصہ اوس تصحیح سے جاننے کا قاعدہ یہ ہے انظر اضرب من کان له شیئ من مسئلة ذکورته فی مسئلة انوثته او فی وفقها ومن کان له شیئ من مسئلة انوثته فی مسئلة ذکورته او فی وفقها کما فی المسئلتین انظر فی الحاصلین من الضرب ایهما اقل یعطی لذلک الوارث والفضل الذی بین هما موقوف من نصیب ذلک الوارث یعنی جس وارث کو مسئلہ ذکورت حمل سے جو کچھ پہنچے اوس کو تباین کی صورت میں مسئلہ انوثت حمل میں اور توافق کی صورت میں مسئلہ انوثت حمل کے وفق میں ضرب دو اور نیز جو کچھ مسئلہ انوثت حمل سے پہنچے اوسکو تباین کی صورت میں مسئلہ ذکورت حمل میں اور توافق کی صورت میں وفق مسئلہ ذکورت حمل میں ضرب دو جیسا کہ ابھی کی بحث میں گذرا پھر دونوں حاصل ضرب میں غور کرو پس جو کچھ اون دونوں میں سے کمتر ہو وارثوں کو دیدیں اس لئے کہ وارث کا استحقاق کمتر کے لئے یقینی ہے اور جو کچھ اُن دو حاصل سے زیادہ نکلے اوسکو اوس وارث کے حصہ سے روک لیا جائے اس لئے کہ مستحق مشتبہ ہے کہ حمل ہے یا غیر حمل پس اوسکو موقوف رکھا جائے شبہ زائل ہونے کے وقت تک جیسا کہ میر سید شریف نے اپنی شرح میں لکھا ہے اور اس میں نظر ہے اس لئے کہ حمل غیر حمل کا شبہ ولادت سے پہلے بھی دفع ہو جاتا ہے کیونکہ چوتھے مہینے کے خاتمے کے قریب بچہ شکم میں حرکت کرنے لگتا ہے مگر بعض اوقات تیسرے مہینے اور کبھی پانچویں اور شاذ و نادر چھٹے مہینے میں حرکت کرتا ہے پس یہ کہنا چاہیے تھا کہ اس بات کا شبہ زائل ہو جائے کہ حمل لڑکی ہے یا لڑکا اور ایک ہے یا ایک سے زیادہ فاذا ظهر الحمل فان کان مستحقا جمیع الموقوف فبها پس جب بچہ پیدا ہوا اور وہ تمام روکے ہوئے مال کا مستحق ہے تو بہتر ہے اور اگر ایسا شخص پیدا ہوا کہ اوسے کچھ نہ ملتا ہو مثلاً حصہ بھائی کے بیٹے کے لئے کچھ چھوڑا تھا اور بھائی کی بیٹی پیدا ہوئی اس مثال میں

مسئلہ ۸

بیوی	بھائی کا بیٹا	حمل بھائی کے بیٹے کا
۲	۳	۳

پس یہ کل حصہ داروں پر منقسم ہو جائے گا اور اس مولود کو کچھ نہ ملے گا۔

وان کان مستحقا للبعض فیاخذ ذلک والباقی مقسوم بین الورثة فیعطی لکل واحد من الورثة ما کان موقوفا من نصیبه اور اگر مولود مستحق بعض روکے ہوئے مال کا ہو تو وہ مولود کو دیکر باقی کو دوسرے وارثوں پر تقسیم کر دیں

اور جس وارث کو جس قدر پہنچتا ہو وہ اوسکو دیدیں اوسکے روکے ہوئے حصے میں سے۔
مسئلہ ذکورت و انوثت حمل کے درمیان توافق ہونے کی مثال یہ ہے کما اذا ترک ابوین
وابوین وامرأۃ حاملا فالمسئلۃ من اربعۃ وعشرین علی تقدیر ان
یکمل ذکر اگر مرد نے ایک بیٹی اور اپنے ماں باپ اور زوجۂ حاملہ کو چھوڑا تو اس
جگہ بوجہ زوجہ کا حصہ ثمن اور ماں باپ کا حصہ ایک ایک سدس جمع ہونے کے مسئلہ ۲۴ سے
صحیح ہوگا اگر پیٹ کے بچے کو مرد فرض کیجئے تو پس زوجہ کو آٹھوان کر تین ہیں اور ہر ایک کو والدین
سے چھٹا کر چار ہیں اور بیٹی کو حمل ذکر کے ساتھ باقی کہ تیرہ ہیں عصوبت کی وجہ سے پہنچینگے تو ان
تیرہ میں اس طرح تقسیم ہوگی کہ مرد کو دو حصے عورت سے ملے گا ومن سبعۃ وعشرین
علی تقدیر انہ انثی اور باعتبار انوثت حمل کے بسبب جمع ہونے ثمن اور دو سدس اور
دو ثلث کے بھی مسئلہ ۲۴ سے ہوکر ۲۷ کی طرف عول کریگا اس واسطے کہ دو بیٹیوں کے
واسطے دو ثلثان فرض ہیں اور ۲۴ سے اس وجہ سے مسئلہ ٹھہرا ہے کہ ثمن زوجہ کا والدین
کے دو سدس کے ساتھ مختلط ہوا تو اگر بچہ مرد ہو تو ۲۴ میں سے زوجہ کا حصہ ۳ سہم ہیں اور
والدین کا حصہ آٹھ سہم ہیں کہ چار ماں کے ہیں اور چار باپ کے باقی رہے تیرہ وہ بھائی
بہن کے ہیں اس میں سے بھائی کے دو حصے اور بہن کا ایک حصہ ہے اور جب کہ حمل
کو عورت مانا جائے گا تو مسئلہ ۲۷ سے صحیح ہوگا کیونکہ دونوں بیٹیوں کو ۱۶ ملنے چاہئیں
اس لئے مسئلہ ۲۴ سے ۲۷ کی طرف عول کریگا اور مسئلہ منبریہ بن جائے گا ان ۲۷ میں سے
ماں باپ میں سے ہر ایک کو چار چار سہام ملینگے اور زوجہ کو ۳ سہام پہنچینگے اور دختر کو عورت
کے حمل کے ساتھ ۱۶ سہام۔
جبکہ ہمنے دونوں تصحیح کی جانب کہ ایک ۲۴ ہے اور ایک ۲۷ غور کی تو انمیں توافق بالثلث
کی نسبت پائی فاذا ضرب وفق احدھما فی جمیع الآخر پس جبکہ ایک کے وفق
کو دوسرے کے تمام میں ضرب دیا یعنی ۲۴ کی تہائی کہ آٹھ ہیں ان کو ۲۷ میں ضرب دیا
گیا صار الحاصل اثنین وتسعۃ عشر تو حاصل ضرب ۲۱۶ ہوئے کہ اس سے مسئلے
کی تصحیح ہوتی ہے اذ علی تقدیر ذکورتہ للمرأۃ سبعۃ وعشرون وللابوین
لکل واحد ستۃ وثلثون اور اس تصحیح سے حمل کے مذکر اعتبار کرنے کی تقدیر پر بیوی
کو ۷ ۲ سہام پہنچتے ہیں اور ماں کو ۳۶ اور باپ کو بھی ۳۶ سہام اس لئے کہ زوجہ کے مسئلہ
ذکورت سے ۳ سہام تھے اور جبکہ اون کو وفق تصحیح مسئلۂ انوثت یعنی نو میں ضرب دیا تو ۲۷
ہوئے اور والدین میں سے ہر ایک کے چار چار سہام تھے جب چار کو نو میں کہ وفق ہے
ضرب دیا ۳۶ ہوئے وعلی تقدیر انوثتہ للمرأۃ اربعۃ وعشرون ولکل
واحد من الابوین اثنان وثلثون اور انوثت حمل کے اعتبار سے جورو کو ۲۴
سہام پہنچتے ہیں اور ہر ایک کو والدین میں سے ۳۲-۳۲ اسلئے کہ مسئلہ انوثت سے

زوجہ کے تین سہام تھے جبکہ اس کو وفق مسئلہ مذکورہ میں کہ ۸ ہوتے ہیں ضرب دیا ۲۴ ہوئے اور والدین میں سے ہر ایک کے چار چار سہام تھے جب چار کو اسی وفق میں کہ ۸ ہیں ضرب دیا تو ۳۲ ہوئے فتعطی للمرأۃ پس عورت کو اس دو حاصل میں سے کہ ایک ۷ ہے حمل ہے مذکر ہونے کی تقدیر پر اور دوسرا ۴ ہے حمل کے مونث ہونے کی تقدیر پر اربعۃ وعشرین ۲۴ دیئے جائینگے کہ وہ کتر ہے وتوقف من نصیبھا ثلثۃ اسھم اور ان سہام کو کہ دونوں حاصل کے درمیان سے زیادہ ہے زوجہ کے حصے میں سے حمل کی انکشاف حال تک روک رکھینگے۔ ومن نصیب کل واحد من الابوین اربعۃ اسھم اور ہر ایک کو ماں باپ میں سے دو حاصل کے درمیان سے کہ اُن کا حصہ ہے کہ حمل کے مذکر ہونے کی تقدیر پر یہ حصہ ۳۶ تھا۔ اور مؤنث ہونے کی تقدیر پر ۲۴ کمتر حصہ کہ ۳۲ ہی ایک ایک کو دیکر ان کے بڑے حصے میں سے چار چار سہام انکشاف حال حمل تک روک جائینگے۔ اور حمل کو زوجہ اور ماں باپ کی حق میں دختر اعتبار کیا گیا ہے وتعطی للبقیۃ ثلثۃ عشر سہما اور ۲۱۹ سہام میں سے ۱۳ سہام بیٹی کو دیئے جائینگے لان الموقوف فی حقھا نصیب اربعۃ بنین عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ سلمہ کہ امام بوحنیفہ کے نزدیک بیٹی کے حق میں موقوف چار پسروں کا حصہ ہے کیونکہ امام ممدوح کے نزدیک کمتر حصہ بیٹی کا اسی تقدیر پر متحقق ہے نہ چار دختروں کی تقدیر پر۔

سوال بیٹی کے حق میں تو حمل کو متعدد قرار دیا اور دوسرے وارثوں کے حق میں ایسا نہیں کیا بلکہ ان کے حق میں صرف ایک بچہ مانتے ہیں اسکی کیا وجہ ہے۔

جواب سبب اس کا یہ ہے کہ دوسرے وارثوں کے حصے بچے کے ایک اور متعدد ہونے کی صورت میں متفاوت نہیں ہو سکتے برخلاف بیٹی کے اس لئے ایسا کیا۔

واذا کان البنون اربعۃ فنصیبھا سھم واربعۃ اتساع سھم من اربعۃ وعشرین اور جبکہ چار پسر ہو گئے تو مسئلہ مذکورہ کے ۲۴ میں سے ذوی الفروض کے حصے نکل جانے کے بعد باقی ماندہ ۱۳ میں سے دختر کا حصہ ایک سہم اور ایک سہم کے نو ٹکڑوں میں سے چار ٹکڑے (۴/۹) ہوئے یعنی اول ۲۴ میں سے ذوی الفروض کے حصے نکل جائینگے اس طرح کہ زوجہ کو ۳ سہم ملینگے اور ماں کو چار سہم اور باپ کو بھی ۴ سہم پہنچینگے تو اس تقسیم کے بعد انکل کر ۱۳ باقی رہینگے ان تیرہ میں سے دختر کو ایک سہم پورا اور ایک سہم کے نو ٹکڑے کر کے ان نو میں سے چار ٹکڑے ملینگے اسلئے کہ جب ۱۳ میں سے دو دو سہام چار و ن پسروں کو اور ایک سہم دختر کو دیا گیا تو اسکے بعد چار سہم باقی رہے پھر ان چار و ن کو اسی طرح تقسیم کیا کہ ایک ایک سہم کے نو نو ٹکڑے کر کے آٹھ آٹھ ٹکڑے ہر ایک کو چار و ن پسروں میں سے دیئے اور بقیہ چار نوین ٹکڑے دختر کو دیئے پس مجموعہ دختر کے حصے کا مسئلہ مذکورہ میں سے کہ ۲۴ سہام ہیں ایک سہم اور ۴/۹ ہوئے مضروب فی تسعۃ اور دختر کا حصہ کہ ایک سہم اور ۴/۹ ہی

نو میں کہ انوثت کے مسئلے کا وفق ہے ضرب دیا جائے گا فصار ثلثة عشر سهما
تو حاصل ضرب ۱۳ سہام ہونگے یعنی ۱/۹ اسہم کو نو میں ضرب دینے سے حاصل ضرب ۱۳
سہام ہوتے ہیں ترکیب اس کی یہ ہے کہ اول ایک کو نو میں ضرب دینگے کوئی کسر
پیدا نہیں ہوگا یعنی نو ہی حاصل ضرب ہونگے پھر ایک سہم کے نو ٹکڑوں میں سے چار ٹکڑوں
کو نو میں ضرب دینے سے ۳۶ نو ین ٹکڑے حاصل ہونگے جب ان ۳۶ کسور کو عدد صحیح
بنایا جائے گا تو نو پر ۳۶ کو تقسیم کرنے سے چار عدد صحیح ہاتھ آئینگے یہ چار اون نو کے
ساتھ جوڑنے سے مجموعی تعداد ۱۳ ہو جائے گی وھی لھا اور یہی ۱۳ حاصل بیٹی کا حق ہے
۲۱۶ میں سے والباقی یعنی ۲۱۶ میں سے ماں باپ اور جورو اور بیٹی کو ۱۰۱ دیدیئے
کے بعد جو کچھ بچے گا موقوف روک لیا جائے گا وھو مائة وخمسة عشر سهما
اور یہ باقی سکے روکے ہوئے سہام ۱۱۵ ہیں اس لئے کہ ۲۱۶ میں سے ۱۰۱ سہام مذکورہ
بالا دارثون کو دے دیئے گئے تو اب باقی ۱۱۵ رہے فان ولدت بنتا واحدة
او اکثر فجمیع الموقوف للبنات پس اگر حاملہ نے ایک بیٹی جنی یا ایک سے زیادہ بیٹیاں
جنیں تو تمام روکا ہوا ترکہ بیٹیون کو پہنچے گا اس لئے کہ ماں باپ اور زوجہ کے حق میں حمل
کو لڑکی کے اعتبار کرکے ہر ایک کا حصہ انوثت کے مسئلے سے دیدیا تھا اون کا کچھ حق باقی
نرہا تھا اور جو کچھ اونکے حق کے بعد باقی ہے اور وہ ۱۲۸ ہے یہ دختردن کا حق ہے
اسلئے کہ بیٹیون کا نصیب مسئلہ انوثت سے کہ ۲۷ ہوتا ہے ۱۶ سے ہے جب ان ۱۶ کو مسئلہ
ذکورت کے وفق میں کہ ۸ ہے ضرب دیا ۱۲۸ ہوئے اور موجودہ بیٹی نے ۱۳ پائے
تھے اور ان کو جب سہامات موقوفہ کے ساتھ کہ ۱۱۵ ہیں ملایا تو مجموعہ ۱۲۸ ہوا اسکو
دخترون پر برابر بانٹ دین پس اگر اون پر تقسیم صحیح طور پر راست آئے تو بہتر
ہے اور اگر صحیح طور پر تقسم نہو سکے تو اس کام کے لئے غور کریں پس اگر درمیان
سہام و رؤس دختران کے توافق ہو تو وفق رؤس کو اصل مسئلے یعنی ۲۱۶ میں
ضرب دیا جائے جو کچھ حاصل ہو اوس سے مسئلے کی تصحیح ہو جائے گی اور اگر درمیان
سہام و عدد رؤس کے تباین ہو تو تمام عدد رؤس کو ۲۱۶ میں ضرب دیا جائے
جو کچھ حاصل ہوگا مسئلہ اس سے تصحیح پائے گا وان ولدت ابنا واحدا او اکثر
فیعطی للمرأة والابوین ماکان موقوفا من نصیبهم اور اگر ایک بیٹا یا زیادہ
بیٹے جنے تو جورو اور ماں باپ کو وہ دیدینا چاہیے جو اون کے حصون میں سے روک
رکھا ہے یعنی جورو کو تین سہام کہ مسئلہ ذکورت میں اوس کے حصے میں سے روک رکھے
تھے دیدیئے جاویں تاکہ اکثر حصہ اوس کا کہ ۲۷ ہے پورا ہو جائے اور ہر ایک کو
ماں باپ میں سے چار چار سہام دیدیئے جاوین جو ذکورت کے مسئلے میں اونکے
روک لئے گئے تھے تاکہ ہر ایک کو اکثر نصیب کہ چھتیس چھتیس ہے پہنچ جاوے

فما بقی پس زوجہ اور والدین اور بیٹی کو مل جانے کے بعد جو کچھ باقی رہا ہے اور وہ ۱۰۴ ہیں نصف الیہ ثلثۃ عشر ان ۱۰۴ کے ساتھ بیٹی کے حصے کو کہ اوس کو پہلے دیا گیا تھا اور وہ ۱۳ ہیں جمع کرنا چاہئے تو مجموعہ ۱۱۷ ہو جائے گا ویقسم بین الاولاد اور اس مبلغ یعنی ۱۱۷ کو اولاد پر بانٹ دیا جائے اس طریق سے کہ مرد کو عورت سے دوچند دیویں اگر تقسیم مستقیم نہو تو نسبت اولاد کے رؤس اور سہام میں دیکھ کر مسئلے کی تصحیح کرکے تقسیم کریں اب لڑکی کو ۳۹ - اور لڑکے کو ۷۸ ملینگے وان ولدت ولدا میتا فیعطی للمرأۃ وللابوین ما کان موقوفا من نصیبھم اور اگر حاملہ سے مرا ہوا بچہ پیدا ہو پس زوجہ اور ماں باپ کو اُن کا روکا ہوا حصہ دیدیا جائے - زوجہ کے تین سہام روکے ہوئے تھے اور ماں باپ کے چار چار سہام روکے ہوئے - زوجہ ۳ پہلے پا چکی تھی اسے تین اور دیئے تو ۶ ہو گئے اور ماں باپ تیئیس تیئیس پا چکے تھے انھیں چار چار اور دیئے تو چھتیس چھتیس انھیں پہنچ گئے وللبنت اذا تم النصف اور بیٹی کو باقی میں سے اوس قدر دیا جائے کہ ۱۲۶ کے تمام ترکے میں سے آدھا کہ ۶۳ سہام ہوتے ہیں اوسے مل جائے وھو خمسۃ وتسعون سھما پس بیٹی کو اب ۹۵ سہام دیئے جاوینگے تو اس قدر کو اوسقدر کے ساتھ کہ پہلے بیٹی کو پہنچے ہیں اور وہ ۱۳ ہیں ملانے سے ۱۰۸ ہو جاتے ہیں دوسری عبارت میں اگلے ۱۳ - اور ان پچھلے ۹۵ کو جمع کرنے سے ۱۰۸ ہو جائینگے جو اصل ترکے یعنی ۱۲۶ کا نصف ہے پس اگلے پچھلے حصوں کو ملا کر زوجہ کو ۲۷ اور ماں کو ۳۶ اور اسی قدر باپ کو اور بیٹی کو ۱۰۸ سہام مل جائینگے جن کا مجموعہ ۲۰۷ ہے والباقی للاب وھو تسعۃ اسھم لانہ عصبۃ اور باقی نو سہام بطور عصوبت کے باپ کو ملینگے اس لئے کہ بیٹی کے ساتھ باپ حق فرض اور عصوبت دونوں رکھتا ہے تو باپ کے سہام کا مجموعہ جو بطور فرض وعصوبت کے اوسے ملے گا ۵ ہم جائینگا۔

تنبیہ یہ جو کچھ بیان ہوا اوس حالت میں ہے کہ حمل کے ساتھ میں وارثوں کا فرض متغیر ہوتا ہو اور اگر میت نے ایسے وارث چھوڑے کہ اون کا فرض حمل کے ساتھ متغیر نہیں ہوتا تو کل نصیب دیا جائے گا جیسے میت نے جدہ اور حاملہ بیوی چھوڑی تو جدہ کو ترکے سے چھٹا حصہ مل جائے گا یا میت نے حاملہ بیوی کے ساتھ بیٹا چھوڑا تو حاملہ کو پورا آٹھوان مل جائے گا۔

سوال اگر ایسا ہو کہ ایک شخص مرا اور اوس کی ماں نے دوسرے شوہر سے نکاح کیا تھا جو حاملہ ہے اور اوس کا شوہر زندہ ہے پس جو بچہ پیدا ہوا وہ میت کا مادری بھائی یا بہن ہو گی لیکن اگر موت سے چھ مہینے سے زیادہ پر پیدا ہوا تو احتمال ہے کہ شاید بعد موت کے حمل رہا پس شک کی وجہ سے وارث نہو گا مگر جبکہ دوسرے وارث اقرار کریں کہ حمل مذکور موت سے پہلے تھا اور اگر چھ مہینے سے کم میں پیدا ہوا تو وارث ہو گا پھر تملا کو کہ

تقسیم ترکہ کیونکر ہو اور کس قدر حصہ حمل کے لئے رکھا جائے۔

جواب یہ ہے کہ اس حمل کی نسبت غور کیا جائے کہ پیدا ہو تو وہ تین حال سے خالی نہیں یا تو وہ وارثان موجودین کو محروم کریگا یا اون کے حصے میں نقصان کہے گا یا صرف شریک حصہ دار ہوگا پس اگر وہ سب موجودین کو محروم کرتا ہوگا مثلاً میت کے بھائی اور بہن اور چچا اور اون کی اولاد ہیں اور شاید حمل لڑکا ہو تو سب محروم ہون گے تو ایسی حالت میں کل ترکہ روک لیا جائے اور اگر وہ محروم نہیں بلکہ ناقص کرتا ہو جیسے میت کا حمل ہے کہ وہ میت کی بیویون کا چوتھائی سے آٹھوان کریگا تو کمتر حصہ دیدیا جائے اور باقی روک لیا جائے مثلاً میت کی ماں اور باپ وارث ہیں اور بیوی حاملہ ہے پس حمل اوسکی ماں کو تہائی سے محجوب کرکے چھٹا کریگا تو ماں کو چھٹا حصہ اسی طرح باپ کو چھٹا حصہ دیا جاوے اور باقی روک لیا جاوے کیونکہ شاید لڑکا ہو اور اگر موجودہ وارث ایسے ہوں کہ حمل مذکور اون کو محجوب نہیں کریگا اور نہ اون کا شریک ہوگا مثلاً میت کی دادی۔ دادا اور نانی موجود ہے تو جدات وجد کو اون کا حصہ دیدیا جائے اور باقی روک لیا جائے اور اگر موجودہ وارث ایسے ہوں کہ حمل خواہ لڑکا ہو یا لڑکی ہو اونکے ساتھ شریک ہو جائے گا مثلاً میت نے لڑکے یا لڑکیان اور حمل چھوڑا تو خصاف نے ابو یوسف سے روایت کی ہے کہ ایک بیسر کا حصہ روک لیا جائے اور اسی قول پر فتوے ہے پھر اگر حمل مذکور مردہ پیدا ہوا تو اوس کے لئے کوئی حصہ نہیں ہے یعنی اگر حمل خود مردہ نکلا ہو تو وہ وارث نہیں ہوتا اور اگر مردہ نکالا گیا تو وہ منجملہ وارثون کے ہے کیونکہ پیٹ میں اوسکی زندگی معلوم تھی تو شاید نکالنے میں مر گیا ہو پس یقین مذکور کا شک سے ازالہ نہیں ہوگا اور اسکا بیان یہ ہے کہ اگر کسی نے حاملہ کے پیٹ میں مارا کہ وہ مردہ بچہ ڈالگئی تو یہ جنین منجملہ وارثون کے ہے اسی لئے کہ شرع نے مارنے والے پر تاوان واجب کیا ہے اور یہ زندگی کے اعتبار کرنے کی دلیل ہے تو اوس کے لئے میراث ہوگی اور اوس کا حصہ بھی میراث ہوگا جیسے اوس کی دیت میراث ہوتی ہے۔ کذا فی شرح المبسوط۔

فصل فی المفقود

فصل مفقود کی میراث کے بیان مین

مفقود کی فصل کو حمل کی فصل کے بعد اس لئے ذکر کیا کہ اس کا حال بھی دو حالتون میں منزدد ہے مفقود وہ شخص ہے کہ کسی طرف نکلکر گم ہو گیا کہ اوس کا ٹھکانا اور زندگی و موت معلوم

نہیں یا حربی کفار لے گئے کہ اوس کا مرنا یا جینا معلوم نہیں۔
مفقود بھی اگرچہ ایک قسم کا غائب ہے مگر غائب عام ہے اور مفقود خاص۔ مفقود افراد غائب کو کہتے ہے جس طرح زوجۂ غائب کے واسطے حکم نفقہ غائب پر اور استدانت[1] کا حکم قاضی کر سکتا ہے اسی طرح زوجۂ مفقود کے واسطے فرض نفقہ اور استدانت کا حکم کر سکتا ہے
المفقود حی فی ماله حتی لا یورث منه احد ۔ مفقود اپنے مال میں زندہ ہے تو جب تک اوسکی خبر معلوم نہو یا مدت معینہ گذر نہ جائے اوس سے کوئی وارث نہیں ہو سکے گا کیونکہ بوجہ استصحاب حال کے اوسکی زندگی ثابت مانی جائے گی وہ اپنے مفقود ہونے سے پہلے موجود تھا تو اب اوس کے موجود نہونے پر کیون خیال دوڑایا جائے جب تک کوئی خارجی اور قطعی ثبوت اوسکے معدوم ہونے کا نہ ملے اس لئے اوس کی عورت کو دوسرے سے نکاح کرنے کا حق نہوگا نہ اوسکے وارث اوس کا مال لے سکینگے **ومیت فی مال غیره حتی لا یرث من احد** اور غیر کے مال میں مردہ اعتبار کیا جاتا ہے یہان تک کہ کسی کے مال کا وہ وارث نہیں بن سکتا **ویوقف ماله حتی یصح موته او یمضی علیه مدة** اور مفقود کا مال رکھا رہے یہان تک کہ اوس کی موت کی تحقیق ہو جائے یا اوس پر مدت مقررہ گذر جائے **واختلف الروایات فی تلك المدة** یعنی مفقود الخبر کی مدت میں بہت اختلاف ہے زائد سے زائد ایک سو تیس برس کا قول ہے کم سے کم چار برس کا قول ہے مجموعہ تمام اقوال کا بارہ تک پہنچتا ہے (۱) موت اقران اس میں دو شقین ہیں یا تمام شہرون کے اعتبار سے موت اقران لی جائے گی یا موت اقران خاص اوس شہر کے لحاظ سے جہان کا باشندہ مفقود ہے (۲) ۱۲۰ برس (۳) ۱۱۰ برس (۴) ۱۰۵ برس (۵) ۱۰۰ برس (۶) ۹۰ برس (۷) ۸۰ برس (۸) ۷۰ برس (۹) ۶۰ برس (۱۰) ۳۰ برس ان اقوال میں سے بعض قول مشہور ہیں اور بعض غیر مشہور اور تمام یہ اقوال حنفیہ سے منقول ہیں۔ (۱۱) یوم فقدان سے ۴ برس یہ قول ائمہ ثلثہ شافعی۔ مالک اور احمد حنبل سے منقول ہے (۱۲) قاضی اور امام کی رائے پر موقوف ہے یہ قول مذاہب اربعہ میں منقول ہے۔
مصنف نے پہلے اور دوسرے اور ساتویں اور بارھوین قول کو نقل کیا ہے۔
ففی ظاهر الروایة اذا لم یبق احد من اقرانه حکم بموته ظاہر الروایۃ میں یہ ہے کہ جبکہ کوئی اوس کا ہم عمر باقی نرہے یعنی تمام اوسکے ہم عمر و ہم سنین مر جاوین تو اوس کا حکم میت کا ہے لیکن موت اقران کی بنا پر حکم اس زمانے میں ناممکن ہے اس لئے کہ جب ہو سکتا ہے کہ مفقود کی پیدائش کا سال معلوم ہو اور یہ معلوم ہو جائے

[1] استدانت یعنی قرض لینا ۱۲ - از تسہیل اللغات مولفہ مولف این شرح ×

کہ سب اس مفقود کے ہم عمر مرگئے کوئی باقی نہیں لیکن تمام دنیا کے شہروں کے ہم عمروں کی موت وحیات کا حال معلوم کرنا بداہتہً ناممکن ہے رہا دوسرا احتمال کہ مفقود کے شہر و قریے کے ہم عمروں کا اعتبار کیا جائے یہ بظاہر آسان معلوم ہوتا ہے لیکن اس زمانے میں کوئی ذریعہ اس کے معلوم ہونے کا نہیں ہے اگرچہ کوتوالی وغیرہ میں ولادت وموت لکھی جاتی ہے لیکن بہت سے آدمی باہر کو چلے جاتے ہیں جن کے مرنے کا حال معلوم ہونا متعسر ہے اور مصرح روایت میں منقول ہے کہ ایک شخص بھی اگر ہم عمر مفقود کا باقی رہے گا تو اقران کی موت کا حکم نہیں کرسکتے اس لئے اس روایت پر عمل نہیں ہوسکتا الاصلاح والایضاح میں جو کتب معتبرۂ فقہائے محققین سے ہے لکھا ہے والمنقص عن حال الاقران انہم ماتوا اولا غیر ممکن۔ جواہر اخلاطی میں ہے وبناء الاحکام علی الاتساع لان التفتیش عن حال الاقران اما غیر ممکن او فیہ حرج یعنی معلوم کرنا تلاش سے مفقود کے ہم عمروں کا کہ وہ مرگئے یا نہیں مرے ممکن نہیں بنا احکام شرع کی ایسے امر پر ممکن ہوتی ہے جس میں آسانی ہو اور حرج نہو اور مفقود کے ہم عمروں کی موت وحیات کا تلاش کرنا یا تو ممکن نہیں بوجہ موت اقران جمیع بلدان کی یا اس میں حرج عظیم ہے بوجہ اقران شہر مفقود کے وروی الحسن بن زیاد عن ابی حنیفۃ رحمہما اللہ تعالیٰ ان تلک المدۃ مائۃ وعشرون سنۃ من یوم ولد فیہ المفقود اور حسن نے امام ابو حنیفہ سے روایت کی ہے کہ وہ مدت اوس کی روز ولادت سے ایک سو بیس سال ہے اسکو صاحب قدوری نے ذکر کیا ہے اس روایت کی نسبت محققین کہتے ہیں کہ یہ اکاذیب مشہورہ سے ہے وقال محمد رحمہ اللہ تعالیٰ مائۃ وعشر سنین اور محمد نے ایک سو دس سال کی مدت بتائی ہے لیکن یہ بات صحیح نہیں معلوم ہوتی اور خلاف ظاہر الروایۃ کے ہے سراجی کی شرح میں ابو العلائے بخاری کہتا ہے کہ محمد سے یہ روایت غریب ہے وقال ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ مائۃ وخمس سنین اور ابو یوسف نے کہا ہے کہ ۱۰۵ سال گذر جانے پر وہ مردہ متصور ہوگا لیکن کتب معتبرہ میں یہ دونوں قول نظر سے نہیں گذریں۔

ابو یوسف سے یہ بھی مروی ہے کہ جب اوسکی ولادت کے وقت سے سو سال گذر جاویں تو اوس کی موت کا حکم کیا جائے گا۔ اس لئے کہ ظاہر ہے کہ اس زمانے میں کوئی آدمی سو سال سے زیادہ جیتا نہیں رہتا محمد بن سلمہ اسی روایت کے مطابق فتوے دیا کرتے تھے لیکن جب وہ خود ایک سو سات سال کی عمر کو پہنچے تو اون کو معلوم ہوگیا کہ سو سالکی عمر مفقود کے لئے قائم کرنی غلطی تھی۔

سیوطی نے عربی زبان میں ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام ریح النسرین فیمن عاش من الصحابۃ مائۃ وعشرین رکھا ہے اوس میں متعدد صحابیوں کے نام لکھے ہیں جو ایک سو بیس سال اور اس سے زیادہ کو بھی پہنچے ہیں چنانچہ (۱) حسان بن ثابت شاعر رسول اللہ ۱۲۰ سال جئے

(۲) حکیم ابو خالد بن حزام ۱۲۰ سال (۳) محمدؐ کے برادر عبدالرحمٰن بن عوف ۱۲۰ سال (۴) حویطب یا حوبطب یا حوط ابو محمد یا ابو الاصبغ بن عبد العزیٰ ۱۲۰ سال (۵) سعد ابو عمر بن ایاس الشیبانی البکری ۱۱۷ سال (۶) سعد بن خبادۃ العوفی الانصاری ۱۲۰ سال (۷) سعید ابا ہود بربوع بن عنکثہ ۱۲۰ سال (۸) ابوشداد الیمانی ۱۲۰ سال (۹) عاصم بن عدی بن جد بن عجلان ۱۲۰ سال (۱۰) عبد خیر ابو عمارہ بن یزید اور یقولے ابن یحمد الکوفی ۱۲۰ سال (۱۱) اللجلاج القطفانی ۱۲۰ سال (۱۲) مخرمہ بن میسور بن نوفل ۱۲۰ سال اور یقولے ۱۲۵ سال (۱۳) نافع بن سلیمان العبدی ۱۲۰ سال (۱۴) نابغۃ الجعدی دو سو بیس سال جئے انھوں نے اپنے ایک شعر میں کہا ہے ؎ ثلثۃ اہلین افنیتھم۔

حضرت عمرؓ بن خطاب نے دریافت کیا کہ تمنے کس قدر زمانہ ہر بیوی کے ساتھ بسر کیا جواب دیا ساٹھ سال اس حساب سے ۸۰ سال ہوتے ہیں بعد اس کے ابن زبیر کے ایام تک جئے۔

اسی طرح صحابہ میں سے لبید بن ربیعہ اور اوس بن معزا السعدی اسی قدر عمروں کو پہنچے اور ابن سعد نے کہا ہے کہ عدی بن حاتم الطائی اور ابن قتیبہ نے کہا ہے کہ نوفل بن معاویہ بھی اسی طرح طویل العمر ہوئے وقال بعضھم تسعون سنۃ بعض محدثین نے کہا ہے کہ نوے سال کے بعد مردہ قرار پائے گا اس لئے کہ اس سے زیادہ کوئی اس زمانے میں کم جیتا ہے۔

مصنف نے جو ۱۲۰ - ۱۱۰ - ۱۰۵ یا ۹۰ برس کا قول اختیار کیا ہے یہ ظاہر مذہب کے خلاف معلوم ہوتا ہے حالانکہ مقلدین ابو حنیفہ پر اتباع ظاہر مذہب کو لازم ہے لیکن جبکہ تلاش اقران کی ممکن نہ تھی یا اس میں حرج تھا اس لئے فقہا نے تخمینہ عمر مفقود کا لگا لیا تاکہ بعد گذر جانے اوس مدت کے حکم موت کا کیا جائے بلکہ محقق شامی کے قول سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ ان تخمینوں اور ظاہر مذہب میں مخالفت نہیں بلکہ یہ تفسیر بین ظاہر الروایۃ کی موت اقران کی ہیں لیکن باہم اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ بعض نے لحاظ زائد عمر والوں کا کیا اور بعض نے کم عمر والوں کا یعنی بعض نے انتہائی عمر طبعی ایک سو بیس برس قرار دیکر موت کا حکم دیا اور بعض نے ایک سو دس اور بعض نے ایک سو پانچ کو اور بعض نے نوے کو منتہائے عمر قرار دیا اس سے زیادہ جینے والے شاذ و نادر ہوتے ہیں اور وہ حکم معدوم میں ہیں۔

بہر صورت مصنف کے آخری قول کے مطابق جبکہ نوے برس گذر جائیں تو حکم مفقود کی موت کا کیا جائے اب میراث اوسکی اون وارثوں کو ملے گی جو حال میں موجود ہیں اور جو اس سے پہلے مر گئے اون کو میراث نہ ملے گی اسواسطے کہ نوے برس تک مفقود کی ولادت سے اوسکے لئے حکم زندگی کا ہے اپنے مال میں پس جو لوگ اس

عرصے میں مرے گویا اوس کی حیات میں مرے وعلیہ الفتوی اسی پر فتوے ہے چنانچہ محقق شامی نے درمختار کے حاشیئے میں لکھا ہے کہ اس کو صاحب کنز نے اختیار کیا ہے اور صاحب ہدایہ نے اسکو ارفق کہا ہے اور علیہ الفتوے اسکے ساتھ صاحب خیرہ نے ملایا ہے علاوہ اس ذخیرے کے اور کتابوں میں بھی اسکو راجح اور مفتے بہ کہا ہے لیکن دیکھو گے تو شہروں میں سیکڑوں آدمی نوے برس سے زائد عمر کے موجود ہیں تو کس طرح نوے برس کے بعد حکم موت کا کر سکتے ہیں بلکہ فقہائے محققین متقدمین و متاخرین نے تقدیر بالسنین کو رد کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ ظاہر الروایۃ کے خلاف ہے چنانچہ امام محمد صدر الشہید۔ شمس الائمہ سرخسی۔ محقق ابن ہمام۔ صاحب بحر۔ نہر۔ زیلعی۔ ینابیع۔ مضمرات کفایہ اور رد المحتار وغیرہ نے تقدیر بالسنین کو معتبر نہیں ٹھہرایا ہے اور الیق و احوط اسی کو کہا ہے کہ تقدیر بالسنین نکل جائے بحر و گذر نے ساٹھ یا ستر یا اسّی یا نوے برس عمر مفقود سے یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ مر گیا اور یہ تقدیر خلاف ظاہر الروایۃ کے ہے اس لئے کہ مفقود کے ہم عمروں میں اگر ایک بھی باقی رہے گا تو اوس کے ہم عمروں کی موت کا حکم نہیں کر سکتے ہیں اور ظاہر ہے کہ اسّی۔ ستر۔ نوے سے زائد عمر کے آدمی کوئی ایسا شہر نہ ہوگا کہ اوس میں موجود نہ ہوں۔

جب ان اکابر نے اس تقدیر کو ظاہر الروایۃ کے خلاف قرار دیا ہے تو یہ حکم کیسے کر سکتے ہیں کہ عمر کی سالوں کی تقدیر میں ظاہر روایت کی موت اقران کی تفسیر میں ہیں کوئی سی مدت لو وہ مسلم ہم موت اقران کو نہیں موت اقران کے یہ معنے ہیں کہ مفقود کا کوئی ہم عمر باقی نہ رہے مثلاً کسی مفقود کی عمر نوے برس کی مقرر کی جائے کہ اوس میں علیہ الفتوے وارد ہے اور نوے برس سے زیادہ کا آدمی کسی شہر میں نکلا تو پھر کیسے کہہ سکتے ہیں کہ مفقود کی عمر کا اندازہ اقران کی موت کے منافی نہیں۔

پھر صورت مرجع ظاہر الروایۃ کا اس طرف ہے کہ کل ہم عصر مر جائیں اوس وقت حکم مفقود کی موت کا کیا جائے گا اور تقدیر بالسنین سے لازم آئے گا کہ بعض ہم عمر زندہ ہوں کافی۔ سرخسی کی مبسوط۔ تاتارخانیہ۔ ینابیع۔ مضمرات۔ نہر۔ بحر۔ فتح القدیر۔ زیلعی۔ کفایہ رد المحتار وغیرہ بہت سی کتابوں میں اس مضمون کی روایات موجود ہیں کہ تقدیر بالسنین رائے سے ہے اور یہ شرع میں معتبر نہیں اور ظاہر ہے کہ مدت اور زمانۂ معین کا کسی شے کے واسطے اپنی رائے کو بجا دینہیں کیا جاتا چاہئے حالانکہ کوئی نص اور تصریح شارع کی جانب سے اس تعیین مدت کے واسطے وارد نہیں پس یہی بہتر ہے کہ اوس کی عمر کو اوسکے ہم سنوں پر قیاس کریں جیسا کہ حلف شدہ اشیا کی قیمتوں میں معمول ہے اور عورتوں کے مہر مثل میں قاعدہ ہے اور اگر اوسکے ہم سنوں کی عمروں کا معلوم کرنا ناممکن ہو یا اوس سے حرج پیدا ہو تو اوس روایت کے مطابق عمل کریں جو امام اعظم کی

طرف منسوب ہے کہ مفقود کی عمر کے معاملے کو حاکم شرع سلجھائے اور وہ جیسے مصلحت دیکھے اوسکے موافق حکم کرے چنانچہ اس بات کو مصنف ان الفاظ میں ذکر کرتے ہیں وقال بعضهم مال المفقود موقوف الی اجتهاد الامام بعض مجتہدین نے کہا ہے کہ مفقود کا مال اوس وقت تک روکنا چاہیئے کہ امام اجتہاد کرے اس کا مطلب یہ ہے کہ حاکم شرع ایک مدت گذر جانے کے بعد حکم دے کہ ایسا مفقود اس سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکتا اوس وقت تک اوسکی موت کا حکم نہ دیا جائے گا اور مال اوس کا وارثوں پر تقسیم نہوگا اس روایت کو بہت سے مشائخ محققین مرجحین متقدمین و متاخرین نے ترجیح دی ہے اور اختیار کیا ہے صاحب فتح القدیر نے تقدیر بالسنین کے بعد یہ بھی کہا ہے کہ الیق طریق فقہ کے ساتھ یہ بات ہے کہ تقدیر نکی جائے اس واسطے کہ قائم کرنا مقادیر کا شرع میں نہیں ہے ان سب کے بعد اس روایت کو لائے کہ بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ قاضی کی رائے کی طرف تفویض کیا جائے پس وہ جو سنا وقت مصلحت دیکھے مفقود کی موت کا حکم دے اور اوس کی زوجہ وفات کی عدت کرے گویا وہ مفقود اس وقت میں زوجہ کے سامنے مرگیا اسواسطے کہ یہ موت جو قاضی کے حکم سے ہوئی ہے مثل موت حقیقی کے احکام کے مرتب ہونے میں معتبر ہے۔

ابن ہمام کا آخر میں لانا اس روایت کو اور اس کے ساتھ عدت کو بیان کرنا کہ اس موت کے حکم پر مرتب کیا ہے صاف دلالت کرتا ہے کہ اہل تحقیق کا مختار یہی ہے اور امام شافعی کا بھی یہی مذہب ہے۔

غرضکہ حکم حاکم سے جو موت مقرر ہوگی اوس وقت میں حکم اوس کے مرنے کا کیا جائے گا اس لئے کہ موت حکمی مثل موت حقیقی کے احکام جیسے عدت وغیرہ کے مرتب ہونے میں معتبر ہے۔ حموی۔ کمال الدرایہ۔ عینی۔ فتح القدیر۔ زیلعی۔ قنیہ۔ کافی بسوط۔ مضمرات تبیین۔ بحر الرائق۔ ینابیع۔ رد المحتار۔ اور فتاوے انقرویہ وغیرہ میں اسی روایت کو ترجیح دی ہے حتے کہ بعض نے اسکو ظاہر الروایۃ کہا ہے۔ حموی میں ہے وفی الینابیع قیل یفوض الی رای القاضی ولا یقدر فیہ فی ظاہر الروایۃ پس حاکم جو نسی مدت کے بعد حکم موت کا کریگا تو یہ حکم موت صحیح ہوگا رد المحتار کی تیسری جلد میں لکھا ہے کہ ظاہر یہ امر ہے کہ یہ روایت تفویض ظاہر الروایۃ سے علیحدہ نہیں بلکہ یہ روایت تفویض بہ نسبت قول بالتقدیر کے ظاہر الروایۃ سے زیادہ قریب ہے پھر حنابلہ کی کتاب مغنی سے اس روایت تفویض کو امام شافعی اور امام محمد سے نقل کیا ہے۔ اور یہی روایت مشہور امام مالک اور امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف سے ثابت ہے اور عالمگیری میں بھی لکھا ہے کہ مفقود کے معاملے کو امام اور قاضی کی رائے پر چھوڑنے کی روایت کو مختار کہا ہے علمائے حرمین اور دیار اسلام روم و شام و عجم نے بسبب ظاہر زمانہ و تغیر احوال مردم و ظہور فساد و خیانات کے حسب مصلحت و ضرورت مناسب

اس زمانے کے چار برس کی تعیین کا حکم دیا ہے اور کہا ہے کہ اگر چار برس کے بعد مفقود کی زوجہ طالب تفریق ہو تو جائز ہے کہ قاضی تفریق کر دے اور بعض فقہا نے بنظر دفع ضرورت عورات کہا ہے کہ موت اقران پر عمل ممکن نہیں یا موجب حرج ہے اور ایک سو بیس برس کی روایت امام سے اکاذیب مشہورہ سے ہے اور امام محمد سے ایک سو دس برس کی روایت اور امام ابو یوسف سے ایک سو پانچ برس کی روایت کتب معتبرہ میں نہیں ہے اور سو۔ نوے۔ اسی۔ ستر۔ ساٹھ۔ اور تیس برس کی روایتیں بوجہ تعارض کے ساقط ہیں رہی روایت امام اور قاضی کی رائے پر موقوف ہونے کی وہ نقوض سے سالم ہے اس لئے وہ بوجہ مشہور قول امام کے اختیار کی گئی ہے اور اکثر محققین نے اس کو مختار کہا ہے چونکہ اس زمانے میں قاضی مجتہد نہیں ہوتے کہ اپنی رائے سے کام کریں صرف مقلد پابند روایت مفتے بہ کے ہیں اس لئے لازم آیا کہ قاضی کو چاہیئے کہ وہ مدت اختیار کرے کہ وقت فقدان سے لی جائے کیونکہ وقت ولادت سے جو مدت لی جاتی ہے وہ صحیح طور پر لے نہیں سکتے اور وہ چار سال کے سوا اور کوئی مدت ہے نہیں تو ناچار یہی چار سال کی مدت لیکر موت کا حکم کرے خواہ مفقود کو گم ہوئے چار سال سے زیادہ ہوئے ہوں۔

فتاوے بزازیہ میں اسی چار سال کی مدت پر فتوے دیا ہے چنانچہ شرح منظومہ ابن وہبان میں شیخ عبد البر معروف بابن شحنہ نے کہا ہے قال فی البزازیۃ الفتوے فی زماننا علے قول مالک۔ امام مالک کا قول کر تمثیلاً ہے ورنہ مذہب قدیم امام شافعی کا یہی ہے کہ بعد گذرنے چار سال کے یوم فقدان سے زوج وزوجہ میں تفریق کر دی جائے اور امام احمد سے بھی اسی طرح منقول ہے اور قاضی و امام کی رائے پر موقوف ہونے کی روایت ان ائمہ سے بھی منقول ہے اور امام ابو حنیفہ اور امام محمد اور امام ابو یوسف سے بھی یہی مشہور ہے چنانچہ شرح ابن شحنہ کی یہ عبارت ہے والذی علیہ ہذا القول من اصحابنا صاحب البنایع وحکاہ صاحب المغنی عن الحنابلۃ عن الشافعی ومحمد بن الحسن وہو المشہور عن مالک وامام ابی حنیفہ وابی یوسف رحمہم اللہ نتیجہ اس کلام کا یہ ہوا کہ قاضی اور امام کی رائے پر موقوف ہونے کی روایت متفق علیہ سارے ائمہ کی ہے کیونکہ مذاہب کے مشائخ اور ائمہ نے دیکھا کہ وقت ولادت ہر مفقود کا معلوم نہیں ہو سکتا پس آسانی حکم کے لئے انھوں نے وقت گم شدگی سے چار برس لئے اور قاضی و امام کی رائے کی طرف تفویض کرنے کی روایت کے تحت میں داخل کر کے قاضیان مقلدین غیر مجتہدین کے واسطے جو تابع روایت راجح فی المذہب کے ہیں تعین کر دیا تاکہ مرور مدت چار سال کے بعد یوم فقدان سے مفقود کے مرنے کا حکم کر دیں اور مصلحت اس زمانے کی اسی کو چاہتی بھی ہے چوتھی صدی میں یہ روایت شروع ہوئی امام سغدی کے زمانے میں بلوا عام ہو گیا تھا بوجہ نفقے کے زوجہ غائب اور مفقود کی

تفریق کر دیتے تھے - امام سرخسی نے لفظ وجوب تو نکالا لیکن لفظ اولے لائے جس سے جواز کی راجحیت سمجھی جاتی ہے -

صاحب ہدایہ اور قاضی خان اور صاحب خلاصہ نے غائب کے متعلق نفقے میں یہی قول کیا آہستہ آہستہ بوجہ تغیر حالات زمانہ کے تفریق زوج وزوجہ کی طرف رجوع ہوتا گیا یہانتک کہ صاحب بزازیہ نے صاف لکھدیا کہ فتوے اس زمانے میں امام مالک کے قول پر ہے کہ چار سال کے بعد مفقود سے تفریق کر دی جائے حتے کہ مدت اور تقدیر چار سال کو فقہائے محققین متاخرین نے اپنے یہاں کی تقدیرات میں شامل کر لیا اور ظاہر ہے کہ وقت ضرورت اور مصلحت کے مذہب غیر کے موافق فتوے دینا اور قضا کرنا جائز ہوتا ہے - پس یہ کہنا کہ چار برس کے بعد تفریق کرنا ہمارے مذہب حنفیہ میں جائز نہیں یہ حکم اصلا صحیح نہیں بلکہ یہ زمانہ قاضیان مجتہدین کا نہیں ہے سلطنت عثمانیہ کے علمائے متبحر نے بنظر مصلحت زمانہ و مردم اتفاق کیا ہے کہ چار برس کے بعد مفقود کی موت کا حکم دیا جائے **وموقوف الحکم فی حق غیرہ حتے یوقف نصیبہ من مال مورثہ کما فی الحمل** اور اوس مفقود الخبر کا حصہ غیر سے معطل رہے جب تک اوسکی موت کی بابت کوئی آخری تصفیہ نہو جائے مطلب اس کا یہ ہے کہ اوسکے مورث کے مال میں سے اوس کا حصہ روک لیا جائے جیسا کہ حمل میں حال ہے پس اگر مفقود موجودہ وارثوں کا حاجب حجب حرمان کا ہے تو اون کو کچھ نہ دیا جائے بلکہ کل متروکہ روکے رہیں اور اگر ایسا حاجب نہیں ہے بلکہ نقصان پہنچاتا ہے تو وارثوں کو کمتر حصہ مفقود کی موت و زندگی کی تقدیر پر دیویں **فاذا مضت المدۃ فمالہ لورثتہ الموجودین عند الحکم بموتہ** جب مدت گذر جائے گی تو اوسکی موت کا حکم کیا جائے گا اور اون وارثوں کو حکم دیدیا جائے گا جو اوس کی موت کے حکم کے وقت موجود ہوں اور جو کوئی اوسکی موت کے حکم سے پہلے مر چکا ہے اوسکو کچھ نہ دیا جائے گا اس لئے کہ مفقود کی وراثت میں یہ شرط ہے کہ اوس کی موت کے فتوے کے وقت وارث قرار پایا ہو **وما کان موقوفا لاجلہ یرد الی وارث صورثہ الذی وقف مالہ** اور جو حصہ اوسکے واسطے کسی مورث سے معطل رکھا گیا ہو مفقود کی موت کے حکم کے بعد اوسی مورث کے وارثوں پر واپس ہو جائے گا اور مفقود کے وارثوں کو اوس میں سے کچھ نہ ملے گا اس واسطے کہ اوس حصے کی نسبت مفقود کو ایام غیبت میں حکم مردے کا ہے پس گویا کہ وہ مورث بحالت موت مفقود کے مرا

فائدۂ جلیلہ - اگرچہ مفقود کی مدت معینہ ختم ہو جائے لیکن تقسیم وراثت بجز حکم حاکم ناجائز ہے -

جو وارث درصورت موجودگی مفقود کے محروم ہو جاتے ہوں اون کو حصہ بجز حکم حاکم

کے ندیا جائے گا۔ جو وارث مفقود کے رہنے سے بجب نقصان محروم ہو جاتے ہیں
اون کو دونون حصون میں سے وہ دیا جائے جو کمتر ہو یعنی دو مسئلے کئے جائیں ایک مفقود
کی حیات کے لحاظ سے دوسرا اوسکی ممات کے اعتبار سے پس جس میں اون وارثون کا
حصہ کم آتا ہو وہ دینا ہوگا اور بعد گذرنے مدت معینہ کے یا فوت ہو جانے ہم عمرون کے
حکم موت کا اوس کی حاکم دیگا اور جو حصہ اوس کا امانت رکھا گیا ہے وہ وارثون پر رد کیا
جائے گا اور اوسکے مال میں بھی میراث جاری ہوگی اگر مفقود کی موت کی خبر الیقینی معلوم
ہو کہ مورث کی موت کے بعد فوت ہوا ہے تو اوس کا ارث منا سخے کے طریق پر وارثون
پر قسمت کیا چاہیئے اگر کوئی وارث قبل حکم موت مفقود کے مر جائے تو اوس کو کچھ
ندیا جائے **والاصل فی تصحیح مسائل المفقود** یعنی مسائل مفقود کی تصحیح کا طریق مسائل
حمل کی طرح ہے جس کی تفصیل یہ ہے **ان تصحیح المسئلۃ علی تقدیر حیاتہ ثم**
تصحیح علی تقدیر وفاتہ ایک بار مسئلہ مفقود کی حیات کی تقدیر پر صحیح کیا جائے پھر
دوسری بار مفقود کی موت کی تقدیر پر **وباقی العمل ما ذکرناہ فی الحمل** اور باقی اوس
طرح عمل کریں جیسا کہ حمل میں ذکر کیا گیا یعنی دونون مسئلون میں سے ایک کو دوسرے میں بلحاظ
اون چار نسبتون کے ضرب دیں اور حاصل ضرب کو صحیح تصور کریں اور جو کچھ مسئلہ وفات
سے وارثون کو ملا ہو توافق و تباین کی تصحیح کے ساتھ مسئلہ حیات میں اور اسی طرح مسئلہ حیات
سے جو کچھ پہنچتا ہے اوس کو مسئلہ وفات میں مضروب کریں تو صحیح اس کی یہ ہے کہ اگر دونون
مسئلے باہم متوافق ہوں تو ایک کے موفق کو دوسرے کے تمام میں ضرب دیں اور اگر دونون
متباین ہوں تو پورے ایک مسئلے کو پورے دوسرے مسئلے میں ضرب دیں پس جو کچھ
دونون صورتون میں حاصل ضرب ہوگا دونون تقدیرون پر اوس سے مسئلے کی تصحیح ہو جائے
گی پھر جس وارث کو مسئلہ وفات سے جو ملا ہو اوسکو تمام مسئلہ حیات میں یا مسئلہ حیات کے
موفق میں اور جسکو مسئلہ حیات سے جو ملا ہو اوسکے حصے کو تمام مسئلہ وفات یا موفق مسئلہ وفات میں ضرب
دیں اور ضربون کے حاصل میں سے جو کمتر ہو وہ وارثون کو دیویں اور جو کچھ باقی رہے
اوسے مفقود کی موت کے حکم تک امانت رکھا جائے۔

تمثیل

مسئلہ ۶ سے۔ عول ۷ تک۔ مضروب ۸۔ تصحیح اسکی ۵۶ سے۔ باعتبار ممات۔ نسبت تباین۔

شوہر	دو حقیقی بہنین	ایک حقیقی برادر مفقود
۳	۴	
۲۴	۳۲	

مسئلہ ممات ۷ سے تھا کیونکہ اس مسئلے میں نصف اور دو ثلث جمع ہیں پھر اس کا عول ۷ کی طرف کیا گیا پس شوہر کو نصف دیا گیا کہ تین سہام ہوتے ہیں اور دونوں بہنوں کو دو ثلث دیئے گئے کہ ۴ ہوتے ہیں۔

مسئلہ ۲ سے۔ مضروب ۴۔ تصحیح اسکی ۸ سے۔ بلحاظ حیات۔

منہ

شوہر	دو حقیقی بہنیں	ایک حقیقی برادر مفقود
۱	۱	۱
۴	۴	۴
۲۸	۲۸	۲۸

مسئلہ حیات دو سے کیا گیا ایک شوہر کو دیا گیا ایک دو بہنوں کو مع برادر مفقود کے پنچا اور ظاہر ہے کہ ایک بہائی بمنزلے دو بہنوں کے ہے تو اس حساب سے ۴ بہنیں قرار پاتی ہیں جب ۴ رؤس کو دو میں کہ اصل مسئلہ ہے ضرب دیا گیا تو ۸ حاصل ہوئے ان میں سے نصف یعنی چار شوہر کو دیئے باقی چار دو بہنوں اور ایک بہائی پر اس طرح تقسیم ہوئے کہ بہائی کو دو اور بہنوں کو ایک ایک سہم دیا گیا۔ اور مسئلے کی تصحیح ۸ سے ہوگئی اس تفصیل سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ مفقود کی موت اوسکی حیات سے بہنوں کے حق میں مفید ہے کیونکہ انکو مسئلہ عائلہ میں سے نصف سے زائد ملتا ہے اور شوہر کو نصف سے کم اور اوسکی زندگی بہ نسبت موت کے شوہر کے حق میں مفید ہے کیونکہ اس کو بلا عول نصف ملتا ہے اس لئے مفقود کی زندگی بہنوں کے حق میں معتبر ہوئی اور مفقود کی موت شوہر کے حق میں مانی گئی صورت اول میں بہنوں کو چوتھائی مال اور دوسری صورت میں شوہر کو مال کے سات حصوں میں سے تین حصے دینگے اور جو کچھ بچے گا روک لیا جائے گا۔

دونوں مسئلوں کا حل

ان دونوں مسئلوں میں تباین کی نسبت ہے کیونکہ مسئلہ حیات ۸ ہے اور مسئلہ ممات ۷ ہے ایک کو دوسرے میں ضرب دینے سے ۵۶ حاصل ہوتے ہیں۔ شوہر کے لئے مسئلہ حیات سے ۴ تھے جب ۴ کو مسئلہ وفات یعنی ۷ میں ضرب دیا ۲۸ حاصل ہوئے اور مسئلہ وفات سے شوہر کے ۳ تھے جب تین کو مسئلہ حیات یعنی ۸ میں ضرب دیا ۲۴ حاصل

ہوئے دونون حاصل ضرب میں سے شوہر کو ۲۴ ملینگے کیونکہ یہ اوسکے دونون حصون میں سے کتر ہے اور چار اسکے بڑے حصے میں سے روک لئے جائینگے اور دو بہنون کے مسئلہ حیات سے ۲ تھے جب انکو مسئلہ وفات یعنی ۷ میں ضرب دیا ۱۴ حاصل ہوئے اور ان کا حصہ مسئلہ وفات سے ۴ سہم تھے جب ۴ کو مسئلہ حیات یعنی ۸ میں ضرب دیا تو ۳۲ حاصل ہوئے ان میں سے کم حاصل ضرب کے سہام یعنی ۱۴ بہنون کو دے جائینگے جن میں سے ہر ایک بہن کو سات پہنچینگے ان کے بڑے حاصل ضرب میں سے ۱۸ روک لئے گئے پس جو کچھ شوہر اور بہنون کو پہنچا اوس کا مجموعہ ۳۸ ہے ۵۶ میں سے ۳۸ نکل جانے کے بعد ۱۸ باقی رہے۔

جب یہ بات کھل جائے کہ مفقود زندہ ہے تو شوہر کو اوسکے روکے ہوئے ۴ سہام دیدیئے جائین تاکہ اوس کا آدھا مال یعنی ۲۸ پورے ہوجائین اور ۱۸ میں سے شوہر کو ۴ نکل جانے کے بعد جو ۱۴ باقی رہے ہوئے ہیں وہ بھائی کو مل جائینگے تاکہ ۲۸ پورے ہوکر بھائی بہنون میں پہنچکر مرد پر عورت سے دوچند کے حساب سے بٹ جائے یون۔

شوہر	بھائی	ایک بہن	دوسری بہن
۲۸	۱۴	۷	۷

دیکھو ۵۶ میں سے نصف شوہر کو اور نصف تینون بھائی بہنون کو پہنچگئے۔

اور اگر مفقود کی وفات متحقق ہوجائے تو بہنون کے روکے ہوئے ۱۸ سہام اونکو دیدیئے جائین تاکہ مال کے یہ حصون میں سے ۴ حصے پورے کر ۳۲ ہوتے ہیں اونکو پہنچ جائین اور شوہر اپنے حصے کے چھ بیس کا مل پہلے ہی لے چکا ہے صورت اس کی یون ہوگی۔

شوہر	دو بہنین	کل
۲۴	۳۲	۵۶

فصل فی المرتد

فصل مرتد کی میراث کے بیان میں

مرتد کی فصل کو مفقود کی فصل کے بعد اس لئے ذکر کیا کہ جس طرح مفقود کا مال مسلمان وارثون

میں اوس وقت تک تقسیم نہیں ہو سکتا جب تک قاضی اوسکی موت کا حکم نہ دے اسی طرح مفقود کا مال اوس وقت تک مسلمان وارثوں کو نہیں مل سکتا جب تک قاضی اوسکے الحاق دار الحرب کا حکم نہ دے۔

مرتد لغت میں پھر جانے والے کو کہتے ہیں مطلقاً خواہ ایمان سے پھرے یا غیر ایمان سے اور اصطلاح شرع میں دین اسلام سے پھر جانے والے کو مرتد کہتے ہیں اور ارتداد کا رکن بعد ایمان کے کلمۂ کفر کا زبان پر جاری کرنا ہے یہ ارتداد ظاہری کی تعریف ہے اور ارتداد قلبی تکلم لسانی پر موقوف نہیں۔

فتح القدیر میں ہے کہ جس نے خوش طبعی یا مسخرے پن سے کلمۂ کفر کہا اگرچہ کفر کا معتقد نہو لیکن وہ بسبب خفیف جاننے کے مرتد ہو گیا۔ بحر الرائق میں بھی یہی آیا ہے کہ جو کوئی کلمۂ کفر بطور ہزل کے زبان سے کہے وہ سب کے نزدیک کافر ہے اور اوس کے اعتقاد کا کچھ اعتبار نہیں اور جسنے بطور خطا یا اکراہ کے کلمۂ کفر زبان پر جاری کیا وہ سب کے نزدیک کافر نہیں اور جس نے معلوم کر کے قصداً تکلم کیا وہ بھی بالاتفاق کافر ہے اور جو کوئی کلمۂ کفر بخوشی بولا لیکن اوسکے کفر ہونے سے جاہل ہے تو اس میں اختلاف ہے۔

اور صحت ارتداد کی شرطین عقل اور ہوشیاری اور خود مختاری ہے اس صورت میں مرتد ہونا مجنون اور بے ہوش اور خبطی اور مغفل نافہم اور مست کا اور جس پر جبر و زبردستی ہوئی صحیح نہیں اور مرد ہونا ارتداد کی شرط نہیں جو شخص مرتد ہو جائے حاکم اوسپر اسلام عرض کرے یعنی اوس سے اسلام قبول کرائے اور یہ بطریق استحباب کے ہے نہ بطور وجوب کے اسواسطے کہ اوسکو دعوت اسلام پہنچ چکی ہے پس ایسے شخص پر عرض اسلام واجب نہیں اور عرض اسلام کا فائدہ یہ ہے کہ اگر کوئی شبہ پڑ گیا ہو تو دفع کیا جائے اور اگر وہ مہلت مانگے تو حاکم اوسکو تین دن کی مہلت دے اور اگر نہ مانگے تو فی الفور قتل کر ڈالے ورنہ تین دن کے بعد قتل کر ڈالے کیونکہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ جو کوئی اپنے دین کو بدل ڈالے تو اوسکو قتل کرو جیسا کہ احمد و بخاری نے روایت کیا ہے۔ دین سے مراد اسلام ہے۔ عورت مرتد قتل نہیں کی جائے گی مرد کا مرتد ہونا اوس کا خون اس وجہ سے مباح کرتا ہے کہ مرتد ہونا ایک سخت جرم ہے۔ پس اوس کی سزائے سخت یعنی قتل کرنا اوسکے لئے لازم ہے اور عورت کو قتل کرنے سے چونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے اس لئے وہ قتل نہیں کی جائے گی کیونکہ عورتوں کی ذات سے لڑائی کی اُمید نہیں اس لئے کہ اونکی خلقت میں جنگ کی صلاحیت نہیں ہے بخلاف مرد کے پس مرتدہ کافرہ بھی مانند اصلیہ کافرہ کے مقتول نہو گی لیکن قید خانے میں رکھی جائے گی۔ یہاں تک کہ مسلمان ہو جائے کیونکہ وہ رب العزت کے حق کا اقرار کر کے ادا کرنے سے انکار کرتی ہے تو قید کر کے اوس کے ادا کرنے پر مجبور کی جائے گی جیسے بندوں کے حقوق میں ہوتا ہے۔

امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ مرتد کی ملکیت مال سے زائل ہو جاتی ہے کیونکہ مرتد مثل ایک حربی کافر کے ہے جو ہمارے ہاتھ میں مقہور و گرفتار رہے تاکہ قتل کیا جائے اور قتل بدون لڑائی کے نہیں ہوتا یعنی بالفعل وہ حربی ہے اس واسطے اوس کا قتل جائز ہے پس یہ امر واجب کرتا ہے کہ اوس کی ملک و مالکیت زائل ہو جائے صرف اتنی بات ہے کہ مرتد پر جبر کرکے اسلام کی طرف بلایا جاتا ہے اور اُمید ہے کہ وہ اسلام کی طرف عود کرے پس اوس کے معاملے میں اوسوقت تک توقف کیا جائے گا کہ ظاہر ہو جائے کہ وہ اسلام لائے گا یا نہیں پس اگر مسلمان ہو گیا تو یہ مرتد ہو جانا زوال ملک کے حق میں کالعدم ٹھہرایا جائے گا گویا کہ وہ برابر مسلمان رہا اور ملک زائل ہونے کا سبب یعنی ارتداد نہیں کیا اور اگر وہ مر گیا یا اپنے مرتد ہونے پر قتل کیا گیا یا بھاگ کر دار الحرب میں پہنچا اور قاضی نے اوسکے کفار میں ملحق ہو جانے کا حکم دیدیا تو اوسکے کفر کا حکم جم گیا اب ارتداد اپنا عمل کریگا اور اوسکی ملک زائل ہو جائے گی۔ اور صاحبین کے نزدیک مرتد کی ملکیت اوسکے مال سے زائل نہیں ہوتی کیونکہ وہ مکاسب محتاج ہے تو قتل ہونے تک اوسکی ملکیت باقی رہی ہے جیسے وہ شخص جس پر رجم یا قصاص کا حکم دیا گیا تو تا وقت قتل یا رجم اپنی چیزوں کا مالک رہتا ہے **اذا مات المرتد على ارتداده او قتل او لحق بدار الحرب وحكم القاضي بلحاقه** یعنی اگر مرتد مر جائے یا مارا جائے یا دار الحرب میں پہنچ جائے اور حاکم شرع اوسکے لحوق دار الحرب کا حکم صادر کرے لیکن حکم لحاق قصداً صحیح نہیں ہو سکتا اسواسطے کہ لحاق موت کی مانند ہے اور موت کا دن داخل تحت قضا نہیں فما التسبب في حال السلام فهو لورثة المسلمين امام اعظم کا یہ قول ہے کہ جو مال حالت اسلام میں مرتد نے پیدا کیا ہے وہ درمیان وارثان مسلمین کے تقسیم کیا جائے پھر رہا یہ کہ کون شخص اُس کا وارث ہوگا تو حسن نے ابو حنیفہ سے روایت کی ہے کہ اوس وارث کا اعتبار ہے کہ ارتداد کے وقت وارث تھا اور مرتد کی موت تک زندہ رہے اور جو کوئی اسکے بعد پیدا ہو وارث نہیں بن سکتا یہاں تک کہ مرتد کے بعض قرابتی اوسکے ارتداد کے بعد حلقۂ اسلام میں آجائیں یا ارتداد مرتد کے بعد اوس کا نطفہ قائم ہوا تھا اور بچہ پیدا ہو تو یہ دونوں مرتد کے مال کے وارث نہ ہونگے اور ابو یوسف نے امام ابو حنیفہ سے روایت کی ہے کہ وجود وارث کا ارتداد کے وقت معتبر ہے اور اگر یہ وارث مرتد کی موت سے قبل مر بھی جائے تو استحقاق وراثت کا باطل نہیں ہو سکتا بلکہ اوسکے وارث اوسکی جگہ مرتد کے مال کے وارث ہونگے کیونکہ مرتد ہونا بمنزلے موت کے ہے اور محمد نے ابو حنیفہ سے روایت کی ہے کہ وہ وارث معتبر ہے کہ جو وقت قتل یا موت مرتد کے وارث ہو عام ہے اس سے کہ مرتد کے ارتداد کے وقت موجود ہو یا اوس کے بعد حادث ہو کیونکہ سبب منعقد ہونے کے بعد اس سبب کے پورا ہونے سے پہلے جو وارث پیدا ہوا گویا وہ

سبب منعقد ہونے سے پہلے پیدا ہوا جیسے مبیعہ کنیز سے قبضے سے پہلے بچہ پیدا ہوا یعنی وہ قبل بیع کے قرار دیا جاتا ہے اور مرتد کی مسلمان زوجہ بھی وارث ہوئی بشرطیکہ جسوقت میں مرتد مرا یا قتل کیا گیا ہے اوس وقت یہ عورت عدت میں ہو کیونکہ شوہر مرتد قرار کرنے والا ہو جائے گا اگرچہ شوہر مرتد ہونے کے وقت تندرست ہو وما اکتسبہ فی حال ردتہ یوضع فی بیت المال اور جو مال بعد مرتد ہونے کے حالت ردت میں حاصل کیا ہے وہ بیت المال میں داخل کیا جائے گا کیونکہ وہ مال غنیمت ہے عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ امام ابو حنیفہ نے ایسا ہی فرمایا ہے یعنی مرتد نے جو کچھ حالت اسلام میں کمایا تھا اور جو کچھ ردت کی حالت میں کمایا تھا دونوں کی بابت جو کچھ مذکور ہوا یہ امام کا مذہب ہے وعندھما اکتسبہ حال ردتہ لورثتہ المسلمین اور صاحبین کا یہ قول ہے کہ دونوں حالتوں کا مال مسلمان وارثوں پر تقسیم کیا جائے اور اسی قول پر فتوے ہے اس واسطے کہ اس زمانے میں بیت المال نہیں ہے۔

صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ اوسکی دونوں قسم کی کمائیاں بعد مرتد ہونے کے اوس کی ملکیت میں باقی ہیں جیسا کہ صاحبین کا مذہب اوپر بیان ہوا تو اوسکی موت سے بعد اوس کی ملک اوسکے وارثوں کی طرف منتقل ہوگی اور یہ مرتد ہونے سے کچھ پہلے کی طرف مستند ہوگی کیونکہ مرتد ہونا اوس کی موت کا سبب ہے تو مسلمان کا میراث پانا مسلمان ہی سے ہوا اور امام کی دلیل یہ ہے کہ اسلام کی کمائی کو اس طرح مستند کرنا ممکن ہے کیونکہ وہ مرتد ہونے سے پہلا موجود تھی اور ارتداد کی کمائی کو اس طرح مستند کرنا ممکن نہیں کیونکہ وہ مرتد ہونے سے پہلا موجود نہ تھی حالانکہ مستند ہونیکے واسطے یہ شرط ہے کہ اُس وقت موجود ہو وعند الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ اکتسبہ جمیعا یوضع فی بیت المال اور امام شافعی کے نزدیک اوسکے دونوں قسم کے مال کو بیت المال میں رکھنا چاہئے کیونکہ وہ بحالت کفر مرا اور کافر کا وارث مسلمان نہیں ہوتا ہے پھر یہ مال ایک ایسے حربی کا ٹھہرا جسکے واسطے امان نہیں ہے تو مال غنیمت ہو جائے گا یعنی امام مالک و امام احمد نے کہا ہے وما اکتسبہ بعد اللحوق بدار الحرب فھو فیئ[1] بالاجماع اور جو کچھ مرتد نے دار الحرب میں پہنچنے کے بعد کمایا وہ فے ہے اس میں سب کا اتفاق ہے پھر صورت جب کوئی مرتد ہوکر دار الحرب میں ملگیا اور حاکم نے اوسکے مل جانے کا حکم دیدیا تو اوس کے مملوک مدبر و ام ولد سب آزاد ہو گئے مدبر تو ثلث مال سے آزاد ہوگا اور اوس کی ام ولد کل مال سے آزاد ہوگی اور اوس پر جو میعادی قرضے تھے وہ فی الحال واجب الادا ہو گئے اور شافعی نے فرمایا ہے کہ اوس کا مال اوسکی ملکت میں بطور توقف کے رہے گا جیسے دار الحرب میں جانے سے پہلے یہی حکم تھا کیونکہ دار الحرب میں مل جانا گویا سفر میں غائب ہونے کے مشابہ ہے تو ایسا ہوا کہ گویا دار الاسلام میں سفر کے لئے غائب ہوا اور ابو حنیفہ کی

[1] فے حرف فا کو فتح سے اوس مال کو کہتے ہیں جو کفار سے بغیر قتال کے حاصل ہو ۱۲ از مصطلحات فقہیہ مولفہ شارح ۔

طرف سے دلیل یہ ہے کہ وہ حربیون سے ملکر مرتد ہوگیا اور اسلامی احکام کے حق میں حربی لوگ بمنزلے مردہ کے ہیں کیونکہ اون پر کوئی بات لازم کرنے کی ولایت منقطع ہے جیسے یہ ولایت مردے سے منقطع ہوتی ہے لیکن بات یہ ہے کہ اوسکے دار الحرب میں ملنے کا حکم ندیا جائے گا مگر جبکہ قاضی حکم دے کیونکہ مسلمانون کی طرف پھر آنے کا احتمال ہے تو حکم قاضی ضروری ہوا اور جب اوسکی موت متقرر ہوگئی تو اوسکے مرنے کے ساتھ جو احکام وابستہ تھے وہ ثابت ہوگئے یعنی اوسکے مدبر وام ولد کا آزاد ہونا وغیرہ وغیرہ جیسے حقیقۃً مرجانے میں ہوتا ہے اور اوس کا مال وارثون میں قسمت کیا جائے گا اور اوس کا مکاتب بدل کتابت کو اوسکے وارثون کو ادا کرے گا اور ولاء مرد مرتد ہی کے واسطے ہوگی اس واسطے کہ وہی آزاد کرنے والا ہے۔

مطلب اس کا یہ ہے کہ اوسکے وارث ابتداءً اولاد کے وارث نہونگے بلکہ عصبہ بنفسہ اوسکو وراثت میں پائے گا اور اگر ولاء میں وارثون کا حق ہوتا تو عورت بھی اوس میں داخل ہوتی پھر امام محمد کے نزدیک وارث ہونا مرتد کے دار الحرب میں ملنے کے وقت معتبر ہے کیونکہ یہی ملنا سبب میراث ہے اور حکم قاضی اسکو ٹھیک ثابت کرتا ہے تاکہ احتمال جاتا رہے حاصل کلام یہ ہے کہ دار الحرب میں مل جانے کے وقت جو وارث پیدا ہو وہ بھی وارث ہی اور امام ابو یوسف نے کہا ہے کہ حکم قاضی کے وقت وارث ہونا معتبر ہے کیونکہ اوس کا حربیون میں ملنا بوجہ حکم قاضی کے موت ہوجائے گا تھے کہ اوسکے حربیون میں ملنے کے بعد حکم قاضی سے پہلے جو بچہ پیدا ہوا وہ بھی وارث ہوگا اور مرتد پر جو قرضے حالت اسلام میں لازم ہوئے تھے وہ اوسکی اسلام کی کمائی سے ادا کئے جائینگے اور جو قرضے اوس کے مرتد ہونے کی حالت میں لازم ہوئے ہیں وہ اوسکی ارتداد کی کمائی سے ادا کئے جائینگے ابو حنیفہ سے زفر نے ایسا ہی روایت کیا ہے۔ اور دوسری روایت ہے کہ پہلے اسلام کی کمائی سے ادا کرنا شروع کیا جائے پھر اگر یہ کمائی اوسکے قرضون کو کافی نہو تو اوسکے ارتداد کی کمائی سے ادا کئے جائیں جیسا کہ حسن نے امام سے روایت کی ہے اور تیسری روایت امام اس کی برعکس ہے یعنی پہلے ردت کی کمائی سے شروع ہو پھر اگر سب قرضے ادا نہوں تو اسلام کی کمائی سے ادا کئے جائیں۔

یہ روایت امام سے ابو یوسف نے کی ہے اور روایت اول کی وجہ یہ ہے کہ جو کچھ اوسپر واجب الادا ہے اوس میں مختلف دو سببون کی وجہ سے اختلاف پڑا ہوا ہے یعنی اسلام کی حالت کی کمائی کے سبب سے اوسپر اسلامی قرضہ واجب الادا ہے اور ارتداد کی کمائی کی وجہ سے ردت کا قرضہ واجب الادا ہے پس دو مختلف سبب سے دو طرح کا قرض اوس پر واجب ہے اور اسلام کی کمائی اور ردت کی کمائی دونون میں سے ہر ایک اوس کو باعتبار ایسے سبب کے حاصل ہوئی۔ جس کے واسطے قرض واجب ہوا تھا

حالت اسلام میں اوس نے کوئی چیز اُدھار لیکر نفع سے فروخت کی اور حالت ردت میں مثلاً شراب اُدھار لیکر نفع کیا پس دونوں کمائیاں اپنے اپنے اُدھار سے حاصل ہوئیں جسکے سبب سے اوسکے اوپر قرضہ چڑھا پس ہر ایک قرضہ اوسی کمائی سے ادا کیا جائے گا جو قرضے کے وقت کی حالت کی کمائی ہے تاکہ قرضہ بھرنا باعتبار منفعت کے ہو اور دوسری روایت کی وجہ یہ ہے کہ حالت اسلام کی کمائی اوس کی ملک ہے حتے کہ اوس کمائی میں اُس کا وارث بجائے اوس کے قائم ہوتا ہے یعنی میراث پاتا ہے اور ایسی قائم مقامی کے لئے شرط یہ ہے کہ مورث کے حق سے فارغ ہو پس قرضہ اوسپر مقدم ہوگا اور رہی ردت کی کمائی تو وہ مرتد کی مملوک نہیں ہے کیونکہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک بوجہ اوس کے مرتد ہو جانے کے مالک ہونے کی لیاقت باطل ہوگئی تو اس کمائی سے اوس کا قرضہ نہیں دیا جاوے گا مگر جب اسلام کی کمائی سے یہ قرضہ ادا کرنا متعذر ہو تو اس وقت ردت کی کمائی سے ادا کیا جائے گا جیسے ذمی اگر مرگیا حالانکہ اوس کا کوئی وارث نہیں ہے تو اوس کا تمام مال مسلمانوں کی جماعت کے واسطے ہوتا ہے اور اگر اوس پر قرضہ ہو تو اوس مال سے ادا کیا جاتا ہے پس ایسے ہی اس مقام پر ہوگا۔ تیسری روایت کی وجہ یہ ہے کہ اُس کی اسلام کی کمائی اُسکے وارثوں کا حق ہے اور ردت کی کمائی اُس کا خالص حق ہے تو ردت کی کمائی سے قرض ادا کرنا مقدم ہوگا لیکن اگر یہ ناممکن ہو اس طرح کہ یہ کمائی ادائے قرض کو کافی نہو تو ایسی صورت میں اوسکی اسلام کی کمائی سے ادا کیا جائے گا کیونکہ اوس کا حق بہ نسبت میراث بنانے کے مقدم ہے۔

اور امام ابو یوسف اور امام محمد اور امام شافعی اور امام مالک و امام احمد نے کہا ہے کہ قرض اسکی دونوں کمائیوں سے ادا کئے جائینگے کیونکہ دونوں کمائیاں اوس کی ملک ہیں حتے کہ دونوں میں میراث جاری ہوتی ہے۔

فائدہ - اگر مرتد دارالحرب میں اپنے مال کے ساتھ چلا گیا اور اہل اسلام کو اوسپر غلبہ حاصل ہوا تو اوس کا مال غنیمت ہے نہ اوس کی ذات اس واسطے کہ مرتد غلام نہیں بن سکتا اور ارتداد کا حکم ایک پشت جاری رہتا ہے نہ دو پشت تک و کسب المرتد فیئ جمیع المسلمین بلا خلاف بین اصحابنا اور مرتدہ عورت کا کمایا ہوا مال خواہ اسلام کی حالت میں کمایا ہو یا ارتداد کی حالت میں دارالحرب میں اوسکے پہنچ جانے سے قبل وہ اوس کے مسلمان وارثوں کا ہے اس میں ہمارے تمام علما کو اتفاق ہے کیونکہ عورت کی طرف سے جنگ کی امید نہیں ہے تو گویا ایسا سبب نہیں پایا گیا جس سے اوسکی کمائی مال غنیمت ہو بخلاف مرد مرتد کے کہ اوسکی حالت ردت کی کمائی امام ابو حنیفہ کے نزدیک مال غنیمت ہے اور مرتدہ کا مسلمان شوہر اوس کا وارث ہوگا بشرطیکہ مرتدہ مذکورہ مرتد ہونے کے وقت مریضہ ہو کیونکہ اوسنے شوہر کا حق میراث مٹانا چاہا اور اگر وہ مرتد ہونے کے وقت مریضہ نہو تو شوہر مسلمان اوس کا وارث نہ ہوگا کیونکہ عورت قتل نہیں کی جاتی ہے پس اوسکے مرتدہ ہونے سے

اوسکے مال کے ساتھ شوہر کا کوئی حق متعلق نہیں ہوا بخلاف مرد مرتد کے یعنی چونکہ وہ قتل کیا جاتا ہے پس اوسکے مال سے وارثوں کا حق متعلق ہو جاتا ہے اور اگر مرتدہ عورت بھاگ کر دار الحرب میں پہنچ گئی تو اس میں بھی مرد مرتد کے دار الحرب میں مل جانے کا سا اختلاف ہے یعنی امام محمد کے نزدیک وہی وارث ستیر ہونگے جو دار الحرب میں ملنے کے وقت موجود ہیں اور امام ابو یوسف کے نزدیک قاضی کا حکم ہونے تک جو موجود ہیں وہ وارث ستیر ہونگے

واما المرتد فلا یرث من احد لانه من مسلم ولا من مرتد مثله اور مرتد کسی کا بھی وارث نہیں ہو سکتا نہ مسلمان کا نہ کافر کا اپنی طرح کے دوسرے مرتد کا کیونکہ مرتد سے گناہ صادر ہوا ہے اس سے وہ وارث کا کہ ایک صلہ رحمی ہے مستحق نہیں ہو سکتا بلکہ حضرات کے طور پر بالکل محروم کر دیا جائے گا جیسے کوئی شخص اپنے مورث کو ناحق مار ڈالے تو وہ محروم ہو جاتا ہے علاوہ اسکے مرتد کا کوئی مذہب بھی تو نہیں ہے کیونکہ جس مذہب کو مرتد نے ارتداد اً اختیار کیا ہے اوسپر وہ باقی نہیں رہے گا یا تو مجبور کر کے مسلمان بنایا جائے گا یا قتل کر ڈالا جائے گا اور میراث کے لئے ملت کا ہونا شرط ہے یہی وجہ ہے کہ اوس کا نکاح بھی نہ کسی مسلمان عورت سے کیا جا سکتا ہے نہ کافرۂ اصلیہ سے نہ کافرۂ مرتدہ سے کیونکہ نکاح کے لئے بھی کسی ملت کی پابندی شرط ہے اور مرتد کے لئے کوئی ملت قائم نہیں ولکن لملک المرتد تو یہی حال مرتدہ عورت کا ہے کہ نہ وہ مسلمان کی وارث ہو سکتی ہے نہ مرتد مورث کی کیونکہ ارتداد گناہ ہے پس صلہ رحم شرعیہ کی کہ ارث ہے مستحق نہیں ہو سکتی بلکہ یہ جو عقوبت سے میراث سے محروم ہو گی علاوہ اس کے اوسکے لئے کوئی ملت ثابت نہیں ہے۔

الا اذا ارتد اهل ناحیه باجمعهم فحینئذ یتوارثون مگر جبکہ ایک ناحیے کے سب لوگ مرتد ہو جائیں تو وہ آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہونگے ناحیہ سے مراد یہ ہے کہ ایک بستی یا ایک پرگنے یا ایک ضلع کے سب لوگ مرتد ہو جاویں کیونکہ ان کی بستی میں کفر کے احکام جاری ہو جائینگے اور اس وجہ سے وہ دار الحرب قرار پا جائے گی اور ان سے مسلمانوں کا قتال کرنا روا ہو گا اگر مسلمان اون پر غالب آجائیں تو اون کی عورتیں اور ذریات لونڈی غلام بن جائینگے۔

نظیر اس کی نبی حنیفہ کا حال ہے کہ جب وہ مرتد ہو گئے تو حضرت ابو بکرؓ نے اون سے جنگ کی اور اون کی عورتوں وغیرہ کو گرفتار کر کے لونڈی غلام بنایا انمیں سے ایک عورت حضرت علیؓ کو بھی ملی تھی جس سے اونکے ایک بیٹا پیدا ہوا جو محمد ابن حنفیہ کے نام سے مشہور ہے۔

اسی طرح جب بنی ناجیہ مرتد ہو گئے تھے تو حضرت علیؓ نے اون کی ذریات کو لونڈی غلام بنا لیا تھا پھر اون کو معیقلہ بن سبیرہ کے ہاتھ ایک لاکھ درم کو فروخت کر دیا۔

فصل فی الاسیر

فصل میراث اسیر کے بیانمیں

اسیر سے وہ شخص مراد ہے جس کو کفار دارالاسلام سے لیجا کر قید رکھتے ہیں اس کا حال مرتد کے بعد اس لئے لائے کہ جس طرح اسلام مرتد کا اصل اور ارتداد اس کو عارض ہے اسی طرح اسیر میں اصل بے قیدی ہے اور قید اوس پر عارض ہے اسیر کے تین حال ہیں

(۱) ایک حال یہ ہے حکم الاسیر کحکم سائر المسلمین فی المیراث ما لم یفارق دینہ جب تک وہ مسلمان رہے اور ترک دین نکرے میراث میں مسلمانوں کی طرح ہے یعنی وہ وارث دوسرے کا اور دوسرے وارث اوسکے ہیں یعنی جو مسلمان کفار کے پنجے میں پھنس گیا اور مفقود الحال نہیں ہوا بلکہ معلوم ہے کہ وہ اپنے دین پر مرا تو اوس کے واسطے دوسرے مسلمانوں کا سا حکم ہے جتنے کہ جو مورث مرے اوسکے ترکے میں اسیر کا حصہ ہے اور اسیر مرے تو اوس کے مال میں وارثوں کا حصہ ہے۔

(۲) دوسرا حال یہ ہے فان فارق دینہ اور اگر اسیر نے اپنا دین ترک کر دیا اور اس میں فرق نہیں کہ دارالاسلام میں مرتد ہو جائے اور اس کے بعد دارالحرب میں پہنچے یا دارالحرب میں مرتد ہووے اور ہمیشہ وہاں رہنے لگے اور یہ بھی اسی قبیل سے ہے کہ دین اوس کا معلوم نہو فحکمہ حکم المرتد تو ایسی حالتوں میں مثل مرتد کے ہے یعنی جملہ احکام مرتد کے اوس پر اثر پذیر ہونگے۔

(۳) تیسرا حال یہ ہے فان لم تعلم ردتہ ولا حیاتہ ولا موتہ فحکمہ حکم المفقود اگر کیفیت حیات و موت و ارتداد کی معلوم نہو تو مفقود کی طرح ہے کہ جملہ احکام مفقود کے اوس سے متعلق ہونگے۔

اگر اسیر کے وارث اوسکے ارتداد کا دعوے کریں تو بغیر گواہی دو مسلم عادل کے قبول نہو گا اگر ایسی ہی شہادت گذرے تو حاکم تقسیم مال کا وارثوں میں حکم دیگا اگر اسیر قبل حکم حاکم کے واپس آئے اور ارتداد سے انکار کرے تو قول اوس کا معتبر ہے اوس کا مال اوس کو دیا جائے گا اگر بعد حکم حاکم کے آوے اور ارتداد سے انکار کرے تو حکم حاکم کا منسوخ نہو گا اور اوس کی زوجہ اوس کو نہ دی جائے گی اگر کچھ مال وارثوں کے پاس موجود ہو تو وہ واپس دلوا دیا جائے گا مگر اسیر کو اپنی زوجہ سے تجدید نکاح کا اختیار ہے۔

فصل

یہ فصل ایسی جماعت کی وراثت کے بیان میں ہے کہ اون کی موت کی تاریخ مبہم رہی ہو اس فصل کو اسیر کی فصل کے بعد اسلئے ذکر کیا کہ غریق اور حریق وغیرہ مقتول ہیں ان کا ذکر اسیر کے بعد لائق ہے کیونکہ موجب دونوں کا مال ہے قتل میں دیت دی جاتی ہے اور قید میں فدیہ جیسا کہ ضوء السراج میں ہے۔ فی الغرقے ان میں سے ایک غرقے ہیں اور وہ ایسے رشتہ دار دن کی جماعت ہے جو دریا میں ڈوب گئی ہو والحرقے اونمیں سے دوسری جماعت حرقے ہیں اور وہ جماعت ہے جو آگ میں جل گئی ہو والہدمی اور اونمیں سے تیسری ہدمے ہیں کہ اون لوگون کو کہتے ہیں جن پر دیوار یا چھت گر گئی ہو ان تینون لفظون میں سے غرقے جمع ہے غریق کی اور حرقے جمع ہے حریق کی جو فعیل کے وزن پر ہیں روالمختار میں لکھا ہے کہ یہاں فعیل مفعول کے معنے میں ہے یعنی وہ جماعتیں جو پانی میں ڈوب گئی ہون اور آگ میں جل گئی ہوں اور کسی چیز کے تلے دبکر مر گئی ہون کسی لغت کی کتاب سے یہ نہ معلوم ہوا کہ ہدمے کس لفظ کی جمع ہے یہان تک کہ لسان العرب اور المنجد میں بھی اس کا ذکر نہیں البتہ مولوی عبد الحی لکھنوی مرحوم نے شریفیہ کے حاشیے میں لکھا ہے کہ ہدمے جمع ہے ہدیم کے جو فعیل کے وزن پر مفعول کے معنے میں ہے اذا ماتت جماعة ولا یدری ایهم مات اولا یعنی ایک جماعت کے درمیان قرابت ہووے اور وہ یکبارگی مرجائے اور یہ معلوم نہیں کہ کون پہلے مرا جیسا کہ ایک کشتی کے لوگ ساتھ ہی ڈوب گئی یا ایک گھر کے لوگ ساتھ ہی آگ سے جلگئے یا اون پر دیوار یا چھت گر پڑی یا معرکے میں مقتول ہوئے اور موت کا تقدم وتاخر معلوم نہیں جعلوا کانهم ماتوا معا یعنی یہ قرار دیا جائے گا کہ گویا وہ ساتھ ہی ایک ہی آن میں مر گئے فمال کل واحد لورثته الاحیاء اون میں سے ہر ایک کا ترکہ اونکے زندہ وارثون کا حق ہے ولا یرث بعض الاموات من بعض هذا هو المختار اور وہ باہم ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے ہمارے علما کا یہی مختار ہے یعنی ڈوب کر یا جلکر یا دب کر مرنے والون میں باہم وراثت نہیں ہوتی یعنی انمیں سے ایک دوسرے کا وارث نہیں ہوتا یہی امام شافعی کا مختار ہے اور یہی مالک کا مذہب ہے جیسا کہ اونھون نے موطا میں تصریح کی ہے یہی حضرت ابوبکر وعمر وزید بن ثابت رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ غرقے اور اونکی امثال کی پانچ صورتیں ہیں۔

پہلی صورت یہ ہے کہ اون میں سے میت سابق بالیقین معلوم ہو اس کا حکم صریح یہی

کہ پہلا اگلے کا وارث ہوگا۔

دوسری صورت یہ ہے میت سابق ہے لیکن پہلے تو معلوم نہیں پھر اوس میں شبہ پڑگیا اوس کا حکم یہ ہے کہ اس کی میراث معطل رہے گی تا وقتیکہ شبہ زائل ہوکر یقین حاصل ہو یا وارث باہم صلح کرلیں اسواسطے کہ یاد آجانے سے مایوسی نہیں ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ میت سابق بالیقین معلوم ہو۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ سب کی موت ساتھ ہی ہو۔

پانچویں صورت یہ ہے کہ سبقت اور معیت کچھ معلوم نہو۔

پچھلی تین صورتوں میں ایک دوسرے کا وارث نہوگا۔

اور جبکہ اموات مذکورین کی ترتیب معلوم نہوے تو ہر ایک میت کا مال اون لوگون میں سے اوسکے زندہ وارثون پر تقسیم کیا جائے اسواسطے کہ اموات مذکورین کا باہم وارث ہونا شک کے سبب سے نہیں کیونکہ استحقاق میراث کے سبب میں بیان شک واقع ہے وجہ یہ ہے کہ استحقاق کا سبب ایک کی زندگی دوسرے کی موت کے بعد ہر وردہ بالیقین معلوم نہیں اور جب تک سبب متیقن نہو میراث کا استحقاق متحقق نہیں اسواسطے کہ ثبوت سبب کا شک سے متصور نہیں۔

فرائض شریفی میں ہے کہ صدیق اکبر نے اہل یمامہ کے مقتولین میں اسی طرح کا حکم کیا تھا یعنی زندون کو مردون کی میراث دلائی اور ایک میت کو دوسری میت کی میراث نہیں دی اور جبکہ ملک شام کے عمواس مقام میں وبا سے لوگ مرگئے تو عمر فاروق نے اسی طرح حکم کیا اور علی مرتضے نے بھی صفین اور جمل کے مقتولین میں یہی حکم جاری فرمایا

وقال علی وابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما یرث بعضہم عن بعض الا فی ما ورث کل واحد منہم من صاحبہ اور ایک روایت میں حضرت علیؓ اور ابن مسعود سے آیا ہے کہ بعض اُن اموات میں سے بعض دوسری اموات کے وارث ہوتے ہیں مگر اوس چیز میں ورث نہیں ہوتے کہ ایک اون میں اپنے ساتھی کا وارث ہوا ہو اس واسطے کہ اگر اوس میں بھی ارث ایک دوسرے کی جاری ہو تو لازم آتا ہے کہ ہر ایک وارث اپنے ذاتی مال کا وارث ہوا ہے اور اسکے بطلان میں شبہ نہیں اور ابن ابی لیلےٰ کا یہی مذہب ہے پس اگر دو چھوٹے بڑے بھائی یکبارگی ڈوب جائیں اور ہر ایک کا وارث ماں اور ایک بیٹی اور ایک آزاد کرنے والا آقا ہو اور ہر ایک کا ترکہ نوے روپیہ ہو تو علمائے حنفیہ کے نزدیک ہر ایک بھائی کا ترکہ اس طرح تقسیم ہوگا کہ ہر ایک کی ماں کو چھٹا حصہ کہ ۱۵ روپے ہوتے ہیں دیا جائیگا اور بیٹی کو نصف کہ ۴۵ روپے ہوتے ہیں ملینگے اور باقی ماندہ کہ ۳۰ روپے ہیں آزاد کرنے والے آقا کو ملینگے اور ایک روایت علی اور ابن مسعود سے یہ ہے کہ اول بڑے بھائی کی موت کا حکم کیا جائے گا اور ترکہ اوس کا اس طرح تقسیم پائے گا کہ ماں کو چھٹا ترکہ کہ ۱۵ روپے

ہوتے ہیں ملے گا اور بیٹی کو آدھا ترکہ کہ ۴۵ روپے ہوتے ہیں پہنچے گا اور چھوٹے بھائی کو باقی تیس روپے دیئے جائیں گے بعد اسکے چھوٹے بھائی کی موت کا حکم کیا جائے گا اور بڑے بھائی کو زندہ مانا جائے گا اور اس کا ترکہ اوسی طرح تقسیم ہوگا جیسا کہ سابق مذکور ہوا پس دونوں بھائیوں کے ترکے سے تیس تیس روپے باقی رہتے ہیں کہ ان کو ایک سنے دوسرے سے میراث پایا ہے پس اس میں سے ماں کو چھٹا حصہ کہ پانچ روپے ہوتے ہیں ملینگے اور ہر ایک کی بیٹی کو نصف کہ ۱۵ ہوتے ہیں پہنچینگے اور باقی ماندہ تیس روپے میں کا کہ دس روپے ہیں مولا کو ملینگے اس طرح کہ بڑے کے ترکے میں سے دس روپے بڑے کا مولا پائے گا اسی طرح چھوٹے کے باقی ماندہ ترکے میں سے چھوٹے کا مولا حاصل کریگا اس لئے کہ یہ لوگ اس چیز میں کہ ایک کو دوسرے سے میراث میں پہنچی ہو باہم وارث نہیں ہوتے پس صورت مذکورہ میں ہر ایک بیٹے کے ترکے میں سے ماں کو بیس بیس روپے پہنچتے ہیں اور ہر ایک کی بیٹی کو ساٹھ ساٹھ روپے اور ہر ایک کے آزاد کرنے والے کو دس دس روپے ملتے ہیں اور کل رقم ماں کی چالیس روپے ہو جاتی ہے اس طرح کہ بڑے کے ترکے میں سے اسی پندرہ روپے ملے پھر چھوٹے کے ترکے میں سے ۱۵ پائے یہ تیس ہوئے دوبارہ بڑے کے بقیہ ترکہ یعنی تیس میں سے اوس نے پانچ پائے اسی طرح چھوٹے کے بقیہ ترکہ یعنی تیس میں سے اوسے دوبارہ پانچ ملے تو بڑے بیٹے کی جانب سے کل بیس پہنچے اور اسی طرح چھوٹے کی جانب سے بھی بیس ملے اور بڑے کی بیٹی کو اوس کے باپ کے ترکے میں سے ۴۵ ملے تھے اور چھوٹے کی بیٹی نے بھی باپ کے ترکے میں سے ۴۵ پائے تھے پھر بڑے کے بقیہ ترکہ یعنی ۳۰ میں سے دوبارہ اوس کی بیٹی نے ۱۵ پائے اسی طرح چھوٹے کے بقیہ ترکہ میں سے اوسکی بیٹی نے دوبارہ ۱۵ پائے تو ہر ایک کے جو کچھ ہاتھ آیا وہ ساٹھ ساٹھ روپے ہیں اور مجموعی رقم دونوں کی ۱۲۰ ہوتی ہے اور بڑے بھائی کے مالک کو اوس کے بقیہ ترکہ یعنی تیس میں سے دس ملے تھے اور اسی طرح چھوٹے بھائی کے مالک کو اوسکے بقیہ ترکہ یعنی تیس میں سے دس پہنچے تھے ان تمام وارثوں کے حصے ۴۰ (اور ۴ ۱۲۰ (اور) ۲۰ ہوتے ہیں جن کا مجموعہ ۸۰ ہوا جو مساوی ہے دونوں بھائیوں کے تمام ترکے کے۔

مصنف اس کتاب کے ان الفاظ سے تمام کرتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب خدائے پاک کا ہزار ہزار احسان ہے کہ ایسے علم اہم کی متن و تحقیق کی شرح کو مجھ ناچیز سے عرصۂ قلیل میں اختتام کو پہنچوایا۔

خداوندا اگرچہ یہ گناہگار بندہ کوئی ذریعہ عبادت و بندگی کا اپنی نجات کے لئے نہیں رکھتا ہے لیکن تیرے فضل و کرم کا سہارا بڑا ہے اپنے فضل و کرم سے اس گناہگار کا خاتمہ بالخیر کر اور عذاب قبر کو آسان فرما اور روز حشر میں اپنے حبیب کی شفاعت کبریٰ نصیب فرما اور اس دنیائے ناپائیدار میں تا حیات عزت و حرمت کے ساتھ فارغ البال رکھ

اور مقاصد دنی و دینوی بر لاء
سب پڑھنے والون سے یہ امید ہے کہ حضرت مصنف علیہ الرحمت اور شارح جلیل البضاعت کثیر الجنایت کو دعائے خیر میں یاد کریں۔
میری تمام زندگی میں بہت کم حصہ افکار سے خالی گذرا اور سامان رستگاری آخرت کا بھی ساتھ نہیں لیکن اوسکے لطف و کرم پر نظر ہے ؎
کیونکہ نکتہ نواز ہے اللہ!

ضمیمہ

اس میں تین فصلیں ہین

پہلی فصل

بعضے متشابہ فرائض کے بیان میں ہین کو علم فرائض کے جاننے والے باہم امتحان میں پوچھتے ہیں تاکہ معلومات کا شوق زیادہ پیدا ہو۔
سوال زید مرا اور اوسنے اپنا سگا بھائی چھوڑا اور اپنی زوجہ کا بھائی چھوڑا لیکن سگا بھائی محجوب رہا اور تمام مال اوسکی زوجہ کے بھائی نے پایا تو بتلاؤ کہ اسکی کیا صورت ہے۔
جواب اس کی صورت یہ ہے کہ زید نے ایک عورت سے نکاح کیا اور زید کے پسر بکر نے اوس عورت کی ماں سے نکاح کیا اور زید زندہ ہے اور زید کا سگا بھائی خالد موجود ہے پھر بکر کے اپنی زوجہ سے ایک بیٹا شعیب پیدا ہوا اور بکر مرگیا پھر زید مرا تو زید کی میراث اوسکے بھائی خالد کو نہیں ملے گی بلکہ شعیب کو ملے گی کیونکہ شعیب اوسکے پسر بکر کا بیٹا ہے حالانکہ شعیب اس کی زوجہ کا بھائی ہے تو اس کی زوجہ کے بھائی نے میراث پائی اور سگا بھائی محجوب ہوا۔
سوال ایک مرد اور اوسکی ماں نے میراث میں مال پایا حالانکہ دونوں کو نصف نصف ملا تو اس کی کیا صورت ہے۔
جواب احمد نے اپنی دختر فاطمہ کو اپنے بھائی کے بیٹے محمود سے بیاہ دیا جس سے ایک لڑکا حامد پیدا ہوا پھر محمود مرگیا پھر احمد مرا اور اپنی بیٹی فاطمہ چھوڑی اور بھتیجے کا بیٹا حامد چھوڑا جو فاطمہ کے پیٹ سے ہے تو احمد کی میراث میں سے نصف اوس کی دختر فاطمہ کو ملا اور باقی کا حامد بطور عصبہ وارث ہے تو حامد نے اپنی ماں کی برابر پایا۔
سوال ایک مرد اور اوس کی ماں اور خالہ نے میراث میں جو مال پایا وہ ہر ایک کو ثلثی

تہائی پہنچا تو اس کی کیا صورت ہے۔

جواب عبداللہ کی دو بیٹیاں جہان آرا اور گیتی آرا ہیں پھر اوس نے جہان آرا کو اپنے بھائی کے پسر سے بیاہ دیا جس سے احمد یار پیدا ہوا اور بعد ازاں مر گیا پھر عبداللہ مرا تو اس کا مال جہان آرا اور گیتی آرا کو دو تہائی ملے گا پس ہر ایک کے واسطے تہائی ہوا اور باقی تہائی مال احمد یار کو بطور عصبہ ملے گا جس کی ماں جہان آرا اور خالہ گیتی آرا ہے۔

سوال عمران خان اور عثمان خان اور غضنفر خان تینوں سگے بھائی ہیں انھوں نے میراث پائی عمران خان نے کل مال کی دو تہائی پائی اور باقیوں کو صرف چھٹا حصہ ملا تو اس کی کیا صورت ہے۔

جواب عمران خان نے اپنے چچا کی بیٹی سے نکاح کیا جو لاولد مر گئی اور چھ سو اشرفیاں چھوڑیں اور سوائے ان تینوں بھائیوں کے کوئی وارث موجود نہیں ہے تو عمران خان کو نصف مال بطور فریضۂ شوہر کے ملا اور باقی تین سو اشرفیاں انہیں مساوی تقسیم ہوئیں تو عمران خان کو چار سو اشرفیاں ملیں اور باقی ہر ایک کو صرف سو سو اشرفیاں ملیں جو چھٹا حصہ ہوتا ہے۔

سوال ایک مرد کی چار بیویاں ہیں جن میں سے ایک بیوی کو نصف مال اور آٹھویں کا نصف ملا اور دوسری کو چوتھائی مال مع آٹھویں کے نصف کے ملا اور باقی دو بیویوں میں سے ہر ایک کو آٹھویں حصے کا نصف ملا تو اس کی کیا صورت ہے۔

جواب عبداللطیف کے باپ کی ایک پدری یعنی سوتیلی بہن اور ایک مادری بہن ہے اور ہر ایک کے ایک لڑکی ہے پس عبداللطیف نے اپنی دونوں پھپیوں کی دو بیٹیوں سے نکاح کیا اور عبداللطیف کی ماں کے بھی ایک اخیافی یعنی مادری بہن اور ایک پدری بہن ہے اور ان میں سے ہر ایک کے ایک بیٹی ہے اور عبداللطیف نے دونوں خالاؤں کی بیٹیوں سے بھی نکاح کیا پھر مر گیا اور سوا ان چار دختروں کے کوئی وارث نہیں چھوڑا تو فرائض کے حکم سے اصل مسئلہ ۱۶ سے ہوا جس میں سے چوتھائی یعنی چار سہام چاروں کو زوجیت ہونے کے حق سے ملے تو ہر ایک کو ایک سہم پہنچا پھر باقی ۱۲ سہام مادری و پدری قرابت سے ذوی الارحام ہونے کی حیثیت سے ان کو دیئے جاویں گے اس طرح کہ چار ماں کی جانب والیوں کو اور آٹھ باپ کی جانب والیوں کو ملیں گے لیکن ماں کی جانب میں پدری خالہ کی لڑکی مقدم ہے اور باپ کی جانب میں پدری پھپی کی لڑکی مقدم ہے تو پدری پھپی کی لڑکی کو ۹ سہام پہنچے تو اس کو کل ۱۶ سہام کا نصف مال مع آٹھویں کے نصف کے ملا اور پدری خالہ کی لڑکی کو ۵ سہام ملے اور یہ کل کا چوتھائی مع آٹھویں کے نصف کے ہے اور مادری پھپی کی لڑکی اور مادری خالہ کی لڑکی کو ۱۶ میں سے صرف دو سہام ملے کہ ہر ایک کو ایک ایک سہم پہنچا جو آٹھویں کا نصف ہے۔

سوال ایک مرد کی پدری پھپی کی لڑکی اور مادری پھپی کی لڑکی وارث ہوئیں مگر مادری پھپی کی لڑکی بھی مال کا آٹھوان حصہ لیگی اس کی کیا صورت ہے۔

جواب یہ دونوں اوس کی زوجہ ہیں مسئلہ ۸ سے ہوگا جس میں سے چھ تہائی یعنی دو سہام میں سے ہر ایک کو ایک سہم ملے گا اور باقی اس کی پدری پھپی کی لڑکی ذوی الارحام کی ارث سے پاوے گی تو مادری پھپی کی لڑکی بھی اس کے ساتھ میں آٹھوان حصہ لیگی اور اسی طرح یہ سوال وجواب پدری ومادری خالاؤں کی لڑکیوں میں جاری ہے۔

سوال ایک مرد مرا اور اپنی زوجہ کے ساتھ میں اوس کے سات بھائی چھوڑے حالانکہ بھائی بہنوں نے برابر مال پایا تو اس کی کیا صورت ہے۔

جواب یہ مرد نور الدین ہے جسکے پسر جلال الدین نے اسکی زوجہ کی ماں سے نکاح کیا جس سے سات لڑکے پیدا ہوئے اور جلال الدین کی موت کے بعد نور الدین مرا تو اسکے مال کے آٹھ سہام ہونگے ان میں سے زوجہ کو ایک سہم ملے گا اور باقی سات سہام اوس کے پسر کے سات بیٹوں کے واسطے ہیں حالانکہ یہ سب اوس کی زوجہ کے مادری بھائی ہیں۔

سوال ایک مرد مرا اور اوس نے بیس اشرفیاں چھوڑیں جس میں سے اوس کی زوجہ کو فقط ایک اشرفی ملی تو یہ کیونکر ہوا۔

جواب اسحاق خان نے چار بیویاں اور دو سگی بہنیں اور دو مادری بہنیں چھوڑیں پس اصل مسئلہ ۱۲ سے ہوا کہ جن میں سے ۳ بیویوں کے اور آٹھ سگی بہنوں اور مادری بہنوں کے ہیں پس عول ہو کر مسئلہ ۱۵ سے ہو گیا اور ۵ کی نسبت ۳ کے ساتھ چھ بیویوں کو پہنچے ہیں پانچوان حصہ ہے تو بیس اشرفیوں میں سے پانچوان حصہ چار اشرفیاں ہوئیں اس صورت میں چار بیویوں میں سے ہر ایک کے حصے میں ایک اشرفی آئے گی۔

سوال وارث لوگ میراث تقسیم کرتے تھے کہ ایک مرد آیا اور کہا کہ آپ لوگ میراث تقسیم کرنے میں جلدی نہ کیجئے کہ میری ایک زوجہ سفر میں ہے پس اگر وہ زندہ ہوئی تو میں ورثہ پاؤنگا بلکہ وہی وارث ہوگی اور اگر وہ مر گئی تو وہ نہیں بلکہ میں وارث ہونگا۔ واضح ہو کہ سوال موہم ہے اور مراد یہ ہے کہ تم جس میت کی میراث تقسیم کرتے ہو اس سے پہلے یہ عورت مری ہو۔

جواب اس کی صورت یہ ہے کہ میت جسکی میراث تقسیم کی جاتی ہے ایک عورت تھی جس نے سگی دو بہنیں اور مادری بہن اور پدری بھائی چھوڑا ہے اور پدری بھائی نے اوس کی مادری بہن سے نکاح کیا تھا اور یہی بھائی آیا ہے جسنے یہ کلام کیا ہے اور اسکی زوجہ ہی میت کی مادری بہن ہے جو سفر میں ہے پس اگر زندہ ہوگی تو سگی بہنوں کو دو تہائی اور ماں کو چھٹا حصہ اور مادری بہن کو چھٹا حصہ ملے گا پس کچھ باقی نہیں رہا جو پدری بھائی

کو بعد عصبہ ملے اور اگر ثابت ہوا کہ مادری بہن نے اس میت سے پہلے انتقال کیا ہے تو باقی چھٹا حصہ اوسکے شوہر کو جو میت کا پدری بھائی ہے ملیگا۔

سوال ایک عورت نے آکر کہا کہ آپ لوگ میراث تقسیم کرنے میں جلدی نکریں کیونکہ میں حاملہ ہوں پس اگر میں لڑکا جنی تو وہ کچھ وارث نہیں ہوگا اور اگر لڑکی پیدا ہوئی تو وہ وارث ہوگی بھلا اس کی صورت کیا ہے۔

جواب یہ میراث ایک عورت کی ہے جو مری اور اپنا شوہر اور ماں اور دو مادری بہنیں چھوڑیں پس میت کے باپ کی زوجہ آئی اور اوس نے کہا کہ میں لڑکا جنی تو وارث نہوگا کیونکہ وہ میت کا پدری بھائی ہوگا حالانکہ اس صورت میں کچھ نہیں بچتا ہے تو عصبہ کو کچھ نہیں ملے گا اور اگر لڑکی جنی تو وہ میت کی پدری بہن ہوگی پس نصف کی وارث ہوگی اور فریضہ عول ہوکر نو ہو جائے گا اس کی توضیح یہ ہے کہ مسئلہ ایسے ہوگا کہ شوہر کے واسطے نصف یعنی ۳ اور ماں کے واسطے چھٹا یعنی ایک اور دونوں مادری بہنوں کے واسطے تہائی کے دو سہام ہیں یہ سب ملکر چھ سہام ہوگئے پس اگر پدری بھائی عصبہ ہوا تو اوس کے لئے کچھ نہیں ہوگا اور اگر پدری بہن پیدا ہوئی تو وہ اصحاب فرائض میں سے ہے جس کا حصہ نصف ہے تو اوس کے واسطے بھی تین سہام ہونگے پس جملہ سہام نو ہو جائینگے اور ۶ کا عول ۹ کی طرف ہوگا۔

سوال ایک حاملہ عورت نے آکر کہا کہ ابھی میراث میں جلدی مت کرو کہ میں حاملہ ہوں اگر لڑکا ہوا تو وارث ہوگا اور اگر لڑکی ہوئی تو وارث نہوگی اس کی کیا صورت ہے۔

جواب میت ایک مرد ہے جس نے سگی دو بہنیں چھوڑی ہیں اور ایک چچا چھوڑا ہے پس میت کے باپ کی زوجہ آئی اور کہا کہ میں اگر لڑکا جنی تو میت کا پدری بھائی ہوگا جو سگی دو بہنوں کی دو تہائی کے بعد باقی کا وارث ہوگا اور اگر لڑکی جنی تو پدری بہن ہوئی پس دو تہائی سگی دو بہنوں کو ملیگا اور باقی چچا کے واسطے ہوگا اور پدری بہن کے لئے کچھ نہیں ہوگا۔

سوال ایک عورت آئی اور کہا کہ میرے بھائی نے چھ سو اشرفیاں چھوڑیں مگر مجھے اس میں سے سوا ایک اشرفی کے کچھ نہیں ملا اس کی کیا صورت ہے۔

جواب بھائی نے وارثوں میں جدہ صحیحہ اور دو بیٹیاں اور بیوی اور بارہ بھائی اور بہن چھوڑی پس جدہ کو سو اشرفیاں اور دو دختروں کو دو تہائی کی چار سو اشرفیاں اور بیوی کے واسطے آٹھویں حصے کی پچہتر اشرفیاں ہوئیں اور صرف ۵ ۱۲ اشرفیاں باقی رہیں جن میں سے ۱۲ بھائیوں کی ۲۴ بحساب فی برادر و اشرفیوں کے اور ایک بہن کے واسطے ہے۔

سوال ایک مرد اور اوسکے باپ نے ترکے میں سے برابر مال پایا تو اس کی کیا صورت ہے۔

جواب یہ صورت ہے کہ حبیب اللہ خان نے اپنے بیٹے رحمت اللہ خاں کا نکاح اپنے بھائی کی بیٹی سے کر دیا اور وہ لاولد مر گئی اور کوئی وارث سوائے حبیب اللہ خان و رحمت اللہ خاں کے موجود نہیں ہے تو رحمت اللہ خاں کو نصف مال شوہر ہونے کے حق کا ملے گا اور باقی حبیب اللہ خان کے واسطے بطور عصبہ ہے۔

سوال ایک مرد اور اوس کی بیٹی دونوں نے میراث میں برابر مال پایا تو اس کی کیا صورت ہے۔

جواب کلثوم بیگم نے اپنے چچا کے بیٹے عبد الماجد سے نکاح کیا جس سے مبارک بیگم پیدا ہوئی پھر کلثوم بیگم مر گئی تو مبارک بیگم کو نصف ملے گا اور عبد الماجد کو چوتھائی کے ساتھ باقی چوتھائی بھی اس وجہ سے ملے گا کہ یہی اوس کا عصبہ ہے۔

سوال وارثوں میں سے ایک شوہر اور زوجہ نے تہائی مال پایا اور دوسرے شوہر اور زوجہ نے دو تہائی مال پایا تو اس کی کیا صورت ہے۔

جواب عبد الباقی مرا اور اوس نے والدین چھوڑے اوس کے پوتے کی بیٹی نکاح میں پوتے کے ہے تو والدین کے واسطے تہائی ہے اور باقی دونوں یا قیون کے لئے ہے۔

سوال ایک مرد اور اوس کی دو بیویون نے تین تہائی مال پایا تو اسکی کیا صورت ہے

جواب محمد حسین کے دو بیٹون میں سے ہر ایک کی بیٹی بھتیجے کے نکاح میں ہے پس جب محمد حسین مرا تو دونون بیٹیون نے دو تہائی مال پایا جو ہر ایک کو ایک تہائی ملا اور باقی اسکے بھتیجے کو بطور عصبہ ملا جو اون دونون کا شوہر ہے۔

سوال ایک شخص فوت ہوا اور اوس نے ایک حقیقی چچا اور ایک اخیافی ماموں چھوڑا پس ماموں وارث ہوا نہ چچا اس کی کیا وجہ ہے۔

جواب ایک شخص ہے کہ اوسنے اپنے علاتی بھائی کی نانی سے نکاح کیا اس عورت سے اسکے بیٹا پیدا ہوا پھر وہ شخص جسنے اپنے بھائی کی نانی سے نکاح کیا تھا مر گیا اور بعد اس کے اوس کا بھائی مرا اس نے حقیقی چچا اور اپنے علاتی بھائی کا بیٹا چھوڑا اور یہ اوس کا ماموں ہے پس اوس کی میراث اپنے علاتی بھائی کے فرزند کے لئے ہوگی نہ اوس کے چچا کے لئے۔

سوال ایک شخص فوت ہوا اوس نے حقیقی چچا کا فرزند اور حقیقی بھائی کا بیٹا چھوڑا مال کا وارث چچا کا بیٹا ہوا نہ بھائی کا بیٹا اس کی کیا وجہ ہے۔

جواب دو بھائی ہیں ان میں سے ایک کے بیٹا ہے ان دونون بھائیون نے ایک کنیز خرید کی اس سے ایک بیٹا پیدا ہوا ان دونون بھائیون نے مجتمعاً لڑکے کی نسب اپنا فرزند ہونے کا دعوے کیا تو وہ ان دونون کا بیٹا ہو گیا پھر یہ دونون بھائی مر گئے پھر ان دونون کی موت کے بعد ایک کا بیٹا مر گیا اوسنے سوا اس لڑکے کے کہ جو اوسکے

باپ اور چچا کے درمیان میں ہے اور کوئی وارث نہیں چھوڑا اور اوسکے حقیقی بھائی کا ایک فرزند ہے تو اوسکی میراث اوس کے علاتی بھائی کے لئے ہوگی اور یہی چچا کا بیٹا ہے اور حقیقی بھائی کا فرزند ساقط ہو جائے گا۔

سوال ایک شخص فوت ہوا اور حقیقی چچا کا فرزند اور علاتی بھائی چھوڑا پس مال کا وارث اوس کے چچا کا بیٹا ہوا نہ علاتی بھائی اس کی کیا وجہ ہے۔

جواب اصل میں یہ دو بھائی ہیں ان میں سے ایک کا بیٹا ہے ان دونوں نے ایک کنیز خرید کی جس سے ایک بیٹا پیدا ہوا ان دونوں نے اکٹھا ہو کر اس لڑکے کا دعوے کیا تو یہ ان دونوں کا بیٹا ہوا پھر یہ کنیز آزاد کی جائے اور فرزند کا باپ اس سے نکاح کرے پس اس شخص سے کنیز کے دوسرا فرزند پیدا ہو پھر دونوں بھائی فوت ہو جائیں اور وہ فرزند کہ جو نکاح کے بعد پیدا ہوا ہے فوت ہوا اور حقیقی بھائی چھوڑے اور وہ اوس کے چچا کا بیٹا اور علاتی بھائی ہے تو اس کی میراث اسکے چچا کے فرزند کے لئے ہوگی کہ یہ اس کا حقیقی بھائی ہے۔

سوال ایک شخص فوت ہوا اور تین بیٹیاں چھوڑیں ان میں سے ایک بیٹی کل مال کے ثلث کی وارث ہوا اور دوسری کل مال کے دو ثلث کی اور تیسری کسی چیز کی وارث نہ ہوا اس کی کیا صورت ہے۔

جواب ایک شخص ہے کہ وہ غلام تھا اور اوس کی تین بیٹیاں ہیں ان میں سے ایک نے باپ کو خرید کیا اور دوسری نے باپ کو قتل کیا جن دو بیٹیوں نے قتل نہیں کیا وہ دو ثلث کی مالک ہوں گی اور باقی مال بطور ولا کے اوس لڑکی کے لئے ہوگا جس نے خرید کیا ہے۔

دوسری فصل قرابات مشتبہ کے بیان میں

شافعی مذہب کی کتب فرائض میں قرابات مشتبہ بھی لکھتے ہیں لقولہ فوائد الصبغیہ سے کچھ باتیں یہاں اقتباس کرتا ہوں۔ اوس میں نووی کی روضہ سے نقل کیا ہے۔

(۱) دو آدمی ایسے ہیں کہ دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کا چچا ہے صورت اسکی یہ ہے دو آدمیوں میں سے ہر ایک نے ایک دوسرے کی ماں سے نکاح کیا ہر ایک کے ایک ایک لڑکا پیدا ہوا تو ہر ایک لڑکا دوسرے لڑکے کا چچا اوس کی ماں کی جانب سے ہے۔

(۲) دو آدمی ایسے ہیں کہ ہر ایک اون میں سے دوسرے کا ماموں ہے صورت اس کی یہ ہے کہ دو آدمیوں میں سے ہر ایک نے دوسرے کی بیٹی سے نکاح کیا اور

ان دونوں کے دو لڑکے پیدا ہوئے تو ہر ایک لڑکا دوسرے لڑکے کا مامون ہے۔
(۳) دو آدمیوں میں سے ہر ایک دوسرے کے بیٹے کا چچا ہے صورت اس کی یہ ہے کہ دو آدمیوں میں سے ہر ایک نے دوسرے کے بیٹے کی ماں سے نکاح کیا پھر ان دونوں کے دو لڑکے پیدا ہوئے پس ہر ایک لڑکا دوسرے کے بیٹے کا چچا ہوا
(۴) دو آدمیوں میں سے ہر ایک دوسرے کی ماں کا مامون ہے صورت اس کی یہ ہے کہ دو آدمیوں میں سے ہر ایک نے دوسرے کی نواسی سے نکاح کیا تو ان دونوں کے دو لڑکے پیدا ہوئے۔
(۵) دو آدمی ایسے ہیں کہ ان میں سے ایک دوسرے کا چچا ہے اور دوسرا اس کا مامون ہے صورت اس کی یہ ہے کہ ایک آدمی نے ایک عورت سے نکاح کیا اور اپنے بیٹے کا نکاح اوس عورت کی ماں سے کیا اور ہر ایک کے ایک لڑکا پیدا ہوا پس باپ کا لڑکا پوتے کا چچا ہے اور پوتا باپ کے بیٹے کا مامون ہے۔
(۶) ایک آدمی دوسرے آدمی کا چچا اور مامون دونوں ہوتا ہے صورت اسکی یہ ہے کہ علاتی بھائیوں نے ہر ایک بھائی کی اخیافی بہن سے نکاح کیا اور ان دونوں سے ایک لڑکا پیدا ہوا پس دوسرا بھائی بچے کا علاتی چچا اور اخیافی مامون ہے۔
(۷) ایک آدمی اپنی ماں اور باپ دونوں کا چچا ہے صورت اس کی یہ ہے کہ کسی شخص کے پردادا نے اوس کی نانا کی ماں سے نکاح کیا اور ان سے ایک لڑکا پیدا ہوا یہ لڑکا اپنے باپ کا علاتی چچا اور ماں کا اخیافی چچا ہے۔
(۸) ایک آدمی اپنے باپ اور ماں دونوں کا مامون ہے صورت اس کی یہ ہے کہ کسی شخص کی نانی کے باپ نے اوس کی دادی کی ماں سے نکاح کیا اسنے بچہ پیدا ہوا یہ مولود اوس آدمی کی ماں کا علاتی مامون اور اوسکے باپ کا اخیافی مامون ہے۔
(۹) دو آدمی ایسے ہیں کہ ہر ایک دوسرے کے چچا کا بیٹا ہے اسی طرح دوسرے کے مامون کا بیٹا ہے صورت اس کی یہ ہے کہ دو آدمیوں میں سے ہر ایک نے دوسرے کی بہن سے نکاح کیا ان سے دو بیٹے پیدا ہوئے۔

تیسری فصل فرائض کی بعض مسائل ملقبہ کے بیان میں

بعض مسائل کا ایک ہی لقب ہوتا ہے اور بعض کے کئی لقب ہوتے ہیں۔
عمریہ بفتح عین مہملہ وتشدید راے مہملہ ممدودہ۔ صورت اس کی یہ ہے کہ ایک عورت نے شوہر دو حقیقی یا علاتی بہنیں اور دو اخیافی بھائی چھوڑے تو اصل اس کی ۶ سے ہوگی کیونکہ نصف اور ثلث اس میں جمع ہیں اس میں سے شوہر کا حصہ نصف ہے اور

دونوں حقیقی یا علاتی ہم شیروں کا دو تہائی ہے اور دونوں اخیافی بھائیوں کا حق تہائی ہے اور یہ تقسیم چھ سے پوری نہیں ہو سکتی اسلئے ۶ کا عول ۹ کی طرف ہوگا اس میں سے شوہر کو نصف حصے کی وجہ سے (۳) اور دونوں حقیقی یا علاتی ہم شیروں کو دو تہائی کے ۴ اور دونوں اخیافی بھائیوں کو تہائی کے دو ملینگے جن کا مجموعہ ۹ ہوتا ہے۔ اس کو غرار اس لئے کہتے ہیں کہ بنی مروانیہ کی خلافت کے زمانے میں یہ مسئلہ پیش آیا تھا اور شوہر بھول پر راضی نہوتا تھا اوس کی مرضی تھی کہ پورا نصف ملے تو علمانے اوس سے اختلاف کیا اس لئے لوگوں میں یہ مسئلہ مشہور ہوگیا اور بوجہ اس کی شہرت کے غرار کہلایا جو غرہ بضم اول و رائے مہملہ مشدد مفتوح سے ماخوذ ہے جس کے معنی پیشانی کی سفیدی کے ہیں بعض نے کہا ہے کہ میت کے شوہر کا نام اغر تھا بعض کہتے ہیں کہ عورت متوفیہ کا نام غرار تھا۔

اس مسئلہ کا دوسرا نام **مروانیہ** بھی ہے کیونکہ مروان بن حکم یا عبد الملک بن مروان کے ایام حکومت میں یہ واقعہ پیش آیا تھا کہ مروانیوں میں سے ایک مرد نے اپنی بی بی کے ترکے میں سے نصف بلا عول کے لینا چاہا اور علمانے تردید کی۔

بعض نے مسئلہ غرار کی صورت یوں لکھی ہے کہ ایک عورت نے اپنے وارث شوہر اور دو حقیقی بہنیں اور دو علاتی بہنیں اور دو اخیافی بہنیں چھوڑی تھیں تو اُس کے ترکے میں سے شوہر کو نصف یعنی تین اور حقیقی بہنوں کو دو ثلث یعنی چار اور اخیافی بہنوں کو ثلث یعنی دو ملے اور سوتیلی بہنیں حقیقی بہنوں سے محجوب ہوگئیں تو یہ مسئلہ ۶ سے ہے اور عول کریگا نو کی طرف اور بعض نے اسکی صورت یوں لکھی ہے کہ ایک عورت نے شوہر اور ماں اور تین مختلف بہنیں چھوڑیں۔

دوسرا مروانیہ ایک مرد نے اپنے بعد چار بیویاں۔ دو حقیقی یا علاتی بہنیں اور دو اخیافی بہنیں چھوڑیں تو مسئلے کی اصل بارہ سے ہے کیونکہ ربع اور دو ثلث اس میں مجتمع ہیں اور مسئلہ عول ۱۳ کی طرف کریگا جس میں سے بیویوں کو چونکہ تہائی یعنی تین ملینگے اور حقیقی یا علاتی بہنوں کو دو تہائی یعنی آٹھ ملینگے اور اخیافی بہنوں کے تہائی یعنی چار ہونگے۔ اس کو مروانیہ اس لئے کہتے ہیں کہ عبد الملک بن مروان سے ایک ایسی عورت کی بابت سوال کیا گیا جو اپنے شوہر سے ایک دینار یا ایک درم کی وارث ہوئی تھی اور ترکہ بیس دینار یا بیس درم تھے تو اوس نے جواب دیا کہ زوجات کے لئے مال کا پانچواں حصہ ہے جس کے بوجہ عول چار دینار یا چار درم ہوتے ہیں جس میں سے ہر ایک عورت کے لئے ایک ایک دینار یا ایک درم ہوگا۔

مباہلہ یہ مسئلہ مسائل عول میں سے ہے علمانے کہا ہے کہ اول مسئلہ عائلہ جو اسلام میں پیش آیا وہ مسئلہ مباہلہ ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ ایک عورت نے شوہر اور ماں

اور ایک بہن غیر مادری چھوڑی ۔ اسکو مباہلہ اس لئے کہتے ہیں کہ ابن عباس نے جب عول سے انکار کیا تو اون کے انکار پر مبالغہ ہوا اونھوں نے زید بن ثابت سے مباہلہ وہ سوار تھے کہا کہ اوتر آؤ تا کہ ہم تم مباہلہ کرلیں۔

غایۃ الوصول اسے علم الفصول میں لکھا ہے کہ ہر فریضۂ عائلہ کا نام مباہلہ ہے لیکن ابن ہائم نے شرح کفایہ میں کہا ہے کہ یہ مشہور کے خلاف ہے بلکہ اہل فرائض کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نام صورت مخصوصہ کا ہے اور اکثر نے کہا ہے کہ پہلا مسئلہ عول کا جو اسلام میں پیش آیا وہ یہی مسئلہ مباہلہ ہے۔

ناقضیہ ناد ضجہ سے نقض سے مشتق ہے صورت اس کی یہ ہے کہ ایک عورت نے اپنا شوہر اور ماں اور دو اخیافی بھائی چھوڑے اصل اس کی چھ سے ہے کیونکہ اس میں نصف اور سدس جمع ہیں تو نصف یعنی تین شوہر کے لئے ہونگے اور ماں کے لئے چھٹا یعنی ایک ہوگا اور اخیافی بھائیوں کے لئے ثلث یعنی دو ہونگے۔

اسکو ناقضیہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس مسئلے میں ابن عباس کے دو اصول میں سے ایک اصل ٹوٹتی ہے کیونکہ اگر تہائی ماں کو دلاتے ہیں تو اس سے سات کی طرف عول لازم آتا ہے اور اگر چھٹا دیتے ہیں تو بھائیوں کی وجہ سے محجوب ہونا لازم آتا ہے اور وہ ان دونوں باتوں کو منع کرتے ہیں۔

لیکن علما یہ بیان کرتے ہیں کہ صحیح اون کے قول کے قیاس پر یہ ہے کہ باقی بھائیوں کے لئے ہے اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ ماں دو بھائیوں کی وجہ سے محجوب ہوگی اب یہ نہ عول ہے نہ نقض ہے اسکو **الزامیہ** بھی کہتے ہیں کیونکہ ابن عباس کو اس سے الزام ہوتا ہے۔

حمزیہ ایک میت نے تین جدات متخاذیات اور ایک جد اور تین متفرق بہنیں چھوڑیں تو حضرت ابوبکرؓ و ابن عباس کہتے ہیں کہ جدات کا سدس ہوگا اور باقی ماندہ مال جد کا ہوگا اصل اس مسئلے کی ۶ سے ہوگی اور تصحیح ۱۸ سے اور حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ حقیقی بہن کے لئے نصف ہوگا اور علاتی بہن کے لئے چھٹا حصہ تاکہ ثلثین کا تکملہ ہوجائے اور جدات کے لئے سدس اور جد کے لئے بھی سدس ہوگا اور یہی قول ابن مسعود کا ہے اور ابن عباس سے روایت شاذہ میں مروی ہے کہ جدہ یعنی نانی کا سدس ہوگا اور باقی جد کا اور زید کہتے ہیں کہ جدات کا سدس ہوگا اور باقی جد اور حقیقی بہن اور سوتیلی بہن کے درمیان میں چار سہام پر تقسیم ہوگا پھر سوتیلی بہن نے جو لیا ہے وہ اوسکو حقیقی بہن پر واپس کرنا ہوگا اصل مسئلے کی ۶ سے ہوگی اور تصحیح ۲۷ سے اور بوجہ اختصار کے ۳۶ کی طرف عود کریگا۔ ان ۳۶ میں سے جدات کے لئے چھ ہونگے اور حقیقی بہن کے ۱۸ اور دس کا اور اوس کی بہن کا حصہ ۵ اسہام ہوگا اور جد کو ۱۵ سہام ملینگے اس کو حمزیہ اس لئے کہتے ہیں کہ حمزہ زیات اس مسئلے سے سوال کئے گئے تو انھوں نے یہی جواب دیا۔

دینار یۃ الکبریٰ ایک مرد نے ایک بیوی اور ماں اور دو بیٹیاں اور بارہ بھائی اور ایک بہن وارث چھوڑے جو تمام حقیقی ہیں اس کی اصل ۲۴ سے ہے کیونکہ ثمن اور سدس اس میں جمع ہیں پس ان میں بیوی کے لئے آٹھواں یعنی تین اور ماں کے لئے سدس یعنی چار اور دونوں دختروں کے لئے دو تہائی یعنی ۱۶ ہیں جو کچھ باقی رہا وہ بہن اور بھائیوں کے لئے ہے اور وہ ایک ہے اس ایک سہام اور بھائی اور بہنوں کے عدد رؤس میں کہ ۱۲ ہوتے ہیں کیونکہ ایک بھائی بمنزلے دو بہنوں کے ہے مباینت ہے پس عدد رؤس کو اصل مسئلے یعنی ۲۴ میں ضرب دیا تو ۲۶ سو حاصل ہوئے اور اس سے مسئلے کی تصحیح ہوتی ہے اصل مسئلے سے بیوی کے لئے تین تھے جب ان کو ۱۲ میں ضرب دیا ۳۶ حاصل ہوئے تو یہ اس کا حصہ ہے اور ماں کے لئے چار تھے جب چار کو ۱۲ میں ضرب تو سو حاصل ہوئے یہ سو ماں کے ہیں اور دونوں بیٹیوں کے لئے ۱۶ تھے ان کو ۱۲ میں ضرب دیا تو چار سو حاصل ہوئے ان میں سے ہر ایک کو دو سو ملے اور بھائیوں اور بہن کے لئے صرف ایک تہائی ایک کو ۱۲ میں ضرب دیا تو ۱۲ ہی حاصل ہوئے ان میں سے ہر ایک بھائی کو دو اور بہن کو ایک پہنچا۔ اس مسئلے کو **شاکیہ** اور **رکابیہ** بھی کہتے ہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ ایکبار شریح کے سامنے ایسا واقعہ پیش آیا تو اونھوں نے مسئلے میں اسی طرح حکم دیا بہن راضی ہوئی اور حضرت علیؓ کے پاس شکایت لیگئی وہ اوس وقت سوار تھے اون کی سواری روک لی اور عرض کیا کہ قاضی شریح نے مجھپر ظلم کیا ہے میرا بھائی مرگیا اور اوس کا ترکہ چھ سو دینار ہوئے اور مجھکو اون میں سے ایک دینار کے سوا کچھ نہ دیا حضرت علیؓ نے فرمایا کہ کیا تیرے بھائی کی ایک جدہ اور دو دختریں اور بیوی اور بارہ بھائی چھوڑے ہیں اوس نے عرض کیا کہ ہاں اسی قدر وارث چھوڑے ہیں آپنے فرمایا کہ بیشک اس وقت میں تیرا حق ایک ہی دینار ہے اور شریح کسی پر ظلم نہیں کرتا ہے جیسا کہ فوائد الصبنیہ میں مذکور ہے۔ اس مسئلے کو دینار یہ کہنے کی یہی وجہ ہے کہ اس میں ترکے میں دینار تھے اور **واوٗ دیہ** بھی کہتے ہیں کیونکہ واوٗ دطائی کے وقت میں بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا تھا جو امام ابوحنیفہ کے شاگرد ہیں۔ یہ مسئلہ معایاۃ سے ہے پس ایک شخص نے کہا کہ ترکہ چھ سو دینار اور سترہ وارث عورت و مرد اور بہن کو صرف ایک دینار ملا۔

مامونیہ صورت اس کی یہ ہے کہ میت نے باپ اور ماں اور دو دختر چھوڑیں ان میں سے ایک بیٹی تقسیم ترکہ سے قبل مرگئی اور دوسرے تین وارث زندہ رہے اسکو مامونیہ اس لئے کہتے ہیں کہ مامون خلیفۂ بغداد نے ارادہ کیا کہ بصرے کا کسی کو قاضی بنائے تو اوس کے پاس اس قضا کے عہدے کے لئے یحییٰ ابن اکثم کو حاضر کیا وہ خلیفہ کو حقیر معلوم ہوئے اون کی لیاقت کا اندازہ کرنے کے لئے مامون نے یحییٰ سے یہ مسئلہ دریافت کیا یحییٰ بولے کہ امیر المومنین پہلے یہ بیان کیجے کہ میت مرد تھی یا عورت پس مامون نے سمجھ لیا کہ

یہ شخص مسئلے کو جانتا ہے اور فرمایا کہ جبکہ تم فرق کو سمجھ گئے تو جواب بھی سمجھ لیا ہوگا۔
اب اس کی تفصیل سمجھئے کہ اگر میت اول مرد ہو تو باپ دوسرے مسئلے میں وارث ہے اور اگر عورت ہو تو وارث نہیں کیونکہ وہ دوسری میت کا نانا ہوا اسلئے کہ اوس کی ماں کا باپ ہے اور نانا بالاجماع ساقط ہے۔

مسئلہ برادر نامبارک صورت اس کی یہ ہے کہ ایک عورت نے اپنی وفات کے بعد شوہر اور ایک حقیقی بہن اور ایک علاتی بہن وارث چھوڑی تو مسئلہ ۲ سے ہوگا شوہر کو نصف یعنی تین ملینگے اور حقیقی بہن کو بھی نصف کہ تین ہوتے ہیں ملینگے اور علاتی بہن کو چھٹا کہ ایک ہوتا ہے ملے گا کہ دو تہائی کا تکملہ ہو جائے پس اس کا عول نو کی طرف ہوگا اگر حقیقی بہن کے ساتھ حقیقی بھائی ہو تو سوتیلی بہن کے لئے کچھ نہیں ہے اس لئے اس کو مسئلہ **اخ مشوم** کہتے ہیں کہ بھائی سوتیلی بہن کے لئے نامبارک واقع ہوا۔

دوسری مثال یہ ہے کہ ایک عورت نے شوہر اور ماں اور باپ اور پوتی چھوڑی یہ اصل مسئلہ ۱۲ سے ہوگا اور عول ۱۵ کی طرف کریگا اس میں سے شوہر کو چوتھائی یعنی تین ملینگے اور ہر ایک کو ماں باپ میں سے چھٹا حصہ ملے گا جو دو ہونگے اور اگر لڑکی کے ساتھ اس کا بھائی یعنی میت کا پوتا ہوتا جو اس کا عصبہ ہے تو پوتی ساقط ہو جاتی اس لئے یہ بھائی اپنی بہن کے حق میں نامبارک ہوگا۔

مسئلہ برادر مبارک میت نے دو حقیقی بہنیں اور ایک سوتیلی بہن چھوڑی تو کل مال حقیقی بہنوں کو ملے گا فرض اور رد کے طور سے اور علاتی ساقط ہوگی اور اگر علاتی کے ساتھ اس کا بھائی ہو تو وہ لڑکی عصبہ ہو جائے گی اور حقیقی بہنوں کو دو ثلث ملینگے اور باقی جو ثلث ہے بھائی اور علاتی بہن میں اس طرح تقسیم ہوگا کہ بھائی کو دو حصے اور بہن کو ایک حصہ ملے گا۔

دوسری مثال میت نے دو بیٹیاں اور ایک پوتی چھوڑی تو کل مال دونوں بیٹیوں کے لئے ہے فرض اور رد کی وجہ سے اور پوتی محروم ہے اور اگر پوتی کے ساتھ پوتا ہو تو عصبہ ہو جائیگی اور دونوں بیٹیوں کے حصوں کے بعد ثلث باقی ان پر اس طرح تقسیم ہوگا کہ پوتے کو دو حصے ملینگے اور پوتی کو ایک حصہ پہنچے گا۔

مسئلہ امتحان ایک مرد نے چار بیویاں اور پانچ جدات اور سات بیٹیاں اور نو علاتی بہنیں چھوڑیں اصل اس مسئلے کی چوبیس سے ہے ان میں سے زوجات کو ثمن یعنی تین سہام ملینگے اور جدات کو سدس یعنی چار اور بیٹیوں کو دو ثلث یعنی سولہ اور بہنوں کو ما بقی یعنی ایک سہم اور یہاں سہام و رؤس میں موافقت نہیں ہے اور نہ درمیان رؤس و رؤس کے موافقت ہے پس بعض رؤس کو بعض میں ضرب دینے کی حاجت ہوئی جب چار کو پانچ میں ضرب دیا تو بیس حاصل ہوئے پھر بیس کو سات میں ضرب دیا تو ایک سو چالیس ہوئے پھر ایک سو چالیس کو نو میں ضرب دیا تو ۱۲۶۰ ہوئے اب ان کو اصل مسئلے میں کہ چوبیس ہیں

ضرب دیا تو ۴۰۳۰ ہوئے ان سے مسئلے کی تصحیح ہو جائے گی۔
اس کو مسئلہ امتحان اسلئے کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے چند قسم کے وارث چھوڑے اور تعداد ہر گروہ کی دس سے کم تھی اور اس کا مسئلہ بجز ایسے عدد کے جو تیس ہزار سے زائد ہو یعنی ۳۰۰۰۱ ہو گا بودی نے روضہ میں ایسا ہی لکھا ہے۔

ام الفروخ بضم فا و تخفیف راے مہملہ اور آخر میں خاے نقطہ دار اس میں چونکہ عول میں بہت سے اختلاف واقع ہوئے ہیں اس لئے اس کو ام الفروخ کہتے ہیں اور اس میں ایسی پرند مادہ کے ساتھ تشبیہ ملحوظ ہے جس کے ساتھ چوزے ہوں جیسا کہ اسنے المطالب اور مغرب میں ہے لیکن غایۃ الوصول میں خاے مخلہ کی جگہ جیم ابجد سے بھی لکھا ہے۔

صورت اس کی یہ ہے کہ ایک عورت نے شوہر اور ماں اور دو حقیقی یا علاتی بہنیں چھوڑیں اور دو اخیافی بھائی بھی چھوڑے اس مسئلے کی اصل چھ سے ہے نصف اور سدس کے اجتماع کی وجہ سے اور عول اس کا دس کی طرف ہوتا ہے اس میں سے شوہر کے لئے نصف یعنی تین ہیں اور بہنوں کے لئے دو ثلث یعنی چار اور ماں کے لئے سدس یعنی ایک اور اخیافی بھائیوں کے لئے ثلث یعنی دو جس کا مجموعہ ۱۰ ہے۔

بعض نے اس کی صورت یوں لکھی ہے شوہر۔ ماں۔ دو حقیقی بہنیں۔ اور دو اخیافی بہنیں جیسا کہ غایۃ الوصول میں ہے۔ اس کو **شریحیہ** بھی کہتے ہیں اس وجہ سے کہ شریح قاضی کے پاس جب یہ واقعہ پہنچا تو انھوں نے دس سے تقسیم کی اور یہ قاضی سب سے پہلے شخص ہیں جنھوں نے دس میں سے شوہر کو تین دلائے تھے شوہر اس فیصلے سے ناراض ہو کو شہر بہ شہر کہتا پھرتا تھا کہ کسی عورت نے شوہر چھوڑا اور اولاد نہ چھوڑی نہ پوتا نہ پوتی چھوڑے تو اس صورت میں شوہر کا کیا حصہ ہے سب یہی کہتے تھے کہ نصف ہے وہ اوقت یہ کہتا کہ شریح نے نہ نصف دلایا نہ تہائی دلایا۔ شریح کو جب یہ حال معلوم ہوا تو دس کو بلا کر سزا دی اور کہا کہ مجھ سے پیشتر امام عادل عمر فاروق رضی ایسا حکم دے چکے ہیں اس مسئلے کو **بلجی** رحیم سے بھی کہتے ہیں جو بلج سے مشتق ہے جسکے معنے ظہور صبح کے ہیں چونکہ یہ بہت واضح ہے اس لئے یہ نام پایا کیونکہ اس نے ثلثین کی طرف عول کیا ہے اور اکثر فرائض کا عول ادھر ہوتا ہے۔

ام الارامل صورت اس کی یہ ہے کہ ایک مرد نے تین زوجات اور دو جدہ اور چار اخیافی بہنیں اور آٹھ حقیقی یا سوتیلی بہنیں چھوڑیں تو اصل اس کی بارہ سے ہے کیونکہ اس میں ربع اور سدس جمع ہیں اور عول اس کا ۱۷ تک ہو گا ان میں سے تینوں بیویوں کو ربع یعنی تین ملینگے اور دونوں جدہ کو سدس یعنی دو اور چاروں اخیافی بہنوں کو ثلث یعنی چار اور حقیقی یا علاتی آٹھوں بہنوں کو دو ثلث یعنی آٹھ پہنچینگے جس کا مجموعہ ۱۷ ہے۔ اس مسئلے کو ام الارامل اس لئے

کہتے ہیں کہ اس میں عورتوں کی کثرت ہے۔
ارامل ہر وزن منازل جمع ہے ارملہ کی جس کے معنے بیوہ عورت اور محتاج عورت کے ہیں بعض نے کہا ہے کہ ارامل اس لئے کہتے ہیں کہ کل وارث اس کی عورتیں ہیں۔ اور **عشریہ** بفتح عین مہملہ و سکون بائے موحدہ و فتح عین مہملہ و فتح تائے فوقانی و فتح عین مہملہ و دم بھی نام ہے کیونکہ ۱۰ کی طرف عول ہوتا ہے اور غایۃ الوصول میں کہا ہے کہ سدسیہ عشریہ اس لئے نام ہے کہ ایک مرد نے ۱۰ عورتیں اور ۱۰ دینار چھوڑے تھے کہ ہر ایک کو ایک دینار پہنچا تھا اور **دیناریہ صغریٰ** بھی کہلاتا ہے اس لئے کہ دیناریہ کبریٰ ایک علیحدہ مسئلہ ہے۔
مثمنہ جس کی صورت یہ ہے کہ شوہر نے ایک زوجہ اور ماں اور دو حقیقی یا علاتی بہنیں اور دو اخیافی بہنیں چھوڑیں اور ایک بیٹا چھوڑا جو غلامی وغیرہ کی وجہ سے وارث نہوا اسکو مثمنہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں آٹھ قول واقع ہوئے ہیں۔
تفصیل اس طرح ہے (۱) جمہور کا قول یہ ہے کہ اس کی اصل بارہ سے ہے اجتماع ربع وسدس کے سبب سے اور ۱۲ کی طرف عول کریگا اس میں سے بیوی کو ربع یعنی تین ملینگے اور ماں کو سدس یعنی دو ملینگے اور دونوں غیر اخیافی بہنوں کو دو ثلث یعنی آٹھ اور دونوں اخیافی بہنوں کو ایک ثلث یعنی چار ملینگے جس کا مجموعہ ستر ہ ہوا۔
(۲) ابن عباس کا پہلا قول اس تقدیر پر کہ وہ عول کو نہیں مانتے ہیں کیونکہ بیوی اور ماں اور اخیافی بہنوں کا حصہ دینے کے بعد فاضل ماندہ مال حقیقی بہنوں کے واسطے رہ جاتا ہے یہ ہے کہ مسئلہ ۱۲ سے ہے اور ۲۴ سے اوس کی تصحیح ہوتی ہے اس میں سے بیوی کو ربع یعنی تین پہنچینگے اور ماں کو سدس یعنی دو اور اخیافی بہنوں کو ثلث یعنی چار جس کا مجموعہ نو ہوئے باقی رہے تین قوۃ غیر اخیافی بہنوں کے عدد رؤس پر مستقیم نہیں اس لئے دو کو بارہ میں جس سے اصل مسئلہ ہے ضرب دینگے تو ۲۴ ہو جائینگے اس میں سے زوجہ کو چھ اور ماں کو چار اور اخیافی بہنوں کو آٹھ اور حقیقی یا علاتی دونوں بہنوں کو چھ پہنچینگے۔
(۳) دوسرا قول ابن عباس کا یہ ہے کہ بیوی اور ماں کے حصوں سے جو فاضل ہے وہ تین حصے ہو کر اخیافی اور غیر اخیافی بہنوں پر اس طرح تقسیم ہو جائے گا کہ ایک تہائی اخیافیوں کو ملے گا اور دو ثلث غیر اخیافیوں کو ملینگے اور اب مسئلے کی تصحیح ۱۲ سے ہوگی اس لئے کہ بیوی کا حصہ تین ہیں اور ماں کا حصہ دو ہیں جن کا مجموعہ پانچ ہوئے باقی سات رہے اور اوسکے لئے تہائی صحیح نہیں ہے اس لئے ہمنے تہائی کے مخرج یعنی تین کو اصل مسئلے یعنی ۱۲ میں ضرب دیا تو ۳۶ حاصل ہوئے اس صورت میں بیوی کے حصے کے تین کو تہائی کے مخرج یعنی تین میں ضرب دیکر سے نو ہو جاوینگے اور ماں کے لئے ۸ ہو جاوینگے اس طرح کہ اس کے حصے کے دو کو تین میں ضرب دیا جائے گا۔ پھر ہم نے ۷ کو جو بہنوں کے لئے باقی ہیں تین میں ضرب دیا تو ۲۱ حاصل

ہوئے ان میں سے حقیقی بہنوں کے لئے دو تہائی یعنی ۱۴ ہیں اور اخیافی بہنوں کے لئے تہائی یعنی سات ہیں اور یہ سات ان دونوں کے رؤس پر مستقیم نہیں اور دونوں میں مباینت ہے تو ہم نے عدد رؤس یعنی دو کو ۳ میں ضرب دیا جو تصحیح اول کا مبلغ ہے تو ۶ حاصل ہوئے اس سے سب پر تقسیم ہوگی اس طرح کہ بیوی کو ۱۸ ملینگے جو حاصل ہے نو کی ضرب کا دو میں اور ماں کو بارہ ملینگے جو حاصل ہے ۶ کی ضرب کا دو میں اور حقیقی یا علاتی بہنوں کو ۲۸ ملینگے جو حاصل ہے چودہ کی ضرب کا دو میں اور اخیافی بہنوں کو ۱۴ ملینگے جو حاصل ہے ۷ کی ضرب کا دو میں ان سب کا مجموعہ ۷۲ ہوئے۔

(۴) معاذ بن جبل کا قول ہے کہ ماں کے لئے تہائی ہے اس لئے کہ ان کے نزدیک بہنیں ماں کی حاجب نہیں ہوتیں بلکہ ماں کے حاجب بھائی ہوتے ہیں تو اصل مسئلہ ۱۲ سے ہوگا اور یہ ان کے نزدیک ۸ تک عول کریگا جس میں سے زوجہ کو چوتھائی یعنی تین ملینگے اور ماں کو تہائی یعنی ۴ اور حقیقی بہنوں کو دو ثلث یعنی آٹھ اور اخیافی بہنوں کو ثلث یعنی چار ملینگے جس کا مجموعہ ۱۸ ہوئے۔

(۵) ابن مسعود کا ایک قول یہ ہے کہ اخیافی بہنیں ساقط ہیں۔

(۶) دوسرا قول ابن مسعود کا اس طرح ہے کہ حقیقی بہنیں ساقط ہیں۔

(۷) تیسرا قول ابن مسعود کا یہ ہے کہ وہ حقیقی اور اخیافی دونوں قسم کی بہنوں کو بالکل گراتے ہیں اور جو کچھ بیوی اور ماں کو دیکر باقی رہے وہ عصبہ کا ہے۔

(۸) چوتھا قول ابن مسعود کا یہ ہے جو ان سے زیادہ مشہور ہے کہ بیوی کا آٹھواں ہی سبب اس کا یہ ہے کہ اولاد میں سے جو کوئی موجود ہو وہ بیوی اور ماں کا حاجب بحجب نقصان ہوتا ہے پس اصل مسئلے کی ۲۴ سے ہے کیونکہ ثمن اور سدس جمع ہیں اور عول ۳۱ کی طرف کریگا اس میں سے بیوی کو آٹھواں یعنی ۳ ملینگے اور ماں کو سدس یعنی ۴ ملینگے اور حقیقی بہنوں کو دو ثلث یعنی ۱۶ ملینگے اور اخیافی بہنوں کو تہائی یعنی آٹھ ملینگے اور مجموعہ ۳۱ ہوا اسی لئے ثلاثینیہ ابن مسعود کہتے ہیں۔

مربعات ابن مسعود اور یہ چار مسئلے ہیں (۱) پہلا مسئلہ یہ ہے کہ ایک میت نے ایک بیٹی اور حقیقی یا علاتی ایک ہم شیرہ اور ایک دادا یہ وارث چھوڑے تو اس صورت میں بیٹی کے لئے نصف ہے اور باقی ماندہ آدھوں آدھ کرکے دادا اور بہن میں تقسیم ہوگا تو اس کی سمت ۴ سے ہوگی یہ قول ابن مسعود کا ہے لیکن زید بن ثابت اور جمہور کہتے ہیں کہ بیٹی کے لئے نصف ہے اور باقی ماندہ بہن اور دادا میں اس طرح تقسیم ہوگا کہ دادا کو دو حصے اور بہن کو ایک حصہ ملے گا کیونکہ دادا کو بہن کے ساتھ بھائی کی طرح قرار دیتے ہیں اور ابو حنیفہ کے شاگرد ابو یوسف کہتے ہیں کہ بیٹی کا نصف ہے اور دادا کا چھٹا اور باقی بہن کا اب مسئلہ ۶ سے صحیح ہوگا۔

(۲) میت نے شوہر اور ماں اور دادا چھوڑے ابن مسعود کہتے ہیں کہ شوہر کا نصف ہے اور باقی ماندہ ماں اور دادا میں نصفا نصف تقسیم ہوگا اور مسئلہ ۴ سے تصحیح پائے گا جمہور کہتے ہیں کہ شوہر کا نصف ہے اور ماں کا تہائی اور باقی ماندہ کہ چھٹا ہے دادا کو فرض کے طور سے ملے گا اور مسئلے کی صحت ۶ سے ہوگی اس میں سے شوہر کو تین اور ماں کو دو اور دادا کو ایک پہنچے گا۔

(۳) میت نے بیوی اور ماں اور حقیقی یا علاتی بھائی اور دادا چھوڑا ابن مسعود کہتے ہیں کہ مال کے چار حصے کرکے ایک ایک حصہ چاروں کو دیا جائے گا اور مسئلہ چار سے صحیح ہوگا اور جمہور کا قول ہے کہ بیوی کا چوتھائی ہے اور ماں کا تہائی اور باقی دادا اور بھائی میں نصفا نصف بٹ جائے گا اور مسئلہ ۴ سے تصحیح پائے گا جس میں سے بیوی کو چھ اور ماں کو آٹھ ملینگے اور باقی دادا اور بھائی کو نصفا نصف بٹے گا تو ہر ایک کو پانچ ملینگے۔

(۴) میت نے بیوی اور دادا اور حقیقی یا علاتی بہن چھوڑی تو ابن مسعود کہتے ہیں کہ بیوی کا چوتھائی ہے اور بہن کا آدھا ہے اور باقی دادا کا ہے یہی قول حضرت عمرؓ کا ہے اور حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں کہ بیوی کا چوتھائی ہے اور باقی دادا اور بہن میں تین حصے ہوکر تقسیم ہوگا کہ دو حصے دادا کو اور ایک بہن کو ملے گا اور ہر شخص کے قول پر مسئلہ ۴ سے تصحیح پائے گا اصول میں اختلاف کیا ہے۔

تشعیبیۂ زید اس کی صورت یہ ہے کہ میت نے ماں اور دادا اور حقیقی بہن اور علاتی دو بھائی اور ایک علاتی بہن چھوڑی۔ اس مسئلے کی اصل ۶ سے ہے اور ۶ کو تین میں کہ ثلثی کا مخرج ہے بسط کے واسطے ضرب دینے کے بعد ۱۸ حاصل ہونگے اس میں سے سدس یعنی تین ماں کے لئے ہونگے اور دادا کے لئے باقی کا ثلث یعنی پانچ اور حقیقی بہن کے لئے نصف یعنی نو اور ایک باقی ماندہ علاتیوں کے لئے اس طرح کہ مرد کو عورت سے دوچند ملے گا اور ظاہر ہے کہ ایک سہام علاتیوں کے عدد رؤس پر مستقیم نہیں کیونکہ وہ پانچ ہیں اس لئے کہ دو بھائی بمنزلے چار بہنوں کے ہیں جبکہ پانچ عدد رؤس اور ایک عدد سہام میں تباین ہے تو پانچ عدد رؤس کو ۱۸ میں ضرب دیا نوے حاصل ہوئے اس سے مسئلے کی تصحیح ہوتی ہے اس طرح کہ ماں کے لئے تین تھے ان کو پانچ میں ضرب دیا تو ۱۵ حاصل ہوئے اور دادا کے لئے پانچ تھے ان کو پانچ میں ضرب تو ۲۵ حاصل ہوئے اور حقیقی بہن کے لئے نو تھے ان کو پانچ میں ضرب دیا تو ۴۵ حاصل ہوئے اور علاتیوں کے لئے ایک تہا ایک کو پانچ میں ضرب دیا تو پانچ ہی حاصل ہوئے تو اب دو دو سہام ایک ایک بھائی کو اور ایک سہام ایک بہن کو ملے گا۔

مختصرۂ زید مسئلہ اس طرح ہے کہ میت نے ماں اور دادا اور ایک حقیقی بہن اور ایک علاتی بہن اور ایک بھائی چھوڑا مسئلہ ۶ سے ہوگا اس میں سے ماں کے لئے چھٹا یعنی ایک ہے اور

باقی ماندہ پانچ سہام دادا اور بھائی بہنوں پر بطور مقاسمے کے تقسیم ہونگے اور چونکہ ان پر پانچ مستقیم نہیں اس لئے کہ ان کے عدد رؤس ۶ ہیں کیونکہ دادا اور بھائی چار بہنوں کی برابر ہیں اور خود دو بہنیں موجود ہیں تو انکے عدد رؤس کو اصل مسئلے یعنی ۶ میں ضرب دینے سے ۳۶ حاصل ہوں گے ان میں سے ماں کے ۶ ہیں اور دادا کے باقی ماندہ ۳۰ میں سے تہائی یعنی دس اور حقیقی بہن کے لئے نصف یعنی اٹھارہ باقی رہے دو اور یہ علاتیون پر مستقیم نہیں کیونکہ ایک علاتی بھائی دو بہنوں کی طرح ہے تو اس صورت میں تین بہنیں قرار پائیں اس لئے ان کے تین عدد رؤس کو ۳۶ میں ضرب دیا ایک سو آٹھ حاصل ہوئے اور سہام میں تقسیم کے بعد توافق بالنصف ہے اس لئے مسئلے کا رُبع نصف کی طرف کیا جائے گا اور یہ ۵۴ ہیں ان چون میں سے ماں کا چھٹا حصہ یعنی نو ہیں اور دادا کا ثلث الباقی یعنی ۳۵ میں کے تہائی اور وہ پندرہ ہیں اور حقیقی بہن کے لئے نصف یعنی ۲۷ اور دو علاتی بہنوں کے لئے اور ایک علاتی بہن کے لئے یعنی مجموعہ ۵۴ ہوگا۔ مسئلہ اس اختصار کی وجہ سے مختصرہ کہلاتا ہے۔

اور کبھی یوں اختصار کرتے ہیں کہ مقاسمہ اور باقی تہائی دادا کے لئے برابر ہیں تو ہمنے ماں کو ۱۸ میں سے مدس یعنی تین دئے اور ثلث الباقی یعنی ۱۵ میں سے پانچ دادا کو دئے اور حقیقی بہن کو نصف یعنی نو دئے ایک باقی رہا یہ علاتیون پر مستقیم نہیں پس ان کے تین عدد رؤس کو ۱۸ میں ضرب دیا ۵۴ حاصل ہوئے۔

خرقا رچونکہ اس مسئلے میں نامور صحابہ میں بہت اختلاف واقع ہوگیا اس لئے اس کا یہ نام ہے صورت اس کی یہ ہے کہ ایک میت نے ماں اور دادا اور حقیقی یا علاتی بہن چھوڑی اس مسئلے کو **مخمسہ** بھی بولتے ہیں اس لئے کہ پانچ صحابہ یعنی حضرت عثمانؓ و علیؓ و زیدؓ بن ثابت و ابن عباسؓ و ابن مسعودؓ سے اس میں مختلف روایات منقول ہیں اور **مخمسۂ شعبی** بھی اس کا نام رکھتے ہیں اس لئے کہ شعبی اس مسئلے کو ان پانچ صحابیون کے غیر سے روایت نہیں کرتے اور بعض کہتے ہیں کہ اس مسئلے میں پانچ صحابیون نے ایک وقت میں مختلف اقوال کہے ہیں اور بعض نے بیان کیا ہے کہ شعبی سے حجاج نے اس کا حال دریافت کیا تو انھون نے کہا کہ اس میں پانچ صحابیون نے اختلاف کیا ہے اور جس وقت ان کے ساتھ حضرت علیؓ کا بھی اضافہ کیا جائے تو **مسدس** ہو جائے اسی نسبت سے اس کا نام **حجاجیہ** بھی آیا ہے بعض نے لکھا ہے کہ اس کا نام مسدسہ اس لئے ہے کہ پانچ قول دراصل جبہ ہیں اس مسئلے کا نام **عثمانیہ** اور **مثلثہ عثمانیہ** بھی ہے کیونکہ حضرت عثمانؓ نے ترکے کے تین حصے کرکے ماں اور دادا اور بہن میں برابر تقسیم کئے تھے اور **شعبیہ** بھی کہتے ہیں

کیونکہ شعبی نے اس کو حضرت عثمانؓ کی طرف منسوب کیا ہے اور **مربعہ** اور **مربعۂ ابن مسعود** اس لئے کہتے ہیں کہ ابن مسعود نے اس کی تقسیم چار رے کی تھی جن میں سے

نصف بہن کے لئے اور ایک ایک دادا اور ماں کے لئے تجویز کئے تھے اس کو مسبعہ بھی کہتے ہیں کیونکہ اس میں سات قول وارد ہیں جنکی تفصیل یہ ہے۔

(۱) زید بن ثابت نے کہا ہے کہ ماں کے لئے تہائی ہے اور باقی ماں کے تین حصے ہو کر دادا اور بہن کے درمیان تقسیم پائے گا اس طرح کہ دادا کو دو حصے اور ہم شیرہ کو تہائی یعنی ایک حصہ ملے گا اور نو سے مسئلہ تصحیح پائے گا۔

ملا سید حسین نے شرح دیوان حضرت علیؓ کے دیباچے میں جس کا نام فواتح سبعہ ہے کہا ہے کہ امام شافعیؒ نے زید کی اتباع کی ہے کیونکہ اون کی نسبت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے افرضکم زید یعنی تم میں زید بن ثابت سب سے زیادہ فرائض جاننے والے ہیں جیسا کہ احمد۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ۔ ابن حبان۔ اور حاکم نے بذریعہ ابی قلابہ کے انس سے روایت کی ہے۔ سفیان ثوری و احمد و ابو عبیدہ و ابو یوسف و محمد و زفر و لودلوی و اہل مدینہ و اہل شام کا اسی پر فتوے ہے۔

اس مسئلے میں شافعیؒ کے زید کی اتباع کرنے کے لئے جو وجہ تراشی گئی ہے اس سے سوائے قائل کی خوش عقیدتی کے اظہار کے اور کوئی وجہ موجہ پیدا نہیں ہے کیونکہ بہت سے مسائل میں شافعیؒ نے زید کا خلاف کیا ہے اور امام ابو حنیفہ نے اون سے موافقت کی ہے۔

(۲) حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا ہے کہ ماں کے لئے تہائی ہے اور باقی دادا کے لئے اور بہن کو محروم چھوڑا۔

ابن عباس و معاذ بن جبل و ابو ہریرہؓ و ابو طفیل و ابو موسےٰ اشعری و ابو درداء و جابر و معاذ و ابی ابن کعب و عمران بن حصین و بی بی عائشہؓ و ابن زبیر نے بھی یہی اختیار کیا ہے تابعین کی ایک جماعت مثلاً ابو حنیفہ و مزنی وغیرہ نے بھی اسی پر عمل کیا ہے کہ ماں کا تہائی ہے اور باقی دادا کا اور بہن ساقط ہے۔

(۳) ابن مسعود کہتے ہیں کہ بہن کا نصف ہے اور ماں کا باقی ماندہ سے تہائی پھر جو کچھ باقی رہے گا دادا کے لئے ہے اور مسئلے کی تصحیح ۶ سے ہوگی۔

(۴) ابن مسعود کا یہ بھی قول ہے کہ ماں کے لئے چھٹا اور بہن کے لئے نصف ہے اور دادا کے لئے باقی یہ قول اپنے ماقبل قول سے لفظاً مخالف ہے اور معناً متحد ہے اسی لئے اکثر نے ابن مسعود کے دونوں قولوں کا مآل ایک قرار دیا ہے پس یہ سات قول کے بجائے چھ قول ہوئے۔

(۵) ابن مسعود کا یہ قول بھی ہے کہ بہن کے لئے نصف ہے اور باقی ماندہ نصف میں سے آدھا ماں کے لئے ہے اور آدھا دادا کے لئے۔ شرح فضول المہمہ فی مواریث الامہ اور غایۃ الوصول میں اسی طرح ہے۔ لیکن ضوء السراج کے مصنف نے بیان کیا ہے کہ یہ قول ابن عباس کا ہے۔

(۶) حضرت علیؓ نے کہا ہے کہ بہن کے لئے نصف ہے اور ماں کا تہائی اور دادا کا چھٹا دوسری عبارت میں بہن کے لئے نصف ہے اور ماں کے لئے اصل مال کا تہائی ہے اور باقی دادا کے لئے۔

(۷) حضرت عثمانؓ کہتے ہیں کہ ماں کے لئے کل مال میں سے تہائی ہے اور باقی ماندہ بہن اور دادا میں آدھا آدھا بٹ جانا چاہیئے۔

بعضے اس مسئلے کو **مثمنہ** کہتے ہیں اس لئے کہ سات قول تو پہلے گذرے آٹھواں قول حضرت عثمانؓ کا یہ بھی ہے کہ ماں کے لئے تہائی اور بہن کے لئے تہائی اور دادا کے لئے تہائی ہے یعنی تین حصے ہو کر ہر ایک کے لئے ایک ایک حصہ ہے یہ قول ساتویں قول سابق کے مخالف ہے کیونکہ یہ قول اس بات کو چاہتا ہے کہ ماں اور دادا بطور فرض کے وارث ہوں اور وہ ساتواں قول یہ چاہتا ہے کہ عصوبت کے طور پر وارث ہوں شرح حاوی صغیر میں قونوی نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ بہن کا نصف ہے اور باقی میں سے ماں کا تہائی اور دادا کے دو تہائی اور ضوء السراج میں یہ ایک روایت ابن عباس سے بھی بیان کی ہے۔

بعض کتب میں لکھا ہے کہ میت نے ماں اور بہن اور دادا چھوڑے تو دادا اگرچہ بہن کو عصبہ بنانے اور اس کے ساتھ مقاسمہ کرنے میں مثل بھائی کے ہے مگر یہاں ماں کے حجاب میں ثلث سے سدس کی طرف بھائی کی طرح ہے مگر وہ بہن کے ساتھ کسی کا حاجب نہیں ہوتا بجز ماں کے ثلث کامل سے سدس کی طرف پھیر باقی ماندہ یہاں دادا اور بہن کے درمیان مقاسمے کے طور سے بٹے گا کہ دادا کو دو اور بہن کو ایک بٹے گا۔

مسئلۃ التشبیب یہ مسئلہ ثلثات کے بیان میں گذرا

مسئلۂ غرّاوین اس کا حال ماں کی وراثت کے بیان میں مذکور ہو چکا ہے۔

مسئلۂ عمریتین ایضاً

مسئلۂ منبریہ اس کا حال عول میں دیکھو۔

مسئلۂ مشترکہ بفتح رائے مشدد اسم مفعول کا صیغہ ہے تشریک سے بعض نے رائے مشدد کو کسرہ دیا ہے اور اس صورت میں تشریک کا اسم فاعل ہوگا۔ بعض **مشترکہ** شین کے بعد تاے کہتے ہیں مشہور اول ہے۔ قاموس میں لکھا ہے کہ مشترکہ مفعلہ کے وزن پر ہے اور اسکو مشترکہ رائے مہملہ کے فتح اور کسرے سے بھی بولتے ہیں اور **تشریکیہ** بھی کہتے ہیں۔ صورت اسکی یہ ہے کہ میت کے وارثوں میں سے شوہر اور ماں اور ماں کی اولاد سے دو ہوں اور چند بھائی اور بہن عینی ہوں تو شوہر کا نصف ہوگا اور ماں کا چھٹا اور ماں کی اولاد یعنی اخیافیون کا تہائی اور باقی تمام وارث ساقط ہونگے اور یہی حکم ہے اگر ماں نہو بلکہ جدہ ہو یہ قول حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و ابن عباس کا ہے اور اصحاب حنیفہ کا یہی مذہب ہے اور ابن مسعود اور زید بن ثابت

کہتے ہیں کہ عینیون میں سے جو عصبہ ہیں وہ اخیافیون کے حصہ ثلث میں شریک ہونگے اور یہ حضرت عمرؓ کا آخری قول ہے اس لئے کہ اونہون نے اول میں حنفی مذہب کے موافق حکم دیا تھا پھر سال آئندہ میں یہ مسئلہ واقع ہوا تو اونہون نے ارادہ کیا کہ اپنے پہلے حکم کے موافق حکم دین تو عینی بھائیون میں سے ایک نے کہا کہ یا امیر المومنین توقف کرو ہمارا باپ حمار تھا کیا ہم ایک ماں سے نہیں ہیں یہ بات سنکر حضرت عمرؓ نے اوس میں شریک کر دیا چونکہ حضرت عمرؓ نے اون کو آپس میں شریک کر دیا تھا اس لئے مسئلے کو مشرکہ کہنے لگے اور **حمار یہ** بھی بولتے ہیں اس لئے کہ اوس نے کہا تھا کہ توقف کرو ہمارا باپ حمار تھا اور **حمیر یہ** بھی نظر سے گذرا ہے اور **یمیمہ** بھی نام ہے اس لئے کہ حقیقی نے کہا تھا کہ ہمارا باپ یمیم تھا یعنی ڈالا ہوا یعنی ایسا پتھر جس کو سمندر میں ڈالا گیا ہو اور **منبر یہ** بھی کہلاتا ہے اس لئے کہ حضرت عمرؓ اوس وقت منبر پر تھے۔ اور اگر عینی بھائی نہ ہوتے بلکہ علاتی ہوتے تو بالاتفاق ساقط ہو جاتے۔

اکدر یہ اس کی تفصیل مقاسمۃ الجد میں دیکھو اس کو **مربعۃ الجماعۃ** اور **غراء** اور **غالیہ** اور بقول بعض **مشترکہ** بھی کہتے ہیں۔

تصیفتان صورت اس کی یہ ہے کہ میت نے شوہر اور حقیقی بہن یا شوہر اور علاتی بہن چھوڑی تو ان میں سے ہر ایک کو نصف ترکہ بطور فرض کے ملے گا۔ اس کو **بتیتان** بھی کہتے ہیں اسی وجہ سے کہ جس طرح ور یتیم کی نظیر نہیں ہوتی اسی طرح اس مسئلے کا فرائض میں مثل نہیں۔

واللہ تعالےٰ اعلم و علمہ اتم و احکم

اسے یہنا انتہے الکتاب بقلم مولفہ الراجی مغفرتہ و رضوانہ **محمد نجم الغنی** بن عبد الغنی الرامپوری غفر اللہ لہما حامداً و مسلماً علےٰ رسولہ و آلہ

مناجات

یَا مُفَصِّلُ یَا مُنْعِمُ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ عَافِنِیْ مِنْ جَمِیْعِ الْاِسْقَامِ وَاَنْجِنِیْ کُلَّ مَقْصِدٍ وَمَرَامٍ فَعَلَیْکَ التُّکْلُ وَبِکَ الْاِعْتِصَامُ وَثَبِّتْنِیْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ عَلَی الْاِیْمَانِ وَالْاِسْلَامِ عَلٰی دِیْنِ حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْاَنَامِ وَاجْعَلْنِیْ مِنْ رُّفَقَائِہٖ فِیْ دَارِ السَّلَامِ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الْغُرِّ الْکِرَامِ وَصَحْبِہِ الْاَعْلَامِ اَفْضَلُ الصَّلٰوۃِ وَالسَّلَامُ

تمت

سوانح عمری مولف کتاب ہذا

۱۰ ربیع الاول ۱۲۷۶ھ ہجری مطابق ۸ اکتوبر ۱۸۶۹ء کو نجم الغنی خان کی ولادت شہر رام پور ملک روہیلکھنڈ میں ظہور میں آئی۔

ان کے اسلاف میں سے مولوی محمد سعید خان جن کا نسب مشہور فاتح چنگیز خان سے ملتا ہے شوق طلب علم میں اپنے وطن تیراہ سے دہلی میں آئے اور شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی سے فنون تفسیر و حدیث وغیرہ کی تکمیل کی اور ان کی رفاقت میں حج کو گئے شاہ صاحب کی وفات کے بعد بریلی آئے یہاں نواب حافظ رحمت خان برسر حکومت تھے انھوں نے حاجی محمد سعید خان کو اپنے ولیعہد عنایت خان کی اتالیقی پر مقرر کر دیا حاجی صاحب کے انتقال اور حافظ رحمت خان کی بربادی ریاست کے بعد ان کے پانچوں بیٹوں کو نواب فیض اللہ خان بہادر نے بریلی سے رام پور میں بلالیا اور بقدر گذارہ کفاف مقرر کر دیا۔

انھوں نے اور انکی اولاد میں سے اکثر نے علوم معقول و منقول میں تبحر حاصل کیا حاجی صاحب کے فرزندوں میں سے ایک مولوی عبد الرحمن خان تھے اور ان کے بیٹے مولوی عبد العلی خان اور ان کے بیٹے مولوی عبد الغنی خان ہوئے۔

نجم الغنی خان انھیں کے فرزند ہیں۔ مولوی عبد الغنی خان کا تبحر علمی ہی بڑھا ہوا تھا ۱۸۶۳ء میں یہ ریاست اودیپور میواڑ میں چلے گئے اور وہاں ۳۴-۳۵ سال تک مختلف معزز عہدوں پر ممتاز رہے آخر میں ریاست اودیپور نے ان کی پنشن مقرر کر کے وطن کو رخصت کیا جہاں ۲ اپریل ۱۸۹۹ء کو انتقال کیا۔

نجم الغنی خان کی والدہ محمدی بیگم رضی خان عرف روزی خان اکوئی مشہور روہیلہ سردار کی پوتی ہیں۔ روزی خان کے بھائی کاظم خان عرف کاجو خان نواب قائم خان والی فرخ آباد اور روہیلوں کی جنگ میں روہیلوں کی طرف سے مارے گئے۔

یہ کاجو خان نواب علی محمد خان بہادر بانی ریاست روہیلہ کی سرکار میں رسالہ دار تھے اور اوس زمانے میں رسالہ داری کا عہدہ آج کل کے کرنیل کے عہدے سے کسی قدر بڑھا ہوا تھا۔

اور روزی خان جن کا گھیر پڑا نے شتر خانے کے پاس رام پور میں مشہور ہے نواب فیض اللہ خان بہادر کے یہاں فوج میں ایک سردار تھے اور پانی پت کی لڑائی میں جو احمد شاہ ابدالی اور مرہٹوں میں ہوئی تھی اپنے رسالے کے نواب موصوف کے ساتھ تھے اور دوجوڑہ کی لڑائی میں نواب غلام محمد خان کے بھی ساتھ تھے۔

نجم الغنی خان کے ماموں حکیم محمد اعظم خان اکسیر اعظم وغیرہ کے مصنف ہندوستان کے نامور ترین اطبا میں سے ہیں۔

نجم الغنی خان اوائل عمر مین اپنے والد کے پاس اودیپور کو چلے گئے وہان فارسی اور عربی کی ابتدائی کتب کا مطالعہ کیا۔

۱۳۰۱ھ ہجری میں واپس رام پور آئے اور یہان رہکر متعدد علوم عربیہ کی تحصیل کی اور فلسفۂ قدیمہ کی بعض کتابین مولوی عبدالحق صاحب مرحوم خیر آبادی کے پاس سکھین اور اون کے رامپور سے چلے جانے کے بعد علمائے مدرسۂ عالیہ کے فیض سے سیراب ہوئے اور علم ادب عربی مولوی محمد طیب صاحب مکی سے حاصل کیا اور ۱۸۸۹ع کے امتحان سالانہ مین کونسل آف ایجوکیشن کے عہد مین درس نظامی کے درجۂ اول مین پہلے نمبر پر کامیابی حاصل کی اور طب یونانی کی کتابین اطبائے لکھنؤ اور اپنے ماموں حکیم محمد اعظم خان صاحب سے پڑھکر برسوں مطب کیا اونہون نے تحصیل علم مین بہت کوشش کی اور کشاکش روزگار سے ذرا ہراسان نہوے۔ ٹھٹھرتے چراغ کے سامنے رات رات بھر مطالعے مین مصروف رہتے اور کھانے اور کپڑے مین انتہائی کفایت رسی کرکے کتابین خریدتے تھے۔

یہی سبب ہے کہ مختلف علوم سے مطالب اخذ کرکے محاورے کی زبان مین اون کو بیان کرلینے مین اونہون نے ید طولے حاصل کرلیا اور کتب خانۂ ریاست رام پور وغیرہ کی امداد سے وہ وہ جامع کتابین آسان طریق پر لکھین کہ جن کا نظیر جامعیت اور آسانی کی حیثیت سے اس وقت کتب خانون مین نہین ملتا کتب قدیمہ اور اون کی کتب میں صرف زبان عربی واُردو کا فرق ہے۔

یکم نومبر ۱۹۰۱ع سے اوائل جولائی ۱۹۲۲ع تک وہ اودیپور ملک میواڑ کے ہائی اسکول کے ہیڈ مولوی رہے۔

اون کا عقد نکاح ۱۹ مارچ ۱۸۹۲ع کو اصغر شاہ خان زمیندار علاقہ انگریزی وخوش باش قصبۂ رُنج پور تحصیل بلاسپور علاقۂ رام پور کی صبیہ کلان کے ساتھ ہوا۔

۲۵ اکتوبر ۱۸۹۳ع کو اون کے ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا تاریخی نام اختر علی عرف شمس الغنی ہے اور دو لڑکیان بھی پیدا ہوئین اور اون کی اہلیہ نے ۱۹۰۴ع کو انتقال کیا اور ایک لڑکی اودیپوری زوجہ سے بھی ہے۔

شمس الغنی خان نے ۱۹۱۰ع مین اودیپور سے میٹریکولیشن کا امتحان پاس کیا اور ۱۹۱۲ع مین ملکر کالج اندور سے ایف اے کے امتحان مین شرکت کرکے پاس کیا اور ریاست رام پور کی ماسٹری کی ملازمت کے زمانے مین بی اے کا امتحان پاس کیا پھر سنبھل کی ہائی اسکول کے اسسٹنٹ ماسٹر ہوئے وہان سے ترک روزگار کرکے اودیپور کے کالج کے فارسی کے پروفیسر مقرر ہوئے وہان سے بارہ بنکی ضلع اودھ مین سب ڈپٹی انسپکٹر مدارس کے عہدے پر بلالیے گئے اور ضلع کھیری کے عہدہ سب ڈپٹی انسپکٹری مدارس کی حالت مین ۱۹۲۲ع مین الہ آباد ٹریننگ کالج سے امتحان ایل ٹی پاس کیا اور اول ڈویژن مین سب

اول نمبر پر کامیاب ہوئے اسکے بعد اورنٹی ہائی اسکول کے اسسٹنٹ ماسٹر مقرر ہوئے پھر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے ٹرینینگ کالج کے پروفیسر ہو کر وہان چلے گئے۔ بعد اسکے اجمیر نارمل اسکول کے ہیڈ ماسٹر مقرر ہو کر وہان طلب کر لیے گئے۔ اب وہان کے سی ٹی اسکول اور نارمل اور مڈل کی پرنسپل ہین اور بمصداق الولد سر لابیہ کے علمی خدمات میں منہمک رہتی ہین اور زبان انگریزی کی مختلف علوم کی بڑے مشتاق ہین اور دو تصنیفین بھی اُن کی انگریزی زبان مین مشہور و مقبول ہو چکی ہین ایک فرانسیسی مشہور مصنف روسو کی تعلیمات پر تبصرہ ہے دوسرا رسالہ ہندوستان کی تاریخ پر جغرافیے کے اثر کے بیان مین ہے ؛



فہرست مؤلفات نجم الغنی خان

علم ملل ونحل

مذاہب الاسلام یہ کتاب کئی بار مطبع پیسہ اخبار لاہور مین اور ایک بار مطبع احمدی رام پور مین تاریخ مذاہب الاسلام کے نام سے چھپی ہے اور آخری مرتبہ مطبع نولکشور لکھنؤ مین ۷۶۰ صفحات پر چھپی ہے۔

نوٹ علم ملل ونحل کی تعریف کشف الظنون کی دوسری جلد کے صفحہ ۱۹۲۹ مطبوعہ مصر مین دیکھ لینی چاہئے۔

علم تاریخ

عقود الجواہر فی احوال البواہر اور سمک الجواہر فی احوال البواہر
یہ دونون رسالے اسماعیلیہ خصوصاً داؤدیہ بوہرون کے حالات مین ہین اور مطبع نیر اعظم مراد آباد مین چھپے ہین۔

اخبار الصنادید یہ روہیلون کی تاریخ ہے ایک بار مطبع پیسہ اخبار لاہور مین چھپی تھی دوبارہ مطبع منشی نولکشور مین دو جلدون مین ۱۲۸۴ صفحات پر چھپی ہے۔

تاریخ اودھ

ایک بار چار جلدون مین مطبع نیر اعظم مراد آباد مین چھپی تھی دوبارہ مطبع منشی نولکشور مین پانچ جلدون مین ۱۶۲۶ صفحات پر چھپی ہے۔

کارنامہ راجپوتان

یہ راجستان کی تاریخ ہے مطبع روزانہ اخبار بریلی مین ۵۹۲ صفحات پر چھپی ہے۔

وقائع راجستان

یہ بھی راجپوتانے کی تاریخ ہے اور مطبع روزنامہ ہمدم لکھنؤ مین ۶۳۳ صفحات پر چھپی ہے

تاریخ راجپوتانہ

یہ مطبع پیسہ اخبار لاہور مین چھپ رہی ہے۔ قریب الاختتام ہے۔

علم صرف ونحو

نہج الادب

یہ فارسی زبان کے قواعد مین ہے اس مین اصول السنہ سے بھی بحث کی ہے اور تمام کتب لغات کی تنقید کی ہے یہ کتاب مطبع منشی نولکشور لکھنؤ نے ۸۲۲ صفحات پر چھاپی ہے۔

رسالہ نجم الغنی

یہ نہج الادب کا زبان فارسی مین انتخاب ہے مطبع احمدی رام پور نے ۷۰ صفحات پر چھاپا ہے۔

منتہی القواعد عرف قواعد حامدی

یہ زبان اُردو مین نہایت مبسوط انتخاب نہج الادب کا ہے مطبع نیر اعظم مراد آباد نے ۴۸ صفحات پر چھاپا ہے۔

شرح نکتہ رسالہ عبدالواسع ہانسوی

یہ رسالہ منتہی القواعد کے ساتھ چھپا ہے فارسی زبان مین ہے۔

علم عروض وقافیہ ومعانی وبیان وبدیع

بحر الفصاحت

یہ کتاب علوم مذکورہ اور دیگر ضروریات علم ادب وانشا پردازی کی مکمل کتاب ہے ایکبار مطبع سرور قیصری رام پور مین چھپی دوبارہ مطبع منشی نولکشور لکھنؤ مین تیسری بار پھر اضافہ ہوکر مطبع مذکور مین ۱۲۳۲ صفحات پر چھپی اور پنجاب یونیورسٹی کے اُردو فاضل کے کورس مین داخل ہے۔

مفتاح البلاغت

یہ بحر الفصاحت کا انتخاب ہے اور مطبع پیسہ اخبار لاہور نے چھاپا ہے۔

علم طب

خواص الادویہ

یہ ادویہ مفردہ کے بیان مین ہے ۳ جلدون مین مپیسہ اخبار لاہور نے چھاپا ہے ۹/۴ قیمت ہے۔

خزانۃ الادویہ

یہ ادویہ مفردہ کے بیان مین چار جلدون مین ہے اور مطبع منشی نولکشور لکھنؤ نے ۲۰۷۳ صفحات پر چھاپا ہے ۹/۴ اس کی قیمت ہے۔

خزائن الادویہ

یہ آٹھ جلدون مین ہے اور پیسہ اخبار لاہور نے چھاپا ہے چالیس روپیہ قیمت ہے اس مین بھی ادویہ مفردہ کا بیان ہے۔

قرابادین نجم الغنی

اس کو اول بار مطبع منشی نولکشور نے ۸۰۶ صفحات پر چھاپا اور اب دوبارہ چھاپ رہا ہے یہ مرکب ادویہ کے بیان مین ہے۔

علم فقہ

القول الفصیل فی شرح الطہر المتخلل شرح وقایہ کے مسئلہ طہر متخلل کی شرح ہے عربی زبان مین ہے تاریخ مذاہب الاسلام کے آخر مین یہ رسالہ مطبع احمدی رامپور مین سنہ ۱۹۰۱ء مین چھپا ہے۔

علم اصول فقہ

مختصر الاصول یہ کتاب علم اصول فقہ مین ہے اور مطبع نیر اعظم مراد آباد مین ۳۸۸ صفحات پر چھپی ہے۔

مزیل الغواشی یہ اصول شاشی کی شرح ہے ۴۷۶ صفحات پر مطبع منشی نولکشور لکھنؤ مین چھپی ہے

علم کلام

تہذیب العقائد یہ عقائد نسفی کی شرح ہے کئی بار مطبع نامی لکھنؤ مین چھپی ہے۔

تعلیم الایمان یہ امام ابو حنیفہ کی فقہ اکبر کی شرح ہے مطبع منشی نولکشور مین ۵۸۱ صفحات پر چھپی ہے

علم تصوف

تذکرۃ السلوک اس کے آخر مین مصطلحات صوفیہ کی فہرست باعتبار حروف تہجی کے لکھی ہی مطبع نیر اعظم مراد آباد سنہ ۷۶ ۱۳ صفحات پر چھاپا ہے۔

علم فرائض

شرح سراجی اسکے آخر مین ۳۰ فصلون مین ایک ضمیمہ بھی ہی یہ ریاست رامپور کے سرکاری مطبع مین چھپی ہے[1]

علم منطق

معیار الافکار یہ رسالہ زبان فارسی مین ہی سید تنقید مولانا فضل حق صاحب پرنسپل مدرسہ عالیہ رامپور اور مولوی ظہور الحسین صاحب مرحوم کی حادث سے ہوی ہی مطبع احمدی رام پور مین چھپا ہے۔

علم اوراد

شرح چہل کاف یہ رسالہ مطبع نیر اعظم مراد آباد مین چھپا ہے۔

علم فال

مفتاح المطالب یہ رسالہ قرآن کی آیات سے فال نکالنے کے بیان مین ہے اور شیخ محی الدین عربی کے رسالہ عربی کا ترجمہ ہے۔ مطبع سرور قیصری رام پور مین چھپا ہے۔

علم لغت

تسہیل اللغات یہ کتاب زبان اردو مین لغات و مصطلحات کتب درسیہ کے بیان مین ہے اور دیباچے مین علم اصول لغت سے بحث کی گئی ہے ابھی صرف دو جلد مین لکھی گئی ہین جلد اول ۶۳۴ صفحات پر تا ئے فوقانی تک ہے اور دوسری جلد ابتدائے سین مہملہ تک ۵۳۴ صفحات پر پہنچی ہے ؛

[1] دیکھو کشف الظنون کی دوسری جلد مین صفحہ ۶۱

سنہ ۱۳۴۶ھ مطابق سنہ ۱۹۲۸ء

شرح سراجی اردو کا غلط نامہ

صفحہ	سطر	لفظ غلط	لفظ صحیح	صفحہ	سطر	لفظ غلط	لفظ صحیح
۶	۱۵	درمیان	درمیان مین	۶	۳۰	برابر ہن	برابر ہے
۷	۲۱	ربّ	ربِّ	۷	۲۳	عالم ہتے	عالم ہین
۷	۲۶	اللہ	للہ	۸	۱	بسم اللہ	ببسم اللہ
۸	۱۳	تعریف ہو کہ	تعریف کہ	۸	۱۳	ہو جایکا	ہو جائیگا
۸	۲۵	نے شعب الایمان	نے شعب الایمان	۹	۱۵	ثابت متحقق	ثابت و متحقق
۱۱	۲۰	اول	اول ما	۱۲	۱۶	جیسے	اختیاری جیسے
۱۲	۲۹	اجتماع	اجماع	۱۳	۱۰	فرائض کی	فرائض کا
۱۴	۶	اول اول	اول اول ادا	۱۶	۱	معلوم ہوا ہو	معلوم ہوا تو
۱۶	۱۰	ایسا ہے اُسے	ایسا ہے کہ اُسے	۱۹	۲۴	تو باری	تو جاری
۲۰	۱۴	حصہ ۲۴	حصہ ۱۵	۲۰	۱۶	حصہ ۳	حصہ ۹
۲۱	۲۱	مان	مان	۲۱	۲۷	مصہ	مصہ ۳
۲۲	۱۹	بہن	بہن ۲	۲۳	۱	۲۳	۳۲
۲۳	۲۴	فصہ ۸	فصہ ۱۲	۲۴	۲۵	مسہ	مسئلہ
۲۵	۱۲	دلوی	وادی	۲۶	۲۲	باصحابُ	باصحابِ
۲۸	۷	توجود ذوی	توجو ذوی	۲۸	۲۸	علی اور	علی اور
۳۲	۱۶	لم یثبت	لم یثبتْ	۳۲	۱۸	میراث پاسے	میراث پائیگا
۳۲	۲۵	تو اسکو فرض	تو اُسکے فرض	۳۳	۳	ایسا ار	ایسا اقرار
۳۴	۱۶	کے ہوتا بہ	کے ہوتا تو	۳۵	۲	ارث	ارْث
۳۵	۱۶	ارث کے معنی	ارث سے مانع	۳۵	۱۸	ملوکیت	مملوکیت
۳۶	۹	پابندی	باندی	۳۶	۱۸	بحکم	کو بحکم
۳۶	۲۸	قاتل	قتل	۳۷	۱۴	اُرث	وارث
۴۰	۲۶	دو بیٹے	دو باپ بیٹے	۱۰۱	۲۰	الفرائض	الفروض
۴۴	۲	رجلاً	رجل رجل	۴۵	۱۲	خواہ میت	خواہ خود میت
۴۵	۲۳	الفروض	الفرض	۴۵	۳۰	فروض	فرض
۵۰	۹	اُس شخص	اُس شخص کو کہتے ہین	۵۴	۱	میراث نہین	میراث مین نہین
۵۵	۱۲	ادا سفلا	ادا سفل	۵۵	۱۵	فیعصبہن و	فیعصبہن

شرح سراجی اُردو کا غلط نامہ

صفحہ	سطر	لفظ غلط	لفظ صحیح
۵۷	۷	اور ایک ابن	اور ایک بنت ابن
۵۸	۱۴	لڑکی سا تھ	لڑکی کے ساتھ
۶۰	۱۰	کے نصف	لئے نصف
۶۳	۷	عصا	عطا
۶۴	۲۱	موتعہ	موتعہ پر
۷۱	۲۳	علاتی بہن میراث	علاتی بہن کی میراث
۷۶	۸	تفصیل	تفضیل
۷۶	۲۰	فان کان	فان کن
۸۲	۲۹	دو بیٹیو نکی	دو بیٹیوں سے
۹۳	۲۸	اولا بین ہین	اولاد بین ہین
۹۵	۱۲	مذکور	مذکور
۱۰۱	۱۸	علی الفرض	علی الفروض
۱۰۲	۲۳	بنانا ہے	بتایا ہے
۱۱۱	۲۳	بجا	بحالہ
۱۲۲	۱۹	شوہر دو اخیافی بہنین ماں	شوہر دو اخیافی بہنین ۲ ماں ۳
۱۲۵	۱۱	×	مخرج کے تلے خالی خانہ مین ۲۴
۱۲۶	خانہ ۸	جورو ماں بیٹی بھائی	جورو ۳ ماں ۴ بیٹی ۱۶ بھائی
۱۲۳	۱	التماسل	التماثل
۱۳۴	۳۰	سعید ہما	تعد ہما
۱۴۷	۶	۳ حقیقی بہنین	۳ حقیقی بہنین ۱۸ ۶
۱۴۹	۱۸	عول ۱۳ تک ہوا اور تصحیح	عول ۱۳ تک ہوا اور مکروب ۲۶ سے اور تصحیح

صفحہ	سطر	لفظ غلط	لفظ صحیح
۵۷	۱۲	اور	اور وہ
۵۸	۲۹	فریق	فریق ہین
۶۱	۸	پروتی	پروے
۶۴	۱۵	متولد سے	× ولد بہن
۶۹	۳	ول بہن	تفضیل
۷۶	۶	تفصیل	دوسری آیت
۷۶	۱۲	دوسری اس آیت	السدس
۷۹	۲۱	السادس	اور وہ بے واسطہ
۹۳	۲۶	بے واسطہ	یعنی پر دادا یا
۹۵	۶	یعنی	پر پوتا
۹۶	۳	پوتا	بمعنی قرب سے
۱۰۲	۱۴	یعنی قرب سے	اور جدّ ولا ر اً
۱۰۵	۱۲	اور جدّ ولا ر اً	ماں دو اخیافی بہنین
۱۲۱	۱۷	ماں دو حقیقی بہنین چچا	دو حقیقی بہنین
نمبر ۳			
۱۲۵	۶ خانہ	جورو اخیافی بہنین	جورو اخیافی بھائی
۱۲۹	۶	دو بیٹیان	دو بیٹیان
۱۳۴	۳	یا زیادہ	ایکبار یا زیادہ
۱۳۵	۲۰	کہ دو سے نگہنا ہے	کہ دو سے نگہنا ہے
۱۴۹	۶	۹ سگی بہنین	۹ سگی بہنین
۱۵۲	۱۱	۱۵- اخیافی بہنین	۱۵- اخیافی بہنین

شرح سراجی اردو کا غلط نامہ

صفحہ	سطر	لفظ غلط	لفظ صحیح
۱۵۳	۱۶	مضروب تصحیح مین	مضروب تصحیح مین
۱۶۷	۱	تقسیم	تقسیم کیا
۱۷۵	۱۸	والربع	والرابع
۱۸۴	۹	من البنین	من البنین
۱۹۸	۱۸	چارسہم دوبیٹیون کے ہین	چارسہم دوبیٹیون کے ہین
۲۰۴	۴	انی الید	مانی الید
۲۱۶	۳۰	لورسہا	لورثہا
۲۲۰	۶	عمارت	عمامات
۲۲۳	۲۷	مرکی طرف	مرد کی طرف
۲۳۶	۱۱	جسکا مآل یہ ہوگا	جسکا مآل یہ ہوگا کہ مآل
۲۵۵	۲۶	اسی شکل سے	اس شکل سے
۲۶۶	۱۳	من البعضین	من البعضین
۲۹۱	۴	اپنے کسی	اپنے کسی
۲۹۲	۸	فان خرج	فان خرج
۲۹۳	۳	الونثتہ	الونثتہ
۲۹۴	۲۸	الونثة	الونثتہ
۲۹۶	۱۲	للبنات	للبنات
۳۰۱	۱۰	ساتھ سال	ساتھ (۷) سال
۳۱۰	۱۲	باقی رہی	باقی رہتی
۳۱۱	۱۸	یوضعا	یوضعاق
۳۱۳	۲۹	شوہر کا حق	شوہر کا حق
۳۲۷	۲۳	جدات کی لئے س	جدات کے لئے سدس
۳۲۸	۹	ضرب	ضرب دیا
۳۲۶	۱۸	بیٹے کا	بیٹے گا

صفحہ	سطر	لفظ غلط	لفظ صحیح
۱۶۶	۱۱	قدم	قدم
۱۷۱	۲	وخرج من البنین	وخرج من البنین
۱۷۷	۱۵	ہین یہ علیہ	من یہ وعلیہ
۱۹۵	۱۹	ان تصحیح المسئلہ	ان تصحیح المسئلہ
۱۹۹	۱	ایک بیٹا دو بیٹیون کی	ایک بیٹا دو بیٹیون کی
۲۱۲	۶	اور یوسف	اور ابو یوسف
۲۱۷	۳	قوم بہانبا	قوم کا بہانجا
۲۲۳	۲	فرالفض اشرفی	فرالفض اشرفی
۲۲۹	۱۲	ذکورث	ذکورث
۲۲۴	۹	والفقت	والفقت
۲۶۵	۲۰	جہت قرابت	جہت قرابت
۲۸۷	۱۸	حرات کی	سرات کی
۲۹۱	۱۲	پیدہوتے	پیدا ہوتے
۲۹۲	۱۰	کل آیا	نکل آیا
۲۹۲	۲۸	نبطے	نبطے
۲۹۵	۱۰	حل تک وک	حل تک وکرتے
۳۰۰	۱۴	من یوم	من یوم
۳۰۵	۱۹	وارثونکو حکم	وارثونکا مال
۳۱۰	۱۸	لورثتہ	لورثتہ
۳۱۳	۲۸	ورث	وارث
۳۱۴	۱۸	ناجہ	ناحیۃ
۳۲۷	۱۸	بہن کی ترس	بہن کے لئے اس
۳۲۹	۲۲	یعنی ک	یعنی ایک

نوٹ

اِس شرح مین اِس طرح درستی کرلو

(۱) صفحہ ۵ کی سطر ۴ مین ایک چادر ہوتی ہے سر سے قدم تک جسے پوٹ کی چادر کہتے ہین۔

اسکی جگہ یون پڑہو ایک چادر ہوتی ہے سر سے قدم تک بجائے نہ بند کے تیسرے لفافہ کو وہ بھی ایک چادر ہوتی ہے سر سے قدم تک جسے پوٹ کی چادر کہتے ہین۔

(۲) صفحہ ۸ کی سطر ۹ مین نوٹ کیا کے بعد حاشیے کی عبارت پڑہو۔

(۳) صفحہ ۱۶ سطر ۹ کے لفظ قرضہ پر یہ علامت ہے ۵ یعنی اسکا حاشیہ ہے۔

(۴) صفحہ ۱۸ سطر ۱۶ مین من بعد وصیۃ یوصی بھا اور دَین کی لکیر کاٹ دو۔

(۵) صفحہ ۵۳ سطر ۲۵ مین آیت پر لکیر غلط ہے۔

(۶) صفحہ ۵۶ کی سطر ۵ مین لتطیب النسات پر سے لکیر کاٹ دو اسی طرح اس صفحہ پر سطر ۷ مین باب التفویض و باب ترتیب النسات پر سے لکیر کاٹ دو۔

(۷) صفحہ ۶۳ مین سطر ۷ و ۸ مین یہ عبارت ہے آنحضرت نے فرمایا ہے کہ بہنون کو بیٹیون کے ساتھ عصبہ بناؤ اکثر صحابہ نے یہی اختیار کیا ہے چنانچہ زید و عمر و علی و ابن مسعود رضی اللہ عنہم کا بھی یہی مذہب ہے کہ بہنون کو بیٹیون کے ساتھ عصبہ بنایا جائے اور یہی علما کے جم غفیر نے اختیار کیا ہے لیکن ابن عباس نے۔

(۸) صفحہ ۷۴ کی سطر ۳۰ مین یون پڑہو صدقہ فطر بیٹے کی طرف سے دینا غنی باپ پر واجب ہے اور اپنے نابالغ

(۹) صفحہ ۲۷ مین سطر ۷ کی لکیر تا سطر ۸ غلط ہے۔

(۱۰) صفحہ ۱۰۴ مین سطر ۱۸ سے ۱۹ تک یون پڑھو لیس للنساء من الاجر الا کالذی لا ان جرّ اے مجرد معتقھن اَوْ اِلَّا وَلَا اَجَرَّ مُعْتَقِھِنَّ۔

(۱۱) صفحہ ۱۲۱ مین نمبر ۳ کے اس مسئلہ پر مان ۔ دو حقیقی بہنین ۔ دو اخیافی بہنین ۔ یہ حاشیہ کا ہو یہ مسئلہ عائلہ ہے ۶ کا عول ۷ کی طرف ہے۔

(۱۲) صفحہ ۱۵۴ مین سطر ۲۸ کی اس عبارت کے بعد کہ ساتون پر قسمت کیا تو ۲۰ حاصل ہوئے حاشیہ کی عبارت ملا کر پھر متن کی عبارت ملاؤ۔

(۱۳) صفحہ ۱۷۰ کی سطر ۲۵ کی پوری عبارت یون ہے ورنہ اصل مال مین ۶ سہم تھے اسکے تہائی دو سہم ہین اسواسطے کہ اسوقت مین یعنی باقی مال کی قسمت مین مان کا ایک سہم ہوگا اور چچا کے دو سہم اور یہ امر مخالف اجماع کے ہے۔

(۱۴) صفحہ ۱۸۴ کی سطر ۴ مین یون عبارت ہے تہائی برابر ہے اور اگر چار سے زیادہ ہون تو تہائی دادا کے لئے بہتر ہے۔

مجلس انتظامیہ

جامعہ عثمانیہ

۱۔ وائس چانسلر صدر
۲۔ سکریٹری
۳۔ ڈین فیکلٹی آف آرٹس
۴۔ ڈین فیکلٹی آف سائنس
۵۔ ڈین فیکلٹی آف انجینئرنگ
۶۔ ڈین فیکلٹی آف میڈیسن
۷۔ ڈین فیکلٹی آف لا
۸۔ ڈین فیکلٹی آف تھیالوجی
۹۔ ڈین فیکلٹی آف کامرس
۱۰۔ ڈین فیکلٹی آف ایگریکلچر
۱۱۔ ڈین فیکلٹی آف ایجوکیشن
۱۲۔ ڈین فیکلٹی آف اورینٹل لرننگ
۱۳۔ ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز
۱۴۔ ڈین فیکلٹی آف ٹیکنالوجی
۱۵۔ ڈین فیکلٹی آف ویٹرنری سائنس
۱۶۔ ڈین فیکلٹی آف فارمیسی
۱۷۔ ڈین فیکلٹی آف ہوم سائنس
۱۸۔ ڈین فیکلٹی آف فزیکل ایجوکیشن
۱۹۔ ڈین فیکلٹی آف فائن آرٹس
۲۰۔ ڈین فیکلٹی آف ایجوکیشن
۲۱۔ ڈین فیکلٹی آف اورینٹل لرننگ
۲۲۔ ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز
۲۳۔ ڈین فیکلٹی آف ٹیکنالوجی
۲۴۔ ڈین فیکلٹی آف ویٹرنری سائنس
۲۵۔ ڈین فیکلٹی آف فارمیسی
۲۶۔ ڈین فیکلٹی آف ہوم سائنس
۲۷۔ ڈین فیکلٹی آف فزیکل ایجوکیشن
۲۸۔ ڈین فیکلٹی آف فائن آرٹس